وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد
کتاب ترجمہ
مع
سورہ
مطبع افتخار دکن باہتمام محمد ابراہیم طبع شد

فہرست سورتہای تفسیر فتح العزیز سیپارہ عم

فوائد تفسیر فتح العزیز سیپارہ عم

الحمدللہ کہ تفسیر فتح العزیز مصنفہ خاتم المحدثین سلطان المفسرین مقبول بارگاہ ایزد منان حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہ مع تفسیر ازیدی سورۂ فاتحہ واسطے افادہ جمیع اہل اسلام نہایت صحت وصفائی کے ساتھ حسب فرمایش لالہ [illegible] داس و [illegible] تاجر کتب دہلی کے مطبع افتخار دہلی میں منشی محمد ابراہیم کے اہتمام سے چھپی ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳[illegible] ہجری
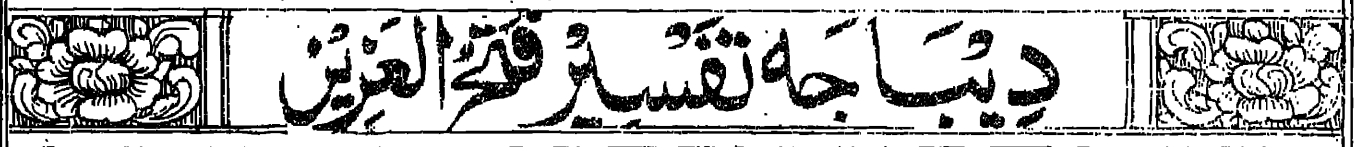
دیباچہ تفسیر فتح العزیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی وفق عبادہ الصالحین لاشاعۃ انواع الخیرات المبرات لسلوک طرق الباقیات الصالحات والصلوٰۃ والسلام علیٰ افضل المخلوقات وعلیٰ آلہ واصحابہ ذوی المقامات والکرامات اما بعد سب بھائیوں دیندار اور مومنین تقویٰ شعار اور مشتاقان کلام ربانی اور متفحصان احکام یزدانی پر روشن اور ہویدا ہو جیو کہ افضل الذکر فرض الٰہی کے ادا کرنے کے بعد تلاوت قرآن مجید اور قرات فرقان حمید ہے کہ پڑھنے والا اسکا بلا واسطے اپنے مالک اور خالق سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اور ہر ہر حرف پر ثواب پاتا ہے چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من قرأ حرفاً من کتاب اللہ تعالیٰ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشرۃ امثالہا لا اقول الٓمّ حرف ولکن اقول الف حرف ولام حرف ومیم حرف یعنی ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہ سنا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے کہ جو شخص پڑھے قرآن سے ایک حرف تو اُسکے واسطے اس پڑھنے کی سبب سے ثواب نیک ہے اور ہر نیکی کے عوض میں دس گنا ثواب ملتا ہے۔ نہیں کہتا ہوں میں کہ الٓم ایک حرف ہے لیکن کہتا ہوں میں کہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے سو بغیر معنے سمجھنا اور مطلب بوجھنے کے اسکی لذت سے بے بہرہ رہتا ہے اور جب تک معنوں کو نہ سمجھیگا تب تک عمل کرنا بھی اُسکے نصیب نہوگا۔ اور قرآن کے نازل ہونے سے مقصود اصلی یہی ہے کہ اُس پر عمل کیجئے اور سعادت دارین اور کرامت کونین حاصل کیجئے۔ چنانچہ رسول اکرم صلعم نے فرمایا ہے من قرأ القرآن وعمل بہ البس والداہ تاجاً یوم القیٰمۃ ضوءہ احسن من ضوء الشمس فی بیوت من بیوت الدنیا لو کانت فیہ فما ظنکم بالذی عمل بہ ابوداؤد نے حضرت سہل بن معاذ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مسلمان قرآن کو پڑھے اور اُس پر عمل کرے تو پہنائے جائینگے ماباپ اُسکے تاج قیامت کے دن جسکی چمک بہتر ہوگی آفتاب کی روشنی سے جو تمہارے کسی گھروں میں ہو دنیا کے گھروں میں سے پھر کیا گمان ہے تمہارا اُسکے ساتھ جس نے عمل کیا اُس پر یعنے جب اُسکے سبب سے اُسکے ماباپ کو یہ رتبہ اور بزرگی حاصل ہوگی تو اُسکے واسطے اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کیا کچھ ہوگا۔ علی الخصوص ہندوستان کے عوام لوگ بالکل اس نعمت سے محروم ہیں اور قرآن شریف کا مطلب سمجھنا اُنپر نہایت دشوار ہے ہر چند بعضے دیندار عالموں نے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ لیکن

بعضوں نے محض لفظی ترجمہ کیا ہے جس سے قرآن شریف کا مطلب عوام لوگ بوجھ نہیں سکتے اور بعضوں نے اسقدر طول کیا ہے کہ اکثر ذہنوں کی پریشانی کا سبب پڑتا ہے۔ مگر تفسیر فتح العزیز تصنیف کی ہوئی حضرت قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین اسوۃ الاولیا خلاصۃ الاصفیا رئیس العلما افضل الفضلا جامع کمالات انسانی مورد مراحم یزدانی ذوالشرف والمجد والتمیز حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی قدس سرہ کی کہ عوام فہم خواص پسند ہے اور بموجب مضمون حدیث شریف خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا کے درجۂ متوسط میں واقع ہے۔ اختصار مخل اور اطناب لاطائل سے بری ہے اور کوئی چیز جو موقوف علیہ مطلب کی ہے اسمیں رہ نہیں گئی گویا جامع التفاسیر ہے اور مرغوب طبع ہر صغیر و کبیر اور اسکی خوش اسلوبی کا خوش بیانی پر تمام علما متفق ہیں لیکن فارسی عبارت کے سبب سے اکثر لوگ اسکے فائدے سے محروم ہیں۔ اور ہر چند کہ سوا تین سیپارے کی تفسیر ہے لیکن اگر کسی کو بخوبی یاد ہو تو تمام قرآن شریف کے واسطے کافی ہے سو ان سب جہوں پر نظر کر کے جامع حسنات مصدر خیرات مجمع فیوضات منبع برکات محسن دوران فیاض زمان جواد جہان عالی قدر قدردان علما و شرفا جناب نا خدا محمد علی ابن محمد حسین صاحب دام اقبالہ نے اس امر شریف کو باقیات صالحات سے سمجھکر ایک روز فرمایا کہ اگر اس کا ترجمہ ہندوستانی زبان میں ہو کر چھپے تو بہت لوگوں کو فائدہ ہو سو جناب ممدوح کے فرمانے کے بموجب اس فقیر سراپا تقصیر قلیل البضاعت قصیر الاستطاعت خادم علما زمان احقر العباد محمد حسن خان مصطفے آبادی عرف رامپوری نے اس امر شریف کو سعادت دارین اور فخر کونین سمجھ کر کمر کوشش کی اسکے سرانجام دینے میں مضبوط باندھی اور حقتعالی کے فضل و کرم سے اور بانی موصوف کی خوش نیتی کے سبب سے تھوڑے ہی دنوں میں اختتام کو پہنچا چنانچہ سنہ ۱۲۹۲ ہجری میں شہر ربیع الاول کے عشرۂ متوسط میں ابتدا ترجمے کی تجویز کی اور اسی مہینے میں جناب ناخدا صاحب ممدوح کے حکم کے بموجب چھپنا بھی شروع ہوا اور بحمد اللہ ستائیسویں تاریخ رمضان المبارک سنہ مذکور کی تحریر اور طبع نے اختتام کا پہنچا

فائدہ معلوم کیا چاہیئے کہ اس ترجمے میں کئی چیزوں کی رعایت کی گئی ہے سو اُسکا دریافت کرنا مطالعہ کرنے والے کے واسطے ضرور ہے۔ اول تو یہ کہ اُسکا ترجمہ لفظا بلفظ نہیں کیا گیا بلکہ ہندی محاورے کے موافق ہے تاکہ مطلب بخوبی فہم میں آوے۔ دوسرے یہ کہ التزام اس امر کا کیا ہے کہ کچھ زیادتی یا کمی اصل مطلب سے نہونے پاوے تاکہ اعتبار کے پایئے سے خارج نہوجاوے لیکن تشریح اور توضیح کے طور پر کسی مجمل مطلب کی تصریح میں ایک دو کلمے بڑھ گئے ہیں تیسرے یہ کہ جہاں کوئی مطلب دقیق و مشکل آگیا جس کا سمجھنا کسی اور علم کی مہارت پر موقوف ہے جیسے کوئی قاعدہ علم ریاضی یا ہندسہ وغیرہ کا تو اُسکا فقط ترجمہ کر دیا ہے اسواسطے کہ اُسکا سمجھنا بغیر اس علم کی مصطلحات کے دریافت کرنے کے ہو نہیں سکتا اور اُسکی تشریح فیما نحن فیہ سے خارج ہے اسواسطے کہ یہاں پر قرآن شریف کی تفسیر عوام فہم منظور ہے نہ حکما کے قواعد کی تحقیق چوتھے یہ کہ یہ ترجمہ کلکتے کی چھپی ہوئی تفسیر عزیزی کی عبارت کے موافق ہے اسواسطے کہ وہاں کے علما نے اُسکو بہت تصحیح سے چھاپا ہے۔ اب صاحبان ذوی العقول و تمیز کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ انصاف کی نظر سے اس ترجمے کو ملاحظہ فرماویں اور اگر کوئی بھول چوک نظر میں آوے تو اپنی والا ہمتی پر نظر فرما کے اصلاح دینے میں دریغ نفرماویں کہ بموجب اس قول کے اَلْاِنْسَانُ مُرَكَّبٌ مِّنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسْيَانِ - کوئی شخص بھول چوک سے خالی نہیں ہے ❊

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ❊

قطعہ تاریخ ترجمہ از فارسی من نتائج فکر رسا و ذہن صفا سید اشرف علی صاحب

تفسیر علم عزیزی ز فارسی کہ بود است	آوردہ اش بہ اردو چون لوی حسن خاں	سعد گوہر معانی آری بروں بتاریخ	این است بہر ناظر تفسیر بحر عرفاں

ایضاً از سید صاحب موصوف

محمد علی ناخدا کے لئے	حسن خاں مترجم ہوئے باتمیز	جو اردو میں ترجمہ یوں کہے	بنی آج تفسیر قرآں عزیز ❊

تمہید تفسیر فتح العزیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس سورت کا نام تساؤل ہے اور اسکو سورۂ نبا بھی کہتے ہیں مکی ہے یعنے قبل ہجرت کے نازل ہوئی ہے۔ اس میں چالیس آئتیں ہیں اور ایکسو تہتر کلمے اور سات سو ستر حرف ہیں۔ اور ربط اس سورت کا سورۂ مرسلات سے اسوجہ سے واقع ہے کہ ان دونوں سورتوں میں جزا اور سزا کے معاملے کو یوم الفصل کے آنے پر وابستہ کیا ہے اور تھوڑا سا احوال یوم الفصل کا بیان فرمایا۔ اور کافروں کا تعجب کرنا قیامت کے آنے میں اسی مقدمے سے دفع کیا کہ قیامت کا آنا بدون یوم الفصل کے نہیں ہو سکتا۔ اور یوم الفصل بدون خراب کرنے اس عالم کے اور منقطع کرنے نوع انسانی کے ممکن نہیں ہے۔ پھر قبل اس دن کے طلب جزا اور سزا کی کرنا ایسا ہے جیسے کوئی گرمی کے دنوں میں جاڑوں کا میوہ طلب کرے یا جاڑوں میں میوہ گرمیوں کا کہ سوائے محنت بیہودہ اور حماقت کے کچھ حاصل نہیں ہے اسی سبب سے مضمون میں بھی ان دونو سورتوں کی بہت مشابہت واقع ہے جیسے اُس سورت میں وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ واقع ہے اور اِس سورت میں وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا۔ اور اُس سورت میں اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا وَجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا اور اِس سورت میں اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا۔ اور اُس سورت میں سوزش دوزخ کی اور بھڑکنا اور شعلے مارنا اسکا مذکور ہے۔ اور اِس سورت میں قحط سرد پانی کا اور پینا بہت گرم پانی کا دوزخ میں مذکور ہے۔ اور اُس سورت میں هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ مذکور ہے۔ اور اِس سورت میں يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ ہے اور اُس سورت میں اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ وَّفَوَاكِهَ مذکور ہے اور اِس سورت میں حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا متقیوں کے واسطے وعدہ دیا گیا ہے۔ اور اُس سورت میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کافروں کو دنیا میں کہا جاوے کہ خدا کے واسطے ایک مرتبہ جھکو اور سجدہ کرو تو کبھی نکریں۔ اور اِس سورت میں ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کو کافر آرزو کرینگے کہ کاش مٹی ہو جاویں اور دوزخ کے عذاب سے خلاصی پاویں۔ اس تکبر اور غرور کو اس گریہ وزاری اور ذلت و خواری سے کیا نسبت رہی اور اِس سورت کا سورۂ تساؤل نام رکھنے کا سبب یہ ہے کہ تساؤل عرب کے لغت میں کسی چیز سے آپس میں بہت سوال کرنے کو کہتے ہیں۔ اور اِس سورت میں بیان کرنا اس بات کا منظور ہے کہ بہت پوچھ پاچھ آخرت کے کاموں کی حقیقت سے اور بحث اور تکرار ذات اور صفات الٰہی میں کرنا اور قضا اور قدر اور جبر اور اختیار اور توحید وجودی

اور شہودی کے مسئلے میں زیادہ مباحثہ کرنا اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے [illegible] تلموں کی جہل میں غور کرنا جنکا عوام فہم اور بوجھ میں آنا محال ہے اور انکی عقل اُن چیزوں کے فہم کی گنجایش نہیں رکھتی ایسی چیزوں کی بحث او تکرار نہایت قبیح اور بد ہے اِسواسطے کہ اکثر بحث کرنا ایسی چیزوں میں نافہمی کے سبب سے اِن چیزوں کی حقیقت کے انکار کا سبب ہوجاتا ہے اور اگر انکار نہ کی تو اکثروں کے دلوں میں شبہ پڑجاتے ہیں تو کچھ شک ہی نہیں ہے اور حال یہ ہے کہ ایمان فقط اِن چیزوں کے یقین لانے پر موقوف ہے انکی وجہوں اور تفصیلوں کے دریافت کرنے اور زیادہ تفتیش کرنے کے واسطے حکم نہیں کیا گیا تاکہ ان چیزوں کی حقیقت حال دریافت دین کی ضروریات سے ہو سو اب یہی کٹھن اور لاعلاج بیماری اِس اُمت میں عقیدوں کے فاسد ہونے کا اور گمراہ فرقوں کی جدائی کا سبب ہوئی ہے اور ایمان ایک عالم کا بالکل برباد گیا ہے سو اللہ تعالیٰ نے اِس سورت میں اسکی بُرائیاں بیان فرمائی تاکہ آدمی اُس سے ڈرتے رہیں اور گمراہی کے بھنور میں ڈوب نہ جاویں اور اس سورت کو سورۂ نبا اِسواسطے کہتے ہیں کہ نبا عرب کی زبان میں خبر کو کہتے ہیں اور خبر قیامت کی اِس مرتبے کی بزرگی اور بڑائی رکھتی ہے کہ گویا سواے اسکے کوئی خبر نہیں ہے جسکو پوچھنے اسی واسطے اِس خبر کو نبا عظیم فرمایا ہے کہ اپنی ذات میں بھی عظمت اور بزرگی رکھتی ہے اور اسکے ہونے میں بھی عظمت اور بزرگی ہے اور بوجھ میں بھی اسکی عظمت ہے اور ظاہر ہے کہ بزرگی خبر کی یا باعتبار اُسکی ذات کے ہوتی ہے کہ اسکو عمدہ شخص بیان کیا ہے یا وہ عظمت اس خبر کے مضمون واقع ہونے کے اعتبار سے ہوتی ہے کہ ایک بڑے حادثے پر دلالت کرتی ہے یا وہ عظمت اُسکے احوال و حقیقت سمجھنے اور بوجھنے کے اعتبار سے ہوتی ہے کہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتی اور نہایت دقت سے سمجھی جاتی ہے اور یہ تینوں صفتیں اِس خبر میں جمع ہوتی ہیں یعنی یہ خبر اُس نے دی ہے جو سب سے بڑا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے کہ سوائے اسکے اس خبر کو کوئی نہیں کہہ سکتا۔ اور یہ بھی ہے کہ ایسے بڑے حادثے کے واقع ہونے پر دلالت کرتی ہے کہ کسی کی سمجھ اور خیال میں نہیں آتا اور سمجھنا بھی اسکا نہایت مشکل ہے کہ آدمی کی عقل بغیر انوار غیبی کی مدد کے اسکو بوجھ نہیں سکتی تو ان سبھوں سے اِس خبر نے نہایت بزرگی پیدا کی ہے پس ایسی چیز میں دعوے کرسکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ خبر اسی خبر کا نام ہے اور سب خبریں ہیچ ہیں اور جب آپس میں کہا جاوے کہ خبر کیا چیز ہے تو گویا یہی خبر پوچھی جاتی ہے تو جس سورت میں یہ خبر بیان ہووے اسکا نام بھی خبر رکھنا چاہیے اور اس سورت کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوئے اور قیامت کا حال بیان فرمایا تو کافروں کو یہ بات انوکھی معلوم ہوئی اور آپس میں تعجب اور ہنسی سے کھوج اسبات کا شروع کیا۔ بعضے کہتے تھے کہ کیف یحی العظام وھی رمیم یعنی کیونکر زندہ ہونگی ہڈیاں جب سڑ گل گئیں۔ اور بعضے کہتے تھے کہ متٰی ھٰذا الوعد یعنی کب ہوگا یہ وعدہ۔ اور بعضوں کو شبہ تھا اور کہتے تھے کہ وما نظن الساعة قائمة یعنی ہر گز یہ بات ہونیوالی نہیں ہے ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما نحن بمبعوثین کچھ نہیں مگر یہی زندگانی دنیا کی مرتے ہیں ہم اور زندہ ہوتے اور ہم بعد مرنے کے اُٹھنے والے نہیں ہیں پھر آخر کلام انکی سمجھ اور بوجھ کا یہ تھا کہ اگر یہ بات ہونیوالی ہے تو کسواسطے ایک مرتبہ ہمارے سامنے نہیں ہوتی اور بدلا دینے میں اچھے اور بُروں کے اُنکے کاموں کے موافق انتظار اُس دن کا کسواسطے ہے دنیا میں کیوں نہیں دیتے کہ آدمیوں کو اُسکے دیکھنے سے عبرت اور نصیحت ہوجاوے اور بدکام چھوڑ دیں اور نیک کام کرنے لگیں اللہ تعالیٰ نے یہ سب باتیں انکی رد کرکے جزا اور سزا کا دینا قیامت کے دن پر موقوف رکھنے کا سبب بیان فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ یعنی کس چیز سے لوگ آپس میں پوچھتے ہیں اور کس چیز کے کھوج میں ہیں کیا وہ چیز قابل اُنکے سوال کرنیکے ہے اور اُسکے سمجھنے کی استعداد رکھتے ہیں کہ بہت پوچھ پاچھ کرنے سے انکی سمجھ میں آجاویگی۔ یا ایسی چیز ہے کہ لائق جستجو کے نہیں اور جسقدر اُسمیں

چیز چھپا نہ کرینگے مناسب ہے دور پڑینگے۔ اور اس طور کے پوچھنے میں کہ کس چیز سے سوال کرتے ہیں اسبات کا اشارہ ہے کہ عاقل کو چاہیے کہ کھوج کسی
چیز کا سمجھ بوجھ کے کرے اور پہلے یہ سوچ لے کہ یہ بات میری بوجھ میں آنے کے لایق ہے یا نہیں اگر ہو تو اُسمیں ہاتھ ڈالے اور اگر نہو تو ایسا نکرے
کہ محنت اُسکی ضائع ہو جاوے اور کچھ فائدہ حاصل نہووے اور مطلب برباد ہو جاوے مثل مشہور ہے کہ محنت برباد گنہ لازم۔ اور عَمَّ کا لفظ اصل
میں عَمَّا تھا الف تخفیف اور کثرتِ استعمال کے سبب سے گر گیا اور عرب کا قاعدہ ہے کہ مَا موصولہ کے الف کو آٹھ حرفوں کے بعد گرا دیتے ہیں ان
لفظوں کی کثرتِ استعمال کے واسطے اور وہ حرف یہ ہیں عَنْ وَمِنْ وَبَا وَلَامْ وَفِي وَعَلٰى وَاِلٰى وَحَتّٰى اور جب بنا کلام کی سوال و جواب پر
رکھی اور جواب میں سوال کا ظاہر اور کھلا تھا تو آپ ہی جواب فرمایا کہ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۙ یعنی آپسمیں سوال کرتے ہیں ایک بڑی خبر سے
کہ باعتبار اپنی ذات کے بھی بزرگی رکھتی ہے اور باعتبار واقع ہونے اپنے مضمون کے بھی بڑی ہے یعنی جو چیزیں کہ اُسمیں واقع ہونگیں وہ بہت
پُر خوف ہیں کہ نہ آنکھ اُنکو دیکھ سکے اور نہ کان اُنکو سن سکے اور باعتبار سمجھنے اور دریافت کرنے کے بھی بڑی ہے کہ کسی بشر کی عقل کو یہ طاقت نہیں
کہ اُسکی حقیقت کما حقہ دریافت کر سکے بس وہ خبر الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ؕ وہ چیز ہے کہ وے اُسمیں کئی طرف ملور ہے ہیں ہر چند
کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے اِس دم تک حقتعالی انبیاء اور رسولوں کے واسطے سے یہ خبر پے در پے اپنے بندوں کو پہنچاتا رہا۔ اور انبیاء اور رسول
اس خبر کے ثابت کرنے میں دلیلوں و مثالوں کے ساتھ دل اور جان سے کوشش کرتے رہے ہیں اور علامتیں اور نشانیاں اُسکی مفصل و مجمل کھلی کھلی
بیان کرتے رہے ہیں کہ اُسمیں کسی طرح کا دھوکا باقی نہیں رہا لیکن باوجود ان سب باتوں کے بنی آدم کا شبہ ہرگز دفع نہیں ہوتا چنانچہ بعضے تو بالکل
اسکا انکار ہی کرتے ہیں کہ قیامت کا وجود ہی نہیں ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ مجازات عقلی ہوگا۔ اور بس اور بعضے کہتے ہیں کہ خیالی ہے اور بعضے کہتے
ہیں حسّی ہے یعنی ظاہر میں ہوگا۔ اور بعضے ایک اور طرح سے کہ سوائے عقلی اور خیالی اور حسّی کے ہے بوجھتے ہیں اور بعضے معاد کو منحصر تناسخ کے طریقے
میں جانتے ہیں یعنی ایک مرتا ہے وہی روح دوسرے جسم میں آتی ہے اور اسی عالم دنیا کو جزا اور سزا کی جگہ جانتے ہیں اور خراب ہونا تمام عالم کا
کہ رسولوں اور نبیوں کی زبانی سنتے آئے ہیں آدمی کے بدن کی خرابی کے احوال پر کہ موت کے وقت ہوتی ہے سمجھتے ہیں۔ حاصل کلام کا یہ ہے
کہ باوجود ایسے بیان واضح کے جو اختلاف اس مسئلہ میں ہے اور کسی مسئلہ میں نہیں ہے اور یہی اختلاف انکار اور شک کا سبب پڑا ہے جو اکثر ذہنوں میں
واقع ہے طریقہ اسلام اور نشان ایمان کا یہ ہے کہ جب ایسی کوئی بات مشکل کہ عقل میں نہیں آتی اور آدمی اُسکی کنہ اور حقیقت دریافت نہیں کر سکتا۔
پیغمبروں کی زبان سے یقیناً سنے تو مجرد سننے کے اُس پر ایمان لاوے اور اُسے مان لے اسی کا نام ایمانِ اجمالی ہے کہ ہمیشہ نیکبختی کا سبب اور موجب
نجات کا ہے اور زیادہ کھوج اور تلاش اُسکے احوال و خصوصیات میں نکرے و الّا اپنے مطلب اصلی کو کہ ایمان مجمل ہے ہاتھ سے دیگا اور خرابی میں پڑیگا
اور کچھ حاصل نہوگا اور جو اس کلام کے مضمون سے ظاہر ہوا کہ اس مسئلہ میں پوچھ پاچھ بہت اور سوالات بیفائدہ لوگوں میں جاری ہیں اور یہ سب مضر
اور بیفائدہ ہیں سوا اس تفتیش اور تحقیق بے محل پر خفگی فرماتے ہیں کہ كَلَّا یعنی ایسا کرنا نہ چاہیے اور زیادہ جستجو ان چیزوں میں کرنا مناسب نہیں اسواسطے
کہ ایسی چیزوں سے ایمان اجمالی میں بڑا خلل پڑتا ہے سَيَعْلَمُوْنَ ۙ سو قریب ہے کہ کیفیت مجازاتِ اُخروی کو اس طرح سے جانینگے کہ کچھ شک اور شبہ
باقی نرہیگا ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ پھر ہم کہے دیتے ہیں کہ ایسا نہ چاہیے کرنا۔ اور نزدیک ہے کہ جان لینگے! اور تکرار اس کلام کی صرف زجر اور توبیخ
کی تاکید کے واسطے ہے گویا بار بار ایسے بُرے کام سے منع فرماتے ہیں اور اُسکے معلوم کرنیکے زمانے کو بہت قریب بتاتے ہیں اسواسطے کہ جو چیز آنیوالی ہے
وہ قریب ہے اور بعضے مفسّروں نے اول بار کے سیعلمون کو عالمِ برزخ کے دریافت ہونے پر حمل کیا ہے اِسواسطے کہ مجازات یعنی جزا اور سزا وہاں پر اتنا
خیال کرینگے واقع ہوگی اور دوسری بار کو قیامت کے دریافت ہونے پر کہ وہاں جزا اور سزا حقیقی ہوگی اِسواسطے کہ وہاں روح کو بدن سے تعلق ہو جاویگا۔
اور باوجود اس تعلق کے معنی تجرّد کے روح پر غالب ہونگے اور کیفیت تعلق کی باوجود غلبۂ تجرّد کے اُس روز کھل جاویگی اِسواسطے کہ دنیا کا تعلق تجرّد
کی مغلوبیت کا سبب ہے اور عالم برزخ میں اسکے برعکس ہوگا یعنے تجرّد غالب اور تعلق مغلوب ہوگا پس مطلع ہونا تعلق کی جامعیّت پر اور تجرّد کے غلبے

قیامت کے آنے سے پہلے کسی طرح ممکن نہیں اب اس جگہ ایک سوال جواب طلب باقی رہا وہ یہ ہے کہ سورۂ تکاثر میں کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ واقع ہوا ہے اور اس سورت میں سَیَعْلَمُوْنَ واقع ہے۔ اور سوف تاخیر اور مہلت پر دلالت کرتا ہے اور سین شتابی اور جلدی پر اب اگر قیامت کے آنے کو قریب اعتبار کریں لفظ سوف کو سورۂ تکاثر میں کیوں لائے اور اگر دور اعتبار کریں تو اس جگہ حرف سین کے کیا معنی ہونگے جواب اس سوال کا یہ ہے کہ سورۂ تکاثر میں کفار مخاطب ہیں اور انکے نزدیک قیامت بہت دور ہے اسواسطے اس جگہ انکے گمان کے موافق خطاب فرمایا اور حرف سوف کا کہ دوری اور بُعد پر دلالت کرتا ہے لائے اور اس سورت میں ایمان والے مخاطب ہیں کہ قیامت کے آنے پر ایمان لائے ہیں اور جو چیز یقیناً آنیوالی ہے وہ بہت نزدیک ہے اسواسطے یہاں انکے یقین کے موافق خطاب فرمایا۔ اور حرف سین کا جو نزدیکی پر دلالت کرتا ہے لائے۔ بموجب اس آیت کے اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا گویا کہ مومنوں کو ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کافر عنقریب قیامت کے آنے کو سب احوال و واقعات کے ساتھ جان لینگے اور جب ان سوالات بیفائدہ کی توبیخ اور تنبیہ سے فراغت پائی تو اب استفہام تقریری کے طور سے کئی چیزوں سے پوچھا جاتا ہے اور اقرار کرایا جاتا ہے اور وہ سب نو چیزیں ہیں کہ عوام الناس کے ذہنوں میں قرار و مدار دنیا کا ان چیزوں پر ہے اگر کوئی ان نو چیزوں سے محروم رہے تو گویا وہ دنیا میں نہیں ہے تو جو کوئی دنیا میں زندہ ہے ضرور ہے کہ ان نو چیزوں میں شریک ہوگا اور باوجود ان نو چیزوں کی شرکت کے بالکل جدائی آدمیوں کی آپسمیں حاصل نہیں ہو سکتی پھر جدائی اور فرقت کا چاہنا ان نو چیزوں کی شرکت کے ساتھ ویسا ہے کہ جیسے ایک گھر کے رہنیوالے آدمی چاہیں کہ سب کے سب کھانے اور پینے اور لباس اور گھر اور فرش اور سب باتوں میں ملے رہیں اس طرح پر کہ ایک دوسرے سے لگاؤ اور میل نہ رکھتے کہ یہ بات صریح تعنت ہے اور دعویٰ بلادلیل ہے اور اسکا ہونا محال ہے بلکہ اجتماع ضدین کا آپسمیں لازم آتا ہے اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا کیا ہمنے زمین کو فرش اور بچھونا تمہارے واسطے نہیں بنادیا کہ اسمیں ہاکرو اور کھیتی اور سوداگری کیا کرو اور جینے اور مرنے میں تمہارے ٹھہراو کی جگہ وہی ہے۔ اور اسبات میں نیک اور بد مسلمان کافر سب شریک ہیں کسی طرح جدائی نہیں رکھتے اور قیامت کے دن چاہیے کہ نیکوں کی جگہ بہشت ہو اور بدوں کی جگہ دوزخ ہو تاکہ جدائی اور فرق اچھی طرح سے ثابت ہووے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ اور دوسری جگہ فرمایا لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا اور کیا ہمنے پہاڑوں کو میخوں کی مانند نہیں کیا کہ اپنے بوجھ اور بھاری پن سے زمین کو ہوا سے ہلنے نہیں دیتے جس طرح میخیں خیموں کو ہلنے نہیں دیتیں سو اس منفعت میں بھی سب آدمی شریک ہیں جدائی اور فرق آپس میں نہیں رکھتے۔ اور قیامت کے سبب سے چاہیئے کہ بہشتیوں کے رہنے سہنے کی جگہ بہشت میں محل اور مکان سنہری جڑاؤ ہوں اور دوزخیوں کو دوزخ میں زنجیریں اور طوق لوہے کے کہ بسبب گرمی کے آگ کی مانند جلتے بھنتے رہتے ہیں وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا اور ہمنے تم کو جوڑے جوڑے نر اور مادہ پیدا کیا تو آپس میں صحبت کرو اور نسل جاری ہووے اور نسبتیں ہر ناتے باپ بیٹے اور سسر داماد کے تمہارے آپس میں ثابت ہوں اور بسبب ان کے آپسمیں الفت اور جمعیت اور معاونت اور مدد ایک دوسرے سے حاصل ہو اور دنیا کی زندگانی رونق پکڑے اور یوم الفصل کو کہ قیامت کا دن ہے چاہیئے کہ یہ علاقے بالکل نہ رہیں اسواسطے کہ ایک ناتے والے کا رنج تمام ناتے والوں کے رنج کا باعث ہوتا ہے پھر اگر دنیا میں کسی نیک شخص کے قرابت والے کو دکھ دیویں تو اس نیک کو رنج ہو تو گویا یہ ولو اس عذاب میں شریک ہولے اور اگر بدوں کے اقربا کو انعام و بخشش کریں تو وہ نیک بدوں کو بھی بسبب قرابت کے اپنے ساتھ شریک کرینگے۔ اور اگر ایسا نہو تو احسان قرابت کا انکے فوت ہو جاوے اور انکی نیکی میں قصور پڑ جاوے اور اسمیں بخشش بدوں پر لازم ہوتی ہے اور اختلاف جزا کا حاصل نہیں ہوتا بخلاف یوم الفصل کے کہ اس دن ان ناتوں رشتوں کا نام نہ رہیگا اور بالکل یہ علاقے ٹوٹ جاوینگے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ اور دوسری جگہ فرمایا وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا۔ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا اور ہمنے دنیا میں تمہاری نیند کو آرام و چین کا سبب اور کام سے فراغت کا باعث کیا تاکہ ماندگی اور مشقت دور ہو اور خوشی اور تروتازگی حاصل ہووے۔ اور یوم الفصل کو چاہیئے کہ نیند نہو اسواسطے کہ اگر نیک آدمی ہے اسکو خوشی اور خرمی کی

سوائے اور کچھ نہوگا جیسا کہ دوسری جگہ بہشتیوں کے حق میں فرمایا ہے لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا لُغُوْبٌ پھر حاجت نیند کی بھی نہو گی
بلکہ اگر وہاں نیند ہووے تو بڑے فائدے پہنچنے سے بے نصیب ہونے کا سبب ہووے اور ہمیشہ کے ثواب سے نقصان کا باعث ہووے۔ اور
اگر آدمی بد ہے تو اُسکو ہمیشگی کا رنج اور ملال اور فریاد اور شور لازم ہے رنج اور عذاب سے اُسکو کب فرصت ہوگی کہ ایکدم آرام سے گذارے۔ اور وہاں
سوائے صُراخ اور زفیر اور شہیق اور واویلا کے کچھ نہوگا جیسا کہ دوسری جگہ ان معنوں کو تصریح سے بیان فرمایا ہے وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا
اور ہمنے رات دنیا والوں کے واسطے لباس اور پردہ بنایا کہ جو چیز چھپانے کے لایق ہے اُسمیں کیا کریں جیسے صحبت داری عورتوں سے اور مستور رہے
پوشیدہ اور بھاگنا دشمنوں سے اور چوری اور خیانت اور عیش و عشرت اور ناچ رنگ اور تہجد اور مراقبہ اور سوائے اسکے فائدے کی بہت چیزیں ہیں کہ
تعلق پردہ پوشی اور چھپنے سے رکھتی ہیں اسیواسطے کہا ہے شاعر نے اَللَّیْلُ لِلْعَاشِقِیْنَ سِتْرٌ یَا لَیْتَ اَوْقَاتَهُ تَدُوْمُ یعنی رات عاشقوں کے
واسطے پردہ پوش ہے کیا اچھا ہوتا کہ رات ہمیشہ رہتی۔ اور قیامت کو چاہئے کہ احوال اُسکے ہر کسی خاص و عام پر ظاہر اور کھلے ہوں چھپے اور پوشیدہ نہوں
وگرنہ عظمت اور بزرگی نیکوں کی اور فضیحت اور رسوائی بدوں کی ثابت نہووے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے ایک شخص نے
پوچھا کہ عقد نکاح کی مجلس رات کو کرنا چاہئے یا دن کو آپنے فرمایا رات کو اسواسطے کہ اللہ تعالی نے رات کو لباس فرمایا ہے اور نکاح والی عورتوں کو
بھی لباس فرمایا ہے هُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ اور ایک لباس کو دوسرے لباس کے ساتھ پوری مناسبت ہے وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا
اور ہمنے دن کو دنیا کے آدمیوں کے واسطے روزی تلاش کرنے کا وقت کیا اور قیامت کے دن ہرگز تلاش نہوگی اسواسطے کہ نیکوں کو آپ ہی آپ
نعمتیں مہیا اور موجود ہونگی کیونکہ اگر اُنکو وہاں بھی تلاش کرنا ضرور پڑے تو عین عذاب میں ہوں اور بدوں کو بھی وہاں تلاش کرنا نہیں ہے۔
اسواسطے کہ اُنکے پیروں میں زنجیر اور گردن میں طوق پڑا ہوا ہوگا اور دوزخ کے نگہبانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہونگے اور بھوک اور پیاس کے عذاب میں
بیقرار ہونگے تا پوری جدائی فرقوں کی معاش کے درمیان ظاہر ہووے اور دنیا کی طرح ایکساں رنج اور گرفتاری میں نہوں وَبَنَیْنَا فَوْقَکُمْ
سَبْعًا شِدَادًا اور ہمنے تمہارے اوپر سات طبقے سخت اور مضبوط بنالئے کہ ہرگز کبھی پرانے نہیں ہوتے اور اُنمیں سات ستارے پھرنیوالے
بنالئے کہ اُنمیں حرکتیں ایک دوسرے کے مخالف کرتے ہیں اور نئی نئی طرحیں ظاہر کرتے ہیں اور ہر طرح میں ایک تاثیر اُنسے ظاہر ہوتی ہے اور ہر مومن اور
کافر اور نیک اور بد اُس تاثیر کے نفع اور نقصان میں شریک ہے قیامت کے دن کے برخلاف کہ وہاں نیکوں کو درجے جنت کے مانند چھت کے ہونگے اور
روحیں نورانی نبیوں اور پیشواؤں کی درجہ بدرجہ نیچے والوں کے حق میں مدد فرمائینگی اور نیچے والے اُنکی امداد سے ترقی حاصل کرینگے اور بدوں کو
نیچے سے درکات دوزخ کے گھیرے ہونگے اور روحیں خبیث اور اُنکے پیشوا اپنی اندھیریوں کی کیفیات سے اوپر والوں کے عذاب کو دونا کرینگے۔
وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا اور بنایا ہمنے دنیا والوں کے نفع کے واسطے ایک چراغ چمکتا ہوا تیز روشنی والا کہ آفتاب ہے اور گرمی اور روشنی
اکٹھی اُسمیں پائی جاتی ہے اور ہر کوئی شخص نیک ہو یا بد اُسکی روشنی اور حرارت سے نفع اور نقصان میں برابر ہیں بخلاف قیامت کے دن کے کہ جمال الہی کی
روشنی بہشت میں نیکوں کو منور کریگی اور جلال الہی کی تجلی کہ حدیث میں اس معنی سے قدم کا لفظ آیا ہے دوزخیوں کو سخت حرارت اور نہایت گرمی جلاویگی
وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ اور ہمنے اُتارا ٹپکنے والے بادلوں سے مَآءً ثَجَّاجًا پانی بہت بہنے والا لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا کہ ہم
اُس پانی سے اناج نکالیں کہ کھانا تمہارا ہووے وَّنَبَاتًا اور بہت سا سبزہ گھاس کہ بعضے کو بھاجی بنالیتے ہو اور بعضے کو مصالح کرتے ہو اور بعضے دانا
اور چارا تمہارے جانوروں کا ہوتا ہے تا اُس سے دودھ دہی گھی اور پنیر لیکے اپنے کام میں لاؤ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا اور گنجان درختوں کے باغ تا اُنکو میوے
کھانے اور لذت اُٹھانے کے کام آویں اور اُن باغوں کے میووں کو طرح طرح کی ترتیب دیکے مانند اچار اور مربا اور سرکہ اور رس اور شربت وغیرہ بنا کے کھاؤ اور
اِس منفعت میں تم سب نیک اور بد مسلمان اور کافر شریک ہو کسی طرح کی جدائی نہیں ایسا نہیں کہ پانی ایک جگہ برسے اور دوسری جگہ نہ برسے اور کھیتی
ایک جگہ پیدا ہووے اور دوسری جگہ نہو اور باغ ایک جگہ جمے اور دوسری جگہ نہ جمے اور میوہ پکے بخلاف دن قیامت کے کہ وہاں نیکوں کے عمل اور اعتقاد

اور احوال اور درجے کمائے ہوئے بدلیوں کے مانند دودھ اور شہد اور شراب مزیدار اور پانی صاف برساوینگے اور اس سے نہریں جاری ہونگی اور درخت
بہشت کے اس پانی کی قوت سے اور پانی کی نہروں کی طراوت سے کہ انکی جڑوں میں پہنچتی ہے لذت والے مزیدار میوے خودبخود دینگے اور جسوقت کوئی پھل
کسی شاخ سے توڑکے کھا جاویگا تو اسیوقت دوسرا میوہ ہوا کی تروتازگی اور کمال نشو ونما کے سبب اس جگہ پیدا ہو جاویگا اور تلذذ اور میوہ دنیا وہاں کے
درختوں کا کبھی منقطع نہوگا اور بدوں کے عمل اور اعتقاد اور برے خلق دھوئیں کے مانند اٹھینگے اور چنگاریاں برساوینگے اور انکے جسموں کو جلاوینگے
جیساکہ حقتعالی نے فرمایا ہے وَظِلٍّ مِّن يَحْمُومٍ انطَلِقُوا إِلَىٰ ظِلٍّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ اور زقوم اور دوسرے درخت خاردار اور بدمزا اور بری شکل
کے پیدا ہونیکا سبب ہوگا اور امتیاز اور جدائی دونو فرقوں کی گزران میں خوب طرح سے حاصل ہووےگی تو معلوم ہوا کہ یوم الفصل دنیا میں نہیں ہوسکتا
ہے اسواسطے کہ جدائی اور ملاپ آپسمیں ایکدوسرے کے ضد ہیں ایک جگہ پا نہیں سکتے تو قیامت کا دن ہونے کو باوجود ان چیزوں کے باقی رہنے کے
انمیں شراکت اور اتفاق واقع ہے تصور کر نہیں سکتے بلکہ اس عالم کے خراب ہونے اور اس دنیا کے انعامات کے اور شراکت کے اصول اور ارکان درہم برہم
کرنیکے بعد البتہ اسکی امید رکھنا چاہیئے اور قیامت کے آنے کا وقت اس عالم کی خرابی شروع سے بوجھا چاہیئے جیساکہ فرمایا ہے إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ
یعنی البتہ جدائی کا دن اور نیکوں بدوں سے امتیاز اور فرق کردینا اور آپسمیں نیکوں کے مرتبے علیحدہ کرنا اور بدوں کے مرتبے کو ایکدوسرے سے علیحدہ کرنا
كَانَ مِيقَاتًا ہے ایک وقت ٹھہرایا گیا کہ اس سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتا اور دنیا میں کافروں کی جلدی کرنے سے اسوقت کے لانے میں جلدی
نہیں کرتے اسواسطے کہ اسوقت کو کئی چیزیں لازم ہیں پہلے یہ کہ روح کا تعلق بدن کے ساتھ کہ اب حاصل ہے بعد جدا ہونیکے پھر ملے اسیواسطے عالم برزخ
میں بھی یہ امر ممکن نہیں اسواسطے کہ وہاں روح کو بدن سے ہرگز علاقہ نہیں اور روح کو پہلے بدن سے تعلق رکھنے کے سوائے اس بدن کے کیئے ہوئے کاموں
کی جزا اور سزا دیکھنا ممکن نہیں ہے اسواسطے کہ روح کو بےتعلق بدن کے سیر تمام عالم کی کرنا مثل خیال کرنیکے ہے اور کچھ نہیں مانند ایک لکھنے والے کے
اسکے ہاتھ کاٹ ڈالیں اور وہ اپنی انگلیاں ہلاوے اور اپنے خیال میں گویا لکھتا ہے بس یہ حقیقت میں کچھ لکھنا نہیں خیال محض ہے دوسرے یہ کہ روحیں
اور بدن سب تعلق میں جمع ہوویں اسواسطے کہ فرق اور جدائی بدون جمع ہونیکے ممکن نہیں مثلاً ایک گروہ کے ساتھ ایک جگہ پر ایک طرح کا معاملہ کیا
انتباز اس گروہ کا حاصل نہوگا جبتک اور جماعتوں کے ساتھ اسی جگہ پر اسیوقت دوسری طرح کا معاملہ نکریں الاگمان اسبات کا ہوتا ہے کہ شاید یہ معاملہ مقتضا
اسوقت کے اس مکان میں ہوا اگر اور جماعتیں اسوقت اس مکان میں ہوتیں تو انکے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوتا جیساکہ دنیا والے عزت اور ذلت اور رزق کی کشادگی
اور تنگی کو زمانے کی گردش کے تقاضے سے سمجھتے ہیں اور اپنے دل کو سمجھاتے ہیں کہ اگر اگلے اسوقت میں ہوتے تو اسی حالت میں گرفتار ہوتے اور اگر ارزانی کے
ملکوں کے رہنے والے قحط والے ملکوں میں ہوتے تو بھوک بھوک پکارتے اسواسطے ضرور ہے کہ قیامت کا دن نوع انسانی کی تمام ارواح اپنے بدن سے
جدا ہونیکے بعد واقع ہووے تا ایک وقت میں ایک جگہ پر سب روحوں کا انکے بدنوں سے تعلق ہووے تیسرے یہ کہ مشترک نعمتیں جو فقیر اور غنی مومن اور کافر
نیکبخت اور بدبخت نعمت والے اور عذاب والے تندرست اور بیمار کے درمیان دنیا میں برابر ہیں کچھ باقی نرہیں اور برابری اور شراکت لازم آتی ہے اور مقصود
اصلی کہ تفرقہ اور امتیاز ہے حاصل نہو چوتھے یہ کہ اس آسمان اور زمین کے بدلے ایک اور مکان چاہیئے اور جب وہ مقام اور وہ جگہ اس عالم میں آسمان و زمین کے
نیچے چھپی ہوئی ہے تو اسکے ظاہر کرنے میں آسمان و زمین کا نیست کرنا بھی ضرور ہوا تا کہ نیکوں کو بہشت آسمان پر سے ظاہر ہووے اور بدوں کو دوزخ زمین کے
نیچے سے بھڑکے اسیواسطے وہ روز نہ آویگا مگر يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ یعنی جسدن پھونکا جاوے صور اور یہاں مراد دوسری بار کا صور پھونکنا ہے
کہ اسی سے قیامت کے دن کی شروع ہے اور اس پھونکنے کے سبب سے روحیں ہر فرد انسان کی اپنے اپنے بدنوں سے ملکر ہر مذہب والا علیحدہ علیحدہ اٹھیگا اور
فرشتے تو زک کی طرح سب آدمیوں کے علیحدہ علیحدہ جتھے کردینگے جیسے یہود اور نصاری اور مجوسی اور ہندو اور انکے سوا سب کی صفیں جدا جدا ہونگی اور مسلمان
کی صف علیحدہ ہوگی پھر ہر ہر پیغمبر کی امت علیحدہ اور ہر ایک پیغمبر کی امت میں بھی ہر مذہب والا علیحدہ اور اسی طرح ہر عمل والا نیک ہو یا بد علیحدہ ہوگا جیسے
نمازی علیحدہ اور روزہ دار علیحدہ اور حرام کار علیحدہ اور چیٹے علیحدہ اور شرابی علیحدہ اسیطرح ہر خلق والا علیحدہ ہوگا جیسے متکبر اور بدخلق علیحدہ اور رحم دل اور

محبت والے علیحدہ اسیطرح ہر رتبہ والا علیحدہ ہوگا جیسے حمد کرنیوالے علیحدہ اور صبر کرنیوالے علیحدہ اور شکر کرنیوالے علیحدہ اور متوکل اللہ پر بھروسا کرنیوالے علیحدہ
کھڑے کئے جاوینگے بڑے لشکر کے رسالوں اور پلٹنوں کی مانند کہ پہلے امیروں کے سبب سے پہچانے جاتے ہیں کہ یہ لشکر فلانے امیر کا ہے پھر رسالداروں سے
کہ یہ رسالہ فلانے رسالدار کا ہے اور یہ لوگ فلانے جمعدار کے ساتھ کے ہیں پھر فرشتے ان سب کو اسی انتظام سے حشر کے میدان میں لیجاوینگے **فَتَاْتُوْنَ
اَفْوَاجًا** یعنے پھر آوگے تم سب غول غول اور فوج فوج ہوکر کہ ہرگز ایک گروہ کے لوگ دوسرے گروہ سے ملنے نپاوینگے اور ان معنوں کو بہت آیتوں اور
حدیثوں میں بیان فرمایا ہے انمیں سے ایک آیت ہے **وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَاۤءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ** ۲۴ ج ۷ ع اور دوسری جگہ فرمایا ہے
وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۲۰ ج ۷ ع اور سوا اسکے بہت سی آیتیں ہیں کہ ان سب کے ذکر
کرنے میں کلام بڑھ جائیگا اور بعضی صحیح حدیثوں میں نشان اور علامت ہر فوج کی بھی بیان فرمائی ہے جیسے دغابازوں اور عہد شکنوں کی مقعد پر ایک نشان
یعنی جھنڈا ہوگا اس طرح سے کہ بڑے معاملے کے دغابازوں پر بڑا جھنڈا اور چھوٹے مقدمے کے دغابازوں پر چھوٹا جھنڈا اس مکان پر چمکیگا اور جنھوں نے
غنیمت کے مال میں دغابازی کی ہے اور کوئی چیز لینے سردار کی بیخبری سے لے لی ہے وہ چیز اسکی گردن پر لدی ہوئی لاوینگے اگر اونٹ یا بکری یا گائے
ہے تو وہ آواز کریگی اور اگر تھان یا کوئی کپڑا ہے تو پھریرے کے مانند اڑیگا اور شہیدوں کو خون بھرا ہوا اٹھاوینگے اور انکے زخموں سے مشک کی
بو آویگی اور زنا کرنیوالی عورت کا کرتا گندھک کا ہوگا اور بدن اسکا خارشتیوں کا سا ہوگا۔ اور بے احتیاج سوال کرنیوالے کا منہ زخمی اور چھلا ہوا ہوگا۔
علی ہذا القیاس صحیح حدیثوں میں تلاش کرنے سے اس طرح کی نشانیاں بہت سی پائی جاتی ہیں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں مع سند بیان کیا ہے اگرچہ
سند اسکی بہت معتبر نہیں ہے اور روایتیں اسکی بہت مضبوط نہیں ہیں وہ یہ ہے کہ ایک اور صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان فوجوں کا حال جو
اس سورت میں مذکور ہے پوچھا تھا آپ نے فرمایا کہ دس فرقے اس امت کے دس جتھے ہوکر آوینگے۔ ایک فرقہ بندروں کی شکل ہوگا وہ چغلخور ہونگے۔
دوسرا فرقہ سور کی شکل ہوگا وہ حرام خوار اور رشوت لینے والے ہونگے تیسرا فرقہ اوندھا یعنی سر نیچے اور پاؤں اوپر ہونگے اور فرشتے انکو منہ کے بل کھینچینگے
وہ بیاج کھانیوالے ہونگے۔ چوتھا فرقہ اندھے ہونگے وہ قاضی اور مفتی ہونگے کہ ناحق حکم کرتے تھے اور جھوٹا فتویٰ دیتے تھے پانچواں فرقہ گونگے بہرے ہونگے
وہ وہ لوگ ہونگے کہ اپنی عبادت اور بندگی پر گھمنڈ کرتے ہیں اور اپنے برابر دوسرے کو نہیں جانتے چھٹا فرقہ زبانیں اپنی چباوینگے اور انکی زبانیں منہ سے نکل کے
انکی چھاتیوں پر پڑی ہونگی اور زرد پانی اور پیپ انکے منہ سے بہتا ہوگا کہ سب حشر والے انکے دیکھنے سے کراہت کرینگے یہ لوگ عالم اور مشائخ ہونگے کہ انکے
عمل انکے قول کے مخالف ہونگے کہینگے کچھ اور کرینگے کچھ۔ ساتواں فرقہ ہاتھ پیر کٹے ہوئے ہونگے وہ وہ لوگ ہونگے کہ بے زبان جانوروں کو ایذا دیتے ہیں اور
ہمسایہ کو رنج دیتے ہیں آٹھواں فرقہ آگ کی سولیوں پر کھینچے ہونگے وہ وہ لوگ ہونگے کہ لوگوں کے بھید ظالم حاکموں سے ظاہر کرکے ایذا رسانی کرتے ہیں۔
نواں فرقہ وہ لوگ ہونگے جنکی بدبو مردار سڑے ہوئے کی بدبو سے زیادہ ہوگی اور حشر والونکو اس بدبو سے ایذا پہنچیگی وہ وہ لوگ ہونگے کہ اپنی شہوتوں اور
دنیا کے مزوں میں گرفتار ہوئے ہونگے اور اپنے مال سے اللہ کا حق نہ دیا ہوگا اور وہ مال اپنے جی کی خواہشوں میں خرچ کیا ہوگا۔ دسواں فرقہ وہ لوگ ہونگے کہ
گندھک کے کرتے پیروں تک اور انکے بدنوں پر چپکے ہوئے یہ لوگ تکبر اور غرور کرنیوالے ہونگے یہ سب سخت بدبخت اور گنہگار اس امت کے ہیں لیکن ایماندار اور
نیکبخت سو بعضے انمیں چودھویں رات کے چاند کی مانند اور بعضے آسمان کے ستاروں کے جیسے چمکتے ہونگے اور بعضے نور کے منبروں پر بیٹھے ہونگے اور بعضے حوروں کے
اور بعضے مشک اور زعفران کے ٹیلوں پر وعلی ہذا القیاس **وَفُتِحَتِ السَّمَاۤءُ** اور کھولا جاوے آسمان پھٹنے سے تا فرشتے نامۂ اعمال لیکے اتریں اور
ان عملوں کی صورتیں کہ آسمان پر چڑھنے کے بعد پیدا ہوئی تھیں ظاہر ہوویں اور بہشت کہ جائے قرار اسکا ساتوں آسمان کے اوپر ہے ظاہر ہووے گویا
کہ آسمان مانند سرپوش کے خوان سے اٹھالیا ہے **فَكَانَتْ اَبْوَابًا** یعنے پھر ہوجاوے آسمان دروازے کہ اسی راہ سے بہشت میں داخل ہونا ہوگا اور
نعمتیں بہشت کی دیکھینگے **وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ** اور چلائے جاوینگے پہاڑ کہ زمین کی میخوں کے مانند تھے **فَكَانَتْ سَرَابًا** پھر ہوجاویں وہ پہاڑ
جیسے اڑتی ریت کہ دور سے پانی کی طرح نظر آتی ہے اور حقیقت میں ریت ہے اسی طرح سب پہاڑ چلنے کے وقت دور سے ایسے معلوم ہونگے کہ پہاڑ ہیں اور حقیقت میں

ٹکڑے ٹکڑے ہوکر ریتے کی مانند ہو چلے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ۹۵ ج ۱۳ ع اور دوسری جگہ فرمایا ہے وَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا ۲۶ ج ۱۴ ع اور جب زمین کی میخوں کی یہ حالت ہوگی تو زمین بطریق اولیٰ درہم برہم ہوگی اور ٹھکانا دوزخ کا کہ اُسکے نیچے تھا کھلجاویگا تا آسمان کی جگہ بہشت ٹھہرے اور زمین کی جگہ دوزخ اور جدائی نیکوں اور بدوں میں اور تابعدار اور نافرمانوں میں ثابت ہوا ور جب آسمان اور زمین بیچ سے اُٹھ گئے تو سورج اور برسات اور دوسری نعمتیں کہ کافر اور مسلمان اسمیں شریک ہیں سب فنا ہو جاوینگے اور کسی طرح شرکت اور برابری نیکوں اور بدوں میں نہ ہیگی اسواسطے کہ نیکوں کی جگہ اور ٹھہری اور بدوں کی جگہ دوسری ٹھہری إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا بیشک دوزخ ہے تاک میں اور مکان دھر پکڑ کا کہ اُسکے کنارے پر فرشتے گرز اور زنجیر اور طوق آگ کے لئے ہوئے کھڑے ہونگے اور دوزخیوں کو پکڑ کے لیجاوینگے لِّلطَّاغِينَ مَآبًا شریروں کا ٹھکانا اور مسلمانوں اور نیکوکاروں کو سوائے اسپر گزرنے کے اور اُسکے دیکھنے کے خوف کے اور کوئی رنج اور اذیت نہ پہنچیگی بعضے اُسپے بجلی کی طرح تڑپ کے اُس پل سے پار ہو کر بہشت میں پہنچینگے۔ اور بعضے آندھی کی طرح اور بعضے دوڑتے گھوڑے کی طرح اور علی ہذا القیاس یہانتک کہ ادنیٰ سے ادنے مسلمان کہ بہت گناہوں میں آلودہ ہوگا گرتے پڑتے سات ہزار برس میں اُس پل پرسے پار ہوگا اور حضرت فضیل ابن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مسافت پل صراط کی تین ہزار برس کی راہ ہے بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے ہزار برس چڑھاؤ اور ہزار برس اُتار اور ہزار برس برابر کی راہ ہے یہ سب ایمانداروں کا حال ہے اور کافر دوزخ کے مؤکلوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر دوزخ میں ڈالے جاوینگے لَّابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا رہینگے اُسی دوزخ میں بیشمار قرنوں اور ہلال ہجری سے منقول ہے کہ اُنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حقبے کے معنی پوچھے تھے سو آپنے فرمایا کہ حقبہ ستر ہزار برس ہوتا ہے اور برس بارہ مہینے کا اور مہینا تیس دن کا اور ایک ایک دن دنیا کے برس کے برابر۔ اور یہاں مراد ہے بیشمار مدت ہے اور بعضے نادان اس آیت میں فہم کی غلطی سے کہتے ہیں کہ اس آیت سے دوام اور ہمیشگی بوجھی نہیں جاتی جیسا کہ اور آیتوں سے معلوم ہوتا ہے اور حال یہ ہے کہ اس آیت میں حقاب کی تعیین نہیں فرمائی ہے تا کہ عذاب کا منقطع ہونا معلوم ہووے بلکہ کثرت سے یہی بوجھا جاتا ہے کہ احقاب غیر متناہیہ مراد ہیں اور ان نادانوں کو اسبات کا شبہہ ہوا کہ جو حقبہ کی مدت معین ہے تو احقاب بھی معین ٹھہرے اور یہ نہیں بوجھتے ہیں کہ ایک حقبہ کی مدت کا معلوم ہونا احقاب کی مدت معلوم ہونیکا سبب نہیں ہوسکتا ہے اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ اس آیت میں دوزخیوں کے دوزخ میں ٹھہرنے کی مدت کا بیان کرنا منظور نہیں بلکہ منظور یہ ہے کہ دوزخیوں کے ٹھہرنے کی مدت دوزخ میں حقبوں سے اندازہ کیا چاہیئے نہ قرنوں اور برسوں اور مہینوں اور دنوں اور ساعتوں سے اسواسطے کہ اگر مدت کسی چیز کی کم ہوتی ہے تو ساعتوں سے گنتے ہیں اور اس سے زیادہ ہو تو دنوں سے اور جو اس سے بھی زیادہ ہو تو مہینوں سے اور اس سے بھی زیادہ ہووے تو برسوں سے اور اس سے بھی زیادہ ہو تو قرنوں سے گنتے ہیں اور جو شمار میں آسکے تو حقبوں سے بولتے ہیں جس طرح تھوڑے مال کو روپیوں سے شمار کرتے ہیں اور جو کچھ زیادہ ہو تو سینکڑوں اور ہزاروں سے اور جو اس سے بھی زیادہ ہو تو سینکڑوں سے اور اس سے بھی زیادہ ہو تو ہزاروں سے اور جو شمار میں آسکتا ہو تو لاکھوں اور کروڑوں سے تعبیر کرتے ہیں اور قرن ایک بڑے عالم کا نام ہے اُس نے کہا ہے کہ لفظ احقاب کی اُس صفت کے ساتھ موصوف ہے جو آگے آتی ہے یعنے لَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا یعنی وہاں کچھ مزا ٹھنڈک کا نہ چکھینگے اور نہ کچھ پینے کو ملیگا جو کچھ بھی سرد ہو اسے باہر کے بدن کو اور پینے سے اندر کے بدن کو تھوڑی تخفیف اُس جلنے کے عذاب سے حاصل ہووے جیسا کہ دنیا میں تپ والے کو ایسی چیزوں سے تخفیف ہوتی ہے تو گویا یوں ارشاد ہوا کہ اتنی مدت دراز میں سردی کے نام سے واقف نہونگے بعد اُسکے اُنکو زمہریر کے طبقے میں لیجاوینگے اور سردی کے عذاب میں گرفتار کرینگے یہاں تک کہ اُنکی رگیں اور پٹھے سردی کی زیادتی سے جم جاوینگے پھر دوزخ کی آگ میں ڈالینگے اور جتنی مدت کا پہلے ذکر ہو چکا اُتنی مدت اُسی طرح جلاوینگے اسیطرح ابدالآباد عذاب میں رہینگے کبھی گرمی میں کبھی سردی میں اور جو اس آیت میں حکم ہوا کہ اتنی مدت دوزخ میں کچھ پینے کی چیز نہ چکھینگے اور حال یہ کہ دوسری جگہ فرمایا ہے لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ ج ۱۱ ع اسیواسطے اسجگہ بطور استثنا کے فرمایا إِلَّا حَمِيمًا مگر پانی گرم کھولتا ہوا کہ اُنکی انتڑیاں کاٹ ڈالیگا اور اندر کی گرمی دونی چوگنی کر دیگا تخفیف کا تو کیا ذکر ہے وَغَسَّاقًا اور پیپ اور زرد پانی کہ دوزخیوں کے ہر ہر جلے ہوئے بدنوں سے نکلکر گڑھوں میں جمع ہوگا اور پیاس کی نہایت بیقراری سے اُسکو پانی سمجھکر

تخشش موافق اس دروازہ بلند کے ہیں بہشت پاؤ تخشش موافق اپنے دروازے کے یادروازے کے موافق اس تخشش کے کرسوئے آیت کتاب اللہ کا دروازہ بہشت کی سیڑھی ہے دن اس دروازے کو یاد کیں سے بہشت کے صاحب اس دروازے سے بلند بخشش اس دروازے کی بخشش ہوگی تا اب ایک نکتہ اور جاننا چاہیے کہ ہم نے آئینہ وقت میں اور نکلی عذاب دوزخ کے بھی آئینہ میں وہ بند ہو اسکو سنا ہے قیامت کے دن آئینوں میں نیکی کے عذاب سے پناہ میں رہیگا اور رات دن کی چوبیس ساعتیں ہیں سو پانچ ساعتوں کے واسطے پانچ نمازیں مقرر ہیں

پی جاوینگے اور وہ انکے اندر کو ایسی بُری طرح سے خراب کردیگا کہ اُسکا زہر تمام بدن میں پھیلجاویگا اور اگر دوزخیوں کے دوزخ میں رہنے کی مدت دور دراز سنکر کسی کے دل میں شبہ آوے کہ کافروں نے کفر اور گناہ دنیا میں تھوڑے دنوں کیا تھا یعنی عمر بھر کہ وہ مدت مقرر ہے اور اُسکے عوض میں ہمیشگی کے عذاب کی سزا دینا ظلم صریح ہے اُسکا جواب یہ ہے کہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے بلکہ تجویز کرنا ہمیشگی کے عذاب کا اُنکے واسطے عین انصاف ہے اور اس عذاب میں جزا دیجاویگی مگر **جَزَآءً وِّفَاقًا** یعنے بدلا پورا موافق اُنکے عملوں کے نہ زیادہ اُس سے اسواسطے کہ بعد تامل اور غور کرنے کے معلوم ہوتا ہے کہ عمل اُنکے بھی ابدی اور غیر متناہی تھے اسواسطے کہ **اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا** وہ ہرگز حساب کی توقع نہ رکھتے تھے۔ اور جب اُمید حساب کی نتھی تو اُنکے کاموں کا موقوف ہونا لاچاری سے اور اسباب کے گم ہونے سے تھا نہ عذاب الٰہی کے خوف سے اور ثواب ملنے کے سبب سے اسواسطے کہ یہ دونو باتیں حساب کے توقع کی صورت میں ہوتی ہیں اور اُنکے عمل نہ کرنے کی وہ مثل ہے کہ عصمت بی بی از بے چادری اور اُنکے دلوں میں محبت گناہ کی ایسی کھُبی تھی کہ اُنکی روحوں کی رگ و ریشوں میں ملگئی تھی اور ایک خاص طبیعت کا حکم پیدا کیا تھا اور روح تو ابدی ہے ہمیشہ رہیگی اور اُس خاص طبیعت کا حکم اُس سے جدا ہونا محال ہے تو وہ خاص طبیعتیں بھی جبتک روح ہے اُسکے ساتھ ہیں اور سبب ہیں اُسکے عذاب کا اور جب سبب ہمیشہ رہا تو سبب کے پائے جانے میں کیا تعجب ہے۔ اور بھی یہ بے اعتمادی حساب آخرت سے عمل جوارح پر کفایت کی تھی بلکہ وہ عمل کہ اُنکی روح کی ذات سے تعلق رکھتے تھے اور ہرگز اسباب اور جوارح کو انمیں دخل نتھا اُنسے صادر ہوئے تھے تو وہ فعل ہمیشہ روح کے ساتھ ہیں اسواسطے کہ یہ کفر کرتے تھے **وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا** اور جھٹلاتیں ہماری آیتیں جو جزا اور حساب کے ہونے پر دلالت کرتی تھیں **كِذَّابًا** مکر کر کہ انکے دلوں میں اُنکے سچے ہونیکا گمان بھی تھا اور اس طرح کا مکر جانا کام روح کا ہے نہ بدن کا تو بعد جدا ہونے روح کے بدن سے برزخ میں اور پھر بعد ملنے روح کے بدن سے عالم حشر و نشر میں ہمیشہ وہی انکار باقی ہے مانند بدمزاجی سخت کے کہ مبدم سلب بیج کا ہوتا ہے اسیطرح یہ انکار بھی مبدم زیادتی عذاب کا سبب ہیگا۔ اور پھر اگر کسی کی خاطر میں شبہ گزرے کہ گناہ کی محبت اور آیتوں کا انکار اور دوسرے روح کے بُرے عمل اس طرح کے نہ تھے کہ کسی پر ظاہر ہوتے پھر اُسکے بدلے میں اس طرح کا عذاب کرنا ظاہر میں کہاں سے درست ہوگا اور جبتک گناہ ظاہر میں ثابت نہو مواخذہ اور پکڑ اُسپر درست نہیں ہے اور جو اُن لوگوں کے گناہ آدمیوں کے سامنے ظاہر ہوتے تھے بھی عمل بدن کے تھے کہ بسبب جدا ہونے روح کے بدن سے موقوف ہوئے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اُنکے حال کا جاننا صرف علم کو معلوم ہونا ضرور ہے کسی کو معلوم ہویا نہو اور اُنکے اعمال وحیہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے بلکہ اُسکے خفیہ نویس یعنے کراماً کاتبین نے بھی لکھ رکھا ہے اور قول اور فعل اُنکے بھی اُسپر دلالت کرتے ہیں **وَكُلَّ شَيْءٍ** اور ہر چیز بدن اور روح کے عملوں سے اور وہ قول اور فعل کہ اُسپر دلالت کرتے تھے **اَحْصَيْنٰهُ** ہمنے اُنکو گن رکھا ہے اور ہمنے فقط اپنی گنتی پر اعتماد نہیں کیا بلکہ **كِتٰبًا** یعنے لکھ کر تا قیامت کے کارکنوں کو ہر وقت یاد رہے اور عمل غیر متناہی کی جزا بھی غیر متناہی چاہیئے **فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا** اب چکھو کہ ہم نہ بڑھاتے جاوینگے تمپر مگر مار اور عذاب کرنا بخلاف ایماندار گناہگاروں کے کہ انکا عذاب صرف اعضا کے عملوں پر ہوگا اور موقوف ہوجاویگا اسواسطے کہ اُنکی روحیں ایمان کے سبب ہی سے پاک تھیں یعنی بدی نہ رکھتی تھیں اور تنبیہ الغافلین میں لکھا ہے کہ جب دوزخی بہت پیاسے ہونگے اور پانی مانگینگے تو ایک سیاہ بادل پیدا ہوگا اور اُس سے سانپ اور بچھو جو اونٹوں کی گردنوں کے جیسے برسینگے اور انکو پھاڑ پھاڑ کھاوینگے اور انکا زہر ایسا ہوگا کہ ہزار سال تک اُسکی تاثیر انکے بدنوں سے نہ جاویگی اور یہی معنی ہیں اس آیت کے کہ **زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ** ۱۴ ج ۱۸ ع اور اس آیت میں بھی کہ **فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا** اور اس جگہ ایک شبہ اکثر آدمیوں کی خاطر میں گزرتا ہے وہ یہ ہے کہ جو چیز مخالف مزاج کے ہو تو دوام اور ہمیشگی کے سبب سے اُسکی تاثیر معلوم نہیں ہوتی اور کچھ رنج اور دُکھ نہیں ہوتا جس طرح دق والے کو گرمی سے کچھ ایذا نہیں ہوتی ہے اسکا جواب یہ ہے کہ اس طرح کا معلوم نہونا بدمزاجی متفق کی صورت میں ہے نہ بدمزاجی مختلف میں اور دوزخ والوں کو طرح طرح کے عذاب سے دُکھ دیوینگے اور ہر قسم کے عذاب کو وہ لوگ قوت سے دریافت کرینگے جیساکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے اور دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ دریافت کرنے کا واسطہ آدمی کے بدن میں جلد ہے یعنے بدن کی چمڑی اور دوزخیوں کی جلد جلنے کے بعد پھر نئے سر سے پیدا ہوگی اور اُس جلد کی دریافت کی قوت تازگی کے سبب سے بہت قوی ہوگی جیساکہ جب زخم پر نئی کھال جمتی ہے تو اُسکے دریافت کی

قوت قوی ہوتی ہے اور اونٹ سے اونٹ سبزی اور گرمی اس سے معلوم ہوجاتی ہے اور دوزخیوں کے عذاب کی زیادتی کا سبب ایک یہی ہوگا کہ انکے مخالف
اور دشمن طرح طرح کی نعمتوں سے نوازے جائینگے جیسا کہ فرمایا ہے **اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا** بیشک ڈروالوں کو مراد ملنی ہے اور انکا مرتبہ
بے علموں نافرمانوں کے مرتبے سے جدا اور ممتاز ہے **حَدَآئِقَ** باغ ہیں میووں سے بھرے اور گرداگرد ان باغوں کے دیوار ہے محافظت کے واسطے
اور حدیقۂ عرب کی لغت میں اسی باغ کو کہتے ہیں جسکے چاروں طرف دیوار ہو **وَاَعْنَابًا** اور انگور بہت ٹٹیوں سے لٹکے ہوئے اور یہ باغ دوزخیوں کے
مانند دوسری دیوار کے ہوگا اور جو انگوروں کی ٹٹیاں مکان کے اندر جیسی ہوتی ہیں کہ اسکے سایے میں بیٹھتے ہیں اور مانند چھپر کے اسکو بناتے ہیں اور ایک
طرح سے وہ درخت ہیں کہ مقصود اس سے میوہ کھانا ہے اسیواسطے اسکو خاص کرکے ذکر کیا والا یہ بھی نہیں سب میووں میں داخل ہے کہ **حَدَآئِقَ** کی
لفظ ان سب کو شامل ہے تو گویا ارشاد ہوتا ہے کہ ان باغوں میں سایہ بان انگور کی ٹٹیوں کے ہونگے بجائے بارہ دری اور بنگلے کے **وَكَوَاعِبَ**
اور نوجوان عورتیں ان بیاہی کہ انکی چھاتیاں اٹھی ہوئی سخت ہونگی بلوغت کی حد کو پہنچی ہوئی یہ اسواسطے کہ سیر باغ و بہار کی بے یاروں اور
خوبصورت آشناؤں کے اور بغیر پوشاک کے بے لطف اور بےمزہ ہے **اَتْرَابًا** یعنی وہ سب عورتیں ہم سن ایک عمر کی ہونگی اور پرہیزگاروں کی عمر کے برابر
اسواسطے کہ سب کی روحوں کا بدن سے ملنا ایک ہی وقت میں ہوگا وہ وقت جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائیگا کہ صور کے پھونکنے کے ساتھ ہی سب روحیں
اپنے اپنے بدن سے ملجاوینگی تو گویا ایک ہی وقت سب کے سب پیدا ہوئے جیسا دوسری جگہ فرمایا ہے **اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا عُرُبًا**
اَتْرَابًا لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ؁ اور ایسے عورتیں بنائی ہونگی کہ متقیوں کو ہم جنسی کے سبب انکی صحبت سے محبت اور خوشی خاطر حاصل ہوگی اور انکا ہم عمر
ہونا الفت اور محبت کا زیادہ تر سبب ہوگا اور یہی سبب ہے بوڑھوں کو جوانوں کی صحبت سے اور جوانوں کو بوڑھوں کی صحبت سے نفرت ہوتی ہے اور اکثر تفسیروں
میں مذکور ہے کہ بہشت میں مرد اور عورتیں تینتیس سال کی ہونگی اسواسطے کہ کمال ہر قوت کا اور خوشی اسی عمر میں زیادہ ہوتی ہے والا پیدائش انکی دوسرے صور
پھونکنے کے وقت ہوگی اور اسوقت سے بہشت میں داخل ہونے تک مدت بہت ہے اور جو بعضی روایتوں میں آیا ہے جیسا کہ تفسیر زاہدی اور واحدی میں مذکور ہے
کہ عورتیں سترہ اٹھارہ برس کی عمر کی اور مرد تینتیس برس کی عمر کے ہونگے اسکا مطلب ہے کہ عورتوں کی صورت اور جوڑ بند جنت میں دنیا کی عورتوں کے
موافق ہونگے اسواسطے کہ عورتوں میں خوبصورتی کا کمال اسی عمر میں ہوتا ہے اور اسکے بعد نقصان شروع ہوتا ہے اور چھاتیاں جننے اور دودھ پلانے کے
سبب سے ڈھلجاتی ہیں اور انوثی مزاج یعنے زنانہ مزاج کہ نہایت تر ہے اسوقت میں خشکی کے سبب نہایت اعتدال پر ہوجاتا ہے اور بدن کا سڈول خوش
تختی ہونا اور سادہ پن اور ناسمجھ ہونا کہ محبوبوں اور معشوقوں میں خوب ہے جو اس عمر میں بہت ہوتا ہے بخلاف مردوں کے کہ کامل ہونا عقل کا اور ہر کام میں آزمودہ کار
ہونا مردوں میں بہتر اور پسندیدہ ہے مانند میوے کے کہ پکا ہوا میوہ بہتر ہوتا ہے کچے سے اور عورتیں مانند اس میوے کے ہیں کہ کچا اسکا بہتر اور مزیدار
ہوتا ہے پکے میوے سے جیسے ککڑی کھیرا **وَّكَاْسًا** اور پیالے شراب کے **دِهَاقًا** بھرے چھلکتے ہوئے ایک پر ایک پیے گئے اور دہاق کی
لفظ سے عرب کے استعمال کے موافق دونو باتیں بوجھی جاتی ہیں بھرا ہونا اور پے در پے دینا اور پرہیزگاروں کو شراب پلانا خوشی اور مزے کی زیادتی
کے واسطے ہوگا اسواسطے کہ شراب پینے سے ایسی سبکروحی اور خوشی انکو حاصل ہوگی کہ بیباک اور بےحجاب ہوکے عورتوں سے مزیداریاں کرینگے
اور باغوں کی سیر کا لطف بخوبی پاوینگے اور تمکین اور وقار ان مزیداریوں کے حاصل کرنے میں کچھ مانع نہوگا جیسا کہ دنیا میں محبت الٰہی کی شراب سے مست کیے
احوال اور مقامات اور انکار لوامع اور طوالع و واردات کے باغوں سے پھل اور لذتیں حاصل کی تھیں لیکن جہاں کی شراب میں کہ محبت الٰہی کے معنوں کی تمثال ہے
کوئی فساد کی بات اور کچھ برائی نہوگی جیسے دنیا کی شراب میں ہوتی ہے اسیواسطے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا ہے کہ بہشت کی چیزیں
کے نام دنیا کی چیزوں کے مانند ہونگے اور حقیقتیں سب کی مختلف ہونگی اسواسطے کہ دنیا کی چیزوں کا خاصہ مواد عنصریہ کثیفہ میں صورت نوعیہ کے در آنے سے ہوتا
ہے اور بہشت کی چیزوں کا خاصہ اسماء الٰہیہ و حقایق قدسیہ کی تجلیات کی تاثیر سے کہ مادۂ لطیفہ مثالیہ میں حاصل ہوکر پایا جائیگا ہر چند دنیا اور آخرت
میں اسماء الٰہیہ و ظہور تاثیرات ان اسماء کے غلبہ کے سوائے کوئی دوسرا سبب نہیں ہے لیکن کمال ظہور اور طہارت انشاط اور لطافت مواد کے لحاظ سے اور

تا پاکی برائیوں کے دور ہونے سے دونوں کے درمیان میں تفاوت آسمان اور زمین کا ہے وہ آگ جو حضرت موسی علیہ السلام نے اُسکی روشنی طور پر دیکھی تھی اُسکو بھٹی کی آگ سے کہ گدھے اور گائے کی لید سے حاصل ہوتی ہے کیا نسبت ولنعم ما قیل یعنی کیا اچھی بات ہے کسی شاعر کی ~~ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد + گر فرق مراتب نکنی زندیقی + ہر مرتبے کو ہستی کے ایک حکم اور ہے + اُسمیں جدائی جو نکرے وہ ستور ہے + پس بہشت میں شراب کی مجلس ایسی برائیوں سے پاک ہوگی کہ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ۝ یعنے اُس شراب کے پینے میں نہ بیہودہ بات سُنینگے اور نہ جھوٹ تو لڑائی اور گالی اور ہذیان اور بک بک بیفائدہ کا کیا ذکر ہے جس طرح انکی مجلس دنیا میں بھی ایسی نکمی باتوں سے پاک تھی اور جھوٹ اور ٹھٹھے بازی اور مسخرگی اور عیب گیری اُنکی صحبت میں دخل نرکھتی تھی اسی طرح بہشت میں بھی ہوگی اور یہ نعمتیں اور لذتیں کہ وہاں آنکو حاصل ہونگی اس طور پر نہیں ہیں کہ اُس عالم کی آب و ہوا کے تقاضے سے ہوئی ہوں جیسا کہ دنیا میں ولایتوں کے اختلاف سے سردی اور گرمی اور قحط اور ارزانی ہوا کرتی ہے بلکہ یہ چیزیں آنکو ملینگی جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ بدلا تیرے پروردگار کی طرف سے کہ کامل ہے اور کامل جو دیگا تو پورا دیگا اور اگر کسی کے دل میں گزرے کہ بدلے میں دو چیز کا لحاظ ضرور ہوتا ہے ایک مرتبہ دینے والے کا دوسرے قدر اُس کام کی جسکے عوض میں دیتا ہے اور یہاں ہر چند کہ جزا دینے والا نہایت اعلیٰ مرتبے کا ہے لیکن اُنکے کام سب ملکے اسقدر کمال نہیں رکھتے ہیں اُسکے جواب میں کہینگے کہ یہ نعمتیں اور لذتیں حقیقت میں جزا نہیں ہیں بلکہ عَطَاءً بخشش اور انعام ابتدائً نہیں بلکہ حِسَابًا موافق اُنکے عملوں کے دیا ہے نہ عمل کے اندازے پر مثلاً جیسے کسی بادشاہ کو انعام اور بخشش اپنے نوکروں کو دینا منظور ہو تو حکم کرے کہ جو ہمارے جلو میں حاضر رہتے ہیں اُنکو اتنا دو اور جو فلانے قلعے پر متعین ہے اسکو اتنا دو اور جو فلانی خدمت پر مقرر ہے اُسکو اتنا دو تو ایسی جگہ انعام کی تقسیم میں لحاظ کام کا اور انعام دینے والے کے قدر کا نہیں ہوتا ہے بلکہ فقط کاموں کے شمار کے نشان اور پہچان کے واسطے ہے اور بس لیکن جو انعام اور بخشش کو عملوں پر مقرر فرمایا ہے اسواسطے جزا کے ساتھ بہت مشابہت پیدا کی اور اسی سبب سے اسکا نام جزا رکھا ہے اور بھی جو یہ جزا دینے والا ایسا شخص ہے جسکی صفت یہ ہے رَّبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا پروردگار آسمان اور زمین کا اور جو کچھ اُن دونوں کے درمیان میں ہے اور آسمان اور زمین پر اور جو کچھ اُنکے درمیان میں ہے سب پر بخشش اور انعام ابتدائی بدون تکلیف اور بے اگلے وعدے اور بے مستحق ہونے کے نہایت اعلیٰ مرتبے پر کیا ہے تو یہ انعام اور بخشش اپنے اُن لوگوں کے حق میں جو تھوڑی سی لیاقت بھی رکھتے ہیں اور وعدہ بھی اُنسے ہوا ہے اور مکلف بھی ہیں کس طرح پوری نکرے اسیواسطے اسکا نام یہ ہے الرَّحْمَٰنِ یعنے بخشنیوالا مطلق اور جو یہ نام رکھتا ہے بے وعدہ ہزاروں احسان کرتا ہے تو جس سے وعدہ کیا ہو کیونکر نہ پورا کریگا لیکن باوجود اُسکی ایسی رحمت کے کہ ماباپ سے زیادہ اپنے فرمانبردار بندوں پر شفیق اور مہربان ہے بزرگی اور جلال بھی اُسکا نہایت مرتبہ اعلیٰ پر ہے یہانتک کہ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ قدرت نرکھینگے اس سے باوجود اسقدر توجہ اور عنایت اور نزدیکی اور مرتبے کے خِطَابًا بات کہنے کی بدون وسیلے کے اپنے مقدمے میں یا کسی کی شفاعت میں قریب تھا یا اپنا آشنا ہو اور یہ عظمت و بزرگی ہر چند کہ اُسکی ذات کو لازم ہے لیکن ظہور کامل اُسکا نہوگا مگر يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ جس دن کھڑی ہووئیگی روح اور روح نام ہے ایک لطیفہ دراکہ متیقظہ کا کہ ہر مخلوق کو دی ہے آسمان ہو یا زمین پہاڑ ہو یا دریا درخت ہو یا پتھر اور اسی کو دوسری جگہ پر مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ کرکے تعبیر فرمایا ہے جیسا کہ سورہ یٰس کے اخیر میں ہے اور اُس لطیفہ دراکہ کے سبب ہر مخلوق کو اپنے پروردگار کی تسبیح اور عبادت میسر ہے وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ ۱۵ ع ۵ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ اور حقیقت میں وہ لطیفہ ایک جوہر ہے نورانی کہ جواہر اور اعراض سے تعلق رکھتا ہے اور اُسی جواہر روحانی کے سبب سے قرآن کی سورتیں اور نیک عمل جیسے نماز اور روزہ اور کعبہ معظمہ عالم برزخ میں اور قیامت میں شفاعت کرینگے اور گواہی دینگے اور آسمان اور زمین اور دن اور رات سب گواہ ہونگے اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ مؤذنوں کے واسطے ہر پتھر اور ڈھیلا اور درخت اور لکڑی جہانتک آذان کی آواز پہنچتی ہے قیامت کے دن گواہی دیگا اور اُس دن وہ جوہر نورانی اپنی اپنی مناسب شکلیں پکڑکے حشر کے میدان میں کھڑے ہونگے اور گواہی دینے میں اور شفاعت کرنے میں مشغول ہونگے اور فرق آدمیوں اور جانداروں کی روحوں کے تعلق میں اور

دوسری مخلوقات کی روحوں کے تعلق میں یہ ہے کہ تعلق پہلا دائمی ہے اور حلول سریانی سے مشابہت رکھتا ہے جو سب قوائے طبیعیہ اور نباتیہ اور حیوانیہ میں در آکے اپنے حکم کا تابع کیا ہے اور دوسرا تعلق دائمی نہیں ہے اور حلول طریانی سے مشابہ ہے اسیواسطے دنیا میں بھی بعضے وقت اثر اُس تعلق کا ظاہر ہوتا ہے اور پتھر اور درخت نبیوں سے کلام کرتے ہیں اور اُنکے حکم پر کام کرتے ہیں اور اُنکو سلام کرتے ہیں اور قیامت کے نزدیک یہ تعلق بھی نزدیک ہمیشگی کے اور سریانی کے ہو جائیگا اور یہی سبب ہے جو احادیث میں آیا ہے کہ قیامت کے نزدیک ایسے ایسے عجائبات بہت پائے جاوینگے اور اُسکا بھید یہ ہے کہ اس تعلق کے اثر کا ظہور ایسے وقت میں ہوتا ہے کہ حکم روحانی غالب ہو جائیں تو قیامت کے قریب کہ احکام روحی کے غلبے کا وقت ہے زیادہ تر ظاہر ہونگے اور نبیوں اور ولیوں کی ہمت سے اُنکے سامنے بھی روحیہ کے حکم غالب ہوتے ہیں اور دوسرے مفسروں نے روح کی تفسیر میں باتیں مختلف لکھی ہیں لیکن حق بات یہ ہے جو اس جگہ مذکور ہوئی **وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا** ج اور کھڑے ہوئیں فرشتے ساتوں آسمان اور زمین کی صفیں باندھکر تا اُسدن کے کاموں کے جاری کرنے میں جیسے جزا اور سزا دینا اور عملوں کو تولنا اور نامۂ اعمال کو دکھلانا اور پل صراط سے اُتارنا اور سوا اسکے اور کاموں میں مستعد اور تیار ہیں **لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ** اُسوقت میں بات نکرینگے بلکہ دم نہ مارینگے اگرچہ وقت شفاعت اور شہادت کا ہے **اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ** مگر جسکو پروانگی دی رحمٰن نے اور حکم ہووے کہ فلانے شخص کی شفاعت کرو یا گواہی دو اور یہ حکم رحمت کے تقاضے سے ہوگا اس شخص کے حق میں **وَقَالَ صَوَابًا** ۝ اور کہیگا وہ شخص بات سچی اور خلاف قاعدے کے عرض نکریگا مثلاً کافر اور بد عقیدے کے واسطے شفاعت نکریگا بلکہ جو شخص ایمان کے سبب سے لایق بخشش کے ہوگا اُسکے گناہ کی بخشش طلب کریگا اور اسی طرح شہادت میں احتیاط کریگا کم زیادہ نہ کہیگا اسواسطے کہ **ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ** ج وہ دن حق کا دن ہے۔ جھوٹ اور نکمی بات اُسدن پیش نہ جاوینگی اور سرسبز نہووینگی دنیا کے دنوں کے برخلاف کہ یہاں سچ اور جھوٹ اور اچھائی اور بُرائی سب ملی ہوئی ہے کچھ فرق نہیں ہے اور ان معنوں کا بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ وہ روز وہ ہے کہ جدائی اور تفرقہ نیکوں اور بدوں میں اور امتیاز کرنا مسلمان اور کافر میں حق اُسدن کا ہے اور وہ دن اسی کام کے قابل ہے نہ مانند دنیا کے دنوں کے کہ فریب اور دغا اور برابری نیک بد کی اور شریک ہونا فرمانبردار اور گنہگار کا یہاں سب جاری ہے **فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا** پھر جو چاہے بنالیوے اپنے پروردگار کے یہاں ٹھکانا تاکہ اُسدن اسکو امتیاز اور عزت ہمچشموں اور برابر والوں میں حاصل ہووے اور طرح طرح کے عذاب کرنا فرمانی اور بے پروائی کے سبب حقتعالی کی طرف سے اُسدن تیار ہو رہے ہیں خلاصی پاوے اور رجوع الی اللہ کا فائدہ اُس عذاب کی خلاصی میں کہ قیامت کو نافرمانوں کو نصیب ہوگا منحصر نہیں ہے بلکہ **اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ** ہمنے بارہا قرآن مجید میں اور پیغمبروں کی زبانی تم کو ڈرا دیا ہے کہ تم رجوع الی اللہ میں قصور کرلے ہو اور اُسکے حکم کی اطاعت سے سرکشی کرتے ہو **عَذَابًا قَرِيْبًا** ج نزدیک کے عذاب سے کہ ہر شخص کو مرنے کے بعد عالم برزخ میں پیش آویگا اور اُس عذاب میں اصل اور رکن عالم کے خراب کرنیکی احتیاج نہیں ہے بلکہ عالم صغیر انسانی کو خراب کرنا اور اُسکے رکن اور بنیاد کو گرا دینا کفایت کرتا ہے اسواسطے کہ اس عذاب کی حقیقت بدعملوں کی بُری اور کالی شکلوں کا ظاہر ہونا ہے جو بدعمل مُردے کی ذات پر غالب ہیں بدصورتوں اور ڈرانی شکلوں سے اُسکی قوت خیالیہ میں اس طرح سے کہ وہ قوت اُنکے اثر سے بھر جائیگی بغیر اسباب کے کہ تاشۂ اعمال کھولے جاویں اور بہت سے بہت پر آگاہ کریں اور گواہ اور شاہد اُنکو حاضر کریں اور وہ مالک علی الاطلاق بے پردہ تجلّی فرماوے اور اپنے اپنے حقوں کے دعوے کرنیوالے جمع ہوویں اور سب اگلے اور پچھلے لوگ جمع ہو آویں اور ایک اچھی جگہ نیکوں کے واسطے اور دوسری خراب جگہ بدوں کے واسطے علیحدہ علیحدہ مقرر کی جاوے اسیواسطے وہ عذاب قریب واقع ہوگا **يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ** جسدن ہر شخص دیکھیگا جو کچھ آگے بھیجا اُسکے دونوں ہاتھوں نے یہاں دونوں ہاتھوں سے مراد ہے عمل کرنیوالی دو قوتیں یعنی نیک عمل کی قوت اور بدعمل کی قوت اور تقدیم دلیل ہے اس بات کی کہ ہیئت نورانی اور ہیئت ظلمانی اُن عملوں کی اسکی ذات میں پیدا ہوئی اسواسطے کہ تقدیم اور ترجیح عمل کی بدون جم جانے اُس عمل کی محبت کے اُسکے دل میں متصور نہیں ہے اور وہ ہیئت ایک صورت رکھتی ہے عالم مثال میں اسکے مناسب تو جب نفس انسانی ادراکات و تصرفات اس عالم سے فارغ ہو کے بالکل متوجہ ادراکات اُس عالم کا ہوگا اُسوقت اُن صورتوں کو دیکھیگا۔ اور یہ عذاب اس قسم کا ہے

کہ حکماء اور فلاسفہ بھی اسکے قائل ہیں اور عالم خواب پر قیاس کرکے اسکو واقعی جانا ہے مگر اتنا فرق ہے کہ خواب کے عذاب سے بسبب متوجہ ہونے نفس کے ساتھ ادراکات اس عالم کے جاگنے کے وقت خلاصی اس عذاب سے متصور ہے اور برزخ کے عذاب سے اسطرح سے خلاصی متصور نہیں ہے اسواسطے کہ وہ خواب اپنے پیچھے بیداری نہیں رکھتی ہے بخلاف عذاب قیامت کے کہ کسی کی عقل اسکو دریافت نہیں کر سکتی تو یہ عذاب بھی قریب ہے زمانے وقوع کے اعتبار سے اور بھی قریب ہے عقل کے باعتبار تصور اور تصدیق کے لیکن ایمان اور اعتقاد کی درستی کے سبب اس عذاب قریب سے بھی نجات ہوگی اسواسطے کہ ہرچند اسکے بدعملوں نے شکلیں تاریک اس شخص کی ذات میں پیدا کی تھیں لیکن ایمان صحیح اور اعتقاد درست نے بھی بڑی شکل نورانی اسمیں پیدا کی تھی بعد کھینچ کھانچ کے دونوں طرفوں سے نور ایمان کا گناہ کے اندھیرے پر غالب ہوگا اور وہ شکل تاریک مانند بدلی سیاہ تہ بتہ کے شدت روشنی آفتاب سے پھٹ جائیگی اور کافر کو سوائے اس شکل تاریک کے کوئی چیز دوسری پاس نہ ہوگی تا اسکے نور سے اس اندھیرے کو دور کرے لاچار حسرت کریگا **وَيَقُولُ الْكَافِرُ** اور کہیگا کافر جب وے صورتیں بری بری اپنے کفر اور گناہ کی دیکھیگا اور اسکے مقابل میں کوئی صورت نورانی ایمان کی اپنے پاس نپاوے گا **يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا** کیا اچھا ہوتا کہ میں مٹی ہوتا اور کاشکے انسان کی شکل پیدا ہوتا تو یہ مجھ سے بری صورتیں ظاہر نہ ہوتیں اور مٹی کو خاص اسواسطے یاد کریگا کہ اصل آدمی کی خاک ہے اسواسطے کہ اگر نطفہ ہے تو غذا سے پیدا ہوتا ہے اور غذا یا زمین کی اگنے والی چیز سے پیدا ہوتی ہے یا حیوانات سے اور یے دونوں چیزیں خاک سے پیدا ہوتی ہیں اور گوشت اور کھال اور خون اور خلط بھی غذا اور دوا اور میوے سے پیدا ہوتا ہے اور پھر آخر کو یہ سب خاک ہو جاتا ہے اور جو خاک کے بعد کوئی مادہ دوسرا اسکے خیال میں نہیں ہے لاچار وقت بھاگنے کے صورت انسانیہ سے ابعد مادے کو کہ خاک ہے آرزو کرتا ہے جس طرح کسیکو سفر میں رنج پہنچتا ہے تو کہتا ہے کہ کیا اچھی بات ہوتی کہ گھر سے میں باہر نہ نکلتا اور یہ نہیں کہتا کہ میں راہ سے پھر جاتا یا راہ میں رہجاتا اسواسطے کہ اس کہنے سے کمال دوری اس بلا سے معلوم نہیں ہوتی اور یہ بھی جان لیگا کہ یہ سب گرفتاری میری روح کے باقی رہنے کے سبب سے ہوئی اگر میں صرف بدن ہوتا اور خاک ہو جاتا تو اس عذاب میں گرفتار نہ ہوتا اور حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً اور موقوفاً روایت ہے کہ قیامت کے دن جانوروں سے حساب کتاب کے بعد جیسے جو جانور کسی دوسرے جانور کو سینگ یا کھر مارا ہوگا وہاں قصاص اسکا لیکے حکم ہوگا کہ سب کے سب خاک ہو جاویں اسوقت کافر انکے حال کو دیکھ کر غبطہ کریگا اور کہیگا کہ کیا اچھی بات ہوتی کہ مجھکو خاک ہونیکا حکم ہوتا اور اس بری آدمیت سے کہ میری اس خرابی کا سبب ہوا ہے دور رہتا اور بعضے صوفیہ نے فرمایا ہے کہ مراد خاک ہونے سے یہ ہے کہ مانند خاک کے عاجزی اور فروتنی کرتا ہیں اور تکبر اور غرور اور نافرمانی نکرتا اور بعضے واعظوں نے کہا ہے کہ مراد کافر سے ابلیس ہے کہ کفر میں سب سے بڑھکر ہے سو جب حضرت آدم اور انکی اولاد پر طرح طرح کی بخششیں اور نوازشیں دیکھیگا آرزو کریگا کہ کیا خوب ہوتا کہ میں بھی خاک ہوتا اور خاک سے پیدا ہوتا اور آگ سے نہ پیدا ہوتا کہ اسی سبب سے فخر کیا میں نے اور کہا **خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ**

سُوْرَۃُ النّٰزِعٰتِ

یہ سورت مکی ہے اسمیں چھیالیس آیتیں اور ایکسو نواسی کلمے اور سات سو تریپن حرف ہیں اور بظاہر نظر میں اس سورت کا ربط سورہ مرسلات سے قوی معلوم ہوتا ہے اسواسطے کہ ابتدا اس سورے کی اس سورے کی ابتدا سے بہت مشابہت رکھتی ہے بلکہ تمام قرآن میں اس قسم کی ابتدا پانچ سورتوں میں واقع ہوئی ہے پہلے صافات دوسرے ذاریات تیسرے مرسلات چوتھے نازعات پانچویں عادیات اور صافات میں تین صفتیں بیان کی گئی ہیں اور ذاریات میں چار صفتیں اور باقی تین سورتوں میں پانچ پانچ صفتیں مذکور ہیں لیکن عادیات کی سورت وسیلے سے مشابہت میں ان دونو سورتوں سے کم ہے اول چھوٹا ہونا اسکا اور بڑا ہونا ان دونوں کا دوسرے یہ کہ وہ صفتیں وہاں فعل کے صیغے سے مذکور ہیں جیسے **فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا** اور ان دونوں سورتوں میں پانچوں صفتیں اسم فاعل کے صیغے سے مذکور ہوئی ہیں سو ان دونوں سورتوں کو شروع کی روش اور انداز میں بہت مناسبت ظاہر ہے لیکن باریک بین صحابیوں نے بہت غور کرکے دریافت کیا ہے کہ مدار سورۃ والمرسلات کا قیامت اور اسکے حکموں کے بیان پر ہے اور سورہ عم یتساءلون بھی اسی قیامت کے وقائع اور احوال کی شرح ہے تو گویا سورہ تساؤل شرح اور تمامی مرسلات

لی ہے اسیواسطے دونوں کو ایک جگہ پر لکھا ہے بعد اُسکے ابتدا کی مناسبت کی رعایت سے اِس سورے کو لائے اور بعد خوب غور کرنیکے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سورے کے مضمونوں کو سورۂ تساؤل کے مضمونوں کے ساتھ اِسقدر مناسبت واقع ہے کہ نوبت اتحاد کی پہنچی ہے اور باوجود اس مناسبت کے رعایت مناسبت مطلع کی چنداں ضرور نہیں ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اس سورت کے اول میں آپس میں سوال کرنا کافروں کا قیامت سے مذکور ہے اور اس سورت میں سوال کرنا کافروں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکور ہے جیسا کہ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا اور اُس سورت میں ہے اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهَادًا اور اس سورت میں وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا اور اُس سورت میں وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا اور اِس سورت میں وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا اور اُس سورت میں وَ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّهَارَ مَعَاشًا اور اِس سورت میں وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا اور اُس سورے میں سَبْعًا شِدَادًا اور اِس سورت میں ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰىهَا اور اُس سورے میں بارش کے پانی کا ذکر ہے کہ آسمان سے نیچے آتا ہے اور سبزے کو اُگاتا ہے اور اِس سورے میں چشموں کے پانی کا ذکر ہے کہ زمین سے نکلتا ہے اور سبزے کے اُگانے میں مدد کرتا ہے اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا اور اُس سورت میں يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ اور اِس سورے میں تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ اور اُس سورے میں جہنم کے حق میں فرمایا ہے لِلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا اور اِس سورے میں فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى اور اُس سورے میں دوزخیوں کی دوزخ میں زیادہ ٹھہراؤ اس عبارت سے ارشاد ہوئی کہ لٰبِثِيْنَ فِيْهَا اَحْقَابًا اور اِس سورے میں کم ٹھہراؤ دوزخیوں کا دنیا اور برزخ میں اس عبارت سے فرمایا کہ لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا اور اُس سورت میں جنت اور اُسکے نعمتوں کے حق میں یوں فرمایا ہے لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا اور اِس سورے میں وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى اور سوائے اسکے اور بہت سی مناسبتیں مذکور ہیں کہ خوب غور کرنیکے بعد ظاہر ہوتی ہیں اور اس سورے کے نازعات نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ نازعات کی انہیں پانچ صفتوں میں سے ہے جو اس سورے کے اول میں مذکور ہیں اور وہ سب کمالوں کے حاصل ہونیکا وسیلہ ہیں اور صفتیں دوسری فرع اسکی ہیں گویا یہ صفت ابجد کے قاعدے کا حکم رکھتی ہے تمام علموں کی نسبت سے کہ حاصل کرنا سب علموں کا بدون سیکھنے اس قاعدے کے ممکن نہیں ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نفس انسان کا جب اپنی تکمیل کی طرف متوجہ ہوتا ہے ہر کام کے حاصل کرنے میں علم ہو یا عمل کاریگری ہو یا کوئی پیشہ نیک ہو یا بد فائدے والا ہو یا نقصان والا ہر طرح سے اسکو ضرور ہے کہ یہ پانچوں مرتبے طے کرے تو اُس مطلب کے کمال درجے کو پہنچے اور رتبہ تکمیل کا اُس فن میں حاصل کرے اول یہ کہ اپنے تئیں اُن چیزوں سے جو اسکے مطلب کے منافی ہیں دور رکھے اور اس حالت میں اسکو بڑی کوشش کرنا ہوگی کہ طبیعت اسکی انھیں منافیات کو چاہتی ہے یا شرع انھیں منافیات کے بجالانے کو حکم کرتی ہے یا عقل انھیں کی طرف کھینچتی ہے اور وہ شخص برخلاف طبیعت کے یا شرع یا عقل کے اپنے تئیں اس چیز کے حاصل کرنے میں مشغول کرتا ہے اور ممانعت طبیعت اور شرع اور عقل کی ہرگز خیال میں نہیں لاتا اس حالت کو زور سے کھینچنے کر کے تعبیر فرمائی ہے کہ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا انہیں معنوں پر دلالت کرتا ہے اور جو یہ حالت شہوات نفسانی کے سبب واقع ہوتی ہے اسکو اہل سلوک کے عرف میں توبہ اور مجاہدہ کہتے ہیں دوسرے یہ کہ کثرت شغل سے اُس چیز کے ساتھ اُسے محبت ہو جاتی ہے اور اس محبت کے سبب سے اُسکو خوشی اور سرور حاصل ہوتا ہے اور دل اُسی کی طرف رغبت کرتا ہے اور اگر اُسے کسی سبب سے جدائی ہوجاتی ہے بے اختیار اُسی کا مشتاق رہتا ہے اور خطرہ اور تعلق اُسکے دل میں باقی نہیں رہتا ہے اور سب طرف سے منہ پھیر کے اُسی کی طرف مشغول رہتا ہے اور اسی حالت کو نشاط کر کے تعبیر فرمایا ہے کہ اسکو ہندی میں اُمنگ کہتے ہیں اور اہل سلوک کی اصطلاح میں اس حالت کو اگر حقتعالی کی راہ میں ہووے تو ارادہ اور شوق اور ذوق کہتے ہیں اور مشکلکشائی اس راہ کی اسی صفت سے ہے لیکن بدون حاصل ہونے پہلی صفت کے اسکی حقیقت کا دریافت کرنا ممکن نہیں اسواسطے کہ یہ حالت بڑی محنت اور رنج سے حاصل ہوتی ہے تیسرے یہ کہ مہارت بڑی اُس شغل میں حاصل کرے اور بے رنج اور مشقت کے وہ کام اُس سے ہوا کرے اور بسبب کثرت کے اُس کام میں ملکہ حاصل ہوجاوے۔ اور اس حالت کو ساتھ سیاحت کے جو شناوری کے معنوں میں ہے تعبیر کیا ہے اسواسطے کہ تیرنیوالا بے تکلف اور بے رنج پانی میں سیر کرتا ہے اور اہل سلوک کے عرف میں اس حالت کو سیر احوال اور مقامات کہتے ہیں اور کمال کا اول سرا یہ حالت ہے کہ پہلے اسکے سوائے طلب اور تلاش کے کچھ حاصل نتھا اور حصول مطلب کا اس حالت سے شروع ہوتا ہے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ اس کام میں برابر والوں سے آگے بڑھ جائے اور جو اوروں سے اِس صنعت اور فن میں نہو سکے

یہ شخص اُسی سہولت اور آسانی سے کرلے اور یہ حالت سب سے اعلےٰ ہے اور اسی کو سبقت کہتے ہیں اور اصطلاح صوفیہ میں اس حالت کو طیران اور عروج
کہتے ہیں۔ اور پانچواں درجہ وہ ہے کہ کمال کے سب حدوں کو طے کرکے تکمیل کے رُتبے کو پہنچے اور اُس کام کا پیشوا اور اُستاد ہو جاوے کہ اور لوگ اس سے
اپنی حل مشکل کریں اور اس صنعت میں بے تدبیر اور مشورے اس شخص کے کام نکر سکیں اسی حالت کو اس عبارت سے تعبیر فرمایا ہے فالمدبرات امرا۔ اور
صوفیہ کی اصطلاح میں اس مرتبہ کو مرتبۂ رجوع اور نزول اور دعوۃ الخلق الی الحق اور مرتبہ تکمیل اور ارشاد کا کہتے ہیں اور یہ پانچوں مرتبے ہر کام میں
خیر ہو یا شر اور ہر حال میں احوالوں سے نیک ہوں یا بد آدمی کو آگے آتے ہیں سو بعضے نفوس کم استعدادی سے یا آگے آنے کسی موانع سے ان
پانچوں مرتبے کے حاصل کرنے میں قاصر اور محروم رہتے ہیں اور کوئی ایک یا دو تین یا چار مرتبے پر قناعت کرتے ہیں۔ اور بعضے توفیق الٰہی سے سب مرتبے طے
کرکے مقتدا اور پیشوا ایک عالم کے ہوتے ہیں اور بعضے بُرائی میں یکتا ہوکے ابلیس کے بھی اُستاد بنجاتے ہیں۔ اور جو سورۂ عم تیساءلون میں مجمل اشارہ
نفس انسانی کے اُن مرتبوں سے واقع ہوا تھا جیسے فتاتون افواجا اسواسطے اس سورے میں شروع سے تفصیل ان مرتبوں کی منظور ہوئی
لیکن قسم کے طور پر انھیں مرتبے والوں کے نام سے تاکہ اُنکے نام سے قسم کھانا اُنکی بزرگی پر دلالت کرے اور بھی اشارہ ہو اسبات پر کہ قیامت کا آنا ان
مرتبوں کے آثار ظاہر ہونے کے واسطے بہت ضرور ہوا۔ اسواسطے کہ دنیا میں اُنکے آثار کا ظاہر ہونا ممکن نہ تھا اسواسطے کہ دنیا کا عالم اُسکے ظاہر ہونے
کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا ہے پھر قسم کو ظرف زمان سے کہ دن قیامت کا ہے مقید کیا تا معلوم ہو جاوے کہ قسم کھانا اُن مرتبوں اور اُن مرتبے والوں کے
ساتھ اُسیوقت میں ہے اُسی قید سے اسواسطے کہ قبل آنے اُسوقت کے اور بے لحاظ کرنے اُس قید کے قابل قسم کے نہیں ہے یوم ترجف الراجفۃ
ظرف ہے اور قسم کے فعل کا متعلق ہے کہ حرف قسم کا اُس فعل پر دلالت کرتا ہے اور مجموع اس ترکیب کا مانند والقمر اذا اتسق اور والیل اذا یغشی
والنھار اذا تجلی کی ترکیب کے ہوا تو گویا اس کلام کے معنی یہ ہوئے کہ قسم کھاتا ہوں میں اُن لوگوں کی جنہیں یے وصف پائے جاتے ہیں کہ جسدن قیامت قائم
ہوگی اور نشان ان صفتوں کے ظاہر ہونگے تو پہلی صفت والوں کا غول علیحدہ ہوگا اور حکم اُنکے ایک طرح کے ہونگے اور دوسری صفت والوں کا غول علیحدہ اور
حکم اُنکے دوسری طرح کے اسیطرح اور صفت والوں کا حال پوچھا چاہیئے اور جنہیں دو صفتیں یا تین یا چار یا پانچ ملکے اکٹھی پائی جاوینگی اُنکے غول علیحدہ ہونگے اور
حکم اور طرحیں بھی آپسمیں مختلف ہونگی کہ دیکھتے ہی ہر ایک کا مرتبہ محشر والوں کو معلوم ہو جائے اور کارخانہ امتیاز اور جدائی کا آپسمیں ہر ایک کا ظاہر ہوجاوے
اس مضمون کو یوں سمجھا چاہیئے کہ جیسے کوئی شخص کسی امیر کے لشکر کی تعریف میں کہے کہ قسم ہے فلانے امیر کے لشکر کی کہ لڑائی کے دن جسوقت نقارہ ہوا
اور نقیبوں نے پکارا اُسیوقت ہر ایک رسالہ دار اپنے اپنے مثل سے غول باندھکر سوار ہوتے ہیں یا کوئی شخص کسی کی کچہری کی تعریف میں کہے کہ قسم ہے فلانے
سردار کے دربار کی کہ جسدن کچہری ہوتی ہے اور لوگ جمع ہوتے ہیں اور قلمدان اور بستے کھلتے ہیں تو ہر ایک اپنے قرینے سے ہوتا ہے مثلاً متصدی خالصہ اور
تن والے علیحدہ اور بیوتات اور خالصہ مالی والے علیحدہ اور اسی طرح استیفا اور تقسیم اور بازیافت والے ہر ایک علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے مرتبے اور قرینے سے
بیٹھتے ہیں اور اپنے اپنے کام میں مشغول ہوتے ہیں اب جاننا چاہیئے کہ جو پایا جانا ان پانچوں مرتبوں کا یا دو یا تین یا چار مرتبوں کا انہیں مرتبوں سے
آدمیوں میں باعتبار استعداد کے مختلف اور فرق سے ہے جیسے بعضوں کو نیک کام میں زیادتی حاصل ہوتی ہے جیسے للّٰہی ہو جانا یا کمال علم کو
حاصل کرنا یا تقوی اور طہارت میں کامل ہونا یا اللہ کی راہ میں کافروں سے لڑنا اور جو مانند ان صفتوں کے ہیں انکو حاصل کرتے ہیں اور بعضے بُرے
کام جیسے فسق اور فجور اور کفر اور بدعت اور گمراہی اور اُلٹی بوجھ اور اسی قسم کی بُرائیاں حاصل کرتے ہیں تو ضرور ہوا کہ ہر نیک و بد کافر اور مسلمان کسی
ایک مرتبے میں ان مرتبوں میں سے اُٹھائے جاویں اور اسی گروہ میں گنے جاویں چنانچہ کہ حدیثیں صحیح اسی پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے
بعثہ اللہ فقیہا اور دوسری جگہ فرمایا فی زمرۃ الشھداء اور جو لوگ وبا میں مرتے ہیں اُنکا جھگڑا اور کشاکش آپس میں مشہور ہے کہ اُنکو
شہدا اپنی طرف کھینچینگے کہ یے لوگ شہید ہیں ہمارے غول میں آویں اور جو اپنے فرش پر مرے ہیں وہ لوگ اپنی طرف کھینچیں گے کہ یے اپنے فرش پر
مرے ہیں ہم میں آویں انکو مرتبہ شہدا کا کہاں سے ملا اور برائی میں بھی اسی طرح کشاکش اپنی طرف ظاہر اور معلوم ہے اور یہ سب مرتبے والے کسی قسم کے

ہوویں اچھے یا بُرے مُرکن یوم الفصل کے ہیں اور اس سبب سے کہ ظاہر ہونا عدل اور جزاء الہٰی کا انہی میں ہوگا اسواسطے قابل اس قسم کے ہوئے - اگرچہ بعضے آدمیں سے حقیقت میں مردود اور ملعون شقی اور بدبخت ہیں اسواسطے کہ اس جگہ پر فقط بیان کرنا جزا اور سزا کے تعلق کا اُنکے وجود سے منظور ہے نہ حقیقت حال اُنکی ذات باصفات کی کہ انجام کار اُنکا یہ ہے اس نکتہ کو خوب سمجھنا چاہیئے کہ بہت باریک بات ہے اور اُسکے مان لینے میں تردد اور بھٹکنا نہ چاہیئے - اور قرآن کے لفظ میں کہ دوسری جگہ پر فرمایا ہے وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ خوب غور کرکے اسبات کو بوجھنا چاہیئے تاکہ وہ شبہ جو اسبات میں حاصل ہوا ہے بالکل دفع ہوجاوے جب یہ مقدمہ درست ہوچکا تو اب یہاں سے تقریر شروع ہوتی ہے +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا قسم ہے اس جماعت کی کہ کھینچتے ہیں اپنے تئیں کام میں سخت کھینچنا - اور غرق کی لفظ اسجگہ اغراق کے معنوں میں لائے ہیں جس طرح مصدر مجرد کو مزید کے مقام پر لاتے ہیں جیسے فَاَنْبَتَهُ اللّٰهُ نَبَاتًا اور اغراق عرب کے لغت میں سخت کھینچنے کو کہتے ہیں نکالا گیا ہے کمان کھینچنے سے کہ جب کمان کو خوب کھینچتے ہیں تو پیکان کمان کے اندر ہوجاتی ہے گویا غرق ہوجاتی ہے وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا اور قسم اُس جماعت کی کہ شوق اور خوشی پیدا کرتے ہیں کام میں یعنی کام نہسی خوشی سے کرتے ہیں وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا اور قسم اُس جماعت کی جو تیرتے ہیں کام کرنے میں تیرنا کرکے اور بے رنج اور مشقت کام میں مشغول ہوتے ہیں فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا پھر قسم اُنکی جو اپنے برابر والوں سے کام میں بڑھ جاتے ہیں فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا پھر قسم ہے اُنکی جو تدبیر کرنیوالے ہیں کام کی کہ جتنے پہلے مذکور ہوچکے سب اپنے اپنے کاموں کی تدبیر پوچھنے میں اور مشورے لینے میں انکی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے اپنے کاموں کی تدبیریں انسے پوچھتے ہیں - اور حرف فے کے لانے کا سبب ان دو قسموں کے آخر میں یہ ہے کہ ان دونوں فرقوں کا مرتبہ بہت بلند ہے پہلے تینوں فرقوں کی نسبت سے اسواسطے کہ یہ خود بھی کامل ہیں اور دوسرے کو بھی کامل کردیتے ہیں - اور آخر والے کا مرتبہ چوتھے سے بھی زیادہ ہے اسواسطے کہ چوتھے رتبے والے کی سبقت اپنے ہمچشموں سے ان ہی کی تدبیر بتلانے سے ہوئی ہے اور گویا کہ عالم دنیا میں قائم رکھنے والے اس کام کے یہی ہیں اور اعلےٰ اور ادنےٰ کی قسم کھانے میں فرق ضرور ہے اسیواسطے فے تعقیب کی لائے تاکہ اشارہ ہو اسبات کی طرف کہ اعلےٰ کی سوگند ادنےٰ کی سوگند کے بعد ہے اور ترقی ادنےٰ سے اعلےٰ کی طرف کرتے ہیں يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ یعنی قسم اُن جماعتوں کی اُسدن ہے کہ کانپنے کا نپنے والا یعنی زمین اور پہاڑ جنبش میں آوینگے پہلے صور پھونکنے سے اور روحیں بدنوں سے جدا ہوجاوینگی اور انتظام دنیا کا درہم برہم ہوجاویگا تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؕ بعد اسکے آوے پیچھے آنیوالا - مراد پیچھے آنیوالے سے دوسری مرتبہ کا صور پھونکنا ہے کہ اُسکے سبب سے پھر ارواحیں قالب میں رجوع کرینگی اور نئے سرے سے یہ عالم دوسرے رنگ پر پیدا ہوویگا اور اس قسم کے جواب کو مذکور نہیں فرمایا ہے اسواسطے کہ قسم خود جواب پر دلالت کرتی ہے یعنے ان مرتبے والوں کے دل اُسدن مختلف ہونگے پھر جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں اُن مرتبوں کو حاصل کیا ہے آرام اور چین میں ہونگے اور ہنستے خوشیاں کرتے چہرے تارے سے چمکتے ہوئے اُٹھینگے اور جن لوگوں نے خلاف مرضی الہٰی کے اُن مرتبوں کو حاصل کیا ہے حیران اور پریشان ہونگے کہ ہمارا کیا اکارت گیا اور جو آج کے دن کام آوے وہ ہم سے نہوا جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ کتنے دل اُسدن دھڑکتے ہونگے مارے بیقراری اور گھبراہٹ کے اور وہ گھبراہٹ اس طرح کی ہوگی کہ اُسکو تھام نہ سکینگے بلکہ اُنکے چہروں سے ظاہر ہوگی کہ منہ پر ہوائیاں اُڑتی ہونگی اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ آنکھیں اُن دلوں والوں کی تاریک اور حیران ہونگی اور آرام اور چین والوں کے دلوں کا حال اسجگہ بیان نفرمایا اسواسطے کہ یہاں خوف دلانا قیامت کے دن سے اور ڈرانا اُسکے حال سے منظور ہے اور جب معلوم ہوا کہ کتنے دل اُسدن بیقرار اور بے چین ہونگے دہشت سے تو ڈرنا چاہیئے - ایسا نہو کہ ہمارے دل بھی اُنھیں میں سے ہوویں اور اپنے دلوں کو مطمئنہ اور آرمیدہ سے یقینا نجانا چاہیئے اسواسطے کہ یہ بات یقینی نہیں ہے بلکہ شکی ہے اور شک پر توقع اور اُمید نرکھنا چاہیئے اسواسطے کہ خوف کی جگہ شک بھی کافی ہے اور اُمید کے واسطے

طرح غالب ضرور ہے اور بعضے مفسروں نے راجفہ کے لفظ سے زمین اور پہاڑ مراد لئے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں مذکور ہے کہ یوم ترجف الارض والجبال
اور رادفہ کے لفظ سے آسمان اور ستارے مراد لئے ہیں اسواسطے کہ زلزلے کے بعد زمین پھٹ کے منتشر ہو جائیگی اور بعضے کہتے ہیں کہ راجفہ پہلے زلزلے
کا نام ہے کہ زمین اسکے سبب سے ہلجاویگی اور رادفہ دوسرے زلزلے کا نام ہے کہ ہر ہر جز زمین کا اسکے سبب سے ریزہ ریزہ ہو جائیگا۔ اب اسجگہ پر جاننا
چاہئے کہ مفسروں نے اختلاف کیا ہے تعیین ماصدق علیہ میں اُن پانچوں صفتوں کے کہ اس سورت کے شروع میں مذکور ہیں یعنی اسباب میں اختلاف ہے
کہ مراد ان پانچوں صفتوں سے کیا ہے بعضوں نے ایک ہی چیز مراد لی ہے اور بعضوں نے کئی چیزیں مراد لی ہیں لیکن مناسبت کا لحاظ کر کے یعنی
آپسمیں انکے تعلق اور ربط ہو اور ایک ہی کام میں سب مشغول ہوں اور بعضوں نے اس مناسبت کا لحاظ نہیں کیا ہے اور مختلف و متفرق چیزیں مراد
لی ہیں اور اسیطرح جس سورت کا شروع مثل اس سورت کے ہے جیسے والعادیات اور والمرسلات اسمیں بھی یہی اختلاف ہے اب اس اختلاف کا بیان
شروع ہوتا ہے حضرت صوفیہ قدس اللہ اسرارہم کہتے ہیں کہ والنازعات غرقا سے اہل سلوک کے دل مراد ہیں کہ اپنے نفسوں امارہ کو جو خواہشوں
میں غرق ہوگئے ہیں زور سے کھینچتے ہیں اور ناشطات سے بھی انکے دل مراد ہیں جو درگاہ الٰہی میں پہنچنے کے مشتاق ہیں کہ روک اور موانع عبادت کے
انکے نفسوں سے دور ہوگئے ہیں اور نہایت خوشی اور سرور سے عبادت میں فرض ہو یا نفل اپنے اوقات مشغول رکھتے ہیں اور سابحات سے بھی دریاے معرفت
کے تیرنے والوں کے دل مراد ہیں اسواسطے کہ اس دریاے بے پایان میں خوض کرنا اور غوطہ لگانا ثمرہ مجاہدے کا ہے اور پہل اس کوشش کا ان احوال اور
مقاموں کو پہنچ جانا اور سابقات سے وہ دل مراد ہیں جو اپنی مراد کو پہنچے ہیں یعنی سلوک کی منزلوں کے قطع کرنیکے بعد قرب اور وصال کے انتہا کے
مرتبے کو پہنچ گئے ہیں اور نزدیکی اور وصال کے میدانوں میں ایکدوسرے سے سبقت کرتے ہیں اور مدبرات امرا سے کاملوں اور مکملوں کے دل مراد ہیں کہ
بعد پہنچنے کے درگاہ الٰہی میں صفات الٰہی سے موصوف ہو کے خلق کی دعوت خالق کی طرف کرنیکے واسطے پھر اس طرف رجوع کرتے ہیں اور قسم کا جواب اس
صورت میں یوم ترجف الراجفۃ کے پہلے مقدر ہے یعنے لترجعن الی اللہ مرضیین ان اتصفتم بھذہ الصفات ومطرودین ان اتصفتم
باضدادھا یعنی پہنچوگے اللہ کی طرف ہنسی خوشی سے اگر متصف ہوگے ان صفتوں سے اور اگر اسکے خلاف کروگے تو راندے جاؤگے اور علماء ظاہر
کے کہتے ہیں کہ مراد مراتب سے کامل کرنا قوت علمیہ کا ہے اور نازعات غرقا سے طالب علم مبتدی مراد ہیں کہ معنی مشکل کو اپنی فکر کے زور سے متنوں اور شرحوں اور
حاشیوں کی عبارت سے کھینچکر نکالتے ہیں اور ناشطات سے طالبعلم متوسط حال کے مراد ہیں کہ سخت مطلب کو حل کرتے ہیں اور مشکل کو آسان کرتے ہیں اور نشط کی
لفظ نکالی گئی ہے نشط البعیر سے یہ مثل عرب میں مشہور ہے یعنے اونٹ کے پاؤں کھولدیے اور سابحات سے منتہی طالبعلم مراد ہیں کہ ہر علم کے مسئلوں کو خوب
دریافت کر کے علم کے دریا میں تیرتے ہیں اور سابقات سے بڑے بڑے فاضل باریک بیں مراد ہیں کہ انکا ذہن مشکل اور باریک بات کی طرف سبقت کرتا ہے
اور مدبرات امرا سے کتابوں کے تصنیف کرنیوالے اور قاعدوں کے بنانیوالے اور اصل اور فرع کے ٹھہرانیوالے مراد ہیں اور جواب قسم کا یہاں بھی اسی جگہ ہے
مقدر ہے یعنے لتبعثن یوم ترجف الراجفۃ فیکشف لکم عن حسن الاشیاء وقبحھا وتعرفون الحق عن الباطل والھدی من الضلال
یعنی البتہ اٹھائے جاؤگے جسدن کانپے گا کانپنے والا پھر کھلجاویگی تمپر نیکی اور بدی سب چیزوں کی اور پہچانوگے سچ اور جھوٹ اور ہدایت اور گمراہی اور مجاہد
لوگ کہتے ہیں کہ ان صفتوں سے موصوف ہیں غازی اور مجاہدین اور انکے گھوڑے اور ہتیار پھر نازعات غرقا سے غازیوں کے ہاتھ مراد ہیں کہ کمانوں
کو زور سے کھینچتے ہیں اور ناشطات سے بھی غازیوں کے ہاتھ مراد ہیں کہ تیروں کو کافروں کی طرف چھوڑتے ہیں من نشط الدلو اذا مزجہ من سہولۃ
یعنی نشط الدلو یہ مثال ہے عرب کی جب ڈول کو آہستگی سے نکالتے ہیں تو بولتے ہیں یا وہ گروہ غازیوں کی مراد ہیں کہ خوشی اور اٹکھیلی سے لڑائی کے میدانوں
میں آتے ہیں اور سابحات سے غازیوں کے گھوڑے مراد ہیں کہ دشمنوں کی صفوں میں تیرتے ہیں اور سابقات سے قراول کے غول یا انکے گھوڑے میدان میں
اور مدبرات امرا سے بادشاہ اور امیر اور وزیر مراد ہیں کہ لڑائی کے کام انکی صلاح اور حسن تدبیر سے سرانجام پاتے ہیں اور کوچ اور مقام اور چلنا اور ٹھہرنا انکی تجویز
سے ہوتا ہے اور نجومی کہتے ہیں کہ مراد اس جماعت موصوفہ سے ستارے ہیں کہ پہلے مانند تیر کمان سے چھوٹے ہوئے کے فلک الافلاک کی حرکت کے تبعیت سے

بہت جلد حرکت کرتے ہیں اور دوسرے خاص اپنی حرکت سے ایک برج سے دوسرے برج میں نقل کرتے ہیں اور اس حرکت کو نشاط کرکے تعبیر کیا ہے نکالا ہے
اس لفظ کو ایک مثل سے کہ عرب میں بولتے ہیں کہ جب بیل بھاگتا ہے نشط الثور ناشطاً یعنی نکلا بیل ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف اور سابحات سے
حرکت انکے مرکزوں کی مراد ہے کہ مچھلی کی مانند اس حرکت میں تیرتے نظر آتے ہیں اور جمع ہونے حرکتوں سے اور مخالف ہونے انہیں حرکتوں کے آپس میں
ایکدوسرے سے سبقت کرتے ہیں اور وضعوں کے اختلاف سے کہ اس حالت میں انکو حاصل ہوتا ہے عالم کی تدبیر کرتے ہیں اور ہر ستارہ اس کام میں کہ اس سے
متعلق ہے دخل رکھتا ہے اور ملنا اور جدا ہونا اور بدلنا فصلوں کا اور وقتوں کا اور پہچانا دنیا کی ہونیوالی چیزوں کا اور آنیوالے حادثوں کا انسے سمجھا
جاتا ہے اور حضرت ابی النصر الحسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے اور واعظ اور نصیحت کرنیوالے کہتے ہیں کہ انسے مراد وہ فرشتے ہیں جو
کافروں کی روحوں کو نہایت سختی سے کھینچتے ہیں تو نازعات غرقاً اسپر صادق آتا ہے اور مسلمانوں کی روحوں کو آہستگی سے نکالتے ہیں تو ناشطات نشطاً
ہوجاتے ہیں اور بعد قبض کرنے روحوں کے ان روحوں کو لیکر عالم برزخ کی سیر کراتے ہیں تو سابحات سبحاً ہوجاتے ہیں اور آپسمیں اس جگہ ایکدوسرے کے
آگے ہوجاتے ہیں اور سوال و جواب اور عذاب اور بہتری قبر کی تدبیر کرتے ہیں اور جواب اس قسم کا دونوں صورتوں میں اسی طرح محذوف ہے یعنے
لتبعثن بدليل انقلاب الحرب وانقلاب الحوادث بتدبير الكوكب وبشهادة الموت یعنی ہر آیینہ اٹھائے جاؤگے لڑائی اور حوادث کے
کے انقلاب کی دلیل سے بسبب تدبیر ستاروں اور گواہی موت کے اور بعضے انسے کہتے ہیں کہ نازعات اور ناشطات وہ فرشتے ہیں جو مسلمانوں اور کافروں
کی روحیں قبض کرنے پر مقرر ہیں اور سابحات اور سابقات وہ فرشتے ہیں جو رسالت اور کاموں کے جاری کرنے پر مقرر ہیں اور مدبرات امراً بڑے درجے
اور بڑے مرتبے کے فرشتے ہیں جیسے حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ اور حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام مع اپنے لشکر اور اسکے سرداروں
کے کہ ہر ایک کو انمیں سے ہونیوالے کاموں کی تدبیر کے واسطے مقرر فرمایا ہے جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام کہ انتظام ہوا اور لڑائی اور وحی اتارنا رسولوں
انسے متعلق ہے اور حضرت میکائیل علیہ السلام سے پانی کا برسانا اور زمین سے اگانا اور رزق کو پہنچانا انسے تعلق رکھتا ہے اور حضرت اسرافیلؑ سے
صور کا پھونکنا اور آدمیوں اور جانوروں میں روح کا ڈالنا اور لوح محفوظ اور اندازہ کرنا رزق اور عمر ہر شئے کا متعلق ہے اور حضرت عزرائیل علیہ السلام
مُردوں کی روحیں قبض کرنے پر اور بیماریوں اور آفتوں پر مقرر ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ نازعات سے غازیوں کی کمانیں مراد ہیں کہ تیروں کو کمان
کے اندر کھینچتے ہیں اور ناشطات سے اونٹ اور بیل مراد ہیں کہ کنووں سے پانی کو کھینچتے ہیں اور سابحات سے کشتیاں مراد ہیں کہ دریا میں تیرتی ہیں
اور سابقات سے گھوڑے دوڑنیوالے مراد ہیں اور مدبرات امراً سے عقل والے اور حکمت والے مراد ہیں کہ ہر مقدمے میں اپنی عقل کے زور سے تدبیر نکالتے ہیں
اور اسے کام کے واسطے حیلے بتاتے ہیں اور جواب قسم کا وہی ہے جو ذکر ہوچکا اور مناسبت ان قسموں کی مقسم علیہ سے یعنی جسپر قسم کھائی گئی کہ قیامت
کا دن ہے ادنی تامل سے معلوم ہوسکتی ہے جیساکہ یہ بات ظاہر ہے کچھ چھپی نہیں ہے۔ اور جب اس کلام سے ظاہر ہوا کہ قیامت کے دن کتنے دل
نہایت بےچینی اور بیقراری میں ہونگے اور آنکھیں انکی تاریک اور پتھرا جاوینگی تو گمان اسبات کا ہوا کہ شاید سننے والے کے دل میں یہ گزرے کہ
اسبات کے سننے سے کہ نہایت پرخوف اور مہلک ہے کافروں نے کیا کہا ہوگا آیا دہشت اس واقعہ یقینی آنیوالے سے کوئی فکر اور تدبیر کرتے ہیں یا
ابھی تک اسی طرح غافل اور بیخبر ہیں اسکے جواب میں ارشاد ہوا **يَقُولُونَ أَئِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ** کہتے ہیں کافر کیا ہم
بنائے جاوینگے ہم اپنی پہلی حالت پر یعنی بعد مرنے کے کیا پھر زندہ ہونگے ہم اور حافر لغت عرب میں راہ کاٹنے کو کہتے ہیں اسواسطے کہ حافر اور حافرہ
بیل کے کھر کو کہتے ہیں اور جس راہ میں وہ چلتا ہے اسکے کھر کے نقش بنجاتے ہیں تو گویا کھر کے نشان کو کھر کا نام رکھا پھر راہ کو کہ اسمیں قسم کے نشان
ہوتے ہیں مجاز کے طور پر حافرہ کہا اور غرض اس سے یہ ہے کہ کافر آخرت کے جینے کا انکار کرتے ہیں اس شبہ سے کہ اگر بعد موت کے پھر زندگی ہوتی تو اسسے
اپنی پہلی حالتوں پر رجوع کرنا ہوتا اور رجوع اس حالت اول پر خلاف واقع کے ہے والا سقیبطہ لازم آوے اور جوان ہونا بڈھے کا اور لڑکا ہونا جوان کا
اور لڑکے کا ماں کے پیٹ میں پھر جانا سب درست ہوجاوے اور پھر اپنے شبہ کی قوت اور مضبوط کرنے کے واسطے ایک اور استفہام انکاری اور تعجبی سے

یہ کہتے ہیں أَئِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً کیا پھر زندہ ہونگے ہم جب کہ ہو جاوینگے ہم ہڈیاں کھوکھلا سٹرے کہ ہوا کے اندر جانے سے
اُن ہڈیوں میں سے آواز نکلتی ہے اور نخیر لغت عرب میں ہوا کی آواز کو کہتے ہیں کہ جو چیز اندر سے خالی ہے اُسمیں سے ہوا نکلتے وقت ہوتی ہے
اور اُنکے شبہ کو اس مقدمہ کے بڑھالنے سے قوت لینے کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی چیز مرکب کی ترکیب بگڑ گئی اور اُسکے جز آپسمیں جدا جدا ہو گئے
اور صورت ترکیبی اُسکی باطل ہوگئی تو اگر اُسیوقت بے ڈھیل چاہیں کہ پھر اُسی صورت پر کردیں تو ہو سکتا ہے اسواسطے کہ اجزاء اصلی اُسکے ابھی
سب موجود ہیں کوئی متفرق اور پریشان نہیں ہوا اور کسی طرح کا نقصان اُن اجزاؤں میں پہلی صورت پر پھر جالنے کے واسطے پیدا نہیں ہوا اور جب
زمانہ بہت گزرتا ہے اور اُسکے جز اصلی متفرق اور پریشان ہوجاتے ہیں اور اُنکے جزوں میں نقصان آجاتا ہے یا بعضے بالکل خراب ہوجاتے ہیں
پھر اُس چیز کا پہلے طور پر ہونا مشکل بلکہ محال ہوجاتا ہے جیسا کہ اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں میں یہ بات دیکھی ہوئی ہے اور بار ہا تجربے میں
آچکی ہے پھر دعوے پھیرلنے اور زندہ کرنے مُردوں کا کہ مسلمان کرتے ہیں اگر اُسیوقت بعد موت کے ہوتا تو شاید ہوسکتا اور جب وعدہ بعد گزرجانے
قرنوں اور زمانوں کے کرتے ہیں کہ ہڈیاں سٹر گلجاوینگی اور رطوبت اور تری کہ شرط زندگی کی ہے بالکل خشک ہو جاویگی تو کس طرح یقین کیا جاوے
اور اگر کافروں کو ظاہر دلیلوں سے ثابت کیا جاوے اور اس استفہام کے جواب میں کہا جاوے کہ البتہ پھرنا پہلی حالت پر ان معنوں سے ہوسکتا
ہے کہ ایک حالت جو پہلی حالت سے مشابہت رکھتی ہے تعاقب[1] امثال کی طرز پر حاصل ہوگی نہ پہلی حالت پر پھرنا بعینہا اور تعاقب امثال میں کچھ
جگہ تردد اور انکار کی نہیں ہے اسواسطے کہ پے در پے آنا نیند اور ہوشیاری کا دن اور رات میں اور چاند کا بدلنا نئی شکل پر ہر روز اور مختلف ہونا
فصلوں کا ہر مہینے میں بسبب جانے آفتاب کے نئے برج میں اور بدلجانا موسم جاڑے اور گرمی کا ہر سال میں ہر شخص پر ظاہر ہے ہرگز جگہ شبہ اور زوال
کی نہیں اور کسی چیز کو بگاڑ ڈالنا اور بعد ایک مدت دراز کے پھر اُسکو اُسی طرح کا بنا دینا کچھ موجب تعجب کا نہیں ہے خصوصاً جسوقت بنانیوالا بڑی قدرت والا
کامل بلکہ اکمل ہووے تو اُسکے نزدیک بگاڑ کر اُسیوقت بنانا اور بعد گزرنے ہزاروں سال کے بنانا یکساں ہے قَالُوا پھر دوسری مرتبہ ہنسی اور تعجب سے کہتے
ہیں تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ یہ جینا دوسری مرتبے کا بعد جدا ہونے ہر عضو کے اور خشک ہو جانے سب رطوبات کے تو بڑا ٹوٹا ہے
اسواسطے کہ بعضے چیزوں اپنی کو بنا دینگے اور بہت سی چیزیں ہمسے گم ہو جاوینگی اور مال اسباب بنا کمایا ہوا آپسے جدا ہو جاویگا تو پھرنا ہمارا دوسری
مرتبے اس جہان میں مانند پھرنے اُس مسافر کے ہوا کہ اپنے گھر سے مال اور اسباب بہت سا لیکر صحیح اور سلامتی کے ساتھ مسافرت کو گیا اور سب چیز اُسکی لُٹ
گئی اور آپ تن تنہا سینکڑوں زخموں سے چور ہوکر بلکہ ہاتھ پاؤں کٹوا کر اپنے گھر کو پھر آیا تو یہ پھرنا بالکل نقصان کا سبب ہے حقتعالی جل شانہ اُنکے تعجب
کرنیکے جواب میں فرماتا ہے کہ یہ تعجب تمہارا اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالی کے کام اور تاثیر کو اپنے کام اور تاثیر پر قیاس کرتے ہو اور اُس قادر علی الاطلاق
کو اپنی طرح کا پابند اسباب کا جانتے ہو کہ بے آلات اور اسباب کے کوئی چیزیں نہیں ہو سکتیں اور یہ فہمید کی غلطی ہے اسواسطے کہ اُس مالک الملک کا
فعل اور تاثیر کسی چیز پر موقوف نہیں ہے کہ جب وہ چیز پائی جاوے تو وہ کام ہو سکے اور نہ پائی جاوے تو نہ ہو سکے بلکہ اُسکے حکم کُن میں سب چیز ہو جاتی
ہے اور آلات اور اسباب بھی اُسی کے حکم سے جمع ہو جاتے ہیں فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ پھر نہیں ہے یہ زندگی مگر ایک
جھڑکی اور مراد اس جھڑکی سے دوسرے مرتبے کا صُور پھونکنا ہے کہ بمجرد اُس آواز کے سب وصیل اپنے بدنوں سے ملجاوینگی اور ملنا روح کا بدن سے
زندگی کی سب شرطوں اور اسباب کو جمع کردیگا اور اس تعلق کے سبب سے زندگی کامل حاصل ہوگی نہ مانند زندگی اُس بچے کے جو ماں کے پیٹ میں زندہ
ہے یا ابھی پیدا ہوا ہے کہ اُسکی عقل اور دریافت ضعیف ہوتی ہے اور بڑی مشکل سے ہلتا اور جنبش کرتا ہے۔ اسواسطے کہ وہ سب بمجرد سننے اس آواز
کے زور سے جلدی حرکت کرینگے اور زمین کے نیچے سے ہلینگے فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ پھر تبھی وہ سب آگئے برابر میدان میں اور ساہرہ لغت میں
سفید اور برابر زمین کو کہتے ہیں اور حشر کے میدان کا نام ہے اسواسطے کہ اُسدن اُس زمین کی یہی حالت ہوگی۔ اور یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ ساہرہ
اس جگہ جاگنے کے معنوں میں ہو سہر کے لفظ سے نکالا گیا ہو جو بیخوابی کے معنوں میں ہے مانند کاذبہ اور خاطئہ کے۔ اور اس آیت کے معنی اس احتمال

[1] تعاقب امثال یعنی آگے پیچھے آنا ایک کا مانند دوسرے کے +

یہ ہونگے کہ جو کافر مسلمانوں کو الزام دیتے ہیں کہ بعد مرنے کے قیامت تک جو کہ بہت مدت ہے پھر جینے کا ہزاروں سال کا فاصلہ اور دوری ہے اوراس عرصہ میں ہڈیاں گل سڑجاوینگی اور بدن کے ذرے ذرے جدا بلکہ نیست اور نابود ہوجاینگے پھر دوسری مرتبے اُس شکل کا درست ہونا کہ زندگی اُسی پر موقوف ہے کس طرح سے ہوویگا اور مسلمان کہتے ہیں کہ باوجود ان سب باتوں کے پھر زندہ ہونگے اسواسطے کہ اصلی جزوں کا باقی رہنا شرط ہے دوسرے زندگی کے واسطے سب چیزوں کا باقی رہنا کچھ ضرور نہیں ہے اور اصلی جزوں کو حقتعالی اپنی قدرت کاملہ سے محفوظ رکھیگا پھر دوسری مرتبے کافروں نے کہا کہ تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ یعنی اس طرح کا زندہ ہونا کہ سب جز باقی نرہینگے ناقص ہے اسواسطے کہ سب جز زندہ ہوویں تو دوسری زندگی کہ اصلی جزوں کے سبب سے پائی گئی وہ بھی ناقص ہوگی جیسے پیٹ کے بچے اور جنے ہوئے لڑکے کی زندگی ناقص ہوتی ہے اور تم دعوی کرتے ہو کہ وہ زندگی اس دنیا کی زندگی سے بہت زور آور اور کامل ہوگی تو تمہارے مذہب اور دعوے کے خلاف ثابت ہوا حقتعالی اسلئے اُن کافروں کے جواب میں فرمایا ہے فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ یعنے پھر نہیں ہے وہ جینا دوسری مرتبہ کا مگر ایک چنگھاڑ کا پس تبھی ہیں سب بیخوابی اور بیداری یعنی کچھ غفلت اور کچھ ہوشیاری میں آوینگے حاصل کلام کا یہ ہے کہ زندگی کا کمال قوت روحانیہ کے کامل ہونے پر ہے اور اُسکا نقصان اُسکے نقصان پر کچھ بدن کے جزوں کی کمتی زیادتی پر نہیں ہے اور پیٹ کے بچے اور جنے ہوئے لڑکے کی زندگی کے نقصان کا سبب یہ ہے کہ قوت روحانی اُنکی ابھی اپنے کمال کو نہیں پہنچی ہے بلکہ روز بروز ترقی پر ہے بخلاف ارواح موتی کے کہ اپنے کمال کو پہنچ کے اس جہان سے مر گئے ہیں اور انکی روحوں کا انکے بدنوں سے جدا ہونا ایسا ہوگیا ہے باعث نقصان قوت روحانیہ کے کمال کا نہیں ہوا ہے تاکہ جینے کے وقت ناقص اٹھیں بلکہ اس جینے کو بعد مرنے کے جاگنے پر بعد نیند کے قیاس کیا چاہئے اسواسطے کہ وقت سونے کے تعلق روح کا ظاہر بدن سے بالکل منقطع ہوجاتا ہے اور حس و حرکت ہلنا اور بوجھنا باطل ہوجاتا ہے اور ایک آواز سخت کے سنتے ہی وہ تعلق جیسا تھا ویسا ہی پھر ہوجاتا ہے اور اُسکی قوت روحانیہ میں کچھ نقصان نہیں پایا جاتا اور پھر محتاج حاصل کرنے کسی کمال کا نہیں ہوتا مانند چھوٹے لڑکے اور پیٹ کے بچے کے انتظار بالغ ہونے کا کھینچے اور رفتہ رفتہ کمال کو پہنچے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ساہرہ کی لفظ اسم فاعل ہے سہر کے لفظ سے نکلی ہے جو بیخوابی کے معنوں میں ہے یعنے فَاِذَا هُمْ متلبسون بالابدان السَّاهِرَةِ پھر یکایک انکی روحیں اُن جاگتے ہوئے بدنوں میں کہ صور کے پھونکنے کے پہلے بسبب تعلق نفوس سماویہ قوت الاولاد کے اور دورآنے انکے قوا کے مستعد اور تیار زندگی کے قبول کرنیکے ہورہے تھے یہانتک کہ قابل خواب کے بھی نہ ہے اسی سبب سے وہاں کی زندگی دنیا کی زندگی سے کامل ہوگی اسواسطے کہ دنیا کی زندگی تھوڑا سا میل موت کا بھی رکھتی ہے جیسے نیند کہ موت کے برابر ہے اور وہاں کی زندگی نیند بھی نہیں رکھتی ہے اسقدر موت اور جو مشابہت موت سے رکھتی ہے اُس سے دور ہے اسیواسطے بہشتیوں کو بہشت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں نیند نہ آویگی جیسا کہ فرشتے اور نفوس سماویہ کو نیند نہیں ہے اور جب کافر باوجود ایسے بیان واضح اور مثالوں کے آخرت کے جینے کو یقین نہیں کرتے اور اپنی ہی ضد پر قائم ہیں اور کہتے ہیں کہ ان دلیلوں اور تمثیلوں سے ہماری خاطر نشان نہیں ہوتی اسواسطے کہ ایسی ہڈیاں سوکھی بلکہ گلی اور سڑی کہ ہرگز زندگی کے قبول کرنے کی لیاقت نہیں رکھتیں یکبار گی زندہ ہوجاویں اسطرح کا پے درپے آنا زندگی کا بعد گزرنے ایک مدت دراز کے ہرگز ہماری عقل میں نہیں آتا جبتک اپنی آنکھ سے اس طرح کی کوئی چیز نہ دیکھیں اور ایک مرتبے کسی مردے کو زندہ ہوتے نہ دیکھیں پس مسلمان عاجز اور رنجیدہ ہوکے اپنے دلوں میں کہتے تھے کہ کیا اچھی بات ہوتی کہ حقتعالی ایک مردے کو جسپر صدہا برس گزرے ہوتے انکے سامنے زندہ کردیتا تو سب انکا انکار ٹوٹ جاتا اور جھٹ الزام کھا جاتے اسواسطے حقتعالی ہر ایک مسلمان سے خطاب کرکے فرماتا ہے اور بطریق استفہام کے پوچھتا ہے هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى کیا پہنچی ہے تجھ کو خبر موسیٰ کے قصے کی کہ فرعون کے سامنے جو بڑا سرکش بادشاہ تھا اور ہزارہا آدمی اُسکے دربار میں حاضر ہوتے تھے بارہا اپنے ہاتھ کی لکڑی کو زمین پر ڈالدیا بمجرد زمین پر گرنے کے وہ عصا ایک بڑا اژدہا ہوجاتا تھا اور اپنے منہ کو پسارتا تھا اور آواز سخت کرتا تھا پھر بعد واقع ہونے ایسی زندگانی پے درپے کے ایک لکڑی میں کہ کچھ لیاقت زندگانی کی نرکھتی تھی اور تر بھی نہ تھی کون جگہ تردد اور شک کی باقی رہی تھی لیکن فرعون باوجود دیکھنے ایسی زندگی کامل کے کہ ایک لکڑی بمجرد زمین میں پہنچنے کے اژدہا ہوجاتی تھی معتقد روز جزا کا اور

قائل عموم قدرت مالک ارض و سما کا ہوا تو ایسے کافر کبھی اگر ایک مُردے کو زندہ ہوا دیکھینگے تو بھی راہ پر نہ آوینگے اور اپنے انکار سے باز نہ رہینگے بلکہ اور مستحق عذاب کے ہوجاوینگے اسواسطے کہ عادت الٰہی یوں ہی جاری ہے کہ بعد دیکھنے معجزے کے اگر کافر ایمان نہ لاویں اور اسی کفر اور انکار پر اصرار کیے جاویں تو اسیوقت عذاب الٰہی میں گرفتار ہوویں اور ایک دم کی بھی فرصت نہ پاویں اور اگرچہ وہ قصہ حضرت موسیٰ کا تفصیل سے ہر مسلمان نے سُنا ہو تو مجمل وہ قصہ تھوڑا یہاں بیان ہوتا ہے إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى یعنی ابتدا اس قصے کی اُسوقت سے ہے کہ پکارا اسکو اُسکے ربنے پاک میدان میں کہ جسکا نام طوی ہے اور کیفیت اس قصے کی جس طرح سورۂ طٰہٰ اور سورۂ قصص اور دوسری سورتوں میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر مصر سے کہ جگہ پیدائش اور سکونت آپ کی تھی ایک قبطی ظالم کے خون کے سبب سے کہ آپکے ہاتھ سے بے قصد دھوکے میں ہوگیا تھا اور فرعون آپکے قتل کی فکر میں ہوا تھا بھاگ کر شہر مدین کی طرف گئے اور اس شہر میں حضرت شعیب علیہ السلام کا مکان تھا انکا قصہ بھی قرآن شریف میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے وہاں جاکر اُترے اور حضرت شعیب کی خدمت میں مشغول ہوئے اور حضرت شعیب نے اپنی بیٹی کو آپکے نکاح میں دیا جب دس برس یا آٹھ برس اسمیں اختلاف ہے وہاں گزرے تب حضرت شعیب سے رخصت چاہی کہ اگر حکم ہو تو میں اپنے وطن کو جاؤں اور اپنے قبیلے کو ساتھ لے جاؤں اور اپنی ماں کی زیارت کروں اور اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون سے ملاقات کروں اسواسطے کہ اتنی مدت گزرنے میں فرعون اور اسکے لوگ قبطی کے خون کو بھول گئے ہونگے حضرت شعیب نے راضی ہوکر آپکو رخصت کیا اور آپکی بی بی کو بھی آپکے ساتھ کردیا اور اپنے دو غلاموں کو آپکے ساتھ کیا کہ مصر میں پہنچاکر پھر آویں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بی بی کو ساتھ لیکر وہاں سے روانہ ہوئے اور آپکے مزاج میں غیرت بہت تھی اپنی بی بی کو لیے چلنا قافلے کے ساتھ گوارا نکیا کہ شاید سواری پر چڑھتے اُترتے یا نکلتے بیٹھتے کسی نامحرم کی نظر اُسپر نہ پڑ جاوے اسواسطے وہاں سے تنہا آپ اپنی بی بی کو لیکر روانہ ہوئے اور شام کے رستے (یعنے سیدھی راہ) کو چھوڑکر دریا کے کنارے کی راہ لی اس لحاظ سے کہ ایسا نہو کوئی فرعون کی طرف کا حاکم پہچان لے اور خون کی علت سے گرفتار کرے یا کچھ ایذا پہنچاوے اور آپکے ہمراہ ایک خچر تھا اُسپر خورجی اپنے اسباب کی لاد کے ایک غلام اُسپر مقرر کیا اور کچھ بکریاں آپکے ساتھ تھیں دوسرے غلام کو اُنکی نگہبانی اور ہانکنے پر مقرر کیا اور آپ اپنی بی بی کی سواری کے ساتھ ہولئے چلتے چلتے ایکدن راہ بھول گئے اور کوہ طور کی طرف جا نکلے کتنا ہی راہ ڈھونڈی ٹھکانا نہ ملا اور دن آخر ہوا اور رات نمودار ہوئی وہ رات جمعہ کی تھی ذیقعد کی اٹھارویں تاریخ اور موسم جاڑے کا اتفاقاً بکریاں جنگل میں متفرق ہوگئیں دونوں غلام انکے جمع کرنے میں مشغول ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بی بی کے پاس ایک جگہ پر بیٹھ گئے کہ یکایک آپکی بی بی کو راہ چلنے کی سختی اور سواری کی حرکت سے درد زہ شروع ہوا اور حمل کی مدت بھی تمام ہو چکی تھی تب آپکی بی بی نے آپ سے اس حال کو ظاہر کیا اور کہا کہ اگر کہیں آگ ملے تو خوب ہے کہ تاپنے کے کام آوے اور روشنی بھی ہووے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے غلاموں سے فرمایا کہ دیکھو تو کہیں اس جنگل میں آگ کا بھی نشان ہے غلاموں نے چاروں طرف دوڑ کے دیکھا کچھ پتا آگ کا اور آبادی کا معلوم نہوا تب حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ اُٹھے اور آگ کی تلاش کو تشریف لیگئے آپکو ایک پہاڑ پر کہ آپکے داہنے ہاتھ کی طرف تھا کچھ روشنی معلوم ہوئی آپنے بی بی اور غلاموں سے فرمایا کہ تم اسی جگہ پر ٹھہرو کہ میں نے پہاڑ پر روشنی دیکھی ہے وہاں جاکر آگ لے آتا ہوں اور جو وہاں ہوگا اُس سے راستے کا پتا بھی پوچھتا آؤں تاکہ منزل پر پہنچیے یہ کہکے آپ چلے جونہی حضرت موسیٰ علیہ السلام قریب اس مکان کے پہنچے دیکھا وہ آگ نہیں ہے بلکہ تجلی قدرت الٰہی کی ہے کہ دور سے مثل آگ کے معلوم ہوئی تھی اور حقیقت میں وہ ایک نور ہے بہت بڑا کہ عوسج کے درخت کو گھیر لیا ہے عوسج ایک درخت ہے عناب کے درخت کے مشابہ شام کی طرف پہاڑوں میں بہت ہوتا ہے اور وہ درخت جڑ سے چوٹی تک تر و تازہ ہو رہا ہے اور اس روشنی میں اسقدر چمک اور تابندگی ہے کہ اُسپر آنکھ نہیں ٹھہر سکتی ہے اور گرداگرد اسکے آواز فرشتوں کی تسبیح کی آرہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجود دیکھنے ان سب چیزوں کے گھاس پھوس اس میدان میں سے جمع کرکے ایک پولا سا باندھ کے چاہا کہ اس نور آتشی رنگ سے جلالیویں یہ ارادہ کرکے جونہی اسکے نزدیک ہوئے کہ یکایک وہ آگ انکی طرف لپکی گویا چاہتی تھی کہ انکو جلادیوے حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ حالت دیکھکر خوف کھاکے پیچھے ہٹے آگ بھی درخت پر ہٹ گئی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا جلانے کا پھر وہ آگ انکی طرف دوڑی پھر پیچھے ہٹے اسی طرح کئی مرتبہ ایسا اتفاق ہوا تب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس طرح کے ماجرے کو دیکھکر حیران و متحیر کھڑے ہوگئے اور اس

اعجوبہ کارخانۂ الٰہی کا تماشا دیکھنے لگے کہ یکایک ایک نور بڑا اس سے بلند ہوا اور زمین سے آسمان تک سب روشن کر دیا اور روشنی اس نور کی یہاں تک غالب ہوئی کہ حضرت موسیٰ کی آنکھ میں تاریکی آگئی اور آنکھ دیکھنے سے رہ گئی اور انہوں نے اپنے ہاتھ اپنی آنکھ پر رکھ لئے اور آواز فرشتوں کے تسبیح کرنے کی بہت بلند ہوئی اور حضرت موسیٰ نے اسوقت اس آگ سے ایک آواز سنی کہ **یا موسیٰ انی انا ربک فاخلع نعلیک** یعنے اے موسیٰ میں ہوں پروردگار تیرا کہ آگ کی مانند تجلی کی ہے میں نے اور دونو جوتیوں کو پاؤں سے اپنے دور کر اسواسطے کہ اس مکان نے تجلی الٰہی اور حاضر ہونے فرشتوں کے سبب سے کہ اس تجلی کے خادم ہیں حکم کعبہ اور مسجد الحرام کا پیدا کیا ہے پھر کلام یعنی بات کرنا شروع ہوا اور اسنے پوچھا کہ تمہارے سیدھے ہاتھ میں کیا ہے انہوں نے عرض کی کہ لاٹھی ہے میں اپنے ہاتھ میں رکھتا ہوں حکم ہوا کہ اسکو زمین پر ڈالدے انہوں نے زمین پر ڈالدیا پھر دیکھا تو زمین پر ایک اژدہا ہو کے دوڑنے لگا حضرت موسیٰ اس سے ڈر کے بھاگے ارشاد ہوا کہ ڈرو مت اور اس اژدہے کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لو وہی لکڑی ہو جائیگی پھر حکم ہوا کہ اپنے ہاتھ کو اپنے بغل میں رکھو اور پھر نکالو انہوں نے اسی طرح کیا انکا ہاتھ مانند آفتاب کے روشن ہو گیا کہ آنکھ اسکی روشنی پر ٹھہر نہیں سکتی تھی حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ میں نے پہر دسننے اس آواز کے معلوم کیا کہ یہ آواز حقتعالیٰ کی ہے اسواسطے کہ چھوں طرفوں سے سنتا تھا میں اور سب جسم اپنے سے سنتا تھا میں یہانتک کہ ہر ہر عضو اور جوڑ بند میرا کان ہو گیا تھا حاصل کلام کا یہ ہے کہ بعد دکھلانے اُس کرشمے کے اور تعلیم کرنے توحید کی حقیقتیں اور عبادت کے آداب کے اور بیان قیامت کے آیتکے سوائے اسکے جو ضرور رسالت کے واسطے تھے سب تعلیم کرکے حکم ہوا **اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ** جا فرعون کی طرف تاکہ اسکی بہتری کی تدبیر کر اور وہ مرتبہ سابقین اور مقربین کا کہ تجھ کو اسوقت حاصل ہوا ہے اس سے اور آگے بڑھ کے مدبرات امر کے مقام کو پہنچ اور تجھے واسطے تدبیر اصلاح فرعون کے اس سبب سے بھیجتے ہیں ہم کہ **إِنَّهُ طَغَىٰ** بیشک فرعون حد سے بڑھ چلا ہے فساد کرنے میں یہانتک کہ دعویٰ خدائی کا کرتا ہے اور جب تو فرعون کے پاس پہنچے **فَقُلْ** پھر پہلے اسکو اسیقدر کہہ کہ **هَل لَّكَ إِلَىٰ أَن تَزَكَّىٰ** کیا ہے تجھ کو رغبت پاک ہونے کی نفس کی برائیوں سے کہ وے تیری سرکشی اور خرابی کے سبب پڑی ہیں اور میں تیری برائیاں کھو دینے ہی پر کفایت نکرونگا کیونکہ اتنی بات سب نیکبختوں اور حکمت الٰہی کے واقفوں سے ہو سکتی ہے بلکہ میں تجھ کو بڑے مرتبے کو پہنچا دونگا اور ولی کامل اور عارف واصل کر دونگا **وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ** اور راہ دکھلاؤنگا تجھ کو تیرے پروردگار کی طرف تاکہ پہچان ذات اور صفات اور افعال پروردگار کی تجھ کو یقین کی آنکھ سے حاصل ہووے **فَتَخْشَىٰ** پھر تو ڈرے اور تیرا نفس مرجاوے اور ایسی پوری فنا تجھ کو حاصل کہ پھر کبھی خوف تجھ کو پھر آنے سرکشی کے مرض کا نرہے بموجب اس قول کے کہ الفانی لایرد یعنی فنا ہوئی چیز پھر نہیں آتی یہاں پھر باقی رہا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیان ہوتا ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون تک پہنچے اور حکم حقتعالیٰ جل شانہ کا پہنچایا۔ فرعون نے اسکے جواب میں پہلے یہ کہا کہ تو وہ شخص نہیں ہے کہ بچپن سے تجھ کو پالا اور پرورش کیا اور مدتوں تک ہمارے پاس رہا پھر وہ کام کرکے تو یہاں سے نکل گیا کہ تو ہی اسکو خوب جانتا ہے یعنی قبطی کو مار ڈالا اور ہماری نعمتوں کی ناشکری کی اب تجھ کو یہ مرتبہ کہاں سے حاصل ہوا کہ میرا ہادی اور مرشد بن کر آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسکے جواب میں فرمایا کہ سچ ہے میں وہی شخص ہوں اور وہ کام کہ مجھ سے ہوا تھا اسوقت میں نادان اور ناسمجھ تھا پھر جب میں تم سے ڈر کے یہاں سے بھاگا اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے مجھ کو علم اور حکمت مرحمت فرمایا اور مرتبہ ہدایت اور رہنمائی کا عطا کیا اور رسالت اور ایلچی گری کے طور پر تمہارے پاس بھیجا ہے پس فرعون نے کہا اب تو تو نے دعویٰ رسالت کا کیا کہ اللہ کا بھیجا ہوا ہے اگر اس دعوے میں تو سچا ہے تو کوئی دلیل اسپر لے آ۔ **فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ** پھر دکھلائی موسیٰ نے فرعون کو ایک نشانی بڑی اگرچہ حضرت موسیٰ پاس دو نشانیاں تھیں ایک عصا کہ اژدہا ہو جاتا تھا اور دوسرے آپ کا ہاتھ کہ مانند آفتاب کے روشن ہو جاتا تھا لیکن ایک ہی مجلس میں ایک ہی مطلب کے ثابت کرنیکے واسطے تھیں اسواسطے دونو کو ایک ہی نشانی اعتبار کیا اور ایک وجہ اور بھی ہے کہ ید بیضا تابع تھا عصا کے ڈالنے کے یعنے جب پہلے عصا کو زمین پر ڈالتے تھے اور وہ اژدہا ہو جاتا تھا تب ہاتھ بغل میں ڈالنے سے مثل آفتاب کے چمکنے لگتا تھا تو گویا اصل نشانی وہی عصا تھا۔ اور نکتہ اسمیں یہ ہے کہ جب نبی اور رسول بھیجے جاتے ہیں تو پہلے قہر اور غضب سے مخالفوں اور منکروں کی طرف مشغول ہوتے ہیں بعد اسکے ہدایت اور رہنمائی طالبوں اور مسترشدوں کی طرف

یدبیضا میں ..... نور کی شکل تھا اور یدبیضا میں نور ھدایت اور رہنمائی کا۔ اور بھی عصا میں زندگانی غیبیہ خوفناک اور ڈراؤنی شکل سے ظاہر ہوئی تھی
اور یدبیضا میں نور غیبی تھا کہ پرلے درجے کی روشنی اور چمک سے جلوہ گر ہوتا تھا اور قہر اور سیاست ظاہر نبوت سے متعلق ہے اور نور تجلی باطن نبوت سے متعلق ہے
کہ وہ مرتبۂ ولایت کا ہے اور فرعون کہ کافر ازلی تھا اسپر لازم کرنا حجت کا اور خوف دلانا غرض تھا تو اسکے حق میں آیت کبریٰ عصا تھا نہ یدبیضا اور عصا
میں دوسرے اور بھی معجزے تھے ایک یہ کہ پانی کھینچنے کے وقت موافق گہرائی کنوے کے بڑھ جاتا تھا اور اسکی لڑیں ڈول سے بندھ جاتی تھیں اور دوسرے یہ کہ اسکی
ہیں دو لوشاخیں اسکی مانند شعل کے روشن ہو جاتی تھیں اور تیسرے یہ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سو جاتے تھے تو وہ کھڑا ہوا نگہبانی کرتا تھا اور اگر بکریوں کے پاس
چھوڑ آتے تھے تو کسی درندہ کو مثل بھیڑیے وغیرہ کے آنے نہیں دیتا تھا یہانتک کہ بعضوں نے کہا ہے کہ عصا میں ہزار معجزے تھے چنانچہ دو معجزے عمدہ کلام اللہ میں
بھی مذکور ہیں ایک دریا کا پھٹنا اسکی ضرب سے دوسرے پتھر میں سے جاری ہونا پانی کے چشموں کا اسکی ضرب سے تو آیت کبریٰ وہی عصا ہو نہ یدبیضا اور بعضوں نے
کہا ہے کہ یدبیضا بہت بزرگ تھا اسواسطے کہ حضرت موسیٰ کی ولایت کے کمال کی صورت تھی اور نبی کی ولایت افضل ہوتی ہے اسکی نبوت سے اور بھی فرعون کے
جادوگر یدبیضا کی نقل نہ کر سکے اور عصا کی نقل کی۔ اور حق بات یہ ہے کہ یہ دونوں معجزے بڑے تھے اور آیت کبریٰ
میں داخل ہیں اور یہ دونوں حکم ایک نشانی کا رکھتے ہیں۔ اور معجزوں کی نسبت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عنایت
ہوئے تھے یہ اور سب سے بزرگ معجزے ہیں ۔ حاصل کلام کا یہ ہے کہ فرعون باوجود دیکھنے ایسے دو معجزوں کے کہ حضرت موسیٰ کے دعوے کے
ثابت کرنیکے واسطے دو گواہ عادل تھے اسواسطے کہ آثار زندگانی غیبی کا انکے ہاتھ سے ایسے جسم میں جو ہرگز قابلیت اور لیاقت زندگی کی نہیں رکھتا تھا جیسے
لکڑی یہ دلیل صریح ہے اسبات پر کہ انکے سبب سے دل مرے ہوئے بطریق اولیٰ زندہ ہونگے اور نفس کی خباثت اور برائیوں کو دور کرکے پاک صاف کر دینا انکے
نزدیک بہت آسان کام ہے اور چمکنا نور الٰہی کا انکے ہاتھ میں دلیل ظاہر ہے اسبات پر کہ انکے ہاتھ سے سالکان راہ خدا کو انوار تجلیات الٰہی تک پہنچا دینا ممکن
ہو سکیگا تسپر بھی ہرگز فرمانبردار نہوا بلکہ **فَكَذَّبَ وَعَصٰى** پھر انکار کی رسالت حضرت موسیٰ کی اور نہ مانا حقتعالیٰ کے حکم کو جو حضرت موسیٰ
کی زبانی اسکو پہنچا تھا اور اسقدر نافرمانی پر کفایت نہ کی بلکہ **ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى** پھر چلا پیٹھ پھیر کر تلاش کرتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی
رسالت کے جھٹلانے کی تدبیر جب دیکھا کہ حاضروں کے دلوں میں ان دو معجزوں کے دیکھنے سے حضرت موسیٰ کی سچائی آجائیگی **فَحَشَرَ** پھر جمع کیا
جادوگروں کو حضرت موسیٰ کے مقابلے کے واسطے اور اپنے ملک کے لوگوں کو اکٹھا کیا اس مقابلہ کے دیکھنے کے واسطے کہ یہ کام حیلہ اور تدبیر سے بھی ہو سکتا ہے
اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا نہیں ہے **فَنَادٰى** پھر پکارا لوگوں کو مقابلے سے پہلے تاکہ اگر جادوگر مقابلے میں ہار جاویں تو بھی حضرت موسیٰ کا مطلب
حاصل نہووے اس حیلے سے کہ وہ پروردگار کہ جسکی طرف سے ایلچی گری کا دعوے حضرت موسیٰ کرتے ہیں ربوبیت میں مجھ سے پست ہے اور کمزور اور
تابعداری ادنیٰ کی اعلیٰ کے ہوتے خلاف عقل ہے اور شان رعیت کی نہیں **فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى** پھر کہا فرعون نے کہ
میں ہوں تمہارا رب سب سے اوپر اور بالفرض اگر کوئی رب دوسرا جہان میں ہوگا جیسے وہ شخص جسنے موسیٰ کو بطریق ایلچی گری کے میرے پاس بھیجا ہے
تو مجھ سے ربوبیت میں کم ہوگا تو موسیٰ اگر اپنی رسالت ثابت بھی کریں تو بھی قابل متبوع ہونیکے نہیں ہے یعنے اسکی تابعداری نہ چاہئے اور اپنی ربوبیت
..... حضرت رب العالمین کی ربوبیت پر جس طرح سورۂ زخرف وغیرہ میں مذکور ہے اسطور سے فوقیت دیتا تھا کہ ربوبیت حقتعالیٰ کی اگر پائی جاتی ہے
تو عام ہے سب مخلوقات پر اور میری ربوبیت خاص ہے مصر والوں پر اور خاص مقدم ہوتا ہے عام پر خاطر داری اور خدمتگاری میں اور دوسری یہ
ہے کہ ربوبیت حقتعالیٰ کی آنکھ سے غائب ہے اور عقل میں نہیں آتی اور میری ربوبیت ظاہر ہے کہ تم سب دیکھتے ہو اور بھی ایلچی حقتعالیٰ کا کہ حضرت موسیٰ
ہیں میرے ایلچیوں کی طرح طمطراق ایلچی ظاہر کا اسباب نہیں رکھتے نہ سونے کے کنگن ہاتھوں میں ہیں اور نہ خزانہ اور لشکر ساتھ ہے تو اسکی ایلچی گری
میں نقصان ہوا اور اسکے نقصان سے اسکے بادشاہ کا نقصان جسکی طرف سے یہ آیا ہے صاف بوجھا گیا۔ حاصل کلام کا یہ ہے کہ فرعون قبل آنے حضرت
موسیٰ کے ان تدبیروں اور حیلہ سازیوں سے بچا تھا اور مرتبے سابقات میں سے داخل ہو کر گمراہی صریح میں پھنسا تھا اور بعد آنے حضرت

موسیٰ کے کہ انکے جھوٹے کرنے کی تدبیر میں پڑا تو مدبرات امر کے درجے کو پہنچا تو دونو شخص ہدایت اور گمراہی کے مرتبے میں کمال کو پہنچے یعنے
حضرت موسیٰ ہدایت کے کمال کو پہنچے اور فرعون گمراہی کی انتہا کو پہنچا لیکن عنایت حضرت پروردگار برحق کی حضرت موسیٰ کی تدبیر کو شامل ہوئی
اعلیٰ درجہ کو پہنچایا اور وہ ملعون خسر الدنیا والآخرہ ہوا فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى پھر پکڑا اُسکو اللہ تعالیٰ
نے عذاب پچھلے اور اگلے میں یعنی دنیا میں پانی میں ڈبو کر رسوا کیا اور آخرت کو دوزخ میں ڈالیگا جس طرح دوسری جگہ فرعون اور اُسکے لشکر کے
حق میں فرمایا ہے کہ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا اور اگرچہ دنیا کا عذاب مقدم ہے آخرت کے عذاب پر لیکن یہاں اسواسطے آخرت کو مقدم فرمایا کہ مقصود
اصلی وہی ہے اور دنیا کا عذاب اُسکا وسیلہ ہے اور یہ بھی ہے کہ عذاب آخرت کا جاودانی ہے اور ہزاروں مرتبے سخت ہے عذاب دنیا سے اسواسطے مقدم ذکر
کرنا اُسکا اولیٰ ہوا اور ہر چند دنیا دار الجزا نہیں ہے لیکن ایسے فرعونوں کو اور شریروں کو دنیا میں بھی بعد الزام حجت کے اوروں کی عبرت کے واسطے انکے
بدکاموں کی سزا دیجاتی ہے چنانچہ حقتعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰى ۝ بیشک اسمیں سوچ کی جگہ ہے اُسکو جو حقتعالیٰ
سے ڈرتا ہے کئی وجہوں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ گمراہی کے پیشواؤں کی تدبیر چل نہیں سکتی اور ایک ایک وقت اُنکا کیا برباد ہو جاتا ہے اور دوسری وجہ
ہے کہ حقتعالیٰ اگر اپنی صفت حلیمی سے گمراہوں کو ڈھیل دیتا ہے لیکن جہل نہیں چھوڑتا بلکہ ایک نہ ایک دن سزا قرار واقعی دیتا ہے تیسری وجہ یہ ہے
کہ معجزوں کا دیکھنا اُس شخص کو مفید ہوتا ہے کہ کفر کی جڑ اُسکے دل میں نہ جم گئی ہو اور اس جڑ کے ریشے پھیل نہ گئے ہوں ورنہ ہر معجزے کو کسی حیلہ اور
مکر سے دفع کردیگا اور ہر دلیل اور حجت کو مغالطے سے دور کریگا یعنی دھوکا دیکے مقابلہ کریگا چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ایسے کافر سرکش سے کہ دعویٰ
خدائی کا کرتا تھا نہایت نرمی اور بردباری سے بات کہتے تھے پھر آخر کو اُسپر فتح اور ظفر پائی تو پیغمبروں اور اُنکے فرمانبرداروں کو چاہئے کہ بے ادبی اور
کفر کے کلمات سنکر غصے میں نہ آجاویں اور غمگین نہ ہوویں تاکہ آخر کو فتح پاویں اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں ثابت ہو چکا کہ فیضان
غیب کی زندگی کا جسم کی لیاقت پر موقوف نہیں ہے اور البتہ زندگانی غیب کا باربار آنا اور جانا ہو سکتا ہے چنانچہ عصا میں ظاہر ہوا اور کافروں کو
اس دلیل میں بات کہنے کی گنجایش تھی کہ زندگی حیوان کی ناقص ہے اگر کوئی پتھر یا لکڑی میں یہ زندگی پائی جاوے تو ہو سکتا ہے اور اسی طرح بار بار آنا
اُس زندگی کا بھی کچھ بعید نہیں ہے اسواسطے کہ ایام بہار اور برشکال میں ہم خود دیکھتے ہیں کہ اس قسم کے جانور جیسے سانپ بچھو مینڈک خود بخود
کے پیدا ہو جاتے ہیں اور زمین خشک ہو یا تر اُن حیوانوں کی صورت قبول نہیں کرتی ہے پھر جب وہ موسم گزر جاتا ہے وہ صورت اپنے مادے سے جدا ہو جاتی ہے
اور جب پھر وہی موسم آتا ہے وہی اجزاے مادیہ کہ اُس مکان میں پڑے رہگئے تھے پھر اُسی صورت پر ہو جاتے ہیں اور اُنمیں جان آجاتی ہے لیکن پیدایش
آدمی کی اس طور پر ہرگز نہیں ہو سکتی اُسکی تمثیل بیان کیا چاہئے تاکہ ذہن نشین ہو جاوے اُسکے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا
کیا تم زیادہ سخت ہو بننے میں اور پیدایش تمہاری زیادہ سخت ہے اَمِ السَّمَآءُ یا آسمان زیادہ سخت ہے بننے میں اور پیدایش اُسکی تمہاری نظروں میں
مشکل معلوم ہوتی ہے اور جواب اس سوال کا ظاہر ہے کہ آسمان اندازے میں بھی آدمی سے بہت بڑا ہے اس حد کو کہ اصلاً اُسکو اُس سے کچھ مناسبت
نہیں اور تفصیل اجزا کے اعتبار سے بھی جیسے بروج اور ستارے مختلف تاثیروں اور حکموں والے اور حدود جدا جدا اُسکے آدمی سے بہت زیادہ
ہیں اور قوت جسمانیہ بھی اُسکی آدمی کی قوت جسمیہ سے بہت زیادہ ہے کیونکہ حقتعالیٰ نے بَنٰهَا بنایا اُسکو ایسی سخت بنا کہ ہرگز باوجود گزرنے
قرنوں کے اور سدا پھرنے کے پرانا ہی نہیں ہوتا اور ٹوٹتا پھوٹتا بھی نہیں اور قوت روحانیہ بھی اُسکی آدمی کی قوت روحانیہ سے بہت غالب ہے
اسواسطے کہ حقتعالیٰ نے رَفَعَ سَمْكَهَا اُونچی کی ہے بلندی اُسکے بغیر تھمکیوں اور دیواروں کے اور سمک لغت میں اُس امتداد کو کہتے
ہیں کہ طول اور عرض پر اُس امتداد کو قائم اعتبار کرتے ہیں اگر نیچے سے اوپر کو نظر کریں تو اُس امتداد کو سمک کہتے ہیں اور ارتفاع بھی بولتے ہیں
چنانچہ مشہور ہے کہ ارتفاع یعنی بلندی اس دیوار یا چھت کی اسقدر ہے اور اگر اوپر سے نیچے کو دیکھیں تو اُس امتداد کو عمق کہتے ہیں چنانچہ بولتے
ہیں کہ عمق یعنی گہرائی اس دریا کا اس کنوئے کا اسقدر ہے اور اہل تفسیر اور اہل حدیث نے یوں روایت کی ہے کہ دنیا کے آسمان کی بلندی روئے

زمین سے پانسو برس کی راہ ہے اور اسی طرح سے ساتوں آسمانوں کے درمیان میں مفاصلہ ہے اور مُٹاپا ہر دل بھی ہر آسمان کا اسی قدر ہے اسی بات سے بلندی اور چوڑائی ساتویں آسمان کی قیاس کیا چاہئے کہ کیا کچھ ہوگی اور اہل ہیئت کو علم ابعاد اور اجرام میں آسمانوں کی مُٹائی دریافت کرنیکے واسطے ایک اور ہی طریقہ ہے کہ علم ہندسہ کی دلیلیں اُسپر قائم کی ہیں اور جو راہ پانسو برس کی کہ روایتوں میں وارد ہے کچھ مقرر نہیں ہے کہ کونسے چلنے والے کی راہ ہے اور کون سی چال مراد ہے اور یہ بھی ہے کہ قطع کرنا چڑھائی کی مسافت کا ہموار زمین کی مسافت قطع کرنے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے اور جتنی دیر کہ اُسکی مسافت قطع کرنے میں لگتی ہے اُس سے دونی اُسمیں ہوتی ہے چنانچہ ہموار زمین کے چلنے میں اور پہاڑ کی چڑھائی میں تجربہ ہو چکا ہے اور اہل ہیئت نے کوسوں سے اندازہ اُنکے بُعد کا کیا ہے اور اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ روایات شرعیہ اور براہین ہندسیہ دونوں مطابق ہو جائیں لیکن اہل ہیئت کے نزدیک افلاک کے سطوح آپسمیں ملے ہیں اور اُنکے درمیان میں مفاصلہ نہیں اور روایات شرعیہ کے موافق مفاصلہ بھی ثابت ہوتا ہے لیکن اہل ہیئت کے نزدیک ایک دوسرے آسمان کا چسپیدہ ہونا آپسمیں لا فصل فی الفلکیات کے قاعدے پر مبنی ہے اور قاعدہ ظنی ہے کوئی دلیل قطعی اُسکے واسطے نہیں اور اسباب کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اہل ہیئت کی نظر میں حاجت مفاصلے کی آسمانوں میں محقق نہیں ہوئی اِس جہت سے مفاصلے کو ثابت نہیں کیا اور شرع والوں کو دور اور سیر فرشتوں کا دونو آسمانوں کے درمیان میں معلوم ہوا تو مفاصلے کو ثابت کیا ہے پس کسی طرح کی مخالفت نہیں ہی مگر یہی کہ براہین ہندسیہ سے بیان میں ابعاد فلکیات کے ثابت ہوتا ہے کہ بے فرجہ کے معلوم کیا ہے اُس چیز سے کہ روایات شرعیہ سے ثابت ہے لیکن مخالفت لفظی ہے کیونکہ جس مقدار کو اہل ہیئت نے آسمان کے مُٹاپے میں داخل کیا ہے شاید کہ بعض کو اُسمیں سے اہل شرع نے فرجہ اعتبار کیا ہو اور باقی کو مُٹاپا فَيَرْتَفِعُ النِّزَاعُ پس جھگڑا اُٹھ گیا۔ حاصل کلام کا یہ ہے کہ آسمان کی قوت جسمانیہ اور روحانیہ کا زیادہ ہونا آدمی کی قوت جسمانیہ اور روحانیہ سے اظہر من الشمس ہے اور اگر آدمی کو اسبات کا فخر ہے کہ میرا مزاج کمال اعتدال پر واقع ہوا ہے کہ نفس ناطقہ مجردہ کے تعلق کے قابل ہوا ہوں جواب اُسکا یہ ہے کہ آسمان بھی کمال اعتدال اور لطافت میں واقع ہوا ہے چنانچہ فرماتے ہیں **فَسَوّٰىهَا** پھر معتدل المزاج کیا ہے اُس آسمان کو اور نفوس کاملہ کو اُسکے اجرام سے متعلق کیا ہے کہ لطافت اور تجرد میں نفوس انسانیہ سے زیادہ تر کامل ہیں اور باوجود ان سب باتوں کے آسمان کو ایک بڑی زبردست تاثیر بخشی ہے کہ بسبب ظاہر ہونے آفتاب اور ستاروں کی شعاع کے ایک حرارت قوی عالم میں ظاہر کرتے ہیں اور اُنکی روشنی چھپ جانے سے نہایت خنکی عالم میں پیدا کرتے ہیں اور یہ تاثیر ہر روز آنے جانے میں دن رات کے نظر آتی ہے **وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا** اور اندھیرے کی رات اُسکی تاکہ آفتاب کی شعاع گرم جہان والوں پر نہ چمکے اور سردی پیدا ہوا اور ہر چند کہ شب نام مخروط ظلی زمین کا ہے لیکن جو وہ مخروط آفتاب کی شعاع کے سبب پیدا ہوتا ہے اور غروب آفتاب کا ایک کنارے پر اُس مخروط کے طلوع کا سبب ہوتا ہے اُس کنارے والوں پر اور طلوع آفتاب کا اُس مخروط کے غروب کا موجب ہوتا ہے اور آفتاب کی حرکت آسمان کی حرکت کے تابع ہے تو اسلئے رات کو آسمان کی طرف نسبت فرمایا ہے اور بعضوں نے ارباب ہیئت سے آسمان کے تسویہ کو اُسکی کرویت پر حمل کیا ہے اور کہتے ہیں کہ شکل کروی آفات کو قبول نہیں کرتی برخلاف اور شکلوں کے پس اس جہت سے بھی خلقت آسمان کی زیادہ تر محکم ہوئی آدمی کی خلقت سے اور بعضوں نے تسویہ کو آسمان کے شقوق اور شگاف نہ ہونے پر حمل کیا ہے برخلاف آدمی کے کہ مسام اور شقوق بہت رکھتا ہے اسی واسطے بہت سی آفتوں میں ہے کہ مناسب اور نامناسب ہوا اُسکے بدن میں داخل ہوتی ہے اور کھانا اور پینا اور گرم سرد ہوا اور موذی جانور اُسکے بدن کی سوراخوں کی راہ سے گھس سکتے ہیں برخلاف آسمان کے کہ ان سب آفتوں سے بالکل محفوظ ہے **وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا** اور نکالی روشنی اُسکی کہ عبارت اُسکی آفتاب سے ہے اور ضحٰے کے وقت کا ذکر اسواسطے اختیار فرمایا ہے کہ وہ وقت کامل تر ہے سب اجزاؤں سے دن کے نور اور روشنی میں اور آفتاب کی شعاع کو ایک تاثیر ہے نہایت محسوس گرم کرنے میں عالم کے اور تمام عناصر اُسکی شعاع کے سبب سے گرم ہو جاتے ہیں خصوصاً زمین کہ بسبب کثافت اور یبس کے بہت دیر تک اس کیفیت مقبولہ کو محفوظ رکھتی ہے اور جو رات دن آسمان کو تبرید اور تسخین یعنی سردی اور گرمی بہم پہنچی اور آسمان قابل ان کیفیتوں کے نتھا تو لاچار ان دونو کو زمین نے قبول کیا اور قابل جوتنے بونے اور چشمے اور نہریں جاری ہونے کی ہوئی **وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا** اور زمین کو رات و دن کی تدبیر کے بعد ہموار و چمن بندی کی کیونکہ جمع ہونے

… اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا نکالا اس زمین سے پانی اسکا تاکہ زمین میں گھرے ہوئے پانیوں کو کہ سردی کے سبب سے
پانی کی صورت قبول کرنے کے مستعد ہوئے تھے آفتاب کی شعاع کی گرمی سے بہہ کر زمین سے باہر نکل آویں اور جب پانی اور خاک مل گئے اور حرارت نے بہا
اور گرمی کی اسمیں اثر کیا تو بس گھاس اور سبزہ اگا چنانچہ فرماتے ہیں وَمَرْعٰهَا اور نکالا چارا اس زمین کا گویا زمین اس سبب سے پہلے تو جو
پڑی ہوئی تھی اب اسکو باغ بنا دیا کہ پانی بھی اسمیں جاری ہے اور طرح طرح کا سبزہ بھی اگا ہے اور اسواسطے کہ مادہ پانی کا زمین میں محفوظ ہوا ایک … سرد …
فرمائی ہے وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا اور پہاڑوں کو لنگروں کی طرح سے زمین میں مقرر کیا کہ جو بخارات کہ زمین میں گھرے ہوئے ہیں اگر چاہیں کہ
باہر نکلیں تو پہاڑوں کے دباؤ کے سبب سے نکل نہیں سکتے ناچار لوٹ کر پانی ہو جاتے ہیں اور سوراخوں کی راہ سے جو ان پہاڑوں میں پائے جاتے ہیں
چشموں اور نہروں کے طور سے جاری ہوتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ جو پانی کہ آسمان سے نازل ہوتا ہے تو پہاڑوں کے دباؤ کے سبب سے زمین اسکو …
نہیں کر سکتی اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر جمع ہو رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ نشیب کی طرف جاری ہوتا ہے اور اسیواسطے نہریں اور چشمے پہاڑوں سے جاری …
ہیں … جا بجا چشموں اور نہروں کے ذکر کے ساتھ پہاڑوں کا ذکر بھی آیا ہے اور یہ سب سبب ہیں اسواسطے فرمائی ہیں کہ مَتَاعًا لَّكُمْ
وَلِاَنْعَامِكُمْ کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چارپایوں کے پس بقا اور معاش تمہاری سب سامان سے … ہے اور … تمہاری
مدد پانے والی اسکی حیات ہے پھر اپنے کو خلقت میں اس سے زیادہ محکم کس طور سے گمان کر سکو گے اور یہاں پر سمجھا چاہئے کہ دوسری روایتوں میں
بقرہ اور سورۂ فصلت میں واقع ہوئی ہیں زمین کی خلقت کو آسمان کی خلقت سے پہلے بیان فرمایا ہے بلکہ پہاڑوں کے قائم کرنے کو زمین پر اور القا
کرنا برکت کا ساتھ پیدا کرنے قوتوں کے زمین میں بھی سورۂ فصلت میں آسمان کی خلقت پر مقدم ہے اور جو کشاف والے اور دوسرے مفسروں نے
کہا ہے کہ خلقت زمین کے جرم کی آسمان کی خلقت پر مقدم ہے اور بچھانا اور پھیلانا زمین کا آسمان کی خلقت کے بعد ہے سو یہ تقریر پیش نہیں جاتی
کیونکہ سورۂ فصلت میں زمین کی تمام خلقت کو اور جو کچھ کہ اسمیں ہے آسمان کی خلقت سے مقدم فرمایا ہے اور سورۂ بقرہ میں بھی خَلَقَ لَكُمْ مَّا
فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ زمین کی تمام مخلوقات کی تقدیم آسمان کے تسویہ پر دلالت کرتی ہے اسیواسطے ایک جماعت علما
کی اسبات کی طرف گئی ہے کہ خلقت آسمان کی زمین سے مقدم ہے مگر تسویہ آسمان کا زمین کے بعد ہے سو اس جماعت کو اس سورہ سے غفلت واقع ہوئی ہے کیونکہ
اس جگہ پہ فَسَوّٰىهَا وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا فرمایا ہے اور بعد اسکے ارشاد کیا ہے وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا پس تحقیق
بات یہ ہے کہ مراد وجود میں سے کہ آسمان کے تسویہ کے بعد ہے مرتبہ قضا اور ایجاد مافی الارض کا ہے اور زمین کو بطور باغ کے مرتب کیا اور مراد خلقت سے
مَا فِي الْاَرْضِ مِنَ الْجِبَالِ وَالنَّبَاتِ وَالْاَقْوَاتِ سورۂ فصلت اور سورۂ بقرہ میں ہے آسمان کے تسویہ پر مقدم ہے سو ان چیزوں کے
اندازے اور تقدیر کا مرتبہ ہے نہ بالفعل کے ایجاد کا و الاظاہر ہے کہ تکوّن معادن اور نباتات کا بلکہ کائنات الجو بھی اشعہ آسمانی پر اور اوضاع
مختلفہ پر اس اشعہ کے موقوف ہیں کہ اسکے آسمان کی مرتبط ہیں اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ ثم اور بعد ذالک ان آیتوں میں ترتیب کے واسطے
نہیں ہیں بلکہ نعمتوں کی گنتی کے واسطے ہیں کہ بسبب کثرت عنایت کے رعایت پس و پیش کی فکر میں نہیں کرتے ہیں جیسے کوئی شخص اپنے غلام سے کہے کہ
… تجھکو فلانی فلانی چیزیں نہیں دیں پھر تیری پرورش نہیں کی پھر تجھ کو لوگوں کے ہاتھ سے کہ تجھپر ظلم کرتا تھا نہیں چھوڑایا بلکہ ان سب کو انہیں
کہا ہے کہ بعد یہاں پر مرتبے کی تراخی کے واسطے ہے جیسے ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں ہے کہ بعد فَكُّ رَقَبَةٍ کے اور دوسری عبادات مالیہ کے
مذکور فرمایا ہے اور زمین کا بچھانا آدمیوں کے حق میں بہت بڑی نعمت ہے آسمانی نعمتوں سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ
بعد ذالک یہاں پر مع ذالک کے معنوں میں ہے جیسے آیت عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ میں اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ
نے پہلے زمین کو بہت چھوٹا پیدا کیا اور اسمیں پہاڑوں کی رگیں پیدا کیں اور ان رگوں میں برکت دی کہ انکے سبب سے پانی کو اندر کھینچ لے اور چشمے
جاری ہوں اور اندازہ کھانے کی چیزوں کا مقرر کر دیا پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور آسمان ایک دھوئیں کی مانند تھا اسکے سات آسمان بنائے پھر زمین کو

پھیلایا جسقدر کہ اب ہے اور اول پیدائش زمین کی کعبہ معظمہ کے مقام پر تھی وہیں سے پھیلائی گئی ہے اسیواسطے اس خانہ مکرم کے حق میں دوسری جاے پر فرمایا ہے انّ اوّل بیت وضع للناس اور مکے کے شہر کو اسیواسطے اُم القریٰ کہتے ہیں واللہ اعلم۔ اور یہ بھی سمجھ لیا چاہیے کہ ان نعمتوں کی تعداد میں بعضے مکانوں پر حرف عطف کا لائے ہیں اور بعضے مکانوں پر حذف کیا ہے سو اس نکتے کے دریافت کرنے کا یہ قاعدہ ہے کہ جس مقام پر کہ پہلی نعمت مجمل ہے اور اُسکی تفصیل منظور ہے تو عطف کے حرف کو وہاں سے حذف فرمایا اسواسطے کہ مجمل اور مفصل آپسمیں ایک ہیں حرف عطف کی گنجائش اُنمیں ممکن نہیں جیسے وَالارض بعد ذٰلک دحٰہا اخرج منہا ماءھا ومرعٰہا اور جیسے بناھا رفع سمکہا فسوّٰھا اور جس جاے پر کہ پہلی نعمت کے بیان سے فارغ ہوکر دوسری نعمت کا بیان کرنا مقصود ہے وہاں پر عطف کا حرف لائے ہیں چنانچہ اور سب آیتوں میں مذکور ہے اور جو وضع کہ تیسے کافروں کے شبہوں کے کہ حیات اُخروی میں بیان کرتے تھے فارغ ہوئے اور وہ بات کہ مقصود تھی یعنی تفصیل نیکوں اور بدوں کے حال کی اور امتیاز ہر ایک کا ان دونو طائفوں میں اپنے حال کے اندر ادھورا رہ گیا تھا پھر تمام کرنے کو اس مقصد کے رجوع فرماتے ہیں کہ کتنے دل اُس روز کی دوبارہ زندگی کے سبب سے اور نفخۂ صور کی آواز سننے سے مضطرب اور بیقرار ہو جاوینگے اور ثمرہ بھی اُنکے اس اضطراب کا ظہور کریگا اور جس بلا سے کہ ڈرتے تھے وہی واقع ہونے کی صورت پکڑیگی فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّۃُ الْکُبْرٰی ۝ پس آنے سے راوقہ کے لوگ مضطرب اور بیقرار ہو جاوینگے اور ہر شخص پر اپنے حال کا اندیشہ غلبہ کریگا کہ دیکھا چاہیے مجھسے آج کے دن اس مقام پر اس زندگی میں کس طرح کے معاملے سے پیش آتے ہیں اور کیا کرتے ہیں اور جب دوسرا حادثہ آویگا کہ وہ بہت بڑا اور سب حادثوں پر غالب ہے کہ مراد تجلی قہر الٰہی سے ہے مجازات کے واسطے اور حاضر کرنے کو عملوں کے صحیفوں کے اور شاہدوں کے اور ارواحوں اور ملائکہ کے اور نزدیک لانے کو دوزخ کے اسکے موقف پر یعنی کھڑے ہونے کی جگہ پر اور دھر پکڑ گناہگاروں کی اور سوال اور مجرموں کی سزا کے واسطے اور طامہ کا لفظ ماخوذ ہے طم سے کہ غلبہ اور علو کے معنوں میں ہے یقال فی المثل جرٰی الوادی فطم علی القری یعنی جب نالہ جاری ہوتا ہے تو گڑھے پر پانی غالب ہو جاتا ہے اور کبریٰ تاکید پر تاکید اُس حادثے کے غلبے اور علو پر ہے اور جزا اُس شرط کی کہ حرف اذا کا مدلول ہے لفظ فامامن طغی کا اپنے معطوف کے ساتھ ہے اور جو یہ حادثہ بالاصالت نوع انسانی کی مجازات کے واسطے واقع ہوگا اور آسمان کا پھٹنا اور زمین کا تزلزل اور دوسرے حادثے محض اُسکی تمہید اور توطیہ ہیں پس واقع ہوا اُس حادثے کا نہو سکیگا یَوْمَ یَتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی جس دن یاد کریگا آدمی اُن سب چیزوں کو جو دنیا میں سعی اور تلاش سے کی تھیں گویا کام کرنے کے بعد کہ جزا اُسکی نہیں دیکھی اور ثمرہ اُسکا نہیں چکھا تو بھول گیا تھا اب جو اُسکا بدلا آنکھوں سے دیکھیگا تو اُن سب کاموں کو یاد کریگا اور اپنے اعمالوں کو اکھٹے کئے ہوئے اور صحیفوں میں بھی لکھے ہوئے دیکھیگا اور جو چیزیں کہ اُسکے ذہن سے جاتی رہی تھیں پھر اُسکے ذہن میں بس جاوینگی اور قولے فلکیہ کے سرایت کرنے سے اُسکے مدرکا اور خیال میں اُن عملوں کو اُنکی صورتوں سے دریافت کریگا اور آسمان کے چرنے اور زمین کے پھٹنے سے عالم مثال علوی اور سفلی کو دیکھیگا وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ اور کھول دکھائی جائیگی دوزخ لِمَنْ یَّرٰی جو چاہے دیکھے اور سب آدمی اُسوقت دوزخ کے دیکھنے میں برابر ہونگے جیسے دنیا میں انبیاء اولیاء دوزخ کو دیکھتے ہیں اور عوام دوزخ کو نہیں دیکھتے اُس جہان میں یہ تفرقہ نہ رہیگا پس زیادہ کرنا لمن یری کا اُسکے ظہور کی تعمیم کے واسطے ہے جیسے قد بین الصبح لذی عینین یعنی ظاہر ہوئی صبح اُس شخص کے واسطے کہ دو آنکھیں رکھتا ہے ہرچند کہ حادثہ عظیم تمام محشر والونکو بیجواس کردیگا اور دیکھنے سے قہر الٰہی کی نشانیوں کے کہ دوزخ کی صورت سے نمودار ہونگی سب شریک ہونگے لیکن اثر اس غضب کا ہر کسی کو نہ پہنچیگا بلکہ لوگ اُسوقت میں دو فریق ہو جاوینگے فَاَمَّا مَنْ طَغٰی پھر جس شخص نے کہ دنیا میں سرکشی اور شرارت کی تھی اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کیا تھا اور اکثر سرکشی اور شرارت کا سبب دنیا کی محبت ہے اسیواسطے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حب الدنیا راس کل خطیئۃ یعنی دنیا کی محبت جڑ ہے سب خطاؤں کی اور یہ طاغی دنیا کی محبت کے مرتبے سے بھی بڑھ گیا تھا وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا اور بہتر سمجھا تھا دنیا کا جینا اور اُسکی لذتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی پر اور اُسکے ثواب پر ترجیح دی تھی فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی۔

پھر تحقیق دوزخ وہی ہے اُسکا ٹھکانا کیونکہ دوزخ مظہر ہے قہر الٰہی کا اور دوری اور مہجوری کی صورت ہے اُسکی جناب سے اور جو اس شخص نے غیر اللہ کو کہ دنیا تھی اللہ پر ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ سے نہایت دُور جا پڑا اور اُسکا دیکھنا دوزخ کو ایسا ہے جیسے چور کا دیکھنا جلاد کو یا سولی کو وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ اور جو شخص کہ دنیا میں ڈرا اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے سے اور سمجھا کہ مجھے اُسکے حضور میں کھڑا ہونا ہے پس اُسکی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز اور سرکشی نہ چاہیئے کرنا نہیں تو وہاں پر روسیاہی حاصل ہوگی اور دنیا کی زندگانی کو کہ ایک سفر سے زیادہ نہیں حق سبحانہ تعالیٰ کی مرضیات پر اور آخرت کے ثواب پر ترجیح دینا نہ چاہیئے کہ آخر کو کام اسی سے ہے وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى اور روکا جی کو چاؤ سے یعنے خواہش نامشروع سے کہ اکثر دنیا کی ترجیح کا باعث وہی نفس کی خواہش ہوتی ہے فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى پس تحقیق بہشت وہی مکان اُسکے لایق ہے اور شیخ ابوبکر وراق نے فرمایا ہے کہ حقتعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں کوئی چیز زیادہ بڑی ہوا سے کہ مخالف حق ہے نہیں پیدا کی ہے اور اسیواسطے اہل طریقت کے نزدیک آدمی اُسوقت بالغ ہوتا ہے کہ ہوائے نفس سے خلاص ہو جاوے چنانچہ عام لوگوں کے عرف میں اُسوقت بالغ ہوتا ہے کہ محبت سے کھیل کود کی خلاص ہو جاوے **بیت** خلق اطفال اند جز مست خدا + نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا + بس دیکھنا اُسکا دوزخ کو اس طرح سے ہوگا جیسے تماشبین جلاد کو یا سولی کو دیکھیں کہ اور موجب فرحت اور خوشی کا ہو۔ ہر چند کہ اس مقام پر حال بیان کرنا آدمیوں کے دو فرقوں کا منظور ہے کہ محشر کے دن انجام ہر ایک کا اُن میں سے ایک وہی رنگ رکھتا ہے لیکن مفسروں نے کہا ہے کہ اِن دونو وصفوں میں اشارہ ہے دو حقیقی بھائیوں کے حال کی طرف قریش میں سے کہ دونو کو اُنکے باپ کا مال بہت سا ہاتھ لگا تھا اور اُنکی ماں اُنپر نہایت پیاری تھی خوش خوراکی اور خوش پوشاکی میں اُنکے شب و روز مصروف رہتی تھی ایک اُنمیں سے کہ مصعب بن عمیر نام رکھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و صحبہ سلم کی صحبت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے دنیا کی لذتیں چھوڑ دی تھیں اور راتوں کو تہجد گزاری میں بیدار رہتے تھے اور ہمیشہ روزے رکھتے تھے اور اچھا کھانا نہ کھاتے تھے کہ عورتوں کی خواہش زیادہ ہوگی آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کے فرمانے سے وہ مال و متاع اور دولت و حشمت چھوڑ کر اور سارے گھر بار سے جدا ہو کر غربت کُربت میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور قرآن پڑھانے میں وہاں کے لوگوں کے مشغول ہوئے اور جنگ اُحد کے دن آنحضرت صلعم کا نشان اُٹھا کر کمال استقلال و جوانمردی اور آزادگی کے ساتھ دنیا سے گئے اور شہید ہوئے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ یہانتک کہ اُنکے کفن کے واسطے سوا ایک لنگ کے کچھ میسر نہوا اور وہ بھی اُنکے قد کے برابر نتھی اگر پانوں چھپاتے تھے تو سر کھلجاتا تھا اور اگر سر چھپاتے تھے تو پانوں کھلجاتے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس لنگ سے اُنکے سر کو چھپاؤ اور اُنکے پانوں کو خوشبودار گھاس سے کہ اُسکو اذخر کہتے ہیں چھپا دو پھر لوگوں نے ویسا ہی کیا اور دوسرا بھائی کہ جسکا نام عامر بن عمیر تھا شب و روز عیش و عشرت میں مصروف تھا اور محرمات شرعیہ میں مستغرق اور ترک دنیا کے واسطے ہمیشہ اپنے بھائی سے لڑتا جھگڑتا تھا اور دنیا کی محبت کے واسطے آنحضرت صلعم کی صحبت سے بھاگتا تھا اور حاضر نہوتا تھا اور ایمان اور ایمان کے حکموں کو قبول نہیں کرتا تھا یہانتک کہ جنگ بدر کے دن کافروں کے ساتھ مارا گیا اور کندۂ دوزخ ہوا اعاذنا اللہ من سوء الخاتمۃ اور جب آنحضرت صلعم کافروں کے سامنے قیامت کا احوال بیان فرماتے اور کہتے کہ دوزخ طاغیوں اور سرکشوں اور دنیا طلبوں کی جاہے اور بہشت متقیوں اور ڈرنے والوں کا مقام ہے تو کافر پوچھنے لگتے کہ یہ سب تو قیامت کے بعد ہوگا پھر تم ہمکو بتاؤ کہ قیامت کب ہوگی اور اُسکے آنے کا کونسا وقت ہے اللہ تعالیٰ نے اُنکے اس بیہودہ سوال سے خفگی فرمائی اور ارشاد ہوا کہ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ پوچھتے ہیں تجھسے قیامت کے آنیکا وقت اَيَّانَ مُرْسٰىهَا کب ہوگا برپا کرنا اُس قیامت کا اور کونسے وقت ہوگی حالانکہ یہ سوال اُنکا محض بیجا ہے کیونکہ آئندہ کی باتیں بتانا کچھ تیرا کام نہیں ہے کہ تجھ سے اس قسم کی باتیں پوچھتے ہیں تو نجومیوں اور رمالوں اور جفریوں اور فال دیکھنے والوں اور کاہنوں کا کام ہے تیرا کام تو احکام الٰہی پہنچانیکا ہے اور ڈرا دینا اللہ کے عذابوں سے بغیر تعیین وقت کے فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا تو کس بات میں ہے اُس قیامت کا وقت بیان کرنے میں کیونکہ انبیا اور اولیا گاہے گاہے آگے ہونیوالی بات کے وقت کو بیان کر دیتے ہیں سو محض اسواسطے کہ جب وہ بات اُسیوقت ہو جاتی ہے تو لوگوں کو اُنکی نبوت اور ولایت پر اعتقاد آجاتا ہے اور اُنسے اللہ کی راہ سیکھنے

ہیں اور ہدایت پاتے ہیں جیسے کہ ظاہری اطبا کہ بعضے وقت بطور تقدمۃ المعرفت کے مریض کی تغیرات مزاجی آئندہ کو بتا دیتے ہیں اسواسطے کہ لوگوں کو
اسباب کے ظہور میں آنیکے بعد انکی طبابت پر اعتقاد آجاوے اور مخلوق انکے معالجے سے نفع اٹھاویں والا بیان کرنا آئندہ کے حادثوں کے وقت کا نبوت
اور ولایت کی شرطوں سے نہیں ہے چنانچہ بیان تقدمۃ المعرفت کا یعنے آگے کی بات پہچاننے کا بیان کچھ طبابت کی شرطوں سے نہیں ہے اور ایک
بات ہوتی ہے کہ اسمیں تو فی الجملہ کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے اور قیامت کے وقت بیان کرنے میں کچھ فائدہ بھی نہیں کیونکہ اگر کسی کو بعد واقع ہونے قیامت کے
انبیاؤں کی نبوت پر اعتقاد آیا تو کیا حاصل کہ ایمان کا وقت تو فوت ہوگیا اور اگر قیامت کے واقع ہونیکے قبل موافقت اسوقت بیان کئے گئے کی معلوم
ہو نہیں سکتی پس قیامت کے وقت کا ذکر ہرگز نبوت کے کام سے موافقت نہیں رکھتا اور ان سب باتوں کے ساتھ خود یہ علم بھی ایسا نہیں کہ کسی بشر کا مدرکہ
اسکا احاطہ کرسکے کیونکہ تمام حادثے کہ عالم میں واقع ہوتے ہیں سو اسباب بھی ان حادثوں کے عالم میں موجود ہیں تو ان حادثوں کے واقع ہونیکا وقت مقرر
کرسکتے ہیں اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب تک اسباب جمع ہووینگے اور یہ موانع دور ہوجاوینگے جسوقت میں ہوں تب خواہ مخواہ یہ حادثہ واقع ہوگا برخلاف اس حادثہ
عامہ کے کہ تمام ارکانوں پر اس عالم کے صدمہ پہنچاویگا اور اسباب مانند مسببات کے درہم برہم ہوجاوینگے پس اسکے واسطے ایک سبب ہے اس عالم کے اسباب کے
ماسوا کہ بشر کے فکر کی حد وہاں نہیں پہنچتی ہے اسیواسطے کہ جو شخص اس عالم میں سے سوال کیا جاتا ہے باواسطہ یا بیواسطہ اسکو علم الہی کے حوالے کردیتے
ہیں اور اسیواسطے فرمایا ہے اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ۝ تیرے رب ہی کی طرف ہے انتہا اسی قیامت کی اسواسطے کہ قیامت کے وجود کا سبب ارادہ
قہری اسی ذات پاک کا ہے کہ عوض لینے کے واسطے بنی آدم کے گنہگاروں کی طرف متوجہ ہوگا اور اس ارادے کے وقت کا جاننا کہ کب ہے اور بنی آدم کی برائیوں
کے اندازے کو معلوم کرنا کہ کتنی ہیں اور کون برائی قابل سزا دینے کے ہے۔ یہ سب خاصہ اسی ذات پاک کا ہے تیرا کام اور دوسرے آدمیوں کا نہیں ہے کہ اس
علم کو جان سکیں مگر ایک طور سے کہ اگر اللہ تعالی کی طرف سے انکو یہ علم عنایت ہو اور وہ ہونیوالا نہیں کیونکہ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا
نہیں ہے تو مگر ڈرانیوالا اس شخص کا جو قیامت سے ڈرتا ہے اور یہاں پر ایک شبہ بیان کرتے ہیں کہ ڈرتے کو ڈرانا کیا معنے جواب اسکا یہ ہے کہ علم اجمالی کے
سبب سے کہ ہر عاقل کو مجازات پر حاصل ہے یہ جانتا ہے کہ دنیا میں مجازات واقع نہیں ہوسکتا سو ایک اور عالم اسکے واسطے چاہیے پس خوف قیامت کا اسے
پیدا ہوتا ہے اور انبیاء اور مرسلین کا ڈرانا بیان کرنے سے مجازات کی تفصیل اور مضرات ورنافعات سے اس جہان کی ہے پس جو شخص کہ علم اجمالی مجازات کا
نہیں رکھتا انبیاء اور مرسلین کے ڈرانے سے بے بہرہ ہے اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ مراد من یخشٰہا سے یہ ہے کہ خوف آخرت کی استعداد کا بالقوہ اسمیں موجود
ہے نہ یہ کہ بالفعل ڈرتا ہے اور جو ڈرانے سے انبیاؤں کے سوائے ان لوگوں کے کہ استعداد خوف کی رکھتے ہیں فائدہ مند نہیں ہوتے تو گویا انبیاؤں کو دوسروں کے
ڈرانے کا منصب نہیں ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ ڈرنیوالے اور ڈرانیوالے کو سوال اس چیز کے وقت کا اصلا درکار نہیں ہے جیسے کسی مسافر کو چوروں کا ڈر ہو
یا کوئی دوسرا اسکو قزاقوں سے ڈراوے اور وہ پوچھے کہ مجھپر کسوقت پڑینگے جبتک اسکا وقت بیان نکریگا تب تک میں ہرگز یقین نکرونگا اور ظاہر ہے کہ اگر
کافروں کا سوال قیامت کے وقت کا اسواسطے تھا کہ اگر وقت کا بیان کرینگے تو ہم ایمان لاوینگے پس صاف بیجا ہے کیونکہ بیان کا وقت اس صورت میں موجب ایمان کا
ہوتا ہے کہ وقوع واقعہ کا موافق اسوقت کے ہووے اور اس سے پہلے بیان کرنا اور نکرنا وقت کا برابر ہے اور بعد واقع ہونے قیامت کے ایمان کا اعتبار نہیں ہے اور اگر اسواسطے
ہے کہ اسکا بعد اور قرب معلوم کرلیں اگر دور ہو تو خاطر جمع سے بیٹھے رہیں اور اگر نزدیک ہو تو اسکی فکر کریں تو یہ بھی بیحاصل ہے کیونکہ قیامت قایم ہونیکے وقت مدت
دراز جو گذری ہے انکو بہت تھوڑی معلوم ہوگی كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا گویا کہ وہ لوگ جس روز کہ دیکھینگے نشانیاں اس قیامت کی تو جانینگے کہ
انکے ٹھہرنے کی مدت دنیا میں نہایت تھوڑی تھی اور ایک روز کامل کو بھی نہیں پہنچی تھی بلکہ ایسا گمان کرینگے لَمْ يَلْبَثُوْٓا دیر نہیں کی تھی دنیا اور
برزخ میں اِلَّا عَشِيَّةً مگر ایک عشا کہ آفتاب کے زوال سے غروب تک ہوتی ہے اَوْ ضُحٰهَا یا برابر اسکے ضحی کے کہ طلوع آفتاب سے زوال
کے قریب تک اسکا وقت ہوتا ہے اور تردد انکا عشا اور ضحی میں اسواسطے ہوگا کہ اگر عمر انکی مشقت اور رنج میں گذری تھی اور برزخ میں بھی عذاب میں
گرفتار تھے اسواسطے اپنی بقا کی مدت کو آدھے عشا یعنے پچھلے آدھے دن کی برابر جانینگے کہ وہ ماندگی اور رنج کا وقت بھی ہے اور اگر انکی عمر راحت میں گزری

تھی اور برزخ میں بھی چنداں معذب نہیں ہوئے تو اپنی بقا کی مدت کو صبح سمجھینگے اور بعضے علما نے کہا ہے کہ شروع رات دن کی پوری کا اکثر لوگوں کے نزدیک
جیسے ہنود اور یونانی وغیرہ ہیں دوپہر دن سے ہے اور شریعت میں اول فجر سے اور جو اہل محشر منظور رکھینگے کہ اپنی بقا کی مدت کو آدھے دن سے بھی کمتر بیان
کریں تو کہینگے کہ اگر شروع دن کا نصف النہار سے ہے تو ہمنے دیر نہیں کی مگر برابر ایک عشا کے اور اگر ابتدا اول فجر سے ہے تو ہمنے دیر نہیں کی مگر ایک صبح
اور ظاہر بھید مقدم ہونے میں عشا کے صبح پر یہی ہے لیکن اضافت ضحی کی عشا کی طرف اس جہت سے ہے تاکہ آگاہی ہو اسبات کی طرف کہ بالکل دنیا کی مدت
اُنکے گمان میں ایک روز کے برابر ہوگی چنانچہ دوسری جاے پر اُنکی زبان سے فرمایا ہے کہ ان لبثتم الا یوما اور اپنے نوع کی بقا کا زمانہ دنیا میں
اس وزکی ایک ساعت کے برابر جانینگے نہ یہ کہ عشا ایکدن کی اور ضحی دوسرے دن کی اور اگر عشیۃ واضحی فرماتے اور اضافت ضحی کی عشیۃ کی طرف نکرتے تو اتحاد
ایک روز کا بوجھا نہ جاتا اور احتمال ہے کہ معنی اس آیت کے اس طور سے ہوں الا عشیۃ او ضحٰھا ای ضحی العشیۃ اور حاصل یہ کہ اپنی دنیا کے
باقی رہنے کی مدت میں تردد کرینگے کہ آدھا روز تھا یا سارا روز چنانچہ دوسری جاے پر انہیں کی زبان سے نقل فرمائی ہے کہ لبثنا یوما او بعض
یوم فاسال العادین واللہ اعلم +

سورۃ عبس

یہ سورہ مکی ہے اسمیں بیالیس آیتیں اور ایکسو تیس کلمے اور پانسو تینتیس حرف ہیں اور اس سورہ کا ربط سورۂ والنازعات سے کئی طور سے ظاہر ہے اول تو
یہ کہ آخر میں سورۂ والنازعات کے انما انت منذر من یخشٰھا فرمایا ہے اور اس سورے میں عتاب و خطاب ہی ترک کرنے پر اس منصب کے لوازمات
کے کہ اما من جاءک یسعی وھو یخشی فانت عنہ تلھّی دوسرے یہ کہ اس سورے کا قصہ اس سورے کے قصے سے تقابل کھاتا ہے یعنی ایک
پیغمبر جلیل القدر کو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے روبرو ایک بادشاہ صاحب اقتدار کے بھیجا اور اُسکی خوشامد کا حکم فرمایا فقل ھل لک الیٰ ان تزکّی
اور یہاں پر ایک فقیر اندھے خاکسار کو آگے خاتم المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے اور اُسکی خاطرداری کا حکم ہوا اور اغنیا اور ثروت والوں سے توجہ
کرنے پر عتاب فرمایا۔ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام بطور آرزو کے کہتے تھے ھل لک الیٰ ان تزکّی اور یہاں حق جل وعلی اُمیدوار کرتا ہے کہ لعلہ
یزکّی اور اُس بادشاہ کو طغیان اور سرکشی سے وصف فرمایا اور اس فقیر کا خوف و خشیت سے وہ بادشاہ جبّار اپنے مکان پر تھا اور پیغمبر کو اُسکے پاس
جانیکا حکم ہوا کہ اذھب الیٰ فرعون اور یہاں پر وہ فقیر خود دوڑا چلا آتا ہے کہ امّا من جاءک یسعی تا معلوم ہو کہ بیچارا انبیا کا تمام تابعداری اور
فرمانبرداری ہے جس طرح سے ارشاد ہوتا ہے اُسی طرح سے بجا لاتے ہیں اگر اغنیا اور سرکشوں کی ملاقات کا حکم ہوتا ہے تو بسر و چشم اور اگر فقیر دل خاکساروں کی
تعظیم اور توقیر کو ارشاد ہوتا ہے تو علی الراس والعین۔ نہ تابعداری اور فرمانبرداری سے فقیروں کی خوشدل ہوتے ہیں ورنہ سرکشی اور جباری سے متکبروں کی
تنگدل فرعون کو دیکھا چاہیے کہ کس صفت سے موصوف ہوکہ ثم ادبر یسعی پھر پیٹھ پھیر کر راہ حق سے بھاگتا تھا اور اس مسکین اندھے کو غور کیجیے کہ
کس طور سے آتا ہے جاءک یسعی یعنی حق کی طرف منہ کرکے دوڑتا ہے تیسرے یہ کہ ان دونو سورتوں میں حشر کے قیامت کے دن کے اور تکلیفیں اُس دن
کی ایک ہی طور سے مذکور ہیں جیسے اُس سورے میں فاذا جاءت الطامۃ الکبریٰ یوم یتذکر الانسان ما سعیٰ الیٰ اٰخرھا فرمایا ہے اور اس سورے
میں فاذا جاءت الصاخۃ یوم یفر المرء من اخیہ الیٰ الاخر ارشاد ہوا چوتھے یہ کہ تعداد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا درست کرنے میں آدمی کی معاش اور خلقت کے
اور اُسکے اُصول کے بھی ان دونو سورتوں میں مناسبت قریب اتحاد کے رکھتے ہیں گویا دونو ایک ہیں اور اُس سورے میں اخرج منھا ماءھا ومرعٰھا
متاعا لکم ولانعامکم مذکور ہے اور اس سورے میں فاکھۃ وابّا متاعا لکم ولانعامکم اور اُس سورے میں خلقت آسمان کی اور رات دن اور
زمین اور پہاڑوں کی یاد فرمائی ہے اور اس سورے میں خلقت آدمی کی نطفے کی حالت کے وقت سے تادم مرگ ارشاد ہوئی اور پہلے اسبات کے کہ سبب اس سورے
کے نازل ہونیکا مذکور ہو تمہید ایک مقدمے کی ضرور ہے اول سمجھ لیا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوبوں میں کہ انکو ہدایت اور ارشاد کے کام کے واسطے چن لیا ہے اور

اور درمیان میں سب لوگوں کے حیثیت میں اوصاف بشریت کے اور صفات نفس کے کچھ فرق نہیں ہوتا بلکہ فرق اس جہت سے ہے کہ محبوبوں کو خود تربیت فرماتے
ہیں اور جب کبھی کوئی صفت نفس کی صفاتوں میں سے اُنسے موافق مقتضائے جبلت بشری کے کچھ ظاہر ہوتی ہے اور اپنی خودی سے کوئی حرکت کر بیٹھتے
ہیں کہ موجب نور حق کے احتجاب کا ہو تو جلد تادیب اور عتاب سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ اور اُس کا تدارک فرماتے ہیں چنانچہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ادبنی ربی فاحسن تادیبی وعلمنی فاحسن تعلیمی تو یہانتک کہ اول تخلق باخلاق الٰہیہ
انکو حاصل ہو کہ مرتبے وصول کو اور فنائے نفس کو لازم ہے اور بعد اُسکے تحقیق ساتھ اُن اخلاق کے میسر ہو کہ مرتبہ بقا کے تابع ہے اور اُسکو حالت استقلال
اور تمکین کی رکھتے ہیں پس صادر ہونا اس قسم کی حرکتوں کا آنحضرت صلعم سے کچھ اُس جناب کے مرتبے اور منصب کے منافی نہیں بلکہ تادیب و عتاب
الٰہی اُن حرکات پر عین دلیل ہے اس منصب اور اُس مرتبہ عظیم کی اور جو یہ مقدمہ تمہید کیا گیا ہو تو سمجھ لیا چاہیئے کہ آنحضرت صلعم ایک روز مسجد الحرام
میں تشریف رکھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عمدہ اور سردار قریش کے جیسے عتبہ اور ربیعہ شیبہ کے بیٹے اور ابوجہل ہشام کا بیٹا اور
حضرت عباس عبدالمطلب کے بیٹے اور دوسرے رئیس بیٹھے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انکو دین اسلام کی خوبی اور بت پرستی کی برائی سمجھاتے تھے
اور بکمال توجہ سے انکے ساتھ باتوں میں مشغول تھے کہ اتنے میں ایک اندھا یعنی عبداللہ بن شریح بن مالک بن ربیعہ زہری کہ انکو ابن ام مکتوم بھی
کہتے تھے اسواسطے کہ مکتوم اندھے کو کہتے ہیں اور اُنکی ماکو ام مکتوم کہا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آنحضرت صلعم اُسکے
کے آنے سے ناخوش ہوئے اور جانا کہ یہ شخص نابینا ہے مجلس کے رنگ ڈھنگ تو جانیگا نہیں بیمحل اور بیموقع کلام کریگا اور بات میں بات کر بیٹھیگا اور یہ
جو میں ان سرداروں سے باتیں کر رہا ہوں اور دعوت اسلام کی کرتا ہوں تمام رہجاویگی آخر اُس نابینا نے کچھ مجلس کے پس و پیش کا خیال نکیا اور آنحضرت
صلعم کے نزدیک آکر بیٹھا اور کہنے لگا کہ مجھکو کلام اللہ کی فلانی فلانی سورت سکھلاؤ اور میری طرف کو توجہ فرماؤ کہ میں بغیر رہبر کے بڑی محنت اور مشقت
سے پوچھتا پوچھتا آپ تک آیا ہوں آنحضرت صلعم نے اُن سرداروں کی خاطرداری کے واسطے کچھ جواب ندیا اور فرمایا کہ ٹھہر وہ نابینا تھوڑی دیر تو ٹھہرا
پھر اُسی طرح سے کہنے لگا یہانتک کہ کئی بار یہ مقدمہ اسیطور سے ہوا آخر اُسکی اس حرکت بیجا کے سبب سے کہ اُن سرداروں کی تنگدلی اور رنجش کا باعث تھی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چین بجبیں ہوئے اور چہرۂ مبارک پر آثار خفگی کے نظر آنے لگے اور اپنا منہ اس نابینا کی طرف سے پھرا کر اُن سرداروں کی طرف متوجہ
ہوئے پس اُسی حال میں یہ سورت نازل ہوئی اور اس معاملے پر سخت خفگی اُتری اور روایت کیا گیا ہے کہ جوں جوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیتوں
کو جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے سنتے تھے ووں ووں رنگ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف سے زرد ہوتا جاتا تھا یہانتک کہ جب کلا انہا
تذکرۃ کو زبان سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی سُنا تو خوش ہوئے اور وہ خوف دل سے کم ہوا اور رنگ ٹھکانے آیا اور سمجھا کہ یہ خفگی فقط نصیحت کے واسطے ہے
مہربانی اور عنایت کی راہ سے کچھ غضب کی راہ سے نہیں ہے بعد اُسکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس نابینا کے گھر کو جو مایوس ہو کر چلا گیا تھا تشریف فرما
ہوئے اور عذر کیا اور اُسکو ہمراہ لیکر دولتخانے کو تشریف لائے اور اپنی چادر مبارک بچھا کر اُسکو اُسپر بٹھایا پھر جب کبھی وہ نابینا آنحضرت صلعم کی مجلس
میں آتا تو آنحضرت صلعم اُسکی نہایت تعظیم و تکریم کرتے تھے اور ارشاد فرماتے کہ مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی یعنی خوش آیا تو وہ شخص ہے جسکے واسطے
میرے پروردگار نے مجھکو عتاب فرمایا اور جسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس نابینا کو دیکھتے تو فرماتے تھے کہ اگر تیری کچھ حاجت یا کام ہو تو کہہ اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس نابینا کو دو بار مدینہ منورہ میں اپنے قائم مقام امام نماز کا مقرر کرکے تشریف فرما ہوئے ہیں اور انس بن مالک نے
ایک عجیب حوال اُس نابینا کا روایت کیا ہے کہ میں نے اُسکو قادسیہ کی لڑائی میں دیکھا۔ زرہ پہنے اور ایک تازی گھوڑے پر سوار اور آگے آگے اُسکے
ایک سیاہ نشان تھا اور باوجود اس نابینائی کے کافروں کی صفوں پر حملے کرتا تھا اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اس قصے کے بعد کسی فقیر سے چین بجبیں نہیں ہوئے اور کسی دولتمند سے تملق اور ملاوٹ نہیں کی اور اس مقام پر مفسروں کو اس خفگی اور عتاب ہونے
کے مقدمے میں بڑا اشکال ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملے میں کوئی ایسی بات کہ خلاف قواعد شرعیہ کے ہو عمل میں نہیں آئی تھی

اِسقدر خفگی آپنے کسواسطے فرمائی کیونکہ شرع کا قاعدہ ہے کہ عام نفع مقدم ہے خاص نفع پر پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کو جو اُن سرداروں کو کرتے تھے قرآن سکھانے پر اُس نابینا کے اسواسطے مقدم رکھا کہ اُنکے اسلام لانے میں سارے شہر مکے کے اسلام لانے کی توقع تھی کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ اور تعلیم کرنے میں قرآن کی سورتوں کے اُس نابینا کو خاص اس نابینا ہی کے واسطے فائدہ تھا اور بس دوسرے یہ کہ اسلام کی دعوت مقدم ہے قرآن سکھانے سے کیونکہ وہ اصل ہے اور یہ فرع اور فقہا کے نزدیک یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے پاس آوے اور کہے کہ مجکو اسلام کی تعلیم کر اور دوسرا شخص اُسیوقت کہے کہ مجکو قرآن پڑھا یا کچھ ارشاد اور نصیحت کی خواہش کرے تو اسوقت اسلام کی تلقین کو مقدم کرنا چاہئیے کہ اُسکے دیر کرنے میں بڑا نقصان ہے اور باتوں میں دیر کرنے کی نسبت سے کیونکہ کافر کی حالت اپنے مرض روحانی کے مبتلا ہونے میں کہ کفر ہے سرسام والے کی مانند ہے کہ ذراسی غفلت اور سستی میں علاج کے درجے سے گزر جاتا ہے اور اُس شخص کی حالت جو مسائل شرعیہ یا قرآن پڑھنا نہیں جانتا مانند اُس مریض کے ہے کہ مرض اُسکا چنداں سخت نہیں آہستہ آہستہ تدارک اُسکا ہوسکتا ہے اور ترش روئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ اُس نابینا کی حرکات ناملایم کے سبب سے ظاہر ہوئی تھی دو جہت سے خفگی کے قابل نہیں تھے اول تو یہ کہ یہ تغیر بے اختیاری ہے اختیاری نہیں پس اس قسم کے کاموں کی تکلیف دینا تکلیف مالایطاق کی قسم سے ہے دوسرے یہ کہ نابینا کے سامنے ترش رو ہونا اور مُنہ پھیر لینا یا کشادہ پیشانی ہونا اور اُسکی طرف رُخ کرنا برابر ہے کیونکہ وہ کچھ دیکھتا نہیں ہے کہ اُسکو ترش روئی کا رنج ہو اور ان سب سے علاوہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُسوقت تک جناب الٰہی میں اس فعل کا ناپسند ہونا بھی معلوم نہ تھا اسواسطے کہ ممانعت اُسوقت تک اس فعل کی نازل نہیں ہوئی تھی پس ابتدا سے نہی میں اسقدر خفگی کا کیا محل تھا جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ شعر کار پاکاں راقیاس از خود مگیر + گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر + ہر چند کہ وہ نابینا چہرہ مبارک کے تغیر کو نہ دیکھتا تھا لیکن دوسرے لوگ تو دیکھتے تھے اور اغنیا کی خاطر داری اور فقرا کی طرف سے بے پروائی دریافت کرتے تھے حقتعالیٰ نے اپنے محبوب کے حق میں اتنے توہم کو بھی پسند نہ رکھا اور چاہا کہ ظاہر و باطن میرے محبوب کا میری رضامندی ڈھونڈنے میں مصروف رہے اور ہرگز کسی کو میرے محبوب کی طرف ریا کی تہمت کا گمان بھی نہ رہے اور یہ بھی ہے کہ نفوس قدسیہ کو چاہئیے کہ سیکھنے والے کی استعداد کے موافق فیض اور فائدہ پہنچانا منظور رکھیں اور کام کے انجام پر نظر کریں کہ بہت سے فقیر خاکسار اپنی استعداد عالی کے سبب سے شمع اور چراغ کا عالم ہوئے ہیں پس قوت استعداد سے شاگرد کی اُمیدوار عام نفع کا چاہئیے رہنا اور کثرت پر تابعداروں کی کہ بالفعل اغنیاء کو حاصل ہے فریب کھانا ظاہر بینوں اور ناواقفوں کا کام ہے جو استعداد نفوس کے مراتب کو نہیں جانتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ اس نابینا کو فائدہ ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے یقینی امر تھا اور ان سرداروں کا فائدہ اُٹھانا دعوت اسلام سے پھر فائدہ اُٹھانا شہر والوں کا اُنکی پیروی سے ایک خیالی بات تھی اور موہوم بات کو معلوم پر ترجیح دینا خوب نہیں اور کنہ بات کی یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حرکت گناہ اور خلاف شرع ہونے کا لگاؤ بھی نہیں رکھتی تھی لیکن محبوبوں کے فقط گناہ سے بچنے پر اکتفا نہیں کرتے ہیں بلکہ اُنسے تخلق باخلاق الٰہی چاہتے ہیں جیسے شفیق باپ اگر کوئی بات اپنے فرزندوں سے خلاف اپنی وضع اور آئین کے دیکھتا ہے گو کہ وہ مشروع اور اچھی ہو غصہ کرتا ہے چنانچہ بادشاہ اپنے فرزندوں کے واسطے نہیں چاہتے کہ صلحا اور مشایخوں کی طرح سے مسجدوں میں معتکف ہوں یا گوشہ گیری اختیار کریں اور مشائخ اور صلحا نہیں چاہتے کہ ہماری اولاد سپاہیوں اور نوکری پیشوں کی مانند تلاش معاش میں مشغول ہوں گو وجہ حلال سے ہو علیٰ ہذا القیاس پس یہ عتاب اور خطاب کچھ گناہ اور تقصیر پر نہیں ہے کہ وجہ اُسکی بیگناہی کی صورت میں مشکل ہوجاوے بلکہ یہ تو اس قسم سے ہے جیسے والدین کی تربیت اپنے فرزندوں کے واسطے ہوتی ہے سو وجہ اسکی ظاہر ہے ۔ اور وجہ اسکے نام ہونے کی ساتھ عبس کے یہ ہے کہ خفا ہونے کا اُس ذات پاک کے ایسے نبی عظیم القدر پر اسبات پر کہ اونٹنے سے ادنے شاگرد سے مُنہ پھرایا اور امیروں کی طرف متوجہ ہوئے نام ایک سورے کا قرآن مجید کے سوروں سے ہوا اور مدتوں اور قرنوں تک عنایت اور مہربانی اللہ تعالیٰ کی شاگردوں اور طالبعلموں پر پیش نظر ہر مسلمان کے خصوصاً مرشدوں اور معلموں کے ہو کہ فقط اس سورے کا نام سنتے ہی وہ قصہ اُنکو یاد آوے اور عبرت پکڑیں اور یہ بھی ہے کہ کمال محبوبیت اس پیغمبر کی

حضور خداوندی میں ثابت ہو کہ اسقدر تغیر چہرے کو انکے اتنا شاق جانا کہ بار بار قاریوں اور پڑھنے والوں کی زبان سے یاد فرماتے ہیں اور اسکی خبر دیتے ہیں اور اس کلام کو کہ اسمیں قصہ مذکور ہے اس طور سے شروع کیا جیسے کہ عاشق شیدا اپنے محبوب کے معاملۂ نامرغوب کو شاق جانکر اس معاملے کے وقت اور مکان کا پتا بھی اس معاملے کے ساتھ بتاتا ہے +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَبَسَ تیوری چڑھائی پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور اسقدر پر بھی اکتفا نہ کی بلکہ **وَتَوَلّٰى** اور منہ موڑا **اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى** اس سبب سے کہ آیا اُس پاس اندھا اور مفسرین کا اختلاف ہے اِسبات میں کہ نابینا کا آنا کسواسطے اس جاے پر مذکور فرمایا بعضے کہتے ہیں کہ محض بیان واقع کا ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ کثرت عتاب کے واسطے ہے کہ ہمنے اِس پیغمبر کو رحمۃ للعالمین کیا اور مخلوق کی ہدایت کے واسطے بھیجا اور زیادہ تر لائق رحمت کے ضعیف اور فقیر اور اندھے ہیں اور مستحق رہنمائی کے اندھے شاگرد ہیں پس اس قسم کے لوگوں سے منہ پھرانا پیغمبری کے مرتبے سے نہایت بعید ہے مثال اُسکی ایسی ہے جیسے ایک شخص اپنے خادم کو فرمائے کہ جو راہ بھولے اُسکو بتا دیا کر اور وہ خادم دیکھنے بھالنے والوں کو راہ بتاوے اور اندھے دھندے کی طرف التفات نکرے اور بعضوں نے کہا ہے کہ کمال خفگی کے سبب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اِس کلام میں مخاطب بھی نہ فرمایا کیونکہ اُسوقت آنحضرت اللہ تعالی کی مرضی سے غائب ہو گئے تھے اگرچہ اُسکے بندوں کو اُسکی طرف بلاتے تھے لیکن حضور حق سے غائب کے حکم میں قرار دیا ہے اسواسطے کہ آنحضرت صلعم نے اِسوقت حضور حق کے طالبعلموں کے مطلب سے غفلت کی تھی اور غائب کو خطاب لائق نہیں ہے پھر جو گلہ شکوہ کرنا شروع ہو گیا تو اچھی طرح سے دھمکانے کے واسطے خطاب فرمایا جیسے کوئی شخص کہ اول اپنے گنہگار بندے کی شکایت لوگوں کے سامنے کرتا ہے اور اُسکو کمال خفگی کے سبب سے مخاطب نہیں کرتا پھر جب شکایت کے وقت جوش میں آجاتا ہے تو خطاب اُس بندے کی طرف شروع کرتا ہے اور جو یہاں پر دوسرا کوئی نکتہ تھا کہ اُنکی شکایت اُنکے سامنے بیان فرمائے تو اول شکایت اُنکی اُنھیں کے سامنے بطور غیبت کے بیان فرمایا پھر خطاب عتاب آمیز شروع کیا تاکہ اشارہ اسطرف کی طرف ہو اور شدت خفگی کی معلوم ہو اور محققین نے کہا ہے کہ اس قصہ کا لانا تمہید عذر کے واسطے ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی طرف سے اِس معاملے میں کہ اس نابینا کے ساتھ کیا اور یہ نہایت رحمت اور محبت کا مقتضا ہے کہ عین عتاب میں اُنکا عذر بھی بیان فرماتے ہیں جیسے کوئی شفیق باپ شکایات نامناسب اپنے بیٹے کی لوگوں کے سامنے کرتا ہے اور عین شکایت میں اپنے بیٹے کا عذر بھی بیان کئے جاتا ہے تاکہ لوگ جانیں کہ یہ لڑکا قابل خفگی کے نہیں ہے اور ان کاموں کے کرنے میں معذور ہے لیکن یہ شفقت پدری کا کمال ہے کہ اُسکے حق میں اسقدر پر بھی راضی نہیں ہے اور چاہتا ہے کہ تربیت اُسکی کمال کے درجہ کو پہنچاوے اور وجہ عذر کی یہ ہے کہ گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ حسن خلق اس پیغمبر کا اصلا اسبات کو نہیں چاہتا تھا کہ فقیروں محتاجوں سے کہ طلب حق کی کرتے ہیں اور دین کی راہ ڈھونڈتے ہیں اسطور سے پیش آوے لیکن اس پیغمبر نے جانا کہ یہ شخص نابینا ہے منہ پھر لینے میں اور توجہ کرنے میں اور ترشروئی اور خندہ روئی میں امتیاز نہیں کر سکتا ہے تو اُسکی بیجا حرکتوں کے سبب سے تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اور اپنی جان کو زور سے اس عمل سے نہ روکا اور بسبب کمال رحمت اور عنایت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس مقام میں حذف کر کے فعل غائب کے فاعل سے خالی لائے ہیں تاکہ صریح نسبت اِس فعل کی اس محبوب کی طرف نکریں گویا اس طور سے ارشاد ہوتا ہے کہ تیوری چڑھائی اور منہ موڑا ایک تیوری چڑھانیوالے اور منہ موڑنیوالے نے اور اگر خطاب کا لفظ فرماتے تو اس فعل کی نسبت صریح اُس محبوب کی طرف سمجھی جاتی اور وہ کمال رحمت اور شفقت کے خلاف ہے پس عین شکایت اور عتاب میں لطف اور محبت کے مراتب کی رعایت کئے چلے جاتے ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ اندھے کی تعلیم مشکل ہے کیونکہ وہ فقط یاد کرنے ہی پر اکتفا کرتا ہے مراجعت طرف مکتوب کے اُس سے ممکن نہیں پس عذر آنحضرت صلعم کا اِس نوع سے ارشاد ہوا کہ تونے اُس نابینا کو کم استعداد جانکر اُسکی تعلیم سے منہ پھرایا حالانکہ آنکھوں کا اندھا پا موجب اِس منہ پھرلنے کے نہیں بلکہ دل کا اندھا پا موجب اس منہ پھر لنے کے ہے اور وہ امیر اور سردار سب کے دل اندھے تھے پس تمکو یہ لائق تھا کہ اُنسے منہ پھراتے

اس آنکھوں کے اندھے سے کیونکہ شاید کہ یہ اندھا بینا دل ہو **وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤى** اور کیا جانتا ہے تو شاید کہ وہ اندھا پاک ہو جاوے
اور آئینہ اسکے دل کا ایسا صاف ہو جاوے کہ کچھ آنکھوں والے امور غیبیہ و کشفیہ سے نہیں دیکھ سکتے ہیں وہ دیکھے اور مقتدا ایک عالم کا بنجاوے اور وہ ایک
اندھا ہزاروں انکھیاروں سے بہتر ہو جاوے اسیواسطے کہا گیا ہے **بیت** خدا کے کور بے خفاش چشم بینائی + کہ بیخبر ز رُخ آفتاب نیم شبی است
اَوْ یَذَّكَّرُ یا وہ نابینا نصیحت قبول کرے اور اگرچہ صیقل قلب کے مرتبے کو نہ پہنچے لیکن قرآن کے معنے اور امر و نہی اسکی اسکے دل میں ایسی قائم ہو جاوینگی کہ
وہم و خیال اسمیں آمیزش نہ کریگا **فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى** پس نفع دے اسکو نصیحت پکڑنا کہ اسکے سبب سے عمدہ عمدہ منفعتیں دین کی حاصل کرے
اور ضرر پہنچانیوالی چیزوں کو دفع کرے اور لطیفہ اسکی عقل کا روشن ہو جائے اور ہزاروں انکھیاروں سے بہتر ہو جائے اور عالم ربانی بن جاوے جیسے کہ اول
شق میں لطیفہ قلب اسکا صاف ہوکر مرتبہ ولی صاحب کشف و عرفان کا حاصل ہوا اور جو حاصل ہونا ایک شق کا بالخصوص اس اندھے کے حق میں
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اور دوسرے احوال دیکھنے والوں کو اسکے یقینی معلوم نہ تھا تو اس مضمون کو کلمے سے اَوْ کے کہ دلالت شک و منع خلو پر کرتا ہے
ارشاد فرمایا لیکن اس نابینا کے کمال شوق اور کثرت حرص سے فیض حاصل کرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے اور انسیت اسکی تلاوت پر قرآن کی
اور تامل کرنے سے اسکے معنوں میں اسقدر یقین تھا کہ آخر کچھ ہو رہیگا اور ان دونو مرتبوں سے محروم مطلق نہ رہیگا اور کشاف والا بھی کلمہ اَوْ کے مدلول سے تنبہ
ہوکر اپنی تفسیر میں بطور سوال کے لایا ہے کہ پاک ہونے سے زیادہ کونسا نفع پند کا متوقع ہے اور جواب لکھا ہے کہ پاک ہونا عبارت ہے پرہیزگاری اور گناہوں
کے بچنے سے اور نفع کرنا نصیحت کا عبارت طاعت اور بندگی کے کاموں سے ہے کہ انکے سبب سے ثواب حاصل ہونے کی امید ہے اور ثواب منفعت والی ہے
لیکن اس بات پر اسکی ایک ایراد کی ہے کہ حاصل ہونے سے علم کے دونوں چیزیں حاصل ہوتی ہیں گناہوں سے بچنا بھی اور عمل طاعت کا بھی پس یہ مقام تھا
واو کے حرف لانے کا نہ اَوْ کے حرف لانے کا جواب میں اس ایراد کے کہا گیا ہے کہ طالب علم کو یقینی معلوم نہیں ہے کہ کیا سنیگا اگر نہی سنیگا تو گناہ سے
باز رہیگا اور اگر امر سنیگا تو بندگی میں زیادہ ہوگا اور اگر دونوں سنیگا تو دونوں کام کریگا پس استعمال کو حرف اَوْ کے کہ منع خلو کے واسطے ہے نہ منع جمع کے
واسطے ایک وجہ وجیہ پیدا ہوئی اور حق وہی بات ہے جو پہلے مذکور ہوئی **اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى** مقرر جو شخص کہ بے پروائی کرتا ہے تیرے ارشاد سے
بلکہ تیری راہ سے اور اپنے مال و جاہ پر ریجھ رہا ہے **فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى** پس تو اسکی ہدایت کے واسطے تصدیع کرتا ہے اور شوقین شاگردوں
سے منہ پھیرتا ہے اس خیال پر کہ بے پروا کو طالب و شوقین اس راہ کا چاہئے کرنا اور اسکے حال پر متوجہ ہونا چاہیئے اور شوقین طالب کو اُس کا شوق ہی راہ پر
بس ہے آخر مطلب کو پہنچ رہیگا **وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰى** اور تجھپر الاہنا نہیں اس بات کا کہ وہ بے پروا پاک نہ ہو کیونکہ تیرا کام تو احکام الٰہی
پہنچا دینے کا ہے اور تربیت مستعدوں شوقینوں کی کرنا اور وہ مستغنیوں کے یعنے بے پرواؤں کی قبول و نا قبول کرنے کی صورت میں تجھ کو حاصل ہے
وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰى اور مقرر جو شخص کہ تیرے پاس دوڑتا آتا ہے محنت اٹھا کر جیسے وہ نابینا کہ ہاتھ پکڑنے والا بھی نہیں رکھتا تھا اور
جا بجا ٹھوکریں کھاتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچتا تھا **وَهُوَ یَخْشٰى** اور وہ ڈرتا ہے اول تو خدا تعالی سے تاکہ مرضیات سے
اسکی دور نہ جا پڑے اور منہیات میں مبتلا نہ ہو جاوے اور یہ خوف طلب کرنے میں علم کے اور حاضر ہونے میں تیری صحبت کے موجب اسکے شوق کا ہوتا ہے
پھر راہ میں کافروں کی ایذا سے ڈرتا ہے کہ مبادا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے اسکے مطلع ہو جاویں اور ایذا دیں پھر گرنے اور ٹھوکریں کھانے
سے ڈرتا ہے اور جب تیرے حضور میں آتا ہے تو اپنے سبق کا وقت فوت ہونے سے ڈرتا ہے کہ مبادا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی شغل درپیش ہو جاوے
اور میں محروم رہوں **فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى** پھر تو اس سے منہ پھیر کر دوسروں کی طرف مشغول ہو جاتا ہے اور اسکے حال کی طرف مشغول نہیں ہوتا
گویا کہ فائدہ کلی اسی بات میں دیکھتا ہے تو کہ بے پرواؤں اور بھاگنے والوں کو تابعدار کرے اور راہ پر لاوے اور مشتاقوں اور سچے طالبوں کو تاخیر اور
درنگی سے کمال شوق میں مضطرب رکھے **كَلَّا** بعد اسکے ایسا نہ کر کیونکہ **اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ** تحقیق یہ آیات قرآنی خدا کے اور اسکے ناموں کے اور اسکی
صفتوں اور افعال اور احکام اور اسکی جزاؤں کے یاد کرنے کے واسطے ہیں تاکہ لوگوں کو راہ معرفت اور عبادت اور محبت اور خوف و رجا کی کھلجاوے اور اللہ کی

راہ پر چلنا اختیار کریں اور اسبات میں چاپلوسی اور التجا اور زاری مفید نہیں بلکہ اختیار دل کا اور رغبت طبیعت کی درکار ہے فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ
پھر جو شخص کہ خواہش صادق رکھتا ہے پڑھے اس قرآن کو کہ حقیقت میں ذکر اللہ ہے اور ذکر الٰہی بغیر دل کی رغبت کے اور صدق ارادت کے مفید نہیں
اور وجہ تانیث کی ضمیر ہونے کی اِنَّهَا میں اور تذکیر کی ذَكَرَهٗ میں باوجود اسبات کے کہ مرجع واحد ہے یعنی قرآن یہ ہے کہ تذکرہ ہونا قرآن کا باعتبار
آیتوں کے اور اُسکی سورتوں کے ہے کہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ مضمون رکھتی ہیں بعضیوں میں بیان اسمار اور صفات کا ہے اور بعضیوں میں بیان احکام
اور شریعتوں کا اور بعضیوں میں وعدہ وعید اور ذکر ہونا قرآن کا باعتبار اُسکی وحدانیت کے ہے کہ تمام قرآن اُسمیں برابر ہے اور مضامین کے اختلاف کو
ذکر ہونے میں اُسکے کچھ دخل نہیں اسواسطے کہ کسی مضمون کا ہو کلام الٰہی ہے اور متصل ہونا کلام کا متکلم سے اقوی اور اشد ہے متصل ہونے سے نام کے
نام والے سے اور جو التفات کہ کسی کا نام لینے کے وقت اُسکی طرف حاصل ہوتا ہے اُس سے بہت کم ہوتا ہے جو اُسکے کلام پڑھنے کے وقت اُس سے حاصل ہوتا ہے
چنانچہ یہ بات تجربہ کاروں کو خوب معلوم ہے اور یہ بھی ہے کہ کلام شخص کا ایک عمدہ نشان ہے اُسکی ذات کے نشانوں سے کہ اُس کلام کے پڑھنے کے وقت
پڑھنے والے کے دل پر روشن ہوتی ہے اسیواسطے بزرگوں کا کلام دلوں میں زیادہ تاثیر کرتا ہے اُنکے نام سے اور اسی سبب سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ قرآن
کے حق میں فرمایا ہے هو حبل اللّٰه المتين اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ تجلی اللّٰه لعباده في كلامه ولكنهم لا يبصرون
اور اگر کسی کے اسبات کے سُننے سے یہ خطرہ خاطر میں گزرے کہ عمدہ اور سردار اور غنی اور دولتمند شوق کسی کتاب یا کلام کا یا شعر کا کرتے ہیں تو قدر اور عزت اُس
کلام اور کتاب کی بڑھ جاتی ہے اور اُسکو خوشنویسوں زریں قلم کے ہاتھ سے حریری طلاکاری کاغذوں پر لکھاتے ہیں اور مطلا اور مذہب اور مجدول کرکے
زریں غلافوں میں رکھتے ہیں اور جز اور رحلوں پر دھرے ہوتے ہیں اور مکلف صندوقوں میں احتیاط سے دھرے ہوتے ہیں اس سبب سے عزت اور مرتبہ اُس
کلام کا زیادہ ہوتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں عظمت اور بڑائی اُسکی سماتی ہے جیسے کوئی دلچسپ شعر جو خوش آوازی سے پڑھا جاتا ہے تو اُس سے زیادہ تاثیر
کرتا ہے کہ سرسری پڑھا جاتا ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اسبات میں کہ امیروں اور سرداروں کی دعوت میں مشغول تھے اور فقیروں محتاجوں سے منہ پھیرتے
تھے یہی غرض ہوگی ہم کہتے ہیں کہ یہ قرآن اُس قسم کا نہیں ہے کہ ان چیزوں سے عزت اور بزرگی اُسکی زیادہ ہو بلکہ عزت اور قدر اُسکی اُس عالم میں کہ وہاں
سے زمین والوں کے پاس آتا ہے دیکھا چاہیے فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ - یعنے آیتیں قرآن کی لکھی گئی ہیں عزت کے ورقوں میں کہ حقتعالی نے خود
اُنکی عزت بڑی کی ہے مَّرْفُوْعَةٍ یعنی وہ صحیفے اُونچے دھرے ہیں بیت العزت میں کہ ایک عمدہ جاے ہے آسمان دنیا میں اور قرآن مجید کو اول لوح محفوظ
سے نقل کرکے اُس مقام میں پہنچایا وہاں سے تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا مُّطَهَّرَةٍ وہ صحیفے پاک کئے گئے ہیں تمام آلودگیوں اور پلیدیوں سے اور
اگر دنیا کے سردار اور امیر اس قرآن کی آیتوں کو حریری طلائی کاغذوں پر لکھاویں ہرگز اُس کرامت اور بزرگی کو نہ پہنچیگا اور اگر رحلوں پر اور صندوقچوں
میں رکھیں لیکن ہرگز اُس بلندی اور مرتبے کو نہ پاسکیگا اور اگر عطر ملینگے اور نجاستوں سے پاک رکھیں گے تو بھی اُس پاکیزگی کو نہ پہنچیگا کہ ہرگز ہاتھ کسی
گنہگار کا اُنکو نہیں پہنچا بلکہ وہ ورق بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ سونپے گئے ہیں ہاتھوں میں ایسے لکھنے والوں کے كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ کہ بڑی قدر والے
اور نیکوکار ہیں کہ کبھی سوائے کرم اور نیکی کے اُنسے ظہور میں نہیں آتا اور دنیا کے لکھنے والے گناہوں اور خباثت ذاتی میں آلودہ ہیں اگرچہ ظاہر اپنا آراستہ
کریں اس سے کیا حاصل پس قرآن کے حق میں دنیاداروں کی رغبت اور اہل دل کی عزت اور قدر کی توقع رکھنا محض بیجا ہے بلکہ اہل دل قدر کو اُسکی جانیں
تو غنیمت ہے کیونکہ آدمی بالطبع کفران نعمت پر مجبول ہے قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ مارا جائیو آدمی کیسا ناشکرا ہے کہ جس نے اس کلام عظیم القدر سے
اُسکو نوازا ہے اور طرح طرح کے ارشاد اور ہدایتیں اُسمیں فرمائی ہیں نہیں جانتا اور اُسکے حقوق ادا نہیں کرتا اور مال و جاہ پر اپنے مستغنی اور بے پروا ہو جاتا ہے
بلکہ اپنی اصل کی خبر نہیں رکھتا کہ کیا تھا مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ کس حقیر چیز سے پیدا کیا ہے اُسکو اور اگر انسان حیا کے سبب سے اس سوال کا جواب
نہ دے تو ہم کہے دیتے ہیں مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ نطفے کی بوند سے پیدا کیا ہے اُسکو کہ ایک پیشاب کی راہ سے نکلا اور دوسرے پیشاب کی راہ میں گیا
اور لہو اور نجاستوں کے ساتھ ملکر ایک گوشت کا ٹکڑا ہو گیا فَقَدَّرَهٗ پھر اندازہ کیا اُسکو اعضا میں بھی یعنی ہاتھ اور پاؤں اور آنکھ اور کان اور

قدرت قامت اور بدن کی رزق اور موت اور زیست اور نیک و بد عمل اُسکے معین کئے اور ماں کے پیٹ میں رہنے کی مدت اُسکی تھوڑی یا کم و زیادہ معین فرما دی ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَہٗ پھر نکلنے کی راہ آسان کر دی اُسکو کیونکہ جب لڑکا ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اُسکا سر ماں کے سر کی طرف ہوتا ہے اور پانوں ماں کے پانوں کی طرف پھر جب پیدا ہونے کا وقت قریب آتا ہے تو اُسکو الہام ہوتا ہے پس وہ بچہ خود بخود پھر جاتا ہے سر نیچے اور پانوں اُوپر کی طرف کر لیتا ہے کہ نکلنا اُسکو آسان ہو جاوے پھر جب ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو معاش کی تلاش کی راہ اُسکو آسان کر دی جاتی ہے اور اگر بھوک کے وقت پستان اُسکے ہاتھ میں آ جاتی ہے تو ایک ہاتھ سے پستان کو مضبوط پکڑ کے پینا شروع کرتا ہے اور رونے دھونے سے اپنے بھوکے پن کو ظاہر کرتا ہے اور اسی طرح سے سال بسال طرح طرح کی راہیں اسکو آسان کر دیتا ہے یہانتک کہ کمال کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے اور راہ بُری بھلی حق باطل کے بھیجنے سے پیغمبروں کے اور نازل ہونے کتابوں کے اور مرشدوں شفیق کی صحبت سے اور علماء با تحقیق کی شاگردی سے آسان ہو جاتی ہے پھر بعضوں کو ہمیشہ لیے نجات کی راہ آسان ہو جاتی ہے اور اُس راہ پر چلنے کی توفیق پاتے ہیں اور بعضوں کو ہلاکت اور دوزخ کی راہ سہل و آسان نظر آتی ہے اور اُس راہ میں جا پڑتے ہیں۔ حاصل کلام کا یہ ہے کہ حاصل کرنا کمالات کا آخر عمر تک آسان ہوتا چلا جاتا ہے ثُمَّ اَمَاتَہٗ پھر مار ڈالتا ہے اُسکو تاکہ اپنی محنتوں کا کہ کمالات حاصل کرنے کو اس دار دنیا میں کی تھیں پھل پاوے اور عالم برزخ میں نشانیاں اپنے اعمالوں کی دیکھے پس موت بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ تجارت کا فائدہ اسی سفر کے سبب سے حاصل ہوتا ہے اگر موت نہوتی تو آدمی ہمیشہ کشمکش میں اعمال شاقہ کی گرفتار رہتا اور پھل اُس مشقت کا ہرگز نہ پاتا اسی سبب سے موت کو بھی نعمتوں کی گنتی کے مقام پر یاد فرمایا ہے اور بزرگوں سے منقول ہے کہ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب اور بعضے ظاہر بین مفسر اس مقام پر موت کے نعمت ہونے کی وجہ سے غافل ہو کر بطور سوال کے لاتے ہیں کہ نعمتوں کی گنتی میں موت کو کسواسطے گنا ہے جواب اس سوال کا اس طور سے دیا گیا ہے کہ بلغا کے نزدیک مدار کلام کا اور فائدہ حاصل ہونے کی جگہ انجام اُس کلام کا ہوتا ہے اور بعد موت کے حکم گور کرنے کا جو فرمایا ہے یہ بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ آدمی کو ساتھ اُسکے معزز و مکرم کیا ہے گو کہ فی نفسہ موت نعمت نہو جیسے کوئی شفیق باپ اپنی نعمتیں بیان کرنے کے وقت اپنے بیٹے سے کہے کہ میں نے تجھ سے اس طرح کا سلوک کیا پھر تو بیمار ہوا تو تیری دوا دارو کی پس حقیقت میں نعمت مقصودہ علاج ہے لیکن جو نعمت ہونا علاج کا لاحق ہونے پر مرض کے موقوف ہے تو کلام میں مرض کا ذکر کرنا بھی ضرور ہوا اور اسی بات کے اشارے کے واسطے اماتت اور اقبار کے درمیان میں ثم کے لفظ کو نہ لائے اور فے کے حرف کو ارشاد فرمایا فَاَقْبَرَہٗ پھر گور کرایا اُسکو پس گویا اشارہ فرماتے ہیں کہ مجموع اماتت اور اقبار کا نعمتوں میں داخل ہے نہ فرد فرد اور یہاں پر جاننا چاہئے کہ گڑولنے کو اقبار کہتے ہیں اور گاڑنے کو قبر یقال قبر الرجل عبدہ اذا حکم بان یقبر و قبر الرجل عبدہ اذا دخلہ فی القبر یعنی کہا جاتا ہے اقبر الرجل عبدہ کا جب اپنے غلام مرے ہوئے کو گاڑنے کا حکم کرتا ہے اور بولا جاتا ہے قبر الرجل عبدہ جب گاڑ دیتا ہے اُسکو اور اللہ تعالی کے حکم کرنے کی صورت مُردوں کے گڑولنے کے واسطے اول بار اس طور سے واقع ہوئی ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا اور آدمی کا مرنا دنیا میں پہلی بار وہی ہوا تھا تو قابیل کو کچھ معلوم نتھا کہ اُس مُردے کو کیا کرے تو ناچار اُس لاش کو ایک چادر میں باندھ کے اپنے ساتھ لئے پھرتا تھا آخر کو جب اُس لاش کے لئے پھرنے سے تھک گیا تو ایک جنگل میں غمگین ہو کر بیٹھ گیا کہ ناگاہ دو کوّے آموجود ہوئے اور آپس میں لڑنے لگے یہانتک ایک کوّے نے دوسرے کو مار ڈالا پھر اپنے پنجوں اور چونچ سے ریت کو ادھر اُدھر ہٹا کر اُس مرے کوّے کی لاش کو اُس گڑھے میں ڈالدیا پھر وہ ریت اُسپر ڈالکر خوب ایک تودہ بنا دیا قابیل نے معلوم کیا کہ مُردے کو اسی طور سے دفن کرنا چاہئے پس اپنے بھائی کی لاش کو بھی اُسی طور سے دفن کر دیا اور قبر بنا دی پھر حضرت آدم علیہ السلام نے وفات پائی تو فرشتے آسمان سے نازل ہوئے اور اُنکی اولاد کے سامنے انکو تجہیز و تکفین کر کے قبر میں دفن کیا اُس روز سے یہی طریقہ معمول ہو گیا اور یہ تعلیم الہی پہلی بار قابیل کی اولاد کو اُسکی استعداد کی قصور کے سبب سے کوّے کے واسطے سے واقع ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو فرشتوں کے واسطے سے تعلیم فرمائی پس یہ ایک نہایت بڑی نعمت ہے کہ اپنے بندوں پر رحمت کی ہے والّا مُردے کی لاش کو دوسرے جانوروں کی طرح سے گھسیٹوا کے پھینکوایا کرتے اور وہ لاش ادھر اُدھر ماری پھرتی اور جب سڑتی گلتی تو لوگ اُسکی بدبو سے تنگ آتے اور بدگوئیاں کرتے پھر درندے اور پرندے اُسکے اعضا اور بند بند کو گلی کوچے میں لئے پھرتے اور ناپاک جانوروں مردارخوار کی

خوراک ہو جاتی اور ہر خاص عام کے سامنے اسکے عیب ظاہر ہوتے اور عزت و توقیر اسکی لوگوں کی نظروں میں کم ہو جاتی پس اسکی عزت اور تکریم کے واسطے یہ بات غیب سے تعلیم فرمائی اب آئے ہم اس بات پر کہ ہندو اپنے مُردے کو جلاتے ہیں گاڑتے نہیں اور کہتے ہیں کہ آگ ہر ناپاک کو پاک کرنیوالی ہے اور بدبو کو مٹانیوالی ہے جن لوگوں کو سڑانا و بدبو کرانا منظور ہے وے دفن کرتے ہیں اور آگ میں جلا دینا بہتر ہے جواب اسکا یہ ہے کہ آگ خائن ہے جو چیز اسکو سونپو وہ کھا جاتی ہے اور زمین امانتدار ہے جو چیز اسمیں دفن کرو وہ باقی رہتی ہے پس مُردے کو زمین میں رکھنا بہتر ہے اس بات سے کہ خائن کو سونپیں اسواسطے آدمی کی بلکہ دوسرے جانوروں کی بھی عادت ہے کہ جس چیز کو چاہتے ہیں کہ محفوظ رکھیں جیسے مال خزانے تو زمین میں دفن کرتے ہیں اور جب چاہتے ہیں کہ نیست و نابود کر ڈالیں تو آگ میں جھونک دیتے ہیں اور آدمی کو اٹھنے کا انتظار اور ارواحوں کے داخل ہونے کا اپنے چھوڑے ہوئے جسموں میں در پیش ہے پس مُردے کو آگ میں جلا دینا اس انتظار کے خلاف ہے اور دوسرے یہ کہ مُردے کی کمال بیقدری ہے کہ اسکو اپنے ہاتھوں سے آگ میں جلاویں اور اسکی خاک کو ہوا میں اڑا دیں کیونکہ ایسا معاملہ ناکارہ ناپاک چیزوں سے کرتے ہیں اور جب کسی عمدہ و پاکیزہ چیزوں کا باقی رکھنا منظور ہوتا ہے تو زمین میں دفن کرنے کے سوا معمول نہیں اور جو کہتے ہیں کہ آگ بدبو کو دفع کرتی ہے اور زمین اسکے برخلاف سڑاتی ہے اور بدبو کرتی ہے پس یہ بات اسوقت ہو کہ اس چیز کا پھر نکالنا منظور ہو اور جب اسکو زمین ہی میں چھوڑنا مقصود ہو تو پھر سڑنے گلنے سے کیا علاقہ کیونکہ اسکا کچھ اثر زمین کے لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتا اور باوجود اس بات کے بھی کتنی رطوبتیں بدن کی گل سڑ کر خشک ہو جاتی ہیں اور ہاتھ پیر جوڑ بند سب اپنی شکل و صورت پر رہتے ہیں پس [illegible] ہوتا ہے جیسے آدمی اپنی زندگانی میں سوتا تھا ویسا ہی اب بھی سوتا ہے برخلاف جلانے کے کہ آگ اسکے اندام و شکل و صورت اور ہیئت مجموعی کا اثر باقی نہیں رکھتی اور یہ بھی ہے کہ خلقت آدمی کی خاک سے ہے تو موافق کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ کے اسکو اپنی اصل کی طرف پہنچا دینا چاہیئے برخلاف آگ کے کہ جن و شیاطین کی خلقت کا مادہ ہے پھر جب آدمی کے بدن کو موت کے بعد اسمیں جلاتے ہیں تو اسکی روح لطیف آگ کے دھوئیں سے مل کر شیاطین و جنات کے ساتھ کمال مشابہت پیدا کرتی ہے اور اسی سبب سے اکثر روحیں ان لوگوں کی کہ جلائے جاتے ہیں بعد موت کے شیاطین کا حکم پیدا کرتی ہیں اور آدمیوں سے چمٹتی ہیں اور ایذا دیتی ہیں پس دفن کر دینے میں اس شے کا رجوع کر دینا ہے اسکی حقیقت کی طرف اور جلانے میں اسکے برخلاف ہے نقل کرتے ہیں کہ اسلام کے زمانے کی ابتدا میں ایک لشکر اسلام کے لشکروں میں سے سیستان کے ضلع میں وارد ہوا تھا تو ایک عاقل ہند کے عاقلوں میں سے اسلام کی چال ڈھال دیکھنے کو کہ اسوقت میں وہ مذہب نیا تھا وہاں گیا پھر اہل اسلام کی وضع اور آئین دریافت کرنیکے بعد کہنے لگا کہ تمہاری سب چیزیں اچھی ہیں مگر ایک بات کہ مُردے کو دفن کرتے ہو اور آگ میں نہیں جلاتے حالانکہ دفن کرنا بدبوئی اور ناپاکی کا موجب ہے اور جلانا بدبو اور تعفن کو مٹا دیتا ہے اتفاقاً ایک فقیہ فقہائے اسلام سے اسوقت حاضر تھا اس ہندو سے کہا کہ میں تجھ سے ایک بات پوچھتا ہوں پہلے تو اس بات کا جواب دے پھر میں تیرے اعتراض کا جواب دونگا اس ہندو نے کہا پوچھ تب عالم نے کہا بھلا اگر کوئی شخص کسی ملک میں وارد ہوا اور وہاں کسی عورت سے نکاح کرے اور ایک عورت کو پکانے کے واسطے رکھے اور اس منکوحہ سے اسکو ایک لڑکا ہو پھر اگر اس شخص کو سفر کا اتفاق پڑے تو اس لڑکے کو کس کے سپرد کرے اس پکانیوالی کے یا اس لڑکے کی ماں کے ہندو نے کہا ماں کے حوالے پکانیوالی کو ہرگز نہ سونپنا چاہیئے کیونکہ وہ لڑکا اپنی ماں کا بیٹا ہے کچھ پکانیوالی کا بیٹا نہیں ہے فقیہ نے کہا تو نے خوب بات کہی اب اپنے اعتراض کا جواب سن لے کہ روح آسمانی جب دنیا کے گھر میں آئی تو ایک بدن زمین سے بنا کر اسکو عنایت کیا اور ہمیشہ غذا اور دوا اور لباس اور رہنے سہنے کی جگہ اور طرح طرح کے فائدے اسکو زمین سے پہنچائے اور آگ سوائے پخت و پز کے آدمی کے اور کچھ کام نہیں آتی کمال فائدہ آگ کا یہ ہے کہ جو کچی چیزیں کہ زمین سے اُگی ہیں انکو پکا دیتی ہے پس آدمی کی ماں زمین ہے اور باورچن اسکی آگ ہے جسوقت روح نے کہ بدن کے باپ کی مانند ہے چاہا کہ عالم برزخ کو جاوے ناچار اپنے بیٹے کو کہ بدن ہے اسکی ماں کے حوالے کیا چاہیئے نہ اس پکانیوالی کو ہندو نے سنا اور قبول کیا اور قائل ہوا اور یہ بھی ہے کہ آگ سے جلانا میت کے بدن کو پراگندہ کر دیتا ہے کہ اسکے سبب سے روح کا علاقہ بدن سے بالکل چھوٹ جاتا ہے اور آثار اس عالم کے اس روح کو کم پہنچتے ہیں اور کیفیتیں اس روح کی بھی اس عالم میں بہت کم سرایت کرتی ہیں اور جو دفن کرنے میں اجزا بدن کے اسی اپنے

مقام پر سب کے سب اپنے حال پر برقرار ہو جاتے ہیں تو روح کا علاقہ بدن سے ازراہ نظر و عنایت کے بحال رہتا ہے اور زیارت کرنیوالوں اور دوستوں اور فائدہ لینے والوں کی طرف توجہ روح کی آسانی سے ہوتی ہے کہ بدن کے مکان معین ہونے سے گویا روح کا مکان بھی معین ہے اور آثار اس عالم کے جیسے صدقہ اور فاتحہ اور تلاوت قرآن مجید کی جو اس مقام پر کہ اسکے بدن کا مدفن ہے واقع ہوتی ہے تو آسانی سے فائدہ بخشتی ہے پس جلا دینا گویا روح کو بے مکان کر دینا ہے اور دفن کرنا گویا روح کا ٹھکانا بنا دینا ہے اور اسی واسطے ان اولیاء اللہ اور صلحاء مومنین سے کہ دفن کئے گئے ہیں نفع اور فائدہ لینا جاری ہے اور مدد اور فائدہ بھی انسے متصور ہے برخلاف جلائے ہوئے مردوں کے کہ یہ چیزیں انکے مذہب والوں کے نزدیک بھی اصلا انسے وقوع میں نہیں آتی ہیں حاصل کلام کا یہ ہے کہ دفن کرنے کا طریقہ آدمی کے حق میں ایک بڑی نعمت ہے پھر اگر بعضے انمیں سے اس نعمت کا بھی کفران کریں جیسے اور نعمتوں کا کرتے ہیں تو انسے کچھ شکوہ نہیں کیونکہ آدمی کی جبلت میں کفران نعمت ہے اور فقط اسی نعمت پر اسکے حق میں اکتفا نہیں فرمایا بلکہ **ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ** پھر جب چاہیگا زندہ کر کے اسکو قبر سے باہر نکالیگا کہ بدلا اپنے کاموں کا آخرت کے عالم میں بدلا باد تک چکھے اور ہمیشہ کی زندگانی پاوے ہر چند کہ یہ نعمت ابتک وقوع میں نہیں آئی ہے کہ نعمتوں معلومہ مذکورہ کی تعداد میں گنی جاوے لیکن عاقل کو تھوڑے سے خیال کرنے میں معلوم ہو جاتا ہے کہ جو اس حالت میں کسی چیز نے اللہ تعالی کی مشیت سے مخالفت نہیں کی ہو تو اس حالت میں اٹھنا اور جینا اسکی مشیت سے مخالفت نکریگا اسواسطے اس نعمت کو مشیت کے وقت پر متعلق فرمایا ہے اور آدمی کی ابتدائی خلقت دلیل صریح اور برہان واضح ہے اسکی دوسری بار کی خلقت پر اور اس نعمت کا بھی اگر آدمی نادانی اور جہل سے انکار کرے تو اسکی حماقت اور نادانی سے خالی نہیں ہے اور جو یہاں پر گمان اس شبہے کا تھا کہ مبادا آدمی کے خیال میں گزرے کہ جو ہم کو پیدایش کے شروع سے بزرگی اور کرامت کے ساتھ سرفراز فرمایا ہے اور جینے اور مرنے میں دوسری مخلوقات سے معزز و ممتاز کیا ہے تو آخرت میں بھی اسی کے ساتھ اسی طرح سے بخوبی پیش آوینگے کہ نواختہ را نباید انداخت و عزیز کردہ خود را ذلیل نباید ساخت اور یہ بھی ہے کہ دوسری بار روح بدن میں ڈالنے کے بعد بھی انسان ہی ہوگا اور انسانیت البتہ موجب اکرام و تعظیم کا ہے تو اس گمان کے دفع کرنیکے واسطے فرماتے ہیں کہ **كَلَّا** یعنے نہیں نہیں ایسا گمان کرنا نہ چاہیئے اسواسطے کہ اول کا اکرام اس جہت سے تھا کہ ابھی وہ مصدر گناہوں کا نہیں ہوا تھا اور بعد گناہ کرنے کے پھر لانیکے وقت ہر چند کہ اسکو پھر بھی انسان ہی کرینگے لیکن گنہگار انسان کہ مصدر گناہوں کا ہوا ہے پس حال کے اعادے کی حالت کو پہلی حالت پر قیاس کرنا نہ چاہیئے اور کرم سابق کے پانے سے کرم لاحق کا امیدوار ہونا چاہیئے اور کس طرح سے آدمی کرم لاحق کی امید سے اپنی خاطر جمع کریگا اور کرم پر بھولیگا اور اسکا حال یہ ہے **لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ** ہنوز تمام نہیں کیا اور سرانجام کو نہیں پہنچایا ہے اس چیز کو کہ اسکو فرمائی ہے اسکے خالق اور عزت بخشنے والے نے اور اگر اسکے فرمان کو سرانجام کو پہنچاتا اور عہدے سے بندگی کے برآتا تو البتہ توقع عزت اور اکرام کی اسکو بجا تھی اور اب تقصیر اور نافرمانبرداری کی صورت میں خوف کرنا اور ڈرنا چاہیئے اور امیدوار ذلت اور خواری کا رہنا چاہیئے اور وہ جو کہتے ہیں کہ نواختہ را نباید انداخت و عزیز کردہ خود را ذلیل نباید ساخت واقع کے خلاف ہے بلکہ بہت سی چیزیں ہیں کہ بعد اکرام کے سزاوار تذلیل اور تحقیر کے ہو جاتی ہیں اور اگر اسبات میں کچھ شک ہو تو **فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ** پھر چاہیئے کہ آدمی اپنی خوراک کی طرف دیکھے کہ کس طرح کا ناپاک فضلہ ہو جاتی ہے بعد اسبات کے کہ نہایت عزت اور ستھرائی اور احتیاط سے پالی جاتی ہے اور وہی عنایتیں اللہ تعالی کی اسکے پیدا کرنے میں مصروف تھی ہیں جو آدمی کے پیدا کرنے میں مصروف ہوئی تھیں چنانچہ اسبات میں بخوبی غور کرے کہ **أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا** تحقیق ہمنے بہتا پانی آسمان سے جیسا کہ حق بیٹنے کا ہے کہ آدمی کے نطفے کے بٹونے سے کہیں زیادہ اور بہت ہے **ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا** پھر پھاڑا ہمنے زمین کو جیسا کہ پھاڑنے کا حق ہے کہ کھولنے سے بچہ دان کے کہ آدمی کے تولد کے واسطے کھولا جاتا ہے بہت زیادہ ہے اور یہ عنایتیں تھیں ایک ضعیف گھاس کے حال پر کہ زمین سے باہر نکلنے کی قدرت نہیں رکھتی تھی **فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا** پھر اگائے ہمنے اس زمین میں سے دانے کہ قوت کے قابل ہیں جیسے گیہوں اور چنے **وَعِنَبًا** اور انگور کہ قوت بھی ہے اور میوہ بھی ہے اور دوا بھی اور شراب بھی **وَقَضْبًا** اور جڑیں جو قابل کھانیکے ہیں جیسے شلجم اور گاجر اور چقندر اور شکرکند کہ کھانے میں نہایت قوت بخشتی ہے پھر اگر انکو کچی کھاؤ تو حرارت اور تشنگی کو دفع کرتی ہیں اور اگر پکاؤ تو معقول سالن ہے اور اگر مربا یا اچار بناویں تو میوے کا

حکم پیدا کرتے ہیں وَّزَیۡتُوۡنًا اور زیتون کو کہ تیل بھی ہے اور سالن بھی ہو سکتا ہے وَّنَخۡلًا اور کھجور کہ قوت بھی ہے اور میوہ بھی اور سالن بھی اور
اُس سے نبیذ اور دوشاب بناتے ہیں اور پینے کے خرچ میں لاتے ہیں اور سرکہ بھی بناتے ہیں وَّحَدَآئِقَ اور باغ چار دیواریوں کے کہ اُنمیں طرح طرح
کے میووں کے اور دواؤں کے درخت بوتے ہیں اور جمتے ہیں غُلۡبًا گھنے درختوں والے کہ اُنکی ٹہنیاں موٹی موٹی ہیں اور عرب کے لغت میں اُس اونٹنی
کو کہ جسکی گردن پر بہت بال ہوں۔ غلبا کہتے ہیں اور جس اونٹ کی گردن پر جو بہت بال ہوتے ہیں تو اُسکو بھی اسد اغلب کہتے ہیں اور یہاں پر اُس باغ کو
کہ جسکے درخت گنجان اور ڈالے موٹے موٹے ہوں بطور استعارے کے اُسکو غلبا فرمایا ہے وَّفَاكِهَةً اور دوسری قسم کے میوے کہ باغوں میں نہیں ہوتے بلکہ صحرائی
اور کوہستانی ہوتے ہیں وَّاَبًّا اور سب طرح کی گھاس کہ خود بخود اُگتی ہے اور کوئی اُسکو بوتا نہیں مَّتَاعًا لَّكُمۡ وَلِاَنۡعَامِكُمۡ کام چلانے
کو تمہارا اور تمہارے چارپایوں کا کہ بعضے قسمیں اُن چیزوں میں سے جو مذکور ہوئی ہیں خاص ہیں جانوروں کے واسطے جیسے گھاس پھوس اور بعضی مشترک ہیں
آدمیوں اور جانوروں میں جیسے اناج کے دانے اور بعضی اس قسم کی ہیں کہ اچھی اچھی اُنمیں سے آدمی کھاتے ہیں اور بھوسی اور چھلکے اور گٹھلیاں اور پتے اُسکے جانور
کھاتے ہیں پھر کھانے کے بعد کسقدر ذلیل و حقیر ہو جاتے ہیں کہ نجاست اور گوبر ہو جاتا ہے اور اُسکو گھروں سے دور پھینکدیتے ہیں اور اُسکی بدبو کے سبب سے
اُس سے نفرت کرتے ہیں اب اُس پہلے کرم کو اور اس پچھلی ذلت کو قیاس کرے اور مغرور نہووے بڑا فرق ہے اس بات میں کہ آدمی کی خوراک کو عزت اور بزرگی
دیکے جھٹ پٹ ذلیل و خوار کر ڈالتے ہیں کہ غلیظ ناپاک ہو کے باہر نکلتا ہے اور آدمی خوب اسکو جانتا ہے اور بزرگی آدمی کی بعد مدت دراز کے ذلت سے بدلی
جائیگی اور اس مدت کی حد معین ہے وہ یہ ہے فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ پھر جب آوے وہ غل کہ بہرا کر دے جہان والوں کے کان اور یہ اشارہ صور
پھونکنے کی طرف ہے یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡهِ جسدن کہ بھاگیگا آدمی اپنے بھائی سے باوجود اس بات کے کہ اُسکو سب غیروں سے زیادہ دوست رکھتا
ہے اور بچپن سے اُسکے ساتھ اُنسیت رکھتا تھا اور مدد اور تائید اور مشورت ایک دوسرے کی آپسمیں ہوتی تھی وَاُمِّهٖ اور اپنی ماں سے کہ اُسکو بھائی سے بھی زیادہ دوست
رکھتا ہے اور اُسکے ذمے پر اُسکے حق بھی بہت ہیں وَاَبِیۡهِ اور اپنے باپ سے کہ اُسکی تعظیم ماں سے بھی زیادہ ہے اور حق بھی اُسکا بڑا ہے بلکہ گویا بیٹا اُسی کا ہے
وَصَاحِبَتِهٖ اور اپنی جورو کہ آدمی کو ماں باپ سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے کیونکہ اُسکے ساتھ دم مرگ تک صحبت منظور ہوتی ہے اور ماں باپ کے حق کو
جانتا ہے کہ خواب و خیال تھا کہ گزر گیا اب اُنسے کچھ واسطہ نرہا وَبَنِیۡهِ اور اپنے بیٹوں سے کہ بیٹے آدمی کو عورت سے بھی زیادہ پیارے ہیں اسواسطے کہ انکو اپنے
مرنے کے بعد اپنا قائم مقام جانتا ہے اور ذکر کرنے میں ان قرابتوں کے ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ جو آدمی باوجود ان قرابتوں کے اپنے اقربا سے
بھاگیگا تو غیروں سے بطریق اولیٰ بھاگیگا اور کہتے ہیں کہ اول جو شخص کہ اپنے بھائی سے بھاگیگا وہ قابیل ہوگا کہ ہابیل سے بھاگیگا کہ دینا کے خون کے عوض میں
اُسکو پکڑے نہیں اور اول جو شخص کہ اپنی ماں اور باپ سے بھاگیگا حضرت ابراہیم ہونگے کہ مبادا شفاعت کے واسطے الحاح و زاری کریں اور کافروں کے حق میں شفاعت
مقبول نہیں ہے اور اول جو شخص کہ اپنی عورت سے بھاگیگا حضرت نوح اور لوط علیہما السلام ہونگے کہ اُن دونو کی عورتیں منافق تھیں اور منافق کے حق میں بھی
شفاعت قبول نہیں اور اول جو شخص کہ اپنے بیٹے سے بھاگیگا حضرت نوح ہونگے کہ اُنکا بیٹا کنعان کافر مرا اور علما نے اختلاف کیا ہے اس بات میں کہ اُس دن
اپنے اقربا سے بھاگنے کی کیا وجہ ہوگی بعضے کہتے ہیں کہ حق کے طلب کرنیکے خوف سے کہ مجھسے جو کچھ اُسکی حق تلفی ہوئی ہے مبادا کہ مجھے دیکھکر طلب کرنے لگے جیسے
مفلس آدمی قرضخواہ سے بھاگتا ہے اسیواسطے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن آدمی اپنے آشناؤں و دوستوں سے زیادہ بھاگیگا غیروں ناآشناؤں
کی بہ نسبت کیونکہ دنیا میں اُنسے کچھ معاملہ نرکھتا تھا کہ مطالبہ کا خوف ہو اور بعضوں نے کہا ہے کہ مدد اور شفاعت کے خوف سے بھاگیگا کہ ایسا نہو کہ اُس ناتے والے
کو یا آشنا کو دوزخ کو لیچلیں اور مجھ کو اُسکے چھڑانیکے واسطے اپنی نیکیوں میں سے کچھ دینا پڑے یا اُسکے کچھ گناہ اپنے ذمے پر لینا پڑیں چنانچہ قحط سالی کے دنوں
میں بھی اسی قسم کے خوف سے اپنے اقربا سے کم التفاتی کرتا ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ اس سبب سے کہ تکلیف و عذاب اُنکا دیکھا نجاویگا اور قدرت شفاعت کی
اور طاقت نیکیاں دینے کی بھی نرکھتا ہوگا ناچار اُنکی نگاہوں سے چھپ جاویگا اور صحیح یہ بات ہے کہ ان سب جہتوں کے سبب سے بھاگیگا کوئی تو ایک جہت سے کوئی
دو جہت سے اور کوئی تینوں جہتوں سے بلکہ اُس دار و گیر کے دن ہر شخص اپنے حال میں گرفتار ہوگا اور دوسری کی طرف کچھ التفات نکریگا چنانچہ فرماتے ہیں

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ہر شخص کے واسطے نزدیکوں سے کہ مذکور ہوئے ایک حالت ہوگی کہ کفایت کریگی اسکو غم اور تشویش
کھینچنے میں اور اتنی فرصت نپاویگا کہ دوسرے کے حال کی طرف متوجہ ہو اور خبر لے پھر جب ایسا حادثہ ہوگا تو لوگ عزت اور ذلت میں مختلف ہو جاوینگے
وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ کتنے منہ اسدن **مُّسْفِرَةٌ** روشن ہونگے اسواسطے کہ ایمان کا نور انکے باطن سے ظاہر کی طرف جلوہ فرماویگا اور انکے چہروں کو
روشن کریگا **ضَاحِكَةٌ** ہنستے ہونگے انعام واکرام کی توقع پر کہ آثار اسکے اپنے میں دیکھینگے **مُّسْتَبْشِرَةٌ** خوشیاں کرتے اسواسطے کہ دم بدم انعام
واکرام میں زیادتی پاوینگے اور اسباب خوشی اور خورمی کا روز بروز بڑھتا جاویگا **وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ** اور کتنے منہ اسدن **عَلَيْهَا غَبَرَةٌ** انپر
سیاہی اور گرد و غبار ہوگا بسبب ظاہر ہونے گناہوں کی تاریکی کے کہ باطن میں انکے گھر کر گئی تھی اور تہ نشین ہوگئی تھی اسوقت ظہور کریگی **تَرْهَقُهَا
قَتَرَةٌ** چڑھی آتی ہے اسپر سیاہی اور یہ سیاہی ہر چند کہ کفر کا اثر ہے اور کفر دل کی تہ میں ہوتا ہے کہ گناہوں کی سیاہی سے بھی زیادہ پوشیدہ
ہے لیکن کفر کے غلبے کے سبب سے غالب ہوکر ظہور میں گناہوں کی تاریکی کے اوپر آجاویگی جیسے تیل کہ ہر چند اسکو پانی کے نیچے کریں اوپر آجاتا ہے
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ یہ لوگ منہ کالے وہی ہیں کافر بدکار کہ کفر بھی کرتے تھے اور گناہ بھی اور بکمال ذلت اور خواری کے سزاوار
ہوئے اور انکی انسانیت کچھ کام نہ آئی اور اکرام کے لائق نہوے باوجود اسبات کے کہ پہلی بار دنیا کی پیدائش میں وہ لوگ معزز و مکرم تھے اور عنایت الٰہی
انکی پرورش کے واسطے مصروف ہوئی تھی اور جمع ہونا اس قسم کے دو رنگوں کا خاصہ ان لوگوں کا ہے کہ کفر اور گناہ دونو کرتے تھے اور جو لوگ کہ فقط کفر
یا فقط گناہ کرتے تھے انکے واسطے ایک ہی رنگ پر اکتفا کی جاویگی اور گناہوں کا رنگ سیاہ مٹیلا ہوگا اور کفر کا رنگ کالا بھنورا۔ اب باقی رہا یہاں
ایک سوال اور وہ یہ ہے کہ اول میں اس سورت کے جناب باری کا عتاب ایسے پیغمبر جلیل القدر پر مذکور ہے پس نازل کرنے میں اس قصہ کے قرآن مجید میں کیا
حکمت ہے ظاہر تو عقل سے یوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عتاب خطاب کو پوشیدہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی زبانی ارشاد فرماتے اور وہ پیغمبر علیہ السلام کو جتلا
دیتے اور حال یہ ہے کہ یہ قصہ قرآن مجید میں نازل ہوا اور مدتوں قرنوں تک نے ہاں پر تلاوت کرنیوالوں اور قاریوں کے جاری رہیگا اور بار بار یہ قصہ
لوگوں کو یاد آویگا جواب اسکا یہ ہے کہ اس قصے اور خفگی میں بہت سے فائدے آداب اور تعلیم اور ارشاد کے اور قاعدے حسن اخلاق کے تھے تو چاہا کہ اس
قصے کو تمام فائدوں کے ساتھ قرآن مجید کا جز کر دیں تاکہ لوگ دمبدم اس سے فیضیاب ہوں اور محروم نہ رہیں اور ان سب فائدوں میں سے کہ اس
قصہ میں ہیں کتنے انمیں سے بیان کئے جاتے ہیں اور باقی کو سننے والے کی عقل کامل اور فہم صائب کو سونپتے ہیں اول فائدہ یہ ہے کہ کبھی کبھی پیغمبر بھی اجتہاد
کرتے ہیں اور اپنی عقل کے زور سے شرع کے قواعد سے ایک حکم دریافت کرتے ہیں اور وہ حکم خطا ہو جاتا ہے تو حضور خداوندی سے پیغمبروں کو اس خطا پر
جلد آگاہ کر دیتے ہیں چنانچہ اس قصے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں سمجھے کہ عام کے نفع کو خاص کے نفع پر مقدم رکھنا چاہئے اور اسلام کی دعوت کو قرآن
کی تعلیم پر ترجیح دینا چاہئے اور اس راہ سے بہکے ہوئے لوگوں کو تابعدار کرنا چاہئے اور جو شخص کہ خود بخود طالب شوقین ہے فی الفور اسکی طرف اسقدر
التفات نہ چاہئے کرنا کہ ارادت اور شوق اسکا اسکو ٹھکانے لگا دیگا اور اس توجہ میں یہی خطا واقع ہوئی کہ اس صورت میں عام کا نفع موہوم تھا اور
خاص کا نفع ظاہر اور عام کے نفع کو خاص کے نفع پر اسوقت مقدم کرتے ہیں کہ دونو معلوم ہوں یا دونو موہوم پس موہوم کو معلوم پر ترجیح دینا شرع
کے قاعدے کے خلاف ہے اور اسلام کی دعوت کو قرآن کی تعلیم پر اسوقت ترجیح دینا چاہئے جسوقت دعوت اسلام قبول ہونا یقینی ہو اور جو یقین قبول
ہونے کا نہو تو الزام حجت کا ایکبار سے بھی ہو جاتا ہے حاجت خوشامد اور چاپلوسی کرنے کی نہیں دوسرے امورات دین کو اسوقت چھوڑ دینا کچھ ضرور نہیں
اور اسیطرح سے تابعدار کرنا بد لوگوں کا اسوقت ضرور ہے کہ انکی تابعداری کی توقع ہو اور ناامیدی کی صورت میں گویا ٹھنڈے لوہے کو پیٹنا ہے کور
اسپر بھی جو غرض صالح ظاہر میں غرض فاسد سے مشتبہ ہو جاوے تو اس غرض صالح کو بھی موافق حکم شرع کے چھوڑ دینا چاہئے اور اس جاپے پر خاطر داری
کرنا اغنیا کی اور اندھے ضعیف محتاج فقیروں بینواؤں سے منہ پھیرنا محل پر یا کی تہمت کا اور دنیا داروں کی پاس خاطر کا ہوا جاتا تھا تو ایسے وقت میں
اس غرض صالح کو بھی چھوڑ دینا چاہئے تھا کہ اتقوا من مواضع التہم یعنی بچو تم تہمت کے مکانوں سے دوسرا فائدہ یہ کہ کبھی ایسی چیز پر کہ گناہ ہوا اسکا

ابھی معلوم نہیں ہوا ہے لیکن باعتبار اُس گناہ کرنیوالے کے حال اور اُسکی استعداد کی قوت اور عالی منصبی کے سبب سے گو کہ نا معلوم ہو تو بھی خفگی اور شکوہ متوجہ ہو سکتا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منع ہونا اِس فعل کا معلوم نہ تھا اُسپر بھی خفگی ہوئی تیسرا فائدہ یہ کہ واجب التعظیم کے واسطے رعایت تعظیم کی ضرور ہے گو کہ وہ اُس تعظیم پر مطلع نہ ہو کیونکہ وہ اندھا اندھاپے کے سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی کیفیت سے کہ ترش ہے یا خندان ہے اور میری طرف متوجہ ہیں یا منہ پھیرے ہیں کچھ خبر نہ رکھتا تھا کہ رنجیدہ ہو لیکن ازبسکہ ایماندار تھا اور خدا کی راہ کا طالب تھا تو تعظیم اُسکی ضرور تھی پس اُسکی تعظیم ترک کرنے پر خفگی ہوئی اسیواسطے حدیث میں وارد ہے کہ ترک السلام علی الضریر خیانۃ یعنی سلام علیک ترک کرنا اندھے سے اسلام کے حق میں خیانت ہے کیونکہ اگرچہ وہ سلام علیک کے ترک کرنے سے رنجیدہ نہوا لیکن اسلام کا حق تو تلف ہوا چوتھا فائدہ یہ کہ کفار کی طرف میل کرنا اگرچہ باعتبار ایک غرض شرعی نیک کے رخصت ہے لیکن ضرر سے خالی نہیں ہے پانچواں فائدہ یہ کہ اہانت اور منہ پھرانا مسلمان سے اگرچہ بے قصد واقع ہو تو بھی قباحت سے خالی نہیں چھٹا فائدہ یہ کہ دوستوں کو خفگی اور تنبیہ اُنکی تقصیرات پر کرنا چاہیئے کہ دوستی کے باقی رہنے کی نشانی ہے — ویبقی الود ما بقی العتاب یعنی جبتک غصہ اور شکوہ باقی ہے دوستی بھی باقی ہے غصہ کرنا اُسوقت موقوف کرتے ہیں کہ دوستی موقوف کرنا منظور ہوتا ہے ساتواں فائدہ یہ کہ اگر کسی کو ایک عہدہ پر مقرر فرماویں ہرچند کہ وہ سرکار کا مقرب ہو اور عالی مرتبت ہرگز باز پرس سے احوال کے اور پوچھنے سے اُسکے کاموں کے غافل ہونا نہ چاہیئے کہ یہ پوچھ پاچھ بادشاہی کی شرط ہے اور ملکداری کو لازم مطلق العنان کرنا عہدہ داروں کا اور کارپردازوں کا مملکت میں رخنہ ڈالتا ہے آٹھواں فائدہ یہ کہ کسی کو اگرچہ ظاہر میں حقیر نظر آتا ہو حقیر نہ جاننا چاہیئے کیا معلوم ہے کہ اُسکا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا مرتبہ ہے **بیت** خاکساران جہاں را بحقارت منگر + تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد + وہ نابینا ظاہر میں فقیر و حقیر معلوم ہوتا تھا اور اُسکے سبب سے سب مخلوقات کے سردار پر عتاب ہوا نواں فائدہ یہ کہ طالب العلم کو اگرچہ موانع پیش آویں لیکن علم کی طلب نہ چھوڑے کیونکہ وہ اندھا فقیر بھی تھا اور اُسکا ہاتھ پکڑنیوالا بھی کوئی نہ تھا اُسپر بھی علم کی طلب کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا تھا اور اگر علم کی طلب میں اور خدا تعالیٰ کی راہ ڈھونڈنے میں موانعات کا بہانہ کرے تو ہرگز مطلب کو نہ پہنچیگا کیونکہ کوئی شخص اپنے حال موافق موانع سے خالی نہیں دسواں فائدہ یہ کہ اُستاد اور مرشد کو لازم ہے کہ طالب العلم کو اور اللہ کی راہ کے طالب پر جسقدر ہو سکے شفقت اور عنایت کرے اور جو مطلب کہ اُسکا مطلوب ہے اُسکو پہنچاوے گیارھواں فائدہ یہ کہ معلم اور مرشد کو چاہیئے کہ طالبعلموں اور مریدوں میں دنیا کے مال و جاہ کے شرف کے سبب سے فرق نکرے بلکہ شوق کی کثرت اور استعداد کی قوت پر امتیاز کرے بارھواں فائدہ یہ کہ اگر کسی ضعیف کو کسی بزرگ سے کوئی سبب سے کچھ رنج پہنچ جاوے تو اُس بزرگ کو لازم ہے کہ اُسیوقت اُسکا تدارک کرے کہ یہ بات کچھ اُسکے مرتبے کو مضر نہیں بلکہ اُسکے علو مرتبے کی زیادتی کا موجب ہے اسواسطے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کے نازل ہونیکے ساتھ ہی اُس نابینا کے پیچھے دوڑے گئے اور اُن امیروں سرداروں سے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے تھے کچھ حیا نہ کی اور کیا خوب کہا ہے **بیت** تواضع زگردن فرازاں نکوست + گدا گر تواضع کند خوی اوست تیرھواں فائدہ یہ کہ جب بڑے چھوٹے کو مناویں تو چاہیئے کہ اُسکے مرتبے کو زیادہ کریں اور قدیم معمول سے اُسکی تعظیم اور تکریم بڑھاویں تا کہ اُسکے زخم کا مرہم ہو اسواسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس نابینا کو راستے سے پھیر لاکر اپنی چادر پر بٹھایا اور فرمایا کہ انت فی عیال محمد ما بقیت یعنی تو میری عیال کے حکم میں آیا جبتک کہ تو زندہ ہے تیرا بوجھ میں اُٹھاؤنگا چودھواں فائدہ یہ کہ ان آیتوں کے باقی رہنے سے قرآن مجید میں معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وحی پہنچانے میں نہایت امانتدار تھے والّا اِس عتاب و شکایت کو کہ آپ کی ذات مبارک پر نہایت گراں تھا اور اپنی کسر شان کا موجب ہرگز عوام الناس کے کان میں نہ ڈالتے چنانچہ اُم المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی قسم کی بات میں فرمایا ہے کہ اگر آنحضرت صلعم کچھ وحی میں سے پوشیدہ رکھتے تو حضرت زینب ہی کے قصے کو پوشیدہ رکھتے کہ موجب کمال حیا کا تھا پندرھواں فائدہ یہ کہ طالبعلم کو چاہیئے کہ خدا ترس ہو کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اُس طالب علم کے حق میں مدح کے طور سے فرمایا کہ اما من جاءک یسعی وھو یخشی سولھواں فائدہ یہ کہ اس مجلس میں آنحضرت صلعم کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب اور دوسرے نزدیک کے ناتے والے جیسے ابوجہل وغیرہ حاضر تھے اختلاط اور صحبت

اُنکی سے باوجود قربِ قرابت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عتاب فرمایا پس معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کے اقربا اللہ تعالیٰ سے روگرداں ہو جاویں تو اُنسے اختلاط اور صحبت کرنا نہ چاہیئے اور غیروں سے کہ حق کے طالب ہوں صحبت اور اختلاط کرنا چاہیئے کہ دوست کے دشمنوں کو دوست رکھنا خطا ہے اور دوست کے دوست سے منہ پھرانا رنجش کا مقام ہے اسیواسطے قرآن مجید میں دوسری جاے پر فرمایا ہے لا تجد قوما یومنون بالله والیوم الآخر یوادّون من حادّ الله ورسوله ولو کانوا آباءهم او ابناءهم او اخوانهم او عشیرتهم ۲۸ ع ۳ ع +

اور یہیں سے معلوم ہوا کہ تعلیم اور ارشاد میں بھی استعداد اور شوق والوں کو قرابت والوں پر مقدم رکھنا چاہیئے سترھواں فائدہ یہ کہ اُس شخص کو کہ اُسکے سبب سے جناب الٰہی سے یا پیغمبر کے حضور سے یا استاد و مرشد کی طرف سے اُس شخص پر خفگی کی جاوے تو اُس شخص سے بغض نہ کرنا چاہیئے بلکہ اُس سے زیادہ دوستی کرنا چاہیئے کہ اُسکے سبب سے ایک عمدہ غرض کہ ادب ہے حاصل ہوا چنانچہ اس خفگی کے وارد ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس نابینا کو دوست رکھتے تھے اور تعظیم کرتے تھے اور مرحبا کہتے تھے اور اُنکی حاجتیں روا کیا کرتے تھے واللہ الموفق والمعین وبه نستعین +

سُورۂ اِذَا الشَّمسُ کُوِّرَت

مکّی ہے اِس میں اُنتیس آیتیں اور ایک سو چار کلمے اور پانسو چونتیس حرف ہیں اور حدیث صحیح میں وارد ہے عبداللہ بن عمر کی روایت سے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص چاہے کہ قیامت کے دن کو دنیا میں ان آنکھوں سے دیکھ لے تو اُسکو چاہیئے کہ سورۂ اذا الشمس کورت کو پڑھے اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز جناب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے عرض کی کہ یا رسول اللہ بڑھاپے نے آپ پر شتابی کی یعنی آپکے مزاج مبارک کی قوت سے یہ توقع نہ تھی کہ اتنی عمر میں کہ قریب ساٹھ کے ہے آثار بڑھاپے کے آپ پر ظاہر ہونگے لیکن یہ بات ہمارے قیاس کے خلاف وقوع میں آئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھکو ان پانچ سورتوں نے بوڑھا کر دیا سورۂ ہود اور سورۂ واقعہ اور سورۂ والمرسلات اور سورۂ عمّ یتساءلون اور سورۂ اذا الشمس کورت نے پس ان سورتوں میں عذاب الٰہی دنیا اور آخرت میں کہ امتیوں پر بسبب مخالفت کرنے پیغمبروں کے جو گزرا ہے اور گزریگا مذکور ہے مجھکو اُنکے سننے سے اپنی اُمت کا غم نہایت غلبہ کرتا ہے اور غم کا خاصہ ہے کہ آدمی کو بوڑھا کر دیتا ہے چنانچہ نقل کرتے ہیں سه سالت من الاطباء ذات یوم + اخبرنی مما شیبنی قال بلغم + فقلت له علے غیر اختتام + لقد اخطات فیما قلت بل غم + لیکن مراد بوڑھے ہونے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ضعف قویٰ کا اور بدن کی سستی مراد ہے سفید ہونا بالوں کا کیونکہ موے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے ایسے سفید نہیں ہوئے تھے کہ دیکھنے والے پر ظاہر ہوں چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم ہیں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے قریب سر مبارک اور ریش مبارک میں سفید بال بیس تک نہیں پہنچے تھے اور ظاہر ہے کہ اسقدر بال دیکھنے والے کو بھی معلوم نہیں ہوتے اور عرف میں بھی اسقدر سفیدی کو بڑھاپا نہیں کہتے ہیں اور اس سورے کے ربط کی وجہ سورۂ عبس سے یہ ہے کہ اول میں اُسکے وصف قرآن مجید کے اس طور سے مذکور ہیں کہ کلا انها تذکرة فمن شاء ذکره فی صحف مکرمة مرفوعة مطهرة بایدی سفرة کرام بررة اور آخر میں اس سورے کے بھی یہی مضمون ساتھ ترتیب معکوس کے مذکور ہے کہ انه لقول رسول کریم اور ھو الا ذکر للعالمین ٥ اور آخر میں اس سورے کے قیامت کا اور اُسکے اوصاف اور ہول اور سختیوں کا مذکور ہے کہ یوم یفر المرء من اخیه وامّه وابیه وصاحبته وبنیه اور اس سورے میں اول اسی مضمون کو خوب شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور اُسکے نام کی وجہ ساتھ تکویر کے یہ ہے کہ اس سورے میں اول اسی حادثے کو مذکور کیا ہے کہ آفتاب کا نور زایل ہو جائیگا اور اس سورت میں قیامت کے بارہ حادثے یاد فرمائے ہیں لیکن ان سب حادثوں سے یہ حادثہ نہایت سخت ہے اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حادثہ مقصود بالذات پر واقع ہوتا ہے وہ بہت سخت ہوتا ہے اس حادثے سے کہ مقصود بالذات کے غیر پر واقع ہو مثلاً ضایع ہونا جان کا کہ آدمی کا مقصود بالذات ہے زیادہ سخت ہے

ضائع ہونے سے مال کے کیونکہ مال جان کے نفع کے واسطے مطلوب ہے نہ بالذات اور دوسرے یہ ہے کہ جس حادثہ کو دوسرا حادثہ معارض نہو تو بہت سخت ہوجاتا ہے
اس حادثہ سے جسکو دوسرا حادثہ معارضہ کرے کیونکہ معارضہ کی صورت میں شدت حادثے کی کم ہوجاتی ہے مثلاً ایک طرف سے آدمی کو خوف جان کا ہوا اور دوسری طرف
توقع مال وجاہ کی دامنگیر ہو تو اسوقت میں جانی حادثے کو بھی چنداں سخت نہیں جانتا بلکہ اس حادثے سے جی نہیں چراتا اور ہر حادثہ ان بارہ حادثوں میں سے قیامت کے
کہ اس سورت میں یاد فرمایا ہے یا تو غیر مقصود بالذات کو صدمہ پہنچاتا ہے جیسے پوست آتارنا آسمان کا کہ آسمان کو خراب کرڈالیگا اور آسمان بہ نسبت اہل دنیا کے
مطلوب بالذات نہیں ہے کیونکہ فائدہ لینا اہل دنیا کا محض ستاروں سے ہے اور آسمان کی مثال مانند ایک صندوق کے ہے کہ اسمیں جواہر اور عمدہ لباس
رکھے ہیں اگر وہ صندوق ٹوٹ گیا اور جواہر اور اسباب سلامت ہا تو کچھ ٹوٹنا اسکا چنداں گراں نہیں گزرتا اور یا معارض دوسرے کے ساتھ ہے کہ موجب فرحت
اور خوشی کا ہے جیسے تسعیر جحیم کی کہ مقابلہ میں اسکے ازلاف یعنی پاس لانا جنت کا بھی ہوگا سوائے اس حادثہ کے کہ ایک تو مطلوب بالذات کو کہ آفتاب کی شعاع
ہے صدمہ پہنچاویگا دوسرے یہ کہ مقابلہ میں اسکے کوئی اور حادثہ فرحت افزا بھی موجود نہوگا اور بے نور کرنا آفتاب کا کہ نہایت عمدہ اسباب سے حالات وجدانی نفس انسانی
کے کھولنے کا کہ چمک سے آفتاب کے شعاع کی آنکھوں کے دیکھنے کی چیزیں تو نظر آتی ہیں مگر معقولات وجدانیات کے ادراک کے واسطے حجاب ہوتی ہیں اور اسی سبب
یہ بات ہے کہ عقلی چیزوں میں فکر کرنے کے واسطے رات کا وقت مقرر کیا ہے اور خواب کا بھی وہی وقت ہے اور زیادہ کیفیات نفسانیہ کا ان چیزوں سے کہ
عاشقوں کو یا مریضوں کو اور دردمندوں کو یا مصیبت زدوں کو جو پیش آتی ہیں تو بھی وہی وقت ہے اور اہل مراقبہ اور توجہ بھی اسیوقت نسبت باطنیہ
کو اپنی بڑھاتے ہیں اور ساحر اور تاثیرات نفسانی والے بھی اسیوقت کام میں مشغول ہوتے ہیں اور سیاہ ہوجانا ستاروں کا بھڑکانے سے دریائے شور کے اور جنبش
سے پہاڑوں کے بھی مقابلے میں اس حادثہ کے کچھ بزرگی نہیں رکھتا کیونکہ ستارے اکثر تیرہ اور بے نور ہوجاتے ہیں اور دریائے شور چنداں حوائج میں بنی آدم
کے تابع نہیں ہے کہ اسکو مقصود بالذات تصور کیجئے اور علی ہذا القیاس پہاڑ اور سنگینی دوسرے حادثوں کی خود اظہر ہے اب بیان کرتے ہیں ہم اسبات کا
کہ ان بارہ حادثوں کو کسواسطے اس مقام پر خاص کرکے مذکور فرمایا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ منظور بیان کرنا انقطاع نفس انسانی کا توجہ سے طرف مالوفات
اور مضرات کے ہے اور کشادہ ہونا اسکے شعور اور فہم کا ارواح سماویہ کی مدد سے اور ظاہر ہونا اعمالوں کی صور مثالیہ کا اور رکھنا مقدار ہر نیک
اور بدکام کی جزا کا کہ مضمون علمت نفس ما احضرت کا ہے اور ہر حادثہ ان بارہ حادثوں سے اس امر میں دخل رکھتا ہے پس بسبب آفتاب کی
تکویر کے اور سیاہ ہونے ستاروں کے تعلق نفس انسانی کا کہ اپنے حوائج میں آسمان کے ساتھ تھا منقطع ہوجاویگا کیونکہ نفع لینا اسکا دیکھنے کی
چیزوں میں اور بدلنے میں فصلوں اور موسموں کے اور نئے ہونے میں مہینوں اور چاندوں کے اور پہلے سے معلوم کرلینا آنیوالے حادثوں کا محض چمک اور
حرکتوں سے ان اجرام کے تھا اور درحقیقت اسکے عالم مالوف کی اس انقلاب سے خراب ہوجاویگی اور بسبب تسییر جبال کے تزلزل زمین یعنی بسبب چلنے
پہاڑوں اور پتھر ہلنے زمین کے امید اسکی سکونت سے زمین کی اور استخراج معادن اور اگنے سے کھیتی اور میووں کے اور بہنے سے چشموں کے اور نہروں
کے ٹوٹ جاویگی اور صحن اسکے گھر کا خراب ہونا شروع ہوگا اور بسبب تعطیل عشار کے توجہ اسکی خبرگیری سے گھر کے جانوروں کی اور حاصل کرنے سے دودھ
اور گھی اور صوف اور پشم اور نسل کے سست ہوجاویگی اور اس انقلاب سے گویا مطبخ اور خزانہ خانہ اسکا خراب ہوجاویگا اور بسبب جمع ہونے وحوش کے
ہمت اسکی شکار اور تسخیر سے جنگل کے جانوروں کی اور جو نفع کہ پوست اور پشم اور مشک نافہ یا اور اجزا سے انکے حاصل کرتا تھا بالکل منقطع ہوجاویگی اور
بسبب جوش ہونے دریاؤں کے سفر کشتی کا اور تجارتیں بحری اور صید کرنے سے جانوروں بحری کے اور نکالنے سے موتی مونگے اور عقیق اور عنبر کے مایوس
ہونگے اور یہ چھ حادثے متعلق عالم دنیا سے اور انسان کے جسم سے ہیں اور بعد اسکے ملنے سے نیک نفسوں کے اپنے ہمجنسوں سے اور شریر نفسوں کے اپنے
ہمجنسوں سے اور ایک کی کیفیات نفسانیہ کے منعکس ہونے سے دوسرے کے قلب پر ہر شخص کو وجدانیات اپنے کما حقہ ظاہر ہوجاوینگے اور اپنے کو بالاجمال اہل خیر و
شر سے معلوم کرلیگا اور سوال کرنے سے موؤدہ کے کہ نفس اسکا اس جہان سے نہایت سادہ گیا تھا معلوم کرلیگا کہ فہم و شعور انسانی نے ایک وسعت عظیم پیدا کی ہے
کہ اس قسم کی الواح سادہ بھی نقش پذیر سوال وجواب کی ہوئیں ہیں اور یہ بھی معلوم کرلیگا کہ اس عالم میں بھر پانے سے حقوق کے ہر ادنے اعلے چھوٹا بڑا

باوجود اسباب کے کہ الفت کرنیوالے کو حقوق کے اشتد علاقے درمیان میں ہیں جیسے پدری اور مادری ہرگز خالی نہ چھوڑینگے اور بسبب کھولے جانے صحیفوں اعمال کے تفصیل اپنے افعال واقوال کی دریافت کرلیگا اور بسبب پوست اترنے آسمان کے کہ کنایہ ہے عالم مثال کی تجلی سے کہ معدن اور اصل اسکی افلاک کی قوت خیالیہ ہے اپنے اعمال کی صور مثالیہ کو دیکھ لیگا اور حقیقت کو حال کے معلوم کرجائیگا۔ (ع) کہ باکہ باختہ ام عشق در شب دیجور + اور بھڑکانے دوزخ کی آگ کے اور نزدیک لانے بہشت کے اور آرائش اور سجاوٹ سے موافق جزاؤں عملوں کے کہ خواہش انکی صور مثالیہ کی ہے نہایت روشنی پیدا کریگا اور اسوقت مضمون عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ کا جلوہ گر ہوگا اور یہ چھ انقلاب تعلق آخرت کے عالم سے اور قولے عقلیہ و خیالیہ سے انسان کی رکھتی ہیں اور اسی تقریر سے وجہ اس ترتیب کی رعایت کی بھی ظاہر ہوئی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ عالم برزخ میں نفس انسانی کو باوجود بدن کی مفارقت کے یہ اطلاع احوال پر اپنے اعمالوں کے ممکن نہیں ہے کیونکہ ہنوز آسمان و زمین قائم ہیں اور تعلق اسکا مکانات اور اپنی رغبت کی چیزوں کی طرف اور توجہ حال پر اقربا اور اپنے بنی نوع کے اور یاد کرنا اپنے گزرے حالات کا ہنوز منقضی نہیں ہوا اور ملنا عالم غیب سے بطور خلوص اور کمال کے اسکو حاصل نہیں ہوا اسیواسطے اس عالم کو برزخ کہتے ہیں کہ من وجہ احکام دنیا کے رکھتا ہے اور من وجہ احکام آخرت کے جیسے کسی شخص نے ایک شہر میں یا ملک میں بہت مدت گذران کی پھر کسی اور شہر یا اور ملک کو چلا گیا اور ہنوز گھر اسکا اس پہلے شہر میں موجود ہے اور اقارب بھی اسکے وہاں رہتے ہیں اور خط کتابت کی بھی آمد و رفت ابھی جاری ہے ایسی حالت میں انقطاع کلی اسکو اس شہر سے ممکن نہیں +

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۔ جسوقت کہ آفتاب لپیٹا جاویگا اور معنی تکویر کے عرب کی لغت میں کسی چیز کو گرد لپیٹنے کے ہیں جیسے رسی یا پگڑی کہ اسکو حلقہ کرکے لپیٹتے ہیں وَكَوَّرَ الْعِمَامَةَ معنی میں پگڑی کے پیچ کے اسی لفظ سے ہے اور چونکہ آفتاب کہ شعاعیں دراز رکھتا ہے موقوف کرنے کو اس شعاع کے ذہن میں تشبیہ لپیٹنے سے پگڑی کے دی ہے اور اس لفظ کو بطور استعارہ کے استعمال فرمایا ہے گویا کہ جب تک کہ شعاع اسکی پھیلی ہوئی ہے تو مانند اس تھان یا پارچہ کے ہے کہ اسکو کھولکر پھیلا دیا ہے اور جب وہ شعاع زائل ہوگئی اور جرم اسکا نیر کے چمکتی کی مانند بے نور رہگیا تو گویا اس تھان کو تہ کرلیا اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ثَوْرَانِ مُكَوَّرَانِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی اور آفتاب و ماہتاب پنیر کی دو چکلیوں کی مانند بے نور پڑے ہونگے قیامت کے دن اور بعضی روایتوں میں ثوران عقیران بھی واقع ہوا یعنی مانند دو بیلوں کو پیچھے کٹے ہوؤں کے پڑے ہونگے اور دور و سیر انکا منقطع ہوجاویگا اور ثور عرب کی لغت میں بیل کو بھی کہتے ہیں اور پنیر کے چکتے کو بھی اور جب تعلق ستاروں کی ارواح کا جرموں سے انکے منقطع ہوجاویگا تو شعاع اور نور بھی زائل ہوجائیگا اور دور و سیر بھی موقوف تو کبھی زوال نور پر خیال کرکے پنیر کے چکتے سے نسبت دی ہے اور کبھی حرکت کے موقوف ہونے پر نظر کرکے کونچیں کٹے بیل سے تشبیہ دی ہے اور ہر چند کہ آفتاب و مہتاب موافق حدیث کے اس حادثے میں شریک ہونگے لیکن یہاں پر اکتفا فقط آفتاب ہی کی تکویر پر ذکر فرمائی کیونکہ شعاع آفتاب کی جرم سیاہ کو ماہتاب کے نور اور روشنی بخشتی ہے پس تکویر آفتاب کی مستلزم ہے ماہتاب کی تکویر کو حاجت علیحدہ بیان کی نہیں وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ اور جسوقت کہ ستارے میلے ہوجاوینگے اور نور بھی انکا زائل ہوجائیگا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ستارے قندیلوں میں نور کی زنجیروں سے لٹکتے ہیں اور وہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں جب فرشتے مرجاوینگے تو وہ قندیلیں انکے ہاتھوں سے گرجاوینگی اور ستارے گرکے بکھر جاوینگے اور نور انکا زائل ہوجاویگا پس اس سورت میں بیان اس انقلاب کی انتہا کا ہے کہ ستاروں پر ظاہر ہوگا اور اگلی سورت میں بیان ہے اس انقلاب کی ابتدا کا اور اختلاف لفظ میں نجوم اور کواکب کے تعین کلام کے اسلوب کے واسطے ہے اور اسواسطے بھی ہے کہ نجم کے لفظ سے ظہور اشراق کا سمجھا جاتا ہے تو انکدار اسکو مناسب ہے اور کوکب کے لفظ میں استقرار اور استحکام سمجھا جاتا ہے تو انتثار اسکے ساتھ مناسب ہے وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ اور جب پہاڑ چلائے جاوینگے اور بادلوں کی طرح سے ہوا میں اڑائے جاوینگے اور پہاڑ زمین کے لنگر اور سنگ فرش کی مانند تھے جب انکی یہ حالت ہوگی تو زمین کی حالت کو

چاروں چیزوں کا ... پگڑی ہے تو اسکو ... کہ معدنیات اور نباتات اور حیوانات اور ان تین قسموں کو ... بیں کہ چاروں چیزوں سے یعنی خاک اور پانی اور آگ اور ہوا سے مرکب ہیں

س

ع

ح

... بیان نہیں ہوسکتی ... بیان ... رب العالمین کی معلوم ہو جاوے

بھی اسی پر قیاس کر لیا چاہیئے کہ کیا کچھ اُسکی خرابی ہوگی **وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ** اور جب کا بھن اُونٹنیاں جنکا حمل دس مہینے کا ہو چھوٹی پھریں اور اُنکے مالک اُنکی طرف کچھ التفات نکرینگے اور وجہ ایسی اُونٹنی کی تخصیص کرنے کی یہ ہے کہ منظور تعلق انسانی کے انقطاع کا بیان ہے اپنے مالوں سے اور سب مالوں میں سے جو زیادہ محتاج خبرداری کا ہے سو جانور ہیں کیونکہ زر و جواہر اور دوسرے اسباب مبدم محتاج محافظت کے نہیں ہوتے اور زراعت اور درخت اور عمارات اور مکانات بھی محتاج محافظت اور خبرگیری کے ہوتے ہیں لیکن نہ ہر لحظہ اور ہر ساعت برخلاف جانوروں کے کہ ہمیشہ دھوپ سے چھانوں میں اور چھانوں سے دھوپ میں باندھنے کے محتاج ہوتے ہیں اور ہر دم دانے پانی گھاس کی خبرگیری چاہتے ہیں اسیواسطے تجربہ والوں نے کہا ہے کہ غم داری بزبجز اور اُن سب جانوروں میں اعلیٰ اور عمدہ عرب کے نزدیک جننے کے قریب والی اونٹنی ہے کہ اُسمیں دو طرح کی خوشی ہے ایک تو بچہ کی دوسرے دودھ کی اور بسبب بڑے پن کے دودھ اُسکا اور جانوروں کے دودھ سے دوچند سہ چند زیادہ ہوتا ہے اور جو مخاطب اس کلام ہدایت فرجام میں اول فرقہ عرب کا ہے تو رعایت اُس چیز کی کہ اُنکے ذہن میں جلد آجاوے یا وہ چیز اُنکے خیال میں زیادہ بسی ہے ضرور پڑی کیونکہ مقتضا بلاغت کا یہی ہے اور یہاں پر ایک اشکال ہے کہ بعضے اذکیا اُسکو مشکل جانتے ہیں حاصل اُسکا یہ ہے کہ بعد اسکے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام نفخ صور فرماوینگے تو سب جانور مر جاوینگے اونٹنیاں کہاں ہونگی جو چھوٹی پھرینگی اور صور پھونکنے سے پہلے قیامت کہاں ہے کہ اونٹنیاں معطل پھریں پھر یہ بات کونسے وقت کی ہے اکثر دانشمندوں نے کہا ہے کہ یہ کلام فرضی اور خیالی ہے یعنی بالفرض اگر اسوقت اونٹنیاں اس صفت کے ساتھ موجود ہوں تو شدت ہول سے اُس روز کے کوئی اُنکی طرف متوجہ نہوگا جیسے یوماً یجعل الولدان شیبا میں فرمایا ہے لیکن بعد تامل کے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر حاجت اس تکلف کی نہیں ہے اسواسطے کہ جسوقت حضرت اسرافیل پہلی صور پھونکینگے تو آدمی اور حاملہ اُونٹنیاں اکٹھی مر جاینگی اور جب دوسری بار صور پھونکینگے تو سب اکٹھے جی اٹھینگے تو وہ اونٹنیاں کہ جنکے حمل پر دس مہینے گزر گئے تھے وہ بھی اُسیطور سے زندہ ہونگی چنانچہ حدیث صحیح میں ہے یحشر الناس یوم القیٰمۃ علیٰ ما ماتوا علیہ اور مالک اُنکے اُسوقت اُنکی طرف متوجہ نہونگے اور معطل چھوڑ دینگے اور بعضے اہل تفسیر نے کہا ہے کہ مراد عشار سے ابر ہیں کیونکہ عرب ابر کو حمل والے جانور سے نسبت دیتے ہیں اور اُنکے خیال میں ابر کی صورت مادہ کی سی ہے اور ہوا کی صورت نر کی پس جیسے نر مادہ کو حاملہ کر دیتا ہے اسیطرح ہوا سے ابر میں پانی بھر جاتا ہے پس غرض یہ ہے کہ اسوقت ابر پانی سے خالی ہونگے اور کچھ کام نہ آوینگے اور اس تفسیر میں جو کچھ کہ بُعد ہے ظاہر ہے اور عشار جمع عشرا کی ہے جیسے نفاس جمع نفسا کی اور عشرا دس مہینے کی حاملہ اُونٹنی کو کہتے ہیں تمام سال تک اور تمام ہونا سال کا اونٹنی کے حمل کے تمام ہونے کی پوری مدت ہے تو اس نام سے اُسکو مذکور فرمایا **وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ** اور جسوقت کہ وحشی جانور کو بھی اور بیابانی جمع کئے جاویں اور وجہ اُنکے جمع کرنے کی یہ ہے کہ رہنے کی جگہ اُنکی کہ پہاڑ اور جنگل تھے خراب ہو جاوینگے اور آگ اور دھواں ہر طرف سے اُنکے پیچھے پڑیگا لاچار آدمیوں کے مجمع میں مکان امن کا سمجھکر بھاگ آوینگے جیسے سردی کے ملک میں برف پڑنے کے وقت وحشی جانور طبیعت اصلی کو اپنی کہ نفرت اور وحشت ہے چھوڑ کر بستیوں اور گھروں میں گھستے ہیں اور اس واقعہ میں دلیل صریح ہے اسبات پر کہ ہول اُس روز کا اس مرتبہ کو پہنچیگا کہ وحشیوں کو انسان سے نفرت نہ رہیگی اور بعضے جو بعضے سے عداوت طبعی رکھتے تھے اُس روز کچھ خوف و ڈر ایک دوسرے کا باقی نرہیگا اور قتادہ اور دوسرے مفسروں نے کہا ہے کہ مراد حشر سے وحوش کے اُنکا زندہ کرنا ہے بعد مرنے کے کہ قصاص کے واسطے پھر انکو زندہ کرینگے اور حدیث شریف میں ہے کہ جانوروں میں بھی قصاص جاری ہوگا یہانتک کہ منڈی بکری سینگوں والی بکری سے اپنا بدلا لیگی لیکن قصاص ہو چکنے کے بعد سب کو خاک کر دینگے اور جو خدا کے نام پر ذبح ہوئی ہیں وہ بہشت کی خاک ہونگے مگر وہ جانور جو بہشتیوں کی خوشی کا باعث ہونگے یا سبب اُنکی لذت کا سو وہ جانور بہشت میں باقی رہینگے جیسے طاؤس یا گھوڑا یا اور کوئی جانور خوبصورت خوش آواز یا وہ جانور کہ جسکا گوشت بہشتیوں کو مرغوب ہوگا وہ اُنکی غذا کے واسطے چھوڑ دیئے جاوینگے چنانچہ قرآن مجید میں سورۂ واقعہ میں مذکور ہے ولحم طیر مما یشتہون اور وہ چیزیں باقی رہینگی جو دوزخیوں کے عذاب زیادہ ہونیکا سبب ہوں سو دوزخ میں جاوینگے جیسے سانپ اور بچھو اور مکھی کہ اُنکے جلے بھنے بدن پر بیٹھینگی اور اُنکو رنج و دُکھ دینگے بغیر اسباب کے کہ اُن جانوروں کو اُنمیں

دوزخ کی آگ سے کچھ رنج و کلفت ہو اسیواسطے حدیث شریف میں وارد ہے کہ اللہ باب کلہ فی النار اور یہ بھی حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ان فی
الجنۃ طینا عمۃ واکلھا انعم منہا **وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ** اور جسوقت کہ دریا بھڑکا لئے جاوینگے اور پانی اُنکا دھواں ور آگ ہوجاویگا
اور ہوا اُس آگ اور دھویں کے ملنے سے حدت اور حرارت پیدا کریگی اور اہل محشر کی تکلیف اور رنج کا سبب ہوگی لیکن باایمان لوگ شر سے اِس
دھویں کے محفوظ رہینگے چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ اُس روز کے دھویں سے باایمان لوگونکو اسقدر تکلیف پہنچیگی کہ زکام ہوجاویگا **وَ
إِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ** اور جسوقت کہ نفوس انسانی نفوس سماوی اور ارضی سے ملالے جاوینگے تاکہ قوت خیر اور شر کے ادراک کی
زیادہ ہوجاوے اور پوری جزا ہر عمل کی نہایت کے درجہ میں چکھیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد تزویج نفوس سے ارواحوں کا ملنا ہے جسموں کے ساتھ
اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ لوگوں کو ازواج ثلثہ کر دینگے یعنی تین قسم کر دینگے کہ تفصیل اُسکی سورۂ واقعہ کی آیت وکنتم ازواجا ثلثۃ
میں مذکور ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ہر شخص کو اپنے ہم مشرب و ہم مذہب کے ساتھ جمع کرکے جدی جدی غول بناوینگے اور خیر و شر کے طبقوں کو اس ترتیب
میں رعایت رکھینگے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ہر شخص کا اُسکے ساتھ حشر کرینگے جسکے ساتھ دنیا میں محبت رکھتا تھا پھر وہ خواہ نیک ہو خواہ بد جیسے پیر
اور اُستاد اور بادشاہ اور امیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ نفوس کو مومنین کے حور عین کے ساتھ جوڑ لگاوینگے اور کافروں کے نفوس
کو شیطانوں کے ساتھ ملاوینگے اور زجاج نے کہا ہے کہ ہر نفس کو اُسکے عملوں کی صورت مثالی سے خواہ نیکی ہو خواہ بدی جوڑا لگاوینگے **وَإِذَا
الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ** اور جب موءودہ پوچھی جاویگی اور موءودہ عرب کی لغت میں جیتی گاڑی ہوئی لڑکی کو کہتے ہیں مشتق ہے وأد یئد
سے اور عرب میں رسم تھا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی گاڑ دیتے تھے بعضے تو تنگدستی اور شادی بیاہ کے اخراجات کے خوف سے یہ کام کرتے تھے اور بعضونکو
یہ عار تھی کہ ہم اپنی بیٹی کسی کو دینگے اور وہ ہمارا داماد کہلاویگا اس خیال فاسد میں گرفتار ہو کر اس امر شنیع میں مبتلا تھے اور اس امر قبیح نے اُس زمانہ میں
اُس ملک میں ایسا رواج پایا تھا کہ اُسکو فخر اور غیرت جانتے تھے اور ہرگز اُس گناہ کے عذاب کا خوف نہیں رکھتے تھے اس گمان پر کہ ہماری اولاد ہماری
ملک ہے اِسمیں ہمکو اختیار ہے جو چاہیں سو کریں حقتعالی نے اُنکے اس فعل شنیع پر جا بجا قرآن مجید میں مذمت فرمائی اور وجہیں اُسکی بُرائی کی کھول کھول کر
بیان کردیں کہ ضمن میں اس فعل قبیح کے سوائے قطع رحم اقرب کے کہ ولد ہے اور بہت سی قباحتیں موجود ہیں اُنمیں سے ایک تو ظلم و ستم ہے بیگناہ معصوم پر
کہ وبال اُسکا معلوم ہے اور مکروہ جاننا اللہ تعالی کی پیدائش کو بلا وجہ اور ناخوش ہونا اللہ تعالی کی خواہش سے اور مقابلہ کرنا اُسکے فعل کا ضد کے ساتھ
کہ اُس خالق نے نو مہینے میں اُسکو بنا کر تیار کیا اور اُس نے پیدا ہونیکے ساتھ ہی ارادہ اُسکی ہلاکت کا کیا اور دوسرے بے اعتمادی ہے اللہ تعالی کی
رزاقی اور کارسازی پر اور یہ کہ مال کا بخل اس درجہ کو ہے کہ اپنی اولاد پر مال خرچ کرنا روا نہیں سکتا پس اسیطرح کی اور بہت سی باتیں ہیں اور اسیواسطے
جو عرب میں سمجھ والے لوگ تھے اُسکی قباحت کو دریافت کرکے اپنے کو اس کام سے روکتے تھے لیکن قوم کی رسم سے ناچار تھے یہانتک کہ زید بن عمرو بن
نفیل چچا زاد سے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے مکے میں پیدا ہوئے اور جہاں سنتے کہ فلانے کے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے اور وہ
جیتی گاڑی جائیگی تو جھپٹ کے وہاں جاتے اور کہتے کہ اسکو میں نے اپنی بیٹی کیا جو کچھ کہ اسکے کھانے پہننے کا اور بیاہ شادی کا خرچ ہے وہ سب میرے سر ہے
تمکو کچھ کام نہیں اسیطور سے بہت لڑکیاں بچالیں اسیواسطے اُنکو محی الاموات کہتے تھے اور اُنکی اس رسم صالح کی اور قبیلوں کے بھی بعضے بعضے
عرب اتباع کرتے تھے چنانچہ صعصعہ فرزدق شاعر کا دادا بھی یہی کام کرتا تھا اسیواسطے فرزدق نے اپنے دادا کے اس فعل کی بڑائی اکثر اپنے شعروں میں
کی ہے اور اب اس امت میں اس فعل شنیع نے دوسری صورت سے منہ دیکھا ہے اور شیطان کا قاعدہ ہے کہ جو کسی بُرے کام کو لوگ ممانعت شرعیہ یا دلائل
عقلیہ کے سبب سے قبیح جانکر چھوڑ دیتے ہیں تو وہ لعین اُسی کام کو دوسری صورت میں انکی نظروں میں بھلا دکھاتا ہے تاکہ اُسکا اصل مطلب فوت
نہو اور وہ صورت جو اس امت میں رکھی ہے یہ ہے کہ اگر کسی لونڈی باندی یا کسی اور کم اصل عورت کو کسی سے حمل رہگیا تو مارے غیرت کے
کہ مبادا لڑکی پیدا ہو تو کسی کم اصل سے رشتہ کرنا پڑیگا پس اس بات کو ننگ و غیرت شرافت کی جانکر بعد جان پڑنے کے کہ مدت اُسکی اکثر چار مہینے گزرنیکے

بعد ہی گروا دیتے ہیں اور اس امر شنیع کے مرتکب ہوتے ہیں اور بطور فخر اور بڑائی کے اسکو بیان کرتے ہیں حالانکہ خون ناحق میں یا دوسری قباحتوں میں مرتکب
موودہ سے یہ فعل کم نہیں ہے لیکن اگر روح پڑنے سے پہلے ہو تو صحابہ کو گرانے میں عذر شرعی سے جیسے جننے کی سختی یا کثرت عیال کی یا قلت مال کی یا مسافرت
کے سبب سے یا جانے کہ اگر یہ لونڈی جنیگی تو خدمت نکر سکیگی اختلاف واقع ہوا تھا اور حضور میں حضرت امیر المومنین عمر بن الخطابؓ کے اس امر میں بہت
گفتگو ہوئی یہانتک کہ حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ واللہ لا تکون موؤدۃ حتی تاتی علیہ التارات السبع اس
کلام کو حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے پسند فرمایا اور یہی بات ٹھیر گئی اور بعضے صحابہ اسکو بھی احتیاط کے واسطے حرام جانتے تھے
اور اسکو موودہ صغریٰ کہتے تھے کیونکہ اگرچہ قتل نفس کا اس عمل میں نہیں ہے لیکن اسکی رزاقیت پر عدم توکل اور معارضہ اسکے فعل کا ساتھ ضد کے بلاوجہ
اور سوا اسکے دوسری قباحتیں بھی موجود ہیں لیکن صحیح یہ بات ہے کہ جایز ہے عزل کے قیاس کے اعتبار سے اور وہ جو حدیث شریف میں عزل کے حق میں
وارد ہے کہ ذلک الواد الخفی وہ عزل کی حرمت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ کراہت اور اولاد کے ترک ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ خفی ہر امر کا اسکے
جلی کا حکم نہیں رکھتا جیسے ریا کہ شرک خفی ہے حکم شرک جلی کا نہیں رکھتی اور جایز ہونا عزل کا روایات صحیحہ مشہورہ سے ثابت ہے کہ لا شبہۃ فیہ اور استعمال
کرنا دواؤں کا قبل جماع کے یا بعد جماع کے کہ حمل نہ رہنے پاوے مانند عزل کے جائز اور روا ہے اور یہاں پر ایک شبہ ہے کہ اکثر خیال میں گزرتا ہے وہ یہ ہے
کہ موودہ بیچاری مظلوم ماری گئی ہے اس سے سوال کرنا کوئی وجہ نہیں رکھتا چاہیے تھا کہ سوال اسکے قاتل سے کیا جاتا تا کہ اسکو سرزنش ہوتی پس جواب
اس شبہ کا یہ ہے کہ سوال موودہ سے اس وضع پر نہوگا کہ تو کیوں ماری گئی تا کہ خلاف قاعدے کے ہو بلکہ اس وضع سے ہوگا کہ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ
کس گناہ پر ماری گئی ہے وہ موودہ اور لایق اس سوال کے مظلوم ہے نہ ظالم کیونکہ غرض اس سوال سے تلقین دعوے کی اور ظاہر ہونا ظلم کی وجہ کا منظور ہوتا
ہے کہ مظلوم کہدے کہ مجھپر فلانے نے بیوجہ ظلم کیا ہے اور موودہ سے سوال کرنے میں اس طور سے یہ بھید ہے کہ نفس صغیر ہرچند کہ اس جہان میں شعور اور فہم اور ادراک
پیدا کریگا لیکن تو بھی ادراک اسکا ادراک سے دار القضا کے مشاقوں کے اور دنیا کے جھگڑنیوالوں سے کہ انھیں کاموں میں تمام عمر اپنی صرف کی البتہ کم ہوجاتا ہے
اور جو کچھ کہ دکھ درد اسکو جان جانے کا گزرا تھا سو چنداں اسکو گراں نہیں گزرا تھا کیونکہ وہ زندگی اسکی ایک خواب خیال تھی کہ دیکھی اور گزر گئی اور
یہ بھی ہے کہ پہلے ہی دعویٰ جو ماباپ پر کرنے میں حیا کے سبب سے پیشقدمی نکر سکیگی تو ضرور ہوا کہ اس طرف سے اس طور سے اسکو تلقین اور یاد دلانا دعویٰ کا
ہوگا جیسے کوئی مظلوم بے سمجھ کہ بیان کرنے میں اپنی حجت کے اور پورا کرنے میں اپنے دعوے کے قصور کرتا ہے تو حکام با انصاف اسکو اس قسم کی تلقین و تذکیر کرتے ہیں
کہ حقوق اسکے برباد نجاویں اور اسیطور سے اگر کوئی مظلوم بسبب کسی علاقہ کے کہ ظالم رکھتا ہے صاف صاف بیان کرنے سے اسکے ظلم کے شرماتا ہے یا خوف کھاتا ہے اسکو
حق میں بھی ارباب عدالت کا یہی وتیرہ معمول ہے اور فقہانے بھی لکھا ہے کہ قاضی کو تلقین مدعی اور شاہد کی اس قسم کی صورتوں میں درست ہے کیونکہ مظلوم کا حق
کو پہنچنا بدون اسکے ہو نہیں سکتا اور باوجود اسباب کے اس سوال میں بھی مراتب اسکے ادب کے والدین کے ساتھ موجود ہیں کیونکہ اول ذکر اسکے قاتل کا
نہ فرمایا گویا قاتل سے سوال منظور ہی نہیں ہے تا کہ فضیحت ہوا سیواسطے مجہول کے صیغے سے لائے ہیں کہ قُتِلَتْ یا سوال اس گناہ کا فرمایا کہ موجب
اسکے قتل کا ہوا گویا کہ اشارہ فرماتے ہیں کہ والدین کو تو اپنی اولاد سے کمال شفقت و محبت ہوتی ہے بغیر کسی گناہ عظیم کے تجھ سے یہ معاملہ نکیا ہوگا اسواسطے
تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا گناہ تھا لیکن رعایت اس ادب کی ماباپ کے حق میں موودہ کی طرف سے موجب ماباپ کی کمال رسوائی اور فضیحتی کا ہوگا خصوصاً
موودہ کے گناہ کے سوال کرنے میں کہ وہ ہرگز محل گناہ کا نہیں ہوسکتی تھی تعریض الزام صریح سے اونچی ہوگی اور اگر پہلے ہی سوال والدین سے واقع ہوتا کہ
تمنے بے گناہ اپنی بیٹی کو کیوں مار ڈالا تو یہ فضیحتی اور رسوائی اور اتنا زیادہ خوف اور دہشت حاصل نہوتا اور یہ بھی ہے کہ ترک کرنے میں سوال کے انسے
اور متوجہ کرنا سوال اور خطاب کا موودہ سے انکی کمال شقاوت اور بدبختی کی نشانی ہے کہ انکے بسبب کمال قہر و بغض کے اس حرکت بیجا کرنے سے
سوال خنگی اور عتاب کا بھی نہیں فرماتے ہیں کیونکہ کلفت عذاب اور عتاب کی لذت سے کلام و خطاب کی سبک معلوم ہوگی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ
چنانچہ کسی کا قول ہے شعر پرسش اگر نیست بگو نا سزا ٭ کز دہنت یک سخنم آرزوست - اور یہاں پر سمجھ لیا چاہیے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ

الوائدۃ والموؤدۃ فی النار یعنی جس عورت نے کہ اپنی بیٹی جیتی گاڑ دی ہے وہ اور اُسکی بیٹی دونوں دوزخ میں جائینگی معتزلہ اس حدیث کے سُننے سے متحیر ہوتے ہیں اور مقابل میں اس حدیث صحیح کے اس آیت کو سند پکڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو حق تعالی بسبب موؤدہ کے کافروں کو زجر و توبیخ فرمائیگا تو ممکن نہیں کہ موؤدہ عذاب کی جاوے اور اس دلیل پکڑنے سے اُنکی کمال جہل و نادانی ثابت ہوتی ہے کیونکہ ماں باپ پر عذاب اسواسطے ہے کہ خون ناحق کیا ہے اور موؤدہ پر عذاب اس جہت سے ہے کہ کفر میں ماں باپ کے تابع ہے جیسے ظالم اور مظلوم کہ دونوں کافر ہوں تو ایک پر دوسرے کے واسطے عذاب کرینگے اور اصل عذاب میں دونوں شریک ہیں بسبب کفر کے اسیواسطے اہل سنت کے نزدیک کافروں کے لڑکوں کو معذب ہونا باعتبار شریعت کے قاعدہ کے ظاہر ہے کیونکہ نفس طفل کا خصوصاً وہ طفل کہ ایسی چھوٹی عمر میں اس جہان سے گیا ہووے تو گویا ماں باپ کے وجود کا ایک ٹکڑا ہے ابھی استقلال و تکمیل حاصل نہیں کی ہے جب والدین عذاب کیے جاینگے تو یہ نفس سادہ بھی انکی تبعیت سے عذاب میں ہوگا جیسے تو ابین کہ ساتھی ہنستے ہیں اور ساتھی روتے ہیں اور بھوکے پیاسے بھی ایک ہی وقت میں ہوتے ہیں کیونکہ اتصال نفسانی انکا مفارقت استقلال سے ہنوز مبدل نہیں ہوا واللہ اعلم اور یہاں ایک نکتہ ہے کہ قابل بیان کے ہے وہ یہ ہے کہ قتلت کو غائب کے صیغے سے کسواسطے لائے خطاب تو اسبات کو چاہتا تھا کہ قتلت مؤنث مجہول مخاطب کے صیغہ سے فرماتے جواب اسکا یہ ہے کہ منظور تو واقعات قیامت کا بیان ہے اور موؤدہ کا حال غیبت کے صیغے سے بیان فرماتے ہیں پس مدعا خبر دینا ہے موؤدہ کے سوال سے کہ واقع نہ ہوگا نہ حکایت خطابی کہ اسکو ساتھ درمیان میں آویگی اور حکم فقہ کا یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے ہاتھ سے اُسکی اولاد خطا سے تلف ہو جاوے جیسے چار مہینے کا حمل گرا دینا یا اندازہ سے زیادہ افیون کھلا دینا یا محافظت میں قصور واقع ہونا مثلاً کوئی عورت چھپے پر بیٹھی اپنے لڑکے کو کھلاتی تھی اور وہ لڑکا اسکے ہاتھ سے چھوٹ کے زمین پر گر پڑا اور مر گیا اور علی ہذا القیاس تو اُس پر کفارہ لازم ہوتا ہے اور قتادہ سے روایت ہے کہ قیس عاصم تمیمی کا بیٹا آنحضرت صلعم کے پاس آیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھ سے ایک بڑا سخت گناہ ہوا ہے کفر کی حالت میں آٹھ بیٹیاں میں نے جیتی گاڑ دی ہیں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ عوض میں ہر لڑکی کے ایک ایک غلام آزاد کر اُس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میں تو اونٹوں والا ہوں غلام تو میرے پاس نہیں ارشاد ہوا کہ ہر لڑکی کے عوض ایک ایک اونٹ اللہ کی راہ میں دے **وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ** ۔ اور جسوقت کہ صحیفے اعمالوں کے لپٹے ہوئے سجین اور علیین میں رکھے تھے کھول لے جاوینگے اور ہر شخص جو کچھ کہ اُسکے صحیفوں میں ہے معلوم کر لیگا اور قتادہ سے مروی ہے کہ آدمی کے اعمال کہ صحیفوں کو اُسکے مرنے کے بعد لپیٹ کے دفتر میں نگاہ رکھتے ہیں اور بعضے مفسروں نے نشر کو پراگندہ کے معنوں میں لیا ہے یعنی اعمال ناموں کو بکھیر دینگے اور جس دفتر میں کہ اکھٹے جمع تھے وہاں سے نکالکر بانٹ دینگے کسی کو بائیں ہاتھ میں پیٹھ کے پیچھے سے اور کسی کو داہنے ہاتھ میں منہ کے سامنے سے دینگے اور مرثد بن وداعہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن صحیفوں کو عرش کے نیچے سے اڑا دینگے پس جو صحیفہ کہ ایماندار کے ہاتھ آویگا اُسمیں یہ لکھا ہوگا کہ فی جنۃ عالیۃ اور جو کافر کے ہاتھ میں آویگا اُسمیں یہ لفظ لکھا ہوگا کہ فی سموم و حمیم ۔ اور یہ صحیفے فال کے فرعون کی مانند ہونگے اعمال کے صحیفے نہونگے چنانچہ کشاف میں مذکور ہے **وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ** اور جب آسمان کا پوست اُتارا جائیگا جیسے جانور کا کہ بعد ذبح کے پوست اُتار لیتے ہیں اور تمام اجزا اور اعضا اور رگ و ریشے اُسکے ظاہر ہو جاتے ہیں اسیطرح سے اور خیالات فلک کے مکنونات کے کہ اشیا کی صور مثالیہ ہیں ظاہر اور منکشف ہو جاوینگے اور فرشتے حاملان صحف اور دوسری قسموں کے فرشتے نازل ہونگے **وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ** اور جسوقت کہ دوزخ بھڑکائی جائیگی اور شدت اُسکی سوزش کی زیادتی پکڑیگی **وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ** اور جسوقت کہ بہشت محشر کے نزدیک لائی جائیگی پس مسلمانوں کو خوشی پر خوشی زیادہ ہوگی اور کافروں کو حسرت پر حسرت اور جو بارہ حادثے متحقق ہونگے کہ چھ انمیں سے دنیا میں قبل صور پھونکنے کے ہونگے اور چھ انمیں سے بعد صور پھونکنے کے ہونگے **عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ** جان لیگا ہر جی جو لیکر آیا ہے نیکی سے اور بدی سے اور بعضے اہل تاویل نے کہا ہے کہ ان بارہ حالتوں کو موت کے وقت کہ قیامت کا نمونہ ہے معلوم کر لینگے اسیواسطے اُسکو قیامت صغری کہتے ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ من مات فقد قامت قیامتہ بھی اعتبار

سکے کہ پس آفتاب آدمی کی روح کی مانند ہے کہ شعاع سے اُسکے بدن زندہ ہوتا ہے اور جو علاقہ اُسکا تدبیر سے بدن کی منقطع ہوگیا تو گویا انسان کے بدن کا
آفتاب مکور اور بے نور ہوگیا اور انکدار نجوم کا نمونہ ہے حواس و قوائے انسانی کی بیکاری کا کہ موت کے وقت نمودار ہوتا ہے اور جنبش پہاڑوں
کی باطل ہوجانا اعضار رئیسہ کا اور اُسکے بدن کی ہڈیوں کا ہے کہ اپنے کام سے معزول ہوکر برباد جاتے ہیں اور تعطیل عشار کی نمونہ ہے دودھ اور
چربی کے خشک ہوجانے کا اور افعال طبیعی کے باطل ہونے کا کہ کارپرداز اُسکا جگر اور دوسرے آلات غذا کے ہیں اور حشر وحوش ظہور افعال بہیمیہ
اور سبعیہ کے نتائج کا ہے اور بھڑکانا دریاؤں کا خشک ہونا خون کا اور بدن کی دوسری رطوبتوں کا یا باطل ہونا اوہام اور خیالات اور بیہودہ
اور آرزوؤں کا کہ ہر ایک ایک دریائے بے پایان ہے کہ بغیر موت اختیاری یا اضطراری کے انقطاع اُنکا متصور نہیں اور تزویج نفوس اور جمع ہونا
ملکات مکسوبہ کا ہے آپسمیں ظلمانی کا ظلمانی سے اور نورانی کا نورانی سے اور موؤدہ ایک قوت ہے کہ آدمی نے اُسکو اُسکے غیر مقرر مصرف میں صرف
کرکے برباد کیا اور بعضے دانشمندوں سے منقول ہے کہ جو کوئی نکتہ نفیس مقدمات علمیہ کا خاطر اُسکے میں گزرے اور اُسکو قید کتابت میں مقید نکرے
یہانتک کہ وہ بھول جاوے تو وہ بھی موؤدہ میں داخل ہے اور آسمان کا کشط کنایہ ہے روح کے احکام ظاہر ہونے سے اور تسعیر جحیم دکھنا ہے
سختیوں اور دہشتوں کا کہ بعد موت کے ظاہر ہونگے اور نزدیک لانا بہشت کا عبارت فرحت اور خوشی سے ہے کہ نیکوں کی ارواح کو اُسوقت پہنچا دم
اور بدوں کو اُس سے محروم رکھینگے اور بعضے اہل تصوف نے ان سب حالتوں کو طے ہونے پر سلوک کے مرتبوں کے انتہائے فنا تک کہ اُنکے نزدیک
اول منزل وصول کی ہے تطبیق دی ہے اور تفصیل اس تطبیق کی نہایت طولانی چاہتی ہے کہ اس تفسیر کی وضع سے خارج ہے حاصل کلام کا یہ
کہ جو اسباب کھلنے خیر و شر کی حقیقت کے نفس انسانی پر بیان کئے گئے اور تحقیق اس اسباب کی خبر مخبر صادق سے کہ اصدق الصادقین ہے یعنے حقتعالیٰ
کی ذات پاک متیقن ہوئی تو حاجت قسم کی نرہی اسیواسطے یوں فرمایا ہے کہ **فَلَآ اُقْسِمُ** پھر قسم نہیں کھاتا ہوں میں کیونکہ باوجود میرے خبر دینے
کے حاجت قسم کی نہیں ہے اور اگر ان سب باتوں کے ساتھ بھی تم قسم کے محتاج ہو تو میری قسم **بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ** کئی ستاروں
پیچھے ہٹ جاتے سیدھے چلتے دبک جانیوالوں کی ہے اور حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ اور اکثر مفسرین سے صحابہ کے منقول ہے کہ وہ
ستارہ خمسہ متحیرہ ہیں یعنی زحل اور مشتری اور مریخ اور زہرہ اور عطارد کہ انکو اپنی حرکت میں ایک حیرت نمودار ہوتی ہے اول تو مغرب سے مشرق کو
ترتیب سے برجوں کے حمل سے ثور میں اور ثور سے جوزا میں جاتے ہیں اور بعد اسکے تھوڑے دنوں حرکت انکی نمودار نہیں ہوتی ایک جائے پر ٹھہرے
رہتے ہیں پھر رجعت قہقری کرتے ہیں یعنی اُلٹے پھرتے ہیں اور مشرق سے مغرب کو آتے ہیں پہلی حالت کو علم ہیئت کی اصطلاح میں استقامت
کہتے ہیں اور دوسری حالت کو وقوف اور اقامت کہتے ہیں اور تیسری حالت کو رجعت اور رجوع اور یہ تین حالتیں اور کسی ستارے میں نہیں ہیں جیسے
ماہتاب تھوڑا سا وقوف رکھتا ہے لیکن رجعت نہیں رکھتا اور دوسرے ستارے نہ وقوف رکھتے ہیں نہ رجعت پس حیرت ان پانچ ستاروں کی صریح دلیل ہے
اثبات پر کہ آسمانی چیزوں کا بدلنا ایک حال سے دوسرے حال پر ممکن ہے تو پس انقلاب جائز ہونے میں آسمان کے تمام اجزا میں اور زائل ہونے میں
ستاروں کے کچھ تعجب نرہا اور خاص ہونا ان پانچ ستاروں کا رجعت اور استقامت اور وقوف کے ساتھ ہر چند کہ نزدیک تلاش کرنیوالوں ہیئت آسمانی کے
ایک وجہ رکھتا ہے کہ وہ اختلاف اُنکے حاملوں کی حرکت اور اُنکے دائروں کی حرکت سے اسواسطے کہ اُنکے حوامل یعنی اُٹھانیوالے مغرب سے مشرق کو
جاتے ہیں اور دائرے اُنکے زمین کے شامل نہیں ہیں لہذا اُوپر والے اُنکے مغرب سے طرف مشرق کے جاتے ہیں اور نیچے والے اُنکے مشرق سے
طرف مغرب کے اور جو یہ ستارے دائروں میں گڑے ہوتے ہیں اور یہ دائرے حامل کی گدازگی میں گڑے ہوتے ہیں تو بالضرور ان ستاروں کو
دونوں حرکتیں بالتبع ہوتی ہیں تو جبتک کہ حامل کی حرکت اور دائروں کی حرکت کے موافق ہوتی ہے سریع السیر استقامت سے معلوم ہوتی ہیں اور
جب دونوں حرکتیں مخالف ہوتی ہیں تو بطی السیر معلوم ہوتی ہیں اور جب دونوں حرکتیں آپسمیں مخالفت کرتی ہیں اور ایک دوسرے کی معارض ہوتی ہے
یعنے جسقدر ستارہ ایک حرکت کے سبب سے آگے بڑھا اُسیقدر دوسری حرکت کے سبب سے پیچھے ہٹا تو واقف اور ساکن معلوم ہوتے ہیں گویا جنبش نہیں رکھتے

اور جب دوسری حرکت غلبہ کرتی ہے تو اُنکی حرکت اُلٹی معلوم ہوتی ہے اور ستارہ راجع یعنی اُلٹا پھرا معلوم ہوتا ہے لیکن مطلب اس سبب کے معلوم کرنے سے زیادہ تر کھل جاتا ہے اور ظاہر ہو جاتا ہے اسواسطے کہ جب آسمان کے ستارے تغیر اور انقلاب کے قبول کرنیوالے ہوئے اور اُنکی حرکتوں اور وضعوں کے اسباب مختلف ہوئے اور تخالف اور تجاذب طبعی اور ارادی اُنمیں ثابت ہوا تو البتہ صدموں کے قبول کرنیکے آمادہ ہوئے یعنے خراب ہو سکتے ہیں جو چیز کہ اختلاف اور تغیر سے بھی ہو اُسکے خراب ہونے میں اور صدمے کے قبول کرنے میں اگر تعجب کیا جاوے تو البتہ کچھ جگہ تعجب کی نہیں ہے اسواسطے کہ کبھی اُسمیں صدمے نے راہ نہیں پائی تھی اور ان پانچ ستاروں کا ذکر اس مقام پر لانا اسواسطے ہے کہ آسمان کے ستارے دو قسم کے ہیں ایک قسم کو سیارہ کہتے ہیں یعنی چلنے والے وہ سات ہیں اور دوسری قسم کو ثوابت کہتے ہیں یعنی ایک جگہ پر ثابت رہنیوالے قسم اول کو یعنی سیاروں کو تعداد افلاک کے سبب سے حرکتیں مختلف لاحق ہوتی ہیں اور ثوابت کو حرکت مختلف نہیں ہے بلکہ اُنکے آسمان کی بھی حرکت بہت سست ہے اور کم دکھلائی دیتی ہے اور ثوابت کو رجوع اور استقامت اور وقوف اور انتقال سرعت سے بطوء کی طرف اور بطوء سے سرعت کی طرف لاحق نہیں ہوتا ہے اور سیاروں کو یہ سب لاحق ہوتا ہے اور سب سیاروں میں سے آفتاب اور ماہتاب کو بارہا قرآن مجید میں تغیر اور انقلاب کے مقام پر ذکر فرمایا ہے اور اکثر دونوں کے تغیرات سب خاص و عام میں مشہور ہیں علی الخصوص تغیر چاند کا کہ ہر مہینے میں گھٹنا بڑھنا اُسکا سب دیکھتے ہیں اور سورج گہن اور چندر گہن بھی سب پر ظاہر ہے تو اس مقام پر کہ اجرام آسمانی کے تغیر کا بیان کرنا منظور ہے ان پانچوں ستاروں کا ذکر کرنا کہ یہ بھی تغیر اور اختلاف رکھتے ہیں ضرور ہوا اور تامل کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ ثوابت کو آپسمیں ربط اور میل نہیں ہے اسیواسطے ہر ایک کا اُنمیں سے ایک ہی حال ہے اور ان پانچوں ستاروں کو سورج اور چاند سے اور آپسمیں بھی اُنکے ربط اور میل مختلف اور متعدد ہوتا ہے اور مصدر قوتوں متعددہ کے ہوتے ہیں اور ارتباطات عجیبہ آفتاب سے رکھتے ہیں اور ہر ارتباط میں ایک نئی تاثیر ظاہر ہوتی ہے تو یہ پانچ ستارے عالم آسمانی میں مرکبات عنصریہ کی مانند ہیں جیسے معادن اور نباتات اور حیوان اور انسان اور ان چاروں کی برزخیں اور سورج اور چاند مرکبات ناقصہ کی مانند ہیں جیسے بخار اور غبار اور دھواں اور ثوابت عنصریہ بسائط کی مانند ہیں اور تاثیر اور فعل ان پانچوں ستاروں کے بہت مشابہت رکھتی ہیں ارادے اور اختیار والوں کے فعل سے اور حرکتیں اُنکی گویا حرکت اختیاری ہیں کہ مرکب ہیں صعود اور ہبوط اور توجہ اور رجوع اور ہرب اور طلب سے پس ذکر ان پانچ ستاروں کے انقلاب اور تغیر کا قریب ہے مطلب سے کیونکہ اُنکا انقلاب ارادی ہے نہ طبیعی حاصل کلام کا یہ کہ احوال ان پانچ ستاروں کا اول دلیل ہے اجرام آسمانی کے حالات بدلنے پر اور جو اجرام آسمانی قابل تغیر اور انقلاب کے ہوئے تو انقلاب میں اجرام سفلی کے کونسا اشکال باقی رہا کہ رات دن انقلاب اور تغیر اُنکا آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اگر اس انقلاب کلّائی میں کہ موجب ایسے تغیر عظیم کا ہوگا کسی کو تردد اور شک ہو تو دوسری قسم کھائی جاتی ہے **وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ** اور قسم ہے رات کی جب اُسکی اُٹھان ہوتی ہے اور جہان کو اندھیرا کر دیتی ہے اور ایک بڑا انقلاب نمودار ہوتا ہے بازار اُجڑ جاتے ہیں چور چکاروں کا ڈر اور درندوں کا خوف پیدا ہوتا ہے رستے بند ہو جاتے ہیں اور تلاش روزی کی یک قلم موقوف اور تمام لوگ چپ چاپ مُردوں کی مانند بےحس و حرکت پڑے ہوتے ہیں اور جن و شیاطین پھیل پڑتے ہیں پس یہ ایک انقلاب ہے کہ ہر رات دن کی دوری میں زمین اور زمین والوں کو اُلٹ پلٹ کر ڈالتا ہے اگر بالفرض کوئی شخص دن ہی میں ہوشیار ہوا ہو اور اُس نے رات نہ دیکھی ہو اگر اُسکے سامنے یہ انقلاب بیان کیا جاوے تو ایسا تعجب کرے کہ کافر قیامت کا احوال سُنکے عشر عشیر بھی اُسکا نہیں کرتے اور رات کے عجائبات سے ایک یہ بات ہے کہ جو چیزیں کہ دور ہیں جیسے آسمان کے تارے اور ماہتاب اُسمیں ظاہر ہوتے ہیں اور وہ جو نزدیک کی چیزیں ہیں جیسے زمین و آسمان کے درمیان ہیں یا زمین میں چھپ جاتی ہیں اور دن کو اُسکے خلاف معلوم ہوتا ہے پس تفاوت دنیا اور آخرت کا ظاہر ہونے میں پوشیدہ چیزوں کے اور چھپ جانے میں ظاہر چیزوں کے اسی نمونہ سے ظاہر ہوتا ہے اسیواسطے بطور پورا بیان کرنے کے فرماتے ہیں **وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ** اور قسم کھاتا ہوں میں صبح کی جس وقت کہ دم بھرے کہ اُسوقت بھی ایک انقلاب عظیم ظاہر ہوتا ہے اور لوگ خواب سے بیدار ہوتے ہیں اور بازار اور مجالس آباد ہو جاتے ہیں اور مسافر بھی چل نکلتے ہیں اور ہر مخلوق تلاش معاش کے درپے ہوتی ہے اور قوائے

حق تبارک وتعالیٰ نے چار فرشتوں کو مقرر کیا ہے جبرئیل میکائیل اسرافیل عزرائیل اور اُنکے فرمانبردار فرشتے بہت سے ہیں کہ اللہ جلشانہٗ کا حکم پہلے ان چاروں کو پہنچتا ہے پھر یہ اپنے فرمانبرداروں کو حکم دیتے ہیں اور خود بھی کرتے ہیں اور جاننا چاہیئے کہ تمام عالم کے ساتھ ربوبیت رب العالمین کی بہت انواع واقسام کی ہے اور اسباب اُسکے اسقدر ہیں کہ اُسکا شمار بہت مشکل ہے آدمی کا مقدور نہیں ہے کہ بیان کر سکے کیونکہ ایک پرورش انسان میں سیکڑوں اسباب ہیں تفصیل اُسکی نہیں ہو سکتی ہے کہ گزشتا کرے

حیوانیہ میں ایک فرحت عظیم پیدا ہوتی ہے اور ہر چیز روشن اور ظاہر ہو جاتی ہے اور روشن ستارے بے نور اور پوشیدہ اور ہر طرف سے لشکر اور قافلے بہار ہوا کی مانند چلنا شروع ہوتے ہیں اور دم صبح کنایت اُسکے ظاہر کرنے سے ہے آفتاب کو کہ صبح اُسکی علامت ہے مچھلی سے کہ دریا میں تیرتی ہے ذہن میں تشبیہ دی ہے اور اُسکے انتشار نور کو قبل طلوع کے دم ماہی سے نسبت کی ہے جیسے مچھلی دریا میں آنکھوں سے پوشیدہ ہو جاتی ہے اور اُسکے سانس لینے سے پانی اُٹھتا ہے اور منتشر ہو جاتا ہے اسیطرح سے آفتاب کی حالت ہے قبل طلوع کے اور قبل روشنی پھیلنے کے اور بعضوں نے کہا ہے کہ دم صبح کنایت نسیم سے ہے کہ طلوع صبح کے قریب بہار کے دنوں میں چلتی ہے اور اس نسیم کو تشبیہ دم سے دی ہے کہ لوگوں کی فرحت و راحت کا سبب ہوتی ہے گویا کہ صبح مانند ایک مریض یا دردمند کے بھی کہ اب فرصت دم لینے کی پائی اور راحت حاصل کی غرضکہ ثابت ہونا دم کا صبح کے واسطے فارسی اور عربی شعروں میں رائج اور مشہور ہے اور عسعس کا لفظ مشترک بین الضدین ہے آنے کو بھی کہتے ہیں اور جانے کو بھی پھر اگر صبح کے مقابلے اور تنفس کی رعایت کریں تو آنے پر قیاس کیا چاہیے اور اگر مناسبت اور تلازم اُسکا منظور رکھیں تو قیاس جانے پر چاہیے کرنا اور یہ کمال اعجاز ہے کلام اللہ کا کہ اس مقام ذی وجہین میں لفظ بھی مشترک بین الضدین ارشاد ہوا لیکن تقدیر ثانی پر محض ایک انقلاب مذکور ہوگا کیونکہ جانا رات کا ابتدا ہے اس انقلاب کی اور دم لینا صبح کا اُسکی انتہا اور جو یہ انقلاب آخر کے انقلاب سے کمال مشابہت رکھتا ہے کہ نمونہ حیات کا ہے بعد موت کے اور جو ظہور چھپی چیزوں کا اُسمیں بہت ہوتا ہے تو اکتفا اسپر کمال مناسب ہے پس غرض یہاں پر یہ ہے کہ حقیقت کھلنے میں خیر و شر کی نفس انسانی پر بعد واقع ہونے بارہ انقلابوں کے ہے کہ اُن انقلابوں کی مانند دنیا میں بھی واقع ہوتے ہیں تو حاجت قسم کی اور تاکید کلام کی نہ تھی کیونکہ امکان ان انقلابوں کا دلیل عقلی سے ثابت ہے اور ہونا اُن انقلابوں کا سبب خیر و شر کی حقیقت کھلنے کا نفس انسانی پر نظر میں عقل کے بعد تامل کے ظاہر ہے اور جو مخبر صادق سات واقع ہونے ایک شے ممکن کے کہ سبب ایک خبر کا ہو خبر فرما دے تو واقع ہونے پر اس خبر کے یقین حاصل ہوتا ہے اور یہیں سے ہے کہ قسم کی حاجت نہ ہونیکے واسطے بطور تعلیل کے فرماتے ہیں **اِنَّهٗ** تحقیق یہ قرآن کہ متضمن قیامت کی خبروں کا ہے **لَقَوْلُ رَسُوْلٍ** البتہ یہ بات لائی ہوئی اللہ کے ایلچی کی ہے کہ اللہ کی طرف سے یہ پہنچائی ہے پس کذب و افترا کے احتمال کو یہاں گنجائش نہیں کیونکہ کلام الٰہی قطعی الصدق ہے یعنے بیشک سچا ہے اور اگر کسی کے دلمیں یہ شبہ کھٹکے کہ کلام بیواسطہ حضرت حق سے ہمکو نہیں پہنچتا ہمکو اُسکے مضمون پر یقین حاصل ہو بلکہ ہمارے اور حق تعالیٰ کے درمیان میں واسطے واقع ہوئے ہیں اور سند ثابت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ تم جو بیواسطہ یہ کلام اپنے پیغمبر سے سنتے ہو تو درمیان میں دو واسطوں سے زیادہ نہیں اول تو وہ شخص ہے کہ بطور ایلچی گری کے اللہ تعالیٰ کیطرف سے اُسکے پیغمبر پاس کلام لاتا ہے دوسرا پیغمبر ان دونو واسطوں کے نقصان اور عدل میں خیر دیکھ کر لو اول واسطہ جو ایلچی ہے وہ تو ان صفتوں سے موصوف ہے **كَرِيْمٍ** بڑے مرتبے والا اور عالی قدر کہ عدالت اور تقوی اُسکا نہایت کو پہنچا ہے کیونکہ بزرگی اُسکے مرتبہ کی بغیر تقوی کے ہو نہیں سکتی چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے الکرم التقوی والحسب المال اور قرآن مجید میں بھی اشارہ ہوا اسی بات کیطرف کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم پس عدالت اور تقوی تو اس راوی میں موجود ہے اب اُسکے حافظہ کی قوت کو معلوم کیا چاہیے تو دوسری صفت اُسکی یہ ہے کہ **ذِيْ قُوَّةٍ** بڑی قوت والا کہ اُسکے حفظ میں ہرگز خلل کو دخل نہیں جو کچھ کہ سنتا ہے بے گھٹتی بڑھتی کے یاد رکھتا ہے اور بسبب کامل ہونے ہر قوت کے وہ یاد رکھی ہوئی کو اپنے بے کم و زیادہ کے ادا کرتا ہے اور ہر چند منظور اس مقام پر بیان اُس ایلچی کی قوت حافظہ اور قوت بیانیہ کا ہے لیکن کمال ان دونوں قوتوں کا علی الاطلاق نہیں ہوتا اسیواسطے مطلق قوت کے ساتھ اسکو موصوف فرمایا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک روز حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہ مراد وہی ایلچی ہیں کہ ذات عالی صفات اُنکی موصوف ان صفتوں کے ساتھ ہے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمہاری قوت اور امانت کا وصف فرمایا ہے اور ثنا اور صفت کی ہے کچھ اپنی قوت اور امانت کا ہمارے سامنے بیان کرو اُنہوں نے فرمایا کہ قوت تو مجھ میں اتنی ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھکو خراب کرنے کو قوم لوط کے شہروں کے کہ چار شہر تھے بھیجا اور ایک شہر اُن شہروں میں سے کہ اُسکا نام سدوم تھا اُسمیں عورتوں اور بچوں کے سوا چار لاکھ آدمی سلح پوش تھے میں نے اُن شہروں کو ساتویں زمین کی تہ سے ایک پر کے اوپر اُٹھا کر اسقدر آسمان کے نزدیک لیگیا کہ آسمان کے رہنیوالے اُن شہروں کے مرغوں اور کتوں کی آواز سنتے تھے پھر اُن سب شہروں کو اُسی غار میں اوندھا ڈال دیا اور

مجھ کو کچھ تکلیف اور بوجھ معلوم نہوا اور امانتداری میری اس درجہ کو ہے کہ مجھ کو کبھی کسی کام کو نہیں فرمایا کہ پھر گھنٹی بجتی کے آسکو بجا نہیں لایا اور کوئی
بھید مجھ سے نہیں فرمایا کہ میں نے اپنے سینے میں آسکو پوشیدہ نہیں رکھا پس ذکر کرنے سے ان دو وصفوں کے دو شرطیں روایت کی کہ عدالت اور
قوت حفظ ہے ثابت ہو چکیں اب بطور علاوے کے کئی صفتیں دوسری بھی ذکر فرماتے ہیں کہ پرکھنے والے سند اور روایت کے علم کے ان صفتوں کو بھی مقام
میں ترجیح اور کمال تصحیح کے اعتبار کرتے ہیں انہیں سے ایک یہ بھی ہے کہ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ یعنے وہ ایلچی تخت والے کے نزدیک رودار
عالی مکان ہے اور ظاہر ہے کہ جو روشناسوں کو حضور کے کہ ہمیشہ دربار میں حاضر رہتے ہیں ایلچی گری پر بھیجتے ہیں تو اعتماد اس چیز پر زیادہ تر متحقق ہوتا ہے
اس سے کہ زبان سے ہرکارے کے یا کسی عہدے کی معرفت وہ پیغام بھیجا جاوے دو جہت سے اول تو یہ کہ وہ رودار بلا واسطہ بادشاہ کا کلام سنتا ہے اور احتمال
اسباب کا کہ اس کلام میں کسی نے کمتی زیادتی کی ہوگی نہیں رہتا دوسرے یہ کہ وہ رودار عالی مرتبہ اپنے منصب اور مرتبے کی محافظت کے واسطے سرکاری پیغام
پہنچانے میں کمال احتیاط کرتا ہے اسیواسطے بخاری اور مسلم شاگردوں سے امام مالک اور دوسری حدیث کے اماموں کے ان لوگوں کو کہ استاد کے پاس بیٹھے تھے
اور صحبت دائمی سے ان استادوں کی مشہور و معروف تھے اور استادوں کے نزدیک قدر اور منزلت پیدا کی تھی روایت میں مرجح اور مقدم کرتے ہیں اور روایت
کے اضطراب اور اختلاف کے وقت انکی روایتوں کو سند پکڑتے ہیں اور دنیاداروں کے عرف میں بھی جو پیغام حضور بادشاہی سے امیر یا وزیر کے واسطے سے پہنچتا
ہے وہ زیادہ تر معتبر ہوتا ہے اس سے کہ کسی خواص یا دربان باری دار کے واسطے سے پہنچے اور انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ
وہ ایلچی سب کا مانا اس عالم میں کہ مملکت الہی کے دربار کی کسوٹی ہے اور امانتدار بوجھا گیا ہے اس دربار کے ارکانوں میں کہ بے پوچھے اور دریافت کئے
فقط اسکے کہنے پر عمل کرتے ہیں اور رسالت اسکی اسقدر ذہنوں میں اس دربار والوں کے اور اس سرکار کے متوسلوں کے جم گئی ہے کہ اسکے حکم کو بے پوچھے
اور تحقیق کئے حکم الہی جانکر فرمانبرداری میں اسکی دوڑتے ہیں چنانچہ جب آنحضرت صلعم کو معراج کی رات اپنے ساتھ لیکر گئے تو آسمانوں کے دربانوں نے
اور بہشت اور دوزخ کے خازنوں نے انکے حکم سے دروازے کھول دیے اور آنحضرت صلعم جہاں چاہتے تھے سیر کرتے تھے چنانچہ معراج کی حدیثوں میں اسکا مفصل
بیان ہے اور ہمیشہ احکام الہی ساتوں آسمان والوں کو پہنچانا انہیں کا کام ہے گویا حضرت جبرئیل سب فرشتوں سے اس صفت میں کہ اللہ تعالی کا پیغام
پہنچانا ہے ممتاز اور مشہور ہیں اور تمام قسموں میں فرشتوں کی انکا آنا علامت ہے اللہ تعالی کی طرف سے پیغام لانے کی پھر جسوقت کہ راوی اس درجہ کو
ثقہ ہو کہ تمام ثقات پیغام کو اسکے قبول کرتے ہیں اور اس سے سند نہیں مانگتے پھر احتمال کذب اور افترا کا اسکی خبر میں کرنا سوائے مالیخولیا کے کچھ اور نہیں اور
دوسرا واسطہ کہ تمہارا پیغمبر ہے وہ بھی ایک شخص ہے کہ چالیس برس سے زیادہ ہوئے کہ تمہارا ہم صحبت ہے اور کبھی دروغ اور کذب پر اسکے کیا خلوت اور کیا جلوت
کیا غرض کیا بیعوض مطلع نہیں ہوئے ہو پھر ایسے شخص کو خبر اور روایت میں معتبر نہ جاننا خلاف عقل کے ہے مگر یہ کہ وہ شخص خفقانی یا سودائی ہو کہ
بسبب فساد حواس و روح کے صورتیں عجیب بے اصل اسکے خیال میں گزرتی ہیں اور آواز عجیب غریب سنتا ہے اور جو اسکے خیال میں آتا ہے اسکو ہونیوالا
سمجھتا ہے وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ اور نہیں ہے یہ ہمنشین تمہارا سودائی اور خیالی کہ اس احتمال کو اسکی خبر میں دخل ہو کیونکہ
اتنی صحبت دراز میں کمال اسکی عقل اور دانائی کا دمبدم اور ساعت بساعت تجربہ کر چکے ہو اور صحت اسکے خیال اور مدرکے کے معلوم کر چکے ہو کہ
تمام عقلا سے بالاتر ہے اور اگر باوجود ان سب باتوں کے تمہارے دلمیں شبہ گزرے کہ یہ پیغمبر ایک صورت کو دیکھتا ہے اور اس صورت کی زبان سے
کلام الہی سنتا ہے مگر ہمکو کیونکر معلوم ہو کہ یہ صورت حضرت جبرئیل ع ہی کی ہے شاید کہ انکو کسی جن یا شیطان نے یہ صورت بناکر فریب دیا ہو یا آواز
کیا ہو کہ پیغمبر نے اسکو جبرئیل کی آواز سمجھی ہو یہ وہم کہتے ہیں کہ یہ سب شبہے تمہارے اسوقت پیش جاتے کہ اس پیغمبر نے کبھی حضرت جبرئیل ع کو اپنی صورت
اصلی پر نہ دیکھا ہوتا وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ اور بتحقیق دیکھا ہے اس پیغمبر نے اس ایلچی کو اپنی صورت اصلی پر کھلے کنارے آسمان کے
یعنے افق شرقی میں اور بسبب ہونے آفتاب کے اس طرف اصلا احتمال شک اور شبہے کا نہیں رہا تھا اور جو حقیقت چیز کی ایکبار دیکھ لی اور پہچان لی
پھر پہچاننا اس حقیقت کا ہر صورت اور ہر لباس میں آسان ہوتا ہے جیسے کوئی اولا پانی کو دریا میں دیکھے پھر اگر اس پانی کو پیالے یا آبخورے میں

چیز کو پہچان کر کھاوے اگر یہ قوت اسکو بچہ نے کی نہ دی ہوتی تو پتھر کو بھی منہ میں ڈال جاتا اور آگ کو بھی کھانے پہنچتا غرض کوئی چیز نفع کرنیوالی اور ضرر پہنچانیوالی کو پہچان سے نہ پہچان سکتا اور دوسری قوت سونگھنے کی دی ہے تاکہ جیسی بری چیز ہو اسکو سونگھ لے اور نہ کھاوے اگر یہ قوت نہ دی ہوتی تو مشک اور بو گوہ اسکے نزدیک برابر ہوتی پھر تیسری قوت دیکھنے کی دی ہے تاکہ خوشرنگ چیز کو دیکھکر مسرور ہووے اور خواہش کرے اور اچھی اچھی چیزوں کو کھاوے اور بری بری چیزوں سے نفرت کرے اگر یہ قوت نہ دی ہوتی تو

اُسکے سامنے لاویں تو وہ فی الفور پہچان لیگا کہ یہ وہی پالی ہے اور اسیطرح سے آنحضرت صلعم کا دیکھنا حضرت جبرئیل ع کو صورت اصلیہ پر موجب کھلنے
حقیقت جبرئیلیہ کا ہوا تھا کہ بعد اُسکے ہر صورت اور لباس میں اُنکو پہچان لیتے تھے **شعر** تو خواہی جامہ و خواہی قبا پوش بہ ہر رنگے کہ آمی من شناسم
اِلّا ایکبار کہ اعرابی کی صورت پر سوال کرنے کو دین کے مسائل کے آئے تھے اور بھید اس بار کے نہ پہچاننے میں یہ تھا کہ اُسوقت وہ اپنی حقیقت سے کہ
رسالت اللہ تعالیٰ کی لازم ہے اس حقیقت کو تنزل فرما کے اپنے کو سائل کی صورت سے نمودار کیا تھا اور مقدمۂ وحی اور احکام الٰہی کا نہ تھا کہ پہچان جبرئیلیہ
ضرور ہوتی اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ میں نے جبرئیل کو کبھی اُنکی اصلی صورت پر نہیں دیکھا مگر دوبار زمانے میں شروع وحی کے کہ بیتاب ہوکر چاہتا
تھا میں کہ اپنے کو پہاڑ پر سے گرا دوں اس ارادے سے موضع اجیاد میں کہ ایک مکان ہے مکہ معظمہ میں گذرا میں اُسوقت جبرئیل ع کو دیکھا میں نے کہ ایک
سونے کی جھلکی ہوئی کرسی پر زمین و آسمان کے درمیان میں مشرق کی طرف بیٹھے ہیں اور جسم نے اُنکے تمام کناروں کو آسمان کے گھیر لیا ہے اور اُنکے
چھ سو پر ہیں اور اُنکے پر سب یاقوت اور موتیوں سے بنے ہوئے ہیں پس ایک عجیب نورانی شکل دیکھی میں نے اور دوسری بار شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ
کے پاس بھی اسی صورت سے دیکھا اور قرآن مجید میں اول میں سورۂ والنجم کے ان دونوں بار کا مذکور فرمایا ہے مگر یہ کہ وہاں پر ذکر میں پہلی بار کے دیکھنے
کو بالافق الاعلیٰ مذکور فرمایا ہے اور یہاں پر بالافق المبین اور نکتہ تغیر میں اس عبارت کے اُسلوب کے یہ ہے کہ اس سورے میں بیان صدق مخبر
کی خبر کا اور واضح ہونا اُسکے مضمون کا منظور ہے پس مبین کا لفظ مناسب پڑا اور اُس سورے میں بیان پیغمبر کے علو رتبت کا اور چڑھنا اُنکا آسمان
کے طبقوں پر منظور ہے تو اعلیٰ کا لفظ نہایت چسپاں ہوا اور یہ بات بھی ہے کہ ابتدا اُنکی استوا کا کہ کنایت حقیقت جبرئیلی کی تجلی سے ایک صورت
میں ہے کہ مقتضا اُس حقیقت کا افق اعلیٰ میں تھا اور انتہا اس صورت کی قرب اور نزدیکی کا افق مبین میں ہے اور بعضے ارباب شہود نے کہا ہے
کہ عالم مثال کے دو کنارے ہیں اُفق اعلیٰ اُسکا متصل عالم تجرد اور تقدس کے ہے اور اُفق ادنیٰ اُسکا ملا ہوا عالم شہادت سے پس حقیقت جبرئیلی نے
جو چاہا کہ اپنی صورت کو مناسب کمال اس حقیقت کے جلوہ دے تو اول افق اعلیٰ میں لباس شکل و جسم مثالی کا پہنا اور آہستہ آہستہ نزدیک ہوئے
یہانتک کہ اتصال تام آنحضرت صلعم سے فرمایا اور مراد افق مبین سے کہ ظاہر کرنیوالی اس حقیقت اور معنی کی تھی وہی نیچے کے جانب عالم مثال کی ہے
نہ افق آسمان کا پس فقط واسطے تشبیہ کے اسکو افق سے تعبیر فرمائی ہے کیونکہ غیب کے عالم اکثر نظر میں اہل کشف و شہود کے دائروں کی صورت پر نمودار
ہوتے ہیں اور نظم قرآنی بھی سورۂ نجم میں مددگار اسی تقریر کا ہے پھر جب تمام وہمیں قرآن نازل ہونیکے اشتباہ کی سبب رہے سے زائل ہوگئیں تو بس اُسکے خبر
میں احتمال کذب کا نہ رہا مگر یہ کہ بعضے کافر بطور شبہ کے اس کلام کو بطور کاہنوں کی باتوں کے جانتے تھے اور آنحضرت صلعم کو کاہن کہتے تھے اور حقیقت کاہن
کی یہ ہے کہ بعضے انسانوں کو بعضے شیطانوں سے مناسبت حاصل ہوجاتی ہے اور وہ نفوس شیطانی مجلسوں سے ملائکہ کی کہ تدبیریں آئندہ کے کاموں
کی اُن مجلسوں میں مذکور ہوتی ہیں چوری سے کچھ اُنہیں سے سنکر اپنے دوست سے بیان کردیتے ہیں پھر وہ شخص اسبات کو لوگوں میں کہتا ہے اور کبھی
کبھی وہ برابر بھی پڑجاتی ہے اور یہ معاملہ شیطانی انسانوں کے ساتھ قبل پیدا ہونے آنحضرت صلعم کے بہت مروج تھا اور کئی آدمی اسبات میں مشہور
گذرے ہیں جیسے شق اور سطیح کہ عجائب عجائب قصے اُنکی اخبار بالغیب میں مشہور مذکور ہیں اور دوسری دو آیتوں میں بھی اسی شبہے کو دفع فرمایا
ہے اور تقریر اس شبہ کے دفع ہونے کی یہ ہے کہ علم کاہن کا کافی اور گھیرنیوالا غیب کے اقساموں کو نہیں ہوتا یہانتک کہ اگر اس سے نام اور صفتیں
اللہ تعالیٰ کی یا احکام شرعیہ کو کہ عالم غیب میں مقرر ہیں یا حقیقت اور بطلان اہل مذاہب اور ملتوں کا یا احوال بہشت اور دوزخ کا یا وہ جو ارواح
کو بعد موت کے پیش آتا ہے اور مانند ان علموں کے پوچھیں تو گونگے اور لاجواب رہجاویں بلکہ تواریخ بادشاہوں اور اگلے لوگوں کی بھی نہیں جانتے
کیونکہ اُنکے علم کی جڑ تو ملائکہ کی باتوں میں سے کچھ چوری سے سن آتا ہے کہ تدبیریں آگے ہونیوالے کاموں کی کرتے ہیں اور بس سو علم اسکا فقط بیان کرنا
قریب ہونیوالی باتوں کا کہ ملایکہ کو اُنپر اطلاع دی ہے اور اُسکی تدبیر اور جاری کرنے کا حکم فرمایا ہے اور جو حاصل کرنا اس علم کا چوری سے ہے اسواسطے
اُنکی خبر میں پورا پورا بیان اِس واقعے کا نہیں ہوتا بلکہ بطور رمز و اشارے کے ایک دو کلمے کہ دلالت اصل پر اُس واقعے کی کریں بطور اجمال کے

کچھ انکے ہاتھ لگ جاتے ہیں پھر اپنی طرف سے بھی کچھ کچھ اسباب میں مشاقی اور قیاس عقلی سے بڑھا دیتے ہیں تو کبھی وہ بات خارج میں موافق انکے قیاس کے ہوجاتی ہے اور کبھی دوسری طرح سے ظہور میں آتی ہے پس کاہن کا علم غیب کی باتوں میں مزواشارہ سے زیادہ نہیں ہوتا سو وہ بھی مخصوص جزئیات عالم کے احوال میں ہے جو قریب ہونیوالے ہوتے ہیں اور یہ قرآن گھیر لینے والا ہے تمام فنون کو علم غیب کے اور بیان بھی وسیع رکھتا ہے کہ ہدایت اور ارشاد میں کافی ہے **وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ** اور نہیں ہے یہ قرآن علم غیب بیان کرنے میں بخیل اور قصور کرنیوالا جو کچھ کہ آدمی کو واسطے معاش و معاد کے علم و عمل سے چاہیے اسمیں موجود ہے پس حق میں ایسے کلام کے کہ سراسر ارشاد ہے گمان کہانت کا لیجانا وہی زربافت اور بوریا بافت کا قصہ ہے اور یہ بھی ہے کہ جو کچھ کہ کاہن کی زبان سے نکلتا ہے وہ سخن شیطان کا ہوتا ہے کہ فرشتوں کی مجلس سے چرا لاتا ہے **وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ** اور نہیں ہے یہ قرآن بات شیطان کھدیڑے گئے کی کیونکہ شیطان بے تعظیمی کرنے سے آدم علیہ السلام کی راندہ گیا تو اسکو آدم ع سے کمال عداوت پیدا ہوئی اور جناب الہی سے بھی بغض اور دشمنی پیدا کی پس ہر بات میں اسکی ایک تہ آدمیوں کی دشمنی کی پوشیدہ ہوتی ہے اسکو ہدایت اور ارشاد اور امر و نہی سے انکی کیا مناسبت اسکا کام تو بہکانا اور گمراہ کرنا ہے اسکو توحید سے اور ذکر کرنے ناموں اور صفتوں سے باری تعالیٰ کے اور ذکر سے بہشت اور دوزخ کے اور ثابت کرنے سے آخرت کے عالم کے اور بدگوئی سے بتوں کی اور کفار کی اور خباثت بیان کرنے سے شہوت اور غضب کے کاموں کی اور خوبی بیان کرنے سے ریاضت اور مشقت کے عملوں کی اور تعریف سے انبیا اور صلحا کی اور بدانجامی سے فرعونوں اور بدکاروں کی کیا غرض کہ یہ کام تو اس ملعون کے خاشاک چشم اور جگر کا کانٹا ہیں اور اسکے مکر و فریب کے بازار کو درہم برہم کرنیوالے ہیں خصوصاً ڈرانا شیطان کے مکر کے فریب کھانے سے اور اسکی دشمنی کا بیان آدم کی اولاد سے اور ہجو اور مذمت اسکے بعداروں کی اور برائی ان کاموں کی جو اسکو پسند ہیں کیا امکان کہ اسکی زبان سے نکلیں بلکہ شیطان ایسی باتوں سے کانوں میں انگلیاں دیکے بھاگتا ہے مصرع دیو بگریزد ازاں قوم کہ قرآن خوانند۔ اب ایسے کلام ہدایت فرجام کو شیطان کا کلام سمجھنا کمال حماقت اور بیوقوفی ہے چنانچہ کافروں کو انکے اس گمان فاسد پر بطور خفگی اور گھرکی کے فرماتے ہیں **فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ** پھر کدھر کو جاتے ہو اور کن خیالوں میں سرگردان ہوتے ہو امر واقعی کو چھوڑ کر ایسے احتمالوں پر کہ جن کا ہونا ہرگز ممکن نہیں اور لڑکے بھی اسپر ہنستے ہیں فریب کھاتے ہو گویا کہ گھر کی راہ بھولکر کنوئیں میں گرتے ہو اور یہاں پر سمجھ لیا کہ اکثر قرا معتبر نے **وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ** کو بدلے ضاد نقطہ دار کے کہ ہمشکل صاد کا ہے ظ نقطہ دار سے کہ ہم صورت ط کے ہے پڑھا ہے اور معنی ظنین کے جو ظا کے ساتھ ہے متہم کے ہیں اور اس صورت میں ضمیر ہو کی صاحب کی طرف راجع ہوگی کہ مراد پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہے یعنی نہیں ہے تمہارا پیغمبر غیب کی بات پر متہم کہ تم یوں کہدو کہ میں نے دیکھی ہے کیونکہ چھوٹی چھوٹی اور آسان آسان باتوں میں تو اسکو جھوٹا نہیں جانتے ہو پھر ایسے امر عظیم میں کیسے اسکو جھوٹا جانتے ہو اور تہمت لگاتے ہو پس یہ شبہ بھی زائل ہوا کہ شاید کہ پیغمبر جبرئیل کی صورت اصلی پر دیکھنے کے دعوے میں دروغگو ہو اور فرق مخرج میں ضاد اور ظا کے بہت مشکل ہے اکثر اس ملک کے پڑھنے والے دونوں کو ایکسان نکالتے ہیں نہ مقام پر ضاد کے ضاد ہوتا ہے نہ مقام پر ظ کے ظا ان دونوں کا مخرج پہچاننا پڑھنے والے کو بہت ضرور ہے پس مخرج ضاد کا زبان کے کنارے کی جڑ ہے امداد سے دانتوں کی کہ اسکو اضراس کہتے ہیں خواہ سیدھی طرف سے لیں خواہ الٹی طرف سے اور نکالنا اس حرف کا اکثر لوگوں پر بائیں طرف سے آسان ہوتا ہے اسیواسطے اکثر اسیطرف سے نکالتے ہیں اور مخرج ظا کا کنارے سے زبان کے ہے مدد سے اگلے دانتوں کی جڑوں کے اوپر کی جانب سے کہ انکو ثنایائے علیا کہتے ہیں مانند دال اور تا کے اور یہ بھی سمجھ لیا چاہیے کہ اکثر مفسرین نے ان قسموں کو مضمون انہ لقول رسول کریم کے قرار دیا ہے اور مقسم علیہ اسی مضمون کو ٹھہرایا ہے لیکن تعقیب میں ان قسموں کی کہ مدلول حرف فا کی ہیں فلا اقسم میں ایک پوشیدگی ہے اپنے سابق پر اور سیکے کہنا کہ جو انکشاف جزائے اعمال کا قیامت کے دن بارہ اسباب پر معلق رکھا ہے تو معلوم ہوا کہ قبل واقع ہونے واقعہ کے تدبیر اسکی کیا چاہیے اور یہ تدبیر بغیر ظاہر کرنے جناب الٰہی کے ممکن نہیں کہ دریافت ہو اور ظاہر کرنا

حقتعالی کا نہیں ہے ما وحی سے اور قرآن بھیجنے سے پس صحت پر قرآن کے مضامین کے قسم کھانا ضرور ہوا تاکہ مکلفین موافق اُسکے عمل کریں اور
قیامت کے دن ندامت اور حسرت نہ کھینچیں آب آئے ہم اسبات پر کہ ان قسموں کو اس مضمون سے کیا مناسبت اور کونسی دلالت ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ رجوع
اور استقامت اور اقامت اِن پانچوں ستاروں کی نمونہ ہے وحی کے بار بار آنے کا اگلی انبیاؤں پر اور باقی رہنا اس وحی کی نشانیوں کا اُنکے
اُمتوں پر ایک مدت دراز تک پھر منقطع ہوجانا اُن نشانیوں کا بعد ایک مدت کے اور رجوع ہونا اس علم کا طرف پوشیدگی کے اور آثارات کا نمونہ اسوقت
کا ہے کہ قبل پیدا ہونے خاتم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جہان میں تھا کہ کسی شخص کو تمیز حق و باطل کی نہ رہی تھی اور نشانیاں وحی کی بالکل
مٹ گئی تھیں اور دم بھرنا صبح کا مانند نزول قرآن کے اور پیدا ہونے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہے کہ ہر چیز کو دن کی مانند روشن کردیا کہ
کسی طرح کا شک و شبہ باقی نہ رہا گویا کہ اگلے انبیاؤں کا نور ستاروں کا سا تھا اور یہ نور جیسے آفتاب درخشاں ولنعم ما قیل فانہ شمس فضلھم کواکبھا
یظھرن انوارھا للناس فی الظلم + حتی اذا طلعت فی الکون عم ھدا + ھا العالمین واحیت سائر الامم + اور جو بیان سے اِس
کلام اعجاز نظام کے صدق کے اور باطل کرنے سے مخالفوں کے بہتانوں کے فارغ ہوئے تو اب بطور حصر کے تھوڑی سی خوبیاں اس کلام کی بیان
فرماتے ہیں کہ اُسکے حق میں اس قسم کے احتمالوں کی گنجایش نہیں **اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ** نہیں ہے یہ قرآن مگر ایک نصیحت کہ بسبب شامل
ہونیکے اسما اور صفات الٰہی کو حکم ذکر اور درود کا پیدا کیا ہے کہ وسیلہ تقرب اور وصول الی اللہ کا ہو سکتا ہے **لِّلْعٰلَمِيْنَ** جہان کے لوگونکو
مراد انسان اور جن اور فرشتے ہیں کیونکہ پند و ذکر کو سوائے ان تین فرقوں کے کوئی نہیں جانتا آدمی اور جن اس کلام سے نصیحت بھی پکڑتے ہیں
اور گناہوں سے بھی بچتے ہیں اور طاعت پر رغبت کرتے ہیں اور اُسکی تلاوت سے قرب معنوی اپنے خاوند حقیقی سے پیدا کرتے ہیں اور فرشتے بھی اُسکی تلاوت
سے اُنس رکھتے ہیں اور دور دور سے اُسکے سننے کو آتے ہیں اور اُسکے حرف و کلموں کی خدمت کرتے ہیں اور آسمان پر لیجاتے ہیں اور مقبولیت کے
مقام پر پہنچاتے ہیں اور یہ سب باتیں عند اللہ موجب اُنکی قرب کی زیادتی ہوتی ہیں لیکن حاصل ہونا ان فائدوں کا قرآن سے خاص ہے
لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ اس شخص کے واسطے کہ تم میں سے جو سیدھا چلتا ہے کیونکہ کجروی قرآن کے معنی سمجھنے
میں زیادہ تر موجب سخت ہونے دل کا اور دور ہونے کا نصیحت سے اور بُعد اور حجاب اور سرکشی کا خاوند حقیقی سے ہوتی ہے پس قرآن کی مثال
غذائے لطیف کی مانند ہے کہ بدن صالح میں موجب زیادہ ہونے قوت کا اور کمال صحت کا ہوتی ہے اور نقصان والے بدن میں سبب مرض کا ہونیکا
اور ضعف کا ہوتی ہے چنانچہ دوسری جاے پر فرمایا ہے فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا اور یہ بھی فرمایا ہے واما الذین فی
قلوبھم مرض فزادتھم رجسا الی رجسھم اور اسیواسطے محققوں نے کہا ہے کہ قرآن مجید اور نور پیغمبر کا اور صحبت اولیا کی اور وعظ و
نصیحت علما کی یہ سب مانند غذا کے ہے حفظ مذاہب کی تکمیل کے واسطے اور وہ جو جہل و گمراہی کے مرض کی دوا کی مانند ہے وہ اور چیز ہے ان چیزوں
کے سوا اور اگر یہ چیزیں دوا کی مانند ہوتیں تو کوئی شخص عالم میں گمراہی کے مرض میں گرفتار نہ رہتا اور سب اچھے ہوجاتے اب ارشاد اُس چیز کی
طرف فرماتے ہیں کہ وہ چیز اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے کسی کو اسمیں دخل نہیں **وَمَا تَشَآءُوْنَ** اور نہیں چاہتے تم سیدھے چلنے کو علم و عمل میں
اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ مگر جب اللہ چاہے کیونکہ تم اُسکے قبضۂ قدرت میں مجبور ہو اور تمہارا ارادہ اُسکے ارادہ کے تابع ہے جیسے بازیگر کے
پتلے کہ بازیگر کے ہاتھ میں ہوتے ہیں لیکن اتنا فرق ہے کہ اللہ تعالی اپنے ارادہ سے تمہارے اندر ارادہ اور اختیار پیدا کرتا ہے اور تم موافق اس
ارادہ اور اختیار کے نیک و بد کام عمل میں لاتے ہو اور مستحق ثواب و عقاب کے ہوتے ہو اور بازیگر کو قوت پیدا کرنے ارادے اور اختیار کی پتلیوں میں
ممکن نہیں فقط حرکت دے سکتا ہے اسیواسطے پتلیوں کے کام بازیگر کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور خوبی اور بُرائی کی نسبت پتلیوں کو کوئی نہیں
کرتا بلکہ بازیگر کی طرف کرتے ہیں برخلاف آدمیوں کے کہ جو اپنے ارادے اور اختیار سے کام کرتے ہیں تو مورد بُرائی اور تعریف اور ثواب و عقاب کے ہوتے
ہیں اسیواسطے عقلا نے کہا ہے کہ واسطہ ہونا مختار کا درمیان میں فعل اور سبب کے علاقہ کو اُس فعل کے اِس سبب سے قطع کردیتا ہے چنانچہ تدبیرات دنیوی

میں خطا اور صواب کو مشورت کرنیوالوں کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ خطا اور صواب کے کرنیوالے کی طرف بھلائی اور برائی کی نسبت کرتے ہیں اور
اسی طرح سے سب کاموں میں قاعدہ جاری ہے اور باوجود تخصیص مشیت کے ہدایت ساتھ بعض افراد کے اور عام ربوبیت اُس ذات پاک کے سب
جہان والوں سے بحال اور برقرار ہے کیونکہ وصف اُسکا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ہے یعنے پالنے والا سارے عالموں کا ہے پس رضامندی اُسکی اُسکی
تابعداری میں ہے اور غضب اُسکا اُسکی نافرمانی میں تاکہ ربط عالموں کا آپسمیں برہم نہو جاوے اور اگر گنہگاروں سے بھی عابدوں کی طرح سے
راضی ہوتا اور اُنپر غصہ نفرماتا تو عالم قہر و سیاست اور حکمت اور عدالت کا کہ دوزخ اور اُسکے طبقے کہ نشانیاں اُسی قہر و سیاست کی ہیں بیکار
رہجاتے اور اگر اہل طاعت کو نوازش اور کرم سے تخصیص نکرتا اور نعمتیں بہشت کی اُنکو عنایت نفرماتا تو عالم اُسکے لطف و قدردانی کا کہ بہشت
اور اُسکے درجات اور حور و غلمان کہ آثار سے اِس عالم کے ہیں بیکار و معطل ہوجاتا +

سُورَةُ الانفطار

یہ سورت مکی ہے اسمیں اُنیس آیتیں اور تین سو اُنتیس حرف ہیں اور ربط اس سورے کا سورۂ اذا الشمس کورت سے اِسقدر ظاہر اور کھلا ہے کہ بیان کی
کچھ حاجت نہیں ہے بلا تشبیہ اس سورے کو دوسرا مصرع اس سورہ کا کہا چاہیئے اور ایک جان و قالب بلکہ ان دونوں سورتوں میں جدائی کی وجہ کا بیان
کرنا ضرور ہے کہ باوجود یکساں ہونے مضمون اِن دونو سورتوں کے علیحدہ علیحدہ کیوں نازل کیا سو اُسکی وجہ یہ ہے کہ اِن دونو سورتوں میں قیامت کے شروع حادثوں کا بیان
کرنا منظور ہے کہ کس طرح سے یہ دنیا کا عالم خراب ہوکر دوسرا عالم بنیگا اور اُس عالم میں سمجھ بوجھ انسان کی مرتبۂ کمال کو پہنچیگی اور قوت عملیہ اُسکی قوت
خیالیہ کے اور اجتماع اسباب کے زور سے حکم قدرت رب العالمین کا پیدا کریگی کہ ایک آن کن فیکون میں درستی تمام کاموں کی کردیتا ہے اور خلافت
انسان کے معنی اُسدن بالکل کھل جاوینگے لیکن اتنا فرق ہے کہ اس سورت میں مجمل اصول عالم کی خرابی کا بیان فرمایا ہے اور اُس سورت
تفصیل سے خرابی اصول و فروع اس عالم کی اور بنانا اس عالم کے دونوں مکانوں کا کہ بہشت اور دوزخ ہیں ارشاد فرمایا ہے اور اس سورت
میں انسان کے احاطۂ علمی کے بیان پر کفایت کی ہے کہ کیا کیا کام دنیا میں اس سے ہوا ہے اور کیا کیا کام نہیں ہوا اور اُس سورت میں اُس
چیز کے احاطۂ علمی کا بیان ہے جو اُسکے وقت پر کام آوے جیسے زندگانی جو وصدایہ ملی ہوئی ہے اور کرنا کام کا اور چھوڑنا اُسکا کہ اُسکے جوہر نفس کو
لازم ہوگا منظور رکھا ہے اور اس سورت میں بھی اس بیان سے مجازات ثابت کرنے کی طرف اور اُسکے منکروں کے اعتقاد کو رد کرنے کی طرف
انتقال فرمایا ہے اور اس سورت میں اسی بیان سے طرف ثابت کرنے رسالت اور نازل کرنے قرآن اور اُسکے منکروں کے رد کی طرف انتقال
فرمایا ہے انھیں اختلافوں کے سبب سے اِن دونوں سورتوں کو جدا جدا نازل فرمایا اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب چاہتے ہیں کہ ایک عالم کو
خراب کریں اور اُسکے اسباب سے اِسی قسم کا دوسرا عالم بناویں تو بالضرور پہلے اُس عالم کی جڑ بنیاد کو کھودتے ہیں اور اُسکے اسباب کو کمی زیادتی
کرکے دوسری جگہ پر لیجاتے ہیں اور اُسکی شکل و صورت میں بھی تصرف کرتے ہیں تاکہ وہ اسباب اول جس شکل پر تھا دوسرے اسباب سے ملکر ایک شکل دیگر
جو اس عالم کے مناسب ہو پیدا کرے اور جو جو کام کہ اُس عالم میں کرنا منظور ہیں اس نئی صورت سے سرانجام پاویں جیسے کہ جب کسی حویلی کو باغ بناتے
ہیں یا باغ کو مقبرہ یا خالی زمین پر حویلی یا بڑی زمین پر کھیتی کیا چاہتے ہیں تو اسی قسم کا معاملہ کرتے ہیں اور دنیا کا عالم نوع انسانی کی نسبت
سے ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے بلکہ صرف اُسکے کمال کے حاصل کرنے کو اس جگہ میں اُسکو لائے ہیں تاکہ اپنے تئیں کامل کرکے حق تعالیٰ کی خلافت
کی لیاقت پیدا کرے اور دوسرے عالم کو نہایت کشادگی علم و عمل سے آباد کرے اور وہاں ہمیشہ رہا کرے تو دنیا میں آدمی کو پہلے دو چیز سے ملا ہوا
پیدا کیا ہے ایک تو روح کہ آسمانی ہے اور دوسری جسم کہ زمینی ہے اسیواسطے اُسکے جسم کی غذا ہمیشہ زمین سے پہنچتی ہے اور اُسکی روح کی غذا
ہمیشہ آسمان سے اُترتی ہے اور واسطے خوگر ہونے کاروبار خلافت کے وہ دونوں آسمان و زمین کی چیزوں میں اُسکو تصرف دیا ہے تاکہ جمع اور لیف کا

سلیقہ پیدا کرے اور لایق خلافت کبریٰ کے ہو اور یہی وجہ ہے کہ آدمی تمام مخلوقات کو خواہ کسی چیز ہو یا پتھر گھاس کی قسم سے ہو یا درخت چشمہ ہو یا نہر جانور چلنے والا ہو یا اُڑنیوالا سب کو اپنے کام میں لاتا ہے اور ہمیشہ اُنکی جمع اور تالیف میں مشغول رہتا ہے اور عجیب غریب صناعتیں اور کاریگریاں نئے نئے قسم کے کھانے اور پوشاک اور سواری اور گھر میں ایجاد کیا کرتا ہے۔ اور جناب خالق الاصول والفروع کے ساتھ بنانے میں صورت کے مادہ سے اور ایجاد کرنے میں نئی نئی طرح کی چیزوں کے جو کئی کئی طرح کے حکم اور خواص رکھتی ہیں مشابہت پیدا کرتا ہے اور اسیطرح آسمانی مخلوقات سے کہ ستارے ہیں ثوابت ہوں یا سیارے اور فرشتے جو بڑے مرتبے رکھتے ہیں اکثر کو اُنمیں سے اپنے کام میں لاتا ہے اور اس عالم آسمانی کی تسخیر کے طریقے کو باوجود اس بلندی اور دوری کے جانتا ہے لیکن بعضے آدمی کو اس کام میں بڑا نقصان لاحق ہوتا ہے کہ بسبب اس تصرف بیجا کے خلافت کے مرتبے سے بلکہ بندگی کے رتبے سے بھی گر پڑتا ہے اور جو کرنا چاہئے نہیں کرتا ہے اور جو نہ چاہئے وہ کرتا ہے اور مستحق سزا اور عذاب کا ہوتا ہے اسیواسطے دار الجزا آخرت کو مقرر فرمایا ہے کہ وہاں فرق اور امتیاز دونوں فرقوں نیک و بد میں کیا جائے اور خلافت کبریٰ کی لیاقت جو نیکوں نے حاصل کی ہے کشادگی اور ہمیشگی سے ظہور کرے اور سرکشی اور نافرمانی اور دوری مرضیات خداوند حقیقی سے جو بدوں کو نصیب ہوئی ہے وہ بھی موافق اپنے اپنے عملوں کے رنج و عذاب میں ہمیشگی کے گرفتار ہووین پس اس کام کے واسطے دار الآخرت میں ضرور ہوا کہ تمام جسموں اور روحوں کو اس مخلوق کا یعنی انسان کا خادم اور تابعدار کردیں سو اسواسطے کہ بنیاد اس مخلوق کی نہایت ضعیف ہے طاقت دوام اور ہمیشگی کی نہیں رکھتی اور روح بھی اسکی ضعیف ہے بڑے کام ہمیشگی کے اس سے ہونا ممکن نہیں سو اسواسطے ایسا قرار پایا ہے کہ آسمانی ارواح جیسے سب اسکی روحوں کی مددگاری کریں اور عقلی اور خیالی قوتیں اُسکی عقلی اور خیالی اُس مخلوق کی قوتوں میں در آکے ملجاویں اور تمام اسباب زمین کے اس مخلوق کے جسم میں اور اُسکے متعلقات میں کہ اُسکے صناعت کے موضوع اور موقوف علیہ میں کھانوں سے ہو یا پہنے سے گھروں سے ہو یا پالکی کی چیزوں سے بلکہ زنجیریں اور طوق اور سانپ اور بچھو اور آگ اور شعلے سب کے سب اس مخلوق کی مدد کریں اور اسی کے کام میں مصروف ہوں تاکہ نیکوں کے خلافت کے معنی اور بدوں کی سرکشی اور بھاگنا اچھی طرح سے ظاہر ہوجاوے پس اس سورت میں چار انقلاب بیان فرمائے ہیں کہ وہ چاروں اس عالم کے اصول سے متعلق ہیں اول آسمان کا پھٹنا کہ اس سبب سے عقلوں اور نفسوں سماوی کا تعلق اُنکے اجرام سے باطل ہوجائیگا اور اُنکی عقلوں اور نفسوں کا تعلق انسان کے نفوس سے ظاہر ہوگا اور اہل شرع نے اس مطلب کو اس مضمون سے بیان کیا ہے کہ ساتوں آسمان کے فرشتے اُسدن اُترینگے اور آدمیوں کے گرد ہونگے اور آدمیوں کی روحوں سے نزدیکی پیدا کرینگے اور اُنکی نزدیکی کے سبب سے بوجھ اور فکر ہر ایک آدمی کی یاد ہوگی کلیات اور جزئیات اچھائی اور بُرائی کے جو اُنسے دنیا میں ہوئے ہونگے خوب طرح سے اوپر کھلجاوینگے دوسرا یہ کہ سب آسمان کے ستارے بے نور ہوکر گر پڑینگے اور نورانی روحیں کہ ان ستاروں سے علاقہ رکھتی تھیں انسان کے بدن سے متعلق ہوجاوینگی لیکن اس اندازہ کی مناسبت سے جو ہر ایک روح انسانی کو دنیا میں حاصل ہوا تھا اور جناب الٰہی سے دیا گیا تھا اور اس ملنے ارواح کو کبھیہ سے روحیں انسان کی بڑی قوت پکڑینگی اور اس مطلب کو قرآن مجید میں نزول روح اور قیام روح سے اس عالم میں بیان فرمایا ہے اور یہ دونوں انقلاب آسمانی ہیں کہ روح انسانی کو اُنکے سبب سے خوشی خرمی حاصل ہوگی تیسرا انقلاب دریاے شور کا ہے کہ مع کھاریوں کے جوش کھاکے اور اوٹ کے دھواں ہوجائیگا اُسمیں سے کچھ پانی زمین میں خشک اور جذب ہوجائیگا تاکہ اس سبب سے زمین میں رطوبت اور نرمی پیدا ہووے اور منقش ہونا صورتوں کا اور شکلوں کا اُسپر آسان ہوجاوے اور باقی رہا پانی آگ ہوکے بھڑک اُٹھیگا اور دوزخ کی آگ بھڑکانے کا سبب پڑیگا اسی مطلب کو کبھی تفجیر بحار سے اور کبھی تسجیر بحار سے بیان فرمایا ہے اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے دریاے شور کے حق میں فرمایا ہے کہ ان تحتہ نارًا یعنی مقرر نیچے اُسکے آگ ہے اور بعضوں نے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب دریاے شور کو دیکھتے تھے تو فرماتے تھے یا بحر متی تعود نارًا یعنی اے دریا کب پھر ہوجاویگا تو آگ چوتھا انقلاب ہلنا زمین کا ہے کہ جابجا قرآن مجید میں زلزلۃ الساعۃ کرکے اسی سے تعبیر فرمایا ہے اور اسکی نشانیوں سے بہت سی چیزیں ارشاد فرمائی ہیں انہی میں سے بعثرۃ القبور یعنے جمع ہونا اجزاے بدنیہ کا جیسے گوشت ہڈیاں چمڑے وغیرہ اور

ح

ظاہر ہونا اُنکا یعنے زمین کے نیچے سے اُوپر آنا کہ اس سورے میں بھی مذکور ہے اور انہی میں سے ہے تسییر جبال یعنی پہاڑوں کا چلنا اور اپنے اندر کی چھپی چیزوں کا نکالنا جیسے مُردہ اور خزانہ اور جواہر وغیرہ اور زمین کا برابر ہونا اور کسی نشان اور علامت کا باقی نہ رہنا اور قوت نامیہ کا زمین سے باطل ہوجانا اور انہی نشانیوں میں سے ہے جو صحیح حدیث میں آیا ہے کہ زمین اُسدن سفید مائدہ کی روٹی کی مانند ہوجائیگی کہ محشر والوں کی اُس میدان میں غذا ہوگی اور اُسکے سوا بہت نشانیاں ہیں کہ اگر سب تفصیل سے اِس مقام پر بیان کی جاویں تو کلام بہت بڑھ جاوے اور یہ دونوں زمین کے انقلاب ہیں کہ جسم انسانی کے مواد کی وسعت اور کشادگی اسی کے سبب سے حاصل ہوگی تاکہ اُس نفس وسیعہ اور روح کاملہ کی صناعت کا موضوع ہوسکے اور ان چاروں انقلابوں کے بعد نئے عالم کی بنیاد رکھی جائیگی جسکا نام آخرت ہے اور اس عالم کی بنیاد کا اصل الاصول نیک بد کے عملوں کا کھل جانا ہے کہ انسان کے نفس پر ظاہر کرینگے اسیواسطے اِس سورے میں ان چاروں انقلابوں کے ذکر کے بعد اسی مطلب کو بیان فرمایا ہے اور انہی چار انقلابوں پر کفایت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تحقیق کرنے سے عالم کے اصول یہی چار چیزیں معلوم ہوتی ہیں آسمان اور ستارے پانی اور زمین اور جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں سب انہی چار چیزوں کے اجزا جمع ہونے کے سبب سے پیدا ہوئے ہیں جیسے معدنی چیزیں اور بڑھنے والی اور جاندار اور آسمان و زمین کے بیچ کی مخلوقات یہ سب عاقلوں کے نزدیک بیشک انہی چاروں سے پیدا ہوتی ہیں لیکن ہوا اور آگ کے عنصر کو کارخانۂ عقل کے ظاہر بینوں نے ارکان مستقلہ گمان کیا ہے مگر تحقیق بات یہ ہے کہ ہوا ایک جسم ہے کہ پانی کی لطافت سے یا بعضے ستاروں کی تاثیر سے کم اور زیادہ پیدا ہوتی ہے کوئی جگہ پیدائش کی بالاستقلال اپنے واسطے نہیں رکھتی ہے اور کوئی صورت بھی قبول نہیں کرتی ہے اسکا کام صرف سیر کرنا اور پھرنا ہے اور عالم کی مخلوقات کی کیفیت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دینا جیسے بو کو ناک میں اور آواز کو کان میں اور سردی اور گرمی اور خشکی اور تری کو قوت لامسہ میں یعنے جاندار کی جلد تک پہنچا دیتا ہے اور اسی پر اور چیزوں کو قیاس کیا چاہئے اور آگ تو وہی ہوا ہے کہ سخت حرکت کے سبب سے یا آفتاب کی تاثیر سے سلگ گئی ہے اور یہ صورت اُسکی ہوگئی ہے اور اُسکا کام کچی چیزوں کا پکا دینا اور بیکار چیزوں کا جلا دینا ہے جیسے کھانے کا مصالح کہ آپ اپنی ذات سے کسی کام کا نہیں بلکہ غذا پائی جاوے تو یہ بھی کام آوے اور نہیں تو بیکار محض ہے اسیواسطے کوئی جگہ معین آگ کے واسطے نہیں ہے جیسا حکمانے خیال کیا ہے کہ آگ اور ہوا کے کُرے پانی اور زمین کے کُروں کو گھیرے ہوئے ہیں یہ بھی ایک بات ہے بے دلیل جسکی کچھ اصل نہیں ہے جیسا کہ خرق اور التیام آسمان اور ستاروں کا اُنکے خیال میں محال ہے سو یہ بھی اُنکا خیال خام ہے اور دعوے بے دلیل ہے اور اس سورے کا نام اسیواسطے انفطار رکھا ہے کہ اُسمیں آسمان کے پھٹنے کا بیان ہے جو نفوس اور عقول آسمانی کے نفوس اور عقول انسانی سے مل جانے کے واسطے بڑے عمدہ اسبابوں سے ہے اور حقیقت میں یہی علاقہ علم باقدمت و آخرت کے حاصل ہونے کا سبب ہے کہ اس سورت میں اسی کا بیان کرنا منظور ہے واللہ اعلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ جب آسمان چر جاوے اور آسمان کے چرنے کی کیفیت دوسری جگہ اس طرح پر بیان فرمائی ہے کہ ایک چیز بدلی کی مانند عرش کے نیچے سے نازل ہوگی اور سب آسمان اُسکے صدمے سے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاوینگے اور وہ بدلی حقیقت میں تجلی ہے قہر الٰہی کی کہ اس عالم کے خراب کرنے کو اس شکل سے متوجہ ہوگی اس جگہ پر بعضے طالبعلم تیز ذہن ایک سوال کرتے ہیں اُسکا جواب بتانا ضرور ہے وہ سوال یہ ہے کہ اس عالم کی پیدائش پہلے زمین سے شروع ہوئی خرابی اُسکی آسمان سے کس واسطے شروع ہوگی اُسکا جواب یہ ہے کہ جب کسی عمارت کا بنانا منظور ہوتا ہے تو پہلے نیچے سے بناتے ہیں اور جب کھودنا اور ڈھانا منظور ہوتا ہے تو اُوپر سے شروع کرتے ہیں **وَاِذَا الۡکَوَاکِبُ انۡتَثَرَتۡ** اور جب تارے جھڑ پڑیں چھٹک کر اور آسمانی نفسوں کا تعلق جو تاروں اور آسمانوں سے ہے اِن دو انقلاب کے سبب سے باطل ہوجاوے اور اِس علاقہ کے ٹوٹنے کے سبب سے عقلوں کا تعلق جو نفوس آسمانی کے ساتھ ہے وہ بھی بیکار ہوجائیگا اور نفسوں کی پیروی سے افلاک کی خیالیہ قوتیں اُنکے

جرموں سے جدا ہو جاوینگی اور وہ نفوس وہاں سے جدا ہو کے نفس انسانی سے ربط اور میل پیدا کرینگے اور عقلوں کے فیضان اور آسمان کے خیال کی کارپردازیاں سب نفس انسانی سے متعلق ہو جاینگی پس انسان کے نفس کو ان سببوں سے بڑی وسعت اور کشادگی حاصل ہوگی اور ماقدمت واخرت کے معنوں پر کلیۃ اور جزئیۃ جیسا چاہئے قرار واقعی حاصل ہوگی **وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ** اور جب دریا بہا لئے جاویں اور ٹھیراؤ اور رکاؤ پانی کا جو اسوقت میں ہے وہ ترہے شیخ ابو المنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ پہلے سب دریا ایک جگہ اکٹھے کئے جاوینگے اور اس جمع ہونیکے سبب سے انمیں ایک جوش ہوگا اسمیں سے شعلہ اٹھیگا کہ سب دریا جل کے کچھ پانی اسمیں سے دھواں ہو کے قیامت کے میدان کو پر کردیگا اور کچھ پانی دوزخ کی آگ ہو جائیگا سو اس سورے میں پہلے دریا کے انقلاب کا ذکر ہے کہ اپنے ٹھیراؤ اور رکاؤ سے متغیر ہو کے بہہ نکلیں گے اور سب کے سب ملکے ایک دریا ہو جائیگا اور سورۂ تکویر میں اس انقلاب کے پیچھے جلانا اور دہکانا بیان کیا ہے اور اس سورے میں بعثرۃ القبور کی مناسبت سے بہالنے کو اختیار فرمایا ہے اسواسطے کہ جب پانی مکان کی جڑ میں پہنچتا ہے تو اسکو خراب کر دیتا ہے اور اس سورت میں تسعیر جحیم کی مناسبت کے واسطے جلانے اور دہکانے کو اختیار فرمایا ہے اور عرب کی لغت میں بحر خاص نام ہے دریاے شور کا اور جتنی ندیاں میٹھی ہیں کتنی ہی لمبی چوڑی گہری ہو ویں انکو نہر کہتے ہیں بحر نہیں کہتے اور دریاے شور جسکو سمندر کہتے ہیں وہ ایک ہے لیکن اسکے ٹکڑوں اور کھاریوں کی رعایت سے جمع لائے ہیں جیسا کہ تاریخ والوں نے لکھا ہے کہ سمندر کے ایک ٹکڑے کا نام بحر چین ہے اور ایک ٹکڑے کا نام بحر ہند اور ایک ٹکڑے کا نام بحر فارس ہے اور ایک ٹکڑے کا نام بحر قلزم ہے جو درمیان میں حبش اور عرب کے جاری ہے اور ایک ٹکڑے کا نام بحر روم ہے جسمیں فرنگیوں کے جزیرے واقع ہیں اور ایک ٹکڑے کا نام بحر خزر والان ہے اسیطرح اور بھی نام ہیں اور دریاؤں کے بہنے کے سبب سے انسان کے بدنوں کے مادے اور انکے بدنوں کے عذاب اور عقوبت کے اسباب زیادتی قبول کرینگے اور سماوی نفسوں کا تعلق ان بدنوں سے صحیح ہو جاویگا **وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ** اور جب قبریں اٹھائی جاویں یعنی قبروالے اور جو کچھ زمین کی تہ میں ہے سب زمین کے اوپر آجاوے اور بدنوں کے اجزا آپسمیں ملجاویں اسوقت ایک پانی عرش کے نیچے سے برسیگا اسمیں زندگانی کی قوت سپرد کی گئی ہوگی اور مرد کی منی کا حکم رکھیگا اسکے بعد حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکینگے اور انسان کی روحیں اپنے بدنوں سے ملجاوینگی اور آسمانی روحیں انکی خادم اور مددگار ہوینگی اور حشر قائم ہوگا اسوقت پر **عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ** جان لیویگا ہر جی جو آگے بھیجا ہے حق تعالی کی طرف نیکی اور بدی سے اور آگے بھیجنے سے مراد اسکا کرنا ہے اسواسطے کہ جو کچھ نیکی اور بدی کی گئی ہے سب نامۂ اعمال میں لکھی ہے اور وہ نامہ لکھنے والوں کے ہاتھ سے حق تعالی کے دربار میں پہنچا **وَاَخَّرَتْ** اور جو پیچھے چھوڑا ہے نیکی اور بدی سے اور پیچھے چھوڑنے سے نکرنا مراد ہے یعنے اس کام کو نہ کیا اسواسطے جو نہیں کیا ہے وہ نامۂ اعمال میں لکھا بھی نہیں گیا اور حق تعالی کے دربار میں بھی نہیں پہنچا اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ تقدیم سے خرچ کرنا مال اور اسباب کا مراد ہے اللہ تعالی کی رضامندی میں کہ وہ سب آخرت کا ذخیرہ ہے اور تاخیر سے چھوڑ جانا مال اور اسباب کا مراد ہے وارثوں کے واسطے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ماقدمت سے وہ اولاد مراد ہے جو ماباپ کے سامنے مرگئی ہے اور ما اخرت سے پیچھے چھوڑی اولاد مراد ہے اور بعضوں نے تقدیم سے اول عمر کے کام اچھے ہوں یا برے مراد لیے ہیں اور تاخیر سے آخر عمر کے کام اور بعضوں نے کہا ہے کہ نیکی اور بدی کرنا کسی چیز کا ہو یا چھوڑنا سب ما قدمت میں داخل ہے اور رسم نیک ہو یا بد اور مذہب یا طریقہ جو کسی شخص نے نیا نکالا اور اسکے بعد لوگوں نے اسکو اختیار کیا اور اسی راہ پر چلے یہ سب ما اخرت میں داخل ہے اور حدیث شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ ما قدمت من خیر او شر ما اخرت من سنۃ حسنۃ استن بھا بعدہ فلہ اجرہ واجور من اتبعہ من غیر ان ینقص من اجورھم شیٔ او سنۃ سیئۃ عمل بھا بعدہ فعلیہ وزرہ ووزر من عمل بھا بعدہ لا ینقص من اوزارھم شیٔ یعنے جو آگے بھیجا نیکی اور بدی سے اور جو پیچھے چھوڑا طریقہ نیک سے جسکو لوگوں نے اختیار کر لیا بعد اسکے پس اسکو اجر ہے اپنے کیے کا اور اجر ہے ان لوگوں کا جنہوں نے پیروی کی اسکی بغیر اسکے کہ کم ہو انکے اجر سے کچھ اور جس نے رسم بری ڈالی اور اسکو لوگوں نے اختیار کیا بعد اسکے تو

اُس شخص پر بھی گناہ ڈالے جائینگے کہ اور گناہ اُن لوگوں کا جو اُس رسم بد پر چلیں اُسکے بعد بدون اسباب کے کہ کم کیا جاویگا گناہ اُن لوگوں سے کچھ اور ... بڑی حدیث میں آیا ہے کہ ایک سوال کرنیوالا آنحضرت صلعم کے سامنے کھڑا ہوا اور سوال کیا جتنے شخص آپکی خدمت میں اُسوقت حاضر تھے سب چپ رہے ایک شخص حاضران مجلس سے اُٹھا اور اُسکو کچھ دیا پھر اوروں نے بھی اُسکو دیکھ کے اس سائل کو دینا شروع کیا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نیک رسم نکالتا ہے اور آدمی اس رسم پر عمل کرتے ہیں تو اس رسم نکالنے والے کو ایک ثواب اپنا ملتا ہے اور ثواب دوسرے عمل کرنیوالوں کا بھی بے اسکے کہ انکے ثوابوں میں کچھ کمی ہو اور اسیطرح جو شخص بد رسم نکالتا ہے اور لوگ اُسپر عمل کرتے ہیں تو اُسکا وبال اس رسم کے نکالنے والے پر ہے اور اُن لوگوں کا وبال بھی اُسکی گردن پر ہے جو اُسپر عمل کرتے ہیں بے اسکے کہ اُنکے وبال سے کچھ کمی کی جاوے راوی اس حدیث کا کہتا ہے کہ اس قصہ کی نقل کرنیکے بعد حضرت حذیفہ بن الیمان نے یہ آیت پڑھی کہ علمت نفس ما قدمت واخرت حاصل کلام کا یہ ہے کہ نفس انسانی کو اپنی نیکی اور بدی پر آگاہی بخوبی حاصل ہوگی اور جب یہ کہیگا کہ جو میں نے کیا وہ سب بُرا تھا اور جو چھوڑ دیا وہ اچھا تھا اور نیکی کی جزا یہاں یہ ہے اور بُرائی کی سزا یہ ہے تب اسکو بڑی ندامت ہوگی اور اپنی اُلٹی لوجھ پر شرمندہ ہوگا اُسوقت کہا جائیگا **یَا اَیُّهَا الْاِنْسَانُ** اے آدمی تیرا نام تو اُنس سے نکالا گیا تھا کسواسطے تو نے حق کی یاد سے اُنس نہ پکڑا اور نیکیاں نہ کیں تو نے اور حق کے سوا کہ سب تیرے حق میں سانپ اور بچھو تھے انکو جواہر اور سونے کے نگینے خیال کرکے اُنسے مانوس ہوا تو اور محبت کی تو نے **مَا غَرَّكَ** کس چیز نے فریب دیا تجھ کو نفس نے یا شیطان نے خلق نے یا دنیا نے **بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ** اپنے پروردگار پر جسنے طرح طرح سے تجھ کو پرورش اور تربیت فرمایا اور تیرے ساتھ وہ معاملہ کیا جو اُسکے کرم کی صفت کا مقتضا تھا پھر تو نے اُسکے عوض میں معصیت اور مخالفت کا داغ اپنے پر لگایا اور اپنی فضیلت اور بزرگی جو سب مخلوقات پر تجھ کو ملی تھی سب برباد کی تو نے اور کریم کے معنوں میں اختلاف ہے بعضے کہتے ہیں کہ کریم وہ ہے کہ جسکے ہر کام میں انعام و احسان ہووے اور اسکی ہر حرکت اور سکون میں بجز خیر منظور ہو اور بعضوں نے کہا ہے جو احسان اور انعام کرنے میں اپنا نفع یا اپنے نقصان کا دفع منظور نہ رکھے وہ کریم ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ کریم وہ ہے کہ دوسروں کا حق اپنے اوپر نہ رکھے بلکہ جو اُنکو چاہیے دے اور جو اُسکا حق دوسروں پر ہو اُسکو طلب نہ کرے اور بعضوں نے کہا ہے کہ کریم وہ ہے جو دوسرے سے تھوڑی خیر قبول کرے اور اُسپر عوض بہت دیوے اور اللہ تعالیٰ کے کرم کا مقتضا ہے کہ گناہگاروں کے گناہوں کو بھی بخشتا ہے اور اسی پر کفایت نہیں کرتا بلکہ باوجود اس تمام نافرمانی بندوں کے دمبدم احسان اور تربیت اور پردہ پوشی اپنے بندے گناہگاروں کی کئے جاتا ہے اور یہاں پر ایک سوال ہے جواب طلب جسکا حاصل یہ ہے کہ مغرور ہونے پر منکر کے اور سرزنش کرنے پر اس غرور کے قہر کی صفت کا ذکر کرنا زیادہ مناسب تھا اسواسطے کہ قہار سے مغرور ہونا البتہ انکار اور توبیخ کی جگہ ہے بخلاف اسکے کہ کوئی اللہ کے کرم پر مغرور ہووے کہ وہ غصہ اور انکار کی جگہ نہیں ہے اسواسطے کہ کریم کا کرم خود غرور کا سبب پڑتا ہے جیساکہ تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ایکدن نوشیرواں بادشاہ کے سامنے اُسکے خدمتگار اور خواص آپسمیں ہنس پڑے ایک وزیر نے جو وہاں حاضر تھا عرض کیا کہ ان خدمتگاروں کو آپ کا کچھ خوف اور رعب نہیں ہے کہ آپکے سامنے ایسی حرکتیں کرتے ہیں نوشیرواں نے کہا کہ ہم کو چاہیئے دشمنوں کو خوف دلاویں نہ اپنے خدمتگاروں کو اور حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ ایک دن آپ نے اپنے غلام کو کسی کام کے واسطے دو تین بار پکارا اُس نے باوجود سننے کے جواب نہ دیا آپ باہر تشریف لائے اور جانا کہ غلام کہیں گیا ہوگا دیکھا تو غلام حجرے کے دروازہ پر کھڑا ہے آپ نے فرمایا کہ تجھ کو کیا ہوا تھا کہ جواب مجھ کو نہ دیا غلام نے عرض کی کہ آپکے کرم کے اعتماد پر علاوہ اسکے یہ بھی مجھ کو خاطر جمع ہے کہ آپ مجھ کو مارینگے بھی نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُسکے جواب کو پسند کیا اور اُسکو اُسیوقت آزاد کردیا تو معلوم ہوا کہ اُس چیز کا ذکر جو آپ ہی غرور کا سبب ہووے غرور کے انکار کی جگہ پر مناسب نہیں ہے جواب اس سوال کا یہ ہے کہ کرم کی صفت کا ذکر اس جگہ پر غرور کی وجہ کے بیان کرنیکے واسطے ہے یعنے اُسکے کریم ہونے کے سبب سے تو مغرور ہوگیا جیساکہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ فرماتے تھے الٰہی غرّنی حلمك لو اخذتني بالاولى ما اجترأت على الثانية یعنے اے اللہ مغرور کیا مجھ کو تیرے حلم نے اگر پہلے گناہ پر تو مجھ کو پکڑتا تو دوسرے گناہ پر جرأت کرتا میں اور حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اُنسے پوچھا

لوگوں نے کہ اگر تمکو حق تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سامنے کھڑا کرکے پوچھے کہ ما غرک بربک الکریم تو کیا جواب دوگے اُنہوں نے کہا کہ میں کہونگا غرّنی
ستورک المرخاۃ فریب یا مجھکو تیرے چھوٹے ہوئے پردوں نے یعنے کتنا ہی میں نے گناہ کیا اگر تو نے مجھکو فضیحت اور رسوا نکیا تو جان لیا میں نے کہ کبھی
تو فضیحت نکریگا اور اسی قسم کا مطلب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ کم من مغرور بالستر علیہ وکم من مستدرج بالاحسان
الیہ یعنی بہت سے مغرور رہو رہے بسبب تیری پردہ پوشی کے اپنے اوپر اور بہت سے استدراج میں گرفتار ہیں بسبب تیرے احسان کے اپنے اوپر اور جب استفہام
انکاری مجموع کلام پر وارد ہوا تو موافق قاعدے عربی کے اُس کلام کے معنی توبیخ اور سرزنش کے ہوئے اس غرور پر جو کریم کے کرم کے ملاحظہ سے
پیدا ہوتا ہے اور جب غرور کا انکار کرم پر کہ غرور کے بڑے عمدہ اسباب سے ہے متوجہ ہوا غرور کی نفی میں بہت مفید پڑا اسواسطے کہ جب کرم پر غرور کرنا
نہ چاہیئے تو قہر پر غرور کرنا کس طرح چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کی صفت جس طرح کرم ہے اُسی طرح قہر بھی تو وہ کریم بھی ہے اور قہار بھی اور منتقم بھی ہے اور
باوجود ان سب صفتوں کے حکیم بھی ہے اور جب اسکی حکمت قہر اور انتقام کی خواہش کرنیوالی ہوئی اُسوقت کرم کے آثار ظاہر نہیں ہوتے اسواسطے کہ
احسان اور کرم بدکاروں کے حق میں خلاف قاعدہ حکمت کے ہے اسی جگہ سے ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس آیت کو تلاوت کرنے کے وقت
فرمایا کہ غرہ باللہ جہلہ یعنے آدمی کو مغرور کیا ہے اُسکی نادانی نے اسواسطے کہ وہ ایک صفت پر اپنے پروردگار کی تکیہ کرکے بیٹھا ہے اور
دوسری صفتیں اسکی کہ حکمت اور عدالت ہیں بھول گیا دوسرا جواب اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ توبیخ کسی کام پر اُس جگہ کرتے ہیں کہ اُس کام
کے ہونے کا گمان ہووے اور کریم کے کرم پر غرور کا مظنہ ہوسکتا ہے اسواسطے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی کے کرم پر کوئی مغرور ہووے لیکن قہر
اور انتقام پر مغرور ہونا ہرگز نہیں ہوسکتا اسپر انکار اور توبیخ کیا نسبت رکھتی ہے مثلاً عرف میں کہتے ہیں کہ فلانے کے حلم پر اعتماد
مت کرو اسواسطے کہ محل اعتماد کا حلم ہوسکتا ہے اور یہ ہرگز نہیں کہتے ہیں کہ فلانے کے غصے پر مغرور مت ہو اور اعتماد مت کر اسواسطے کہ
غصہ اور غضب محل اعتماد اور غرور کا ہرگز نہیں ہوتا بلکہ پرہیز اور بچنے کا محل ہے اور بعضے بزرگوں نے کہا ہے کہ اس صفت کا لانا جواب
کی تلقین کے واسطے ہے تاکہ بندہ خود کہے کہ غرنی کرمک لیکن یہ جواب بن نہیں سکتا اسواسطے کہ اسکا کرم بھی حکمت سے خالی نہیں اور
اسکی حکمت ہرگز اسبات کو نہیں چاہتی ہے کہ اپنے بندوں کو بے جزا اور سزا مہمل چھوڑ دے اور ظالم سے مظلوم کا بدلا نہ لے اور مخلوقات
کے حق کو ضائع کرے اور نیک کو بد سے اور پرہیزگار کو بدکار سے جدا نکرے تو معلوم ہوا کہ اس جواب میں فی الفور الزام لگتا ہے کہ کرم کے ثابت
کرنے میں میری حکمت کا انکار کیوں کیا تو نے اور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کرم آدمی کی خواہش سے پہلے ہے بے عوض اور غرض کے اسکو
پہلے پیدا کیا اور طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا اور پہلا کرم پچھلے کرم کا سبب نہیں ہوسکتا کہ اُسکے گناہوں کو بالکل چھوڑ دیں اور اسکی بدیوں
اسکو تنبیہ نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کا پہلا کرم زیادہ تر دہشت اور خوف کا باعث ہے اسواسطے کہ اگر آدمی ایسے شخص کی مخالفت کرے جس کا
حق اور احسان کچھ اُسپر نہو تو ہوسکتا ہے کچھ تعجب کی جگہ نہیں ہے لیکن اپنے محسن اور منعم کی مخالفت اور ولی نعمت کی نافرمانی بڑا کفران
ہے اور بڑے خوف کی جگہ اور اسکا پہلا کرم اسبات کو نہیں چاہتا کہ ایسے ناشکر سے درگزر کرے بلکہ عرف میں ایسی جگہ چشم پوشی کرنے کو بیحیائی
اور ذلت کہتے ہیں علی الخصوص اس وقت میں کہ خود اپنے ولی نعمت کو نہ مانے اور اُسکی نعمتیں دی ہوئیں دوسروں کی طرف نسبت کرے یا
اُسکی غیر مرضی میں خرچ کرے اعاذنا اللہ من ذلک اب جاننا چاہیئے کہ اس جگہ پر تین چیزیں ہیں غرور اور تمنی اور رجا سو جا بجا قرآن شریف
میں غرور و تمنی کو بُرا فرمایا ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے ولا یغرنکم باللہ الغرور لیس بامانیکم ولا امانی اہل الکتاب تلک امانیہم
سوائے اسکے اور بھی آیتیں ہیں اور رجا جو اُمید کے معنوں میں ہے وہ قرآن اور حدیث دونوں میں پسند ہے جیسا کہ جا بجا مومنوں اور نیکوں
کی مدح میں مذکور ہے جیسے یرجون رحمۃ اللہ سوائے اسکے بھی ہے تو ان تینوں چیزوں میں تفرقہ اور جدائی کھلی کھلی بیان کرنا چاہیئے تاکہ
کام ممدوح اور مذموم آپس میں ملتبس نہوویں اور مل نہ جاویں اب جاننا چاہیئے کہ اُمید کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کے انتظار میں آدمی کا

دل خوش رہے اور ہر مرغوب کے حاصل ہونے کے واسطے ایک سبب درکار ہے والا انتظار ثابت نہووے پھر اگر ایک چیز کے اسباب بہت جمع ہوئے ہوں اور اُسکا انتظار کھینچے اور اس انتظار میں خوش رہے جیساکہ ایک کسان نے اچھا بیج اچھی زمین میں بویا اور پانی بھی وقت پر دیا ہے اور غلہ کا منتظر ہے اسکو رجا اور اُمید کہتے ہیں اور اگر ایک چیز کے بہت سے اسباب جاتے رہیں اور اُسکا انتظار کھینچے تو وہ غرور اور حماقت میں گرفتار ہے جیساکہ ایک کسان نے اوسر زمین میں بیج بویا اور وقت پر سینچا بھی نہیں پھر اس سے غلہ کی انتظاری کرے اُسکو غرور اور حماقت کہتے ہیں اور اگر اسباب کے حاصل ہونے میں شک واقع ہو پھر اُس چیز کا انتظار کرے جیساکہ ایک کسان نے اچھی زمین میں بیج بویا لیکن سینچا نہیں یا اوسر زمین میں بیج بویا اور سینچا پھر اس سے غلہ کا منتظر ہے اسکو تمنا اور آرزو کہتے ہیں پھر جب یہ مثالیں خوب سمجھ میں آگئیں تو ایماندار کو چاہیئے اپنی نجات اور فلاح کی حتی المقدور فکر کرے اور اُنکے اسباب کو اپنے میں جمع کرے جیساکہ فرمانبرداری امر کی اور احتراز نہی سے پھر رحمت الٰہی کا اُمیدوار رہے اور اس انتظاری میں خوشی اور خرمی سے گزران کرے اور جس شخص نے اپنی نجات اور فلاح کے اسباب کو کھو دیا اور اپنی عمر کو نامرضیات الٰہی میں صرف کیا پھر منتظر نجات اور فلاح کا ہے وہ احمق ہے اور غرور میں گرفتار ہے اور شک کی صورت میں جیسے نماز روزہ کیا لیکن اسکی شرطوں کو خوب بجا نہ لایا تو وہ آرزومند ہے یعنے شاید کہ اسکو نجات ہو لیکن یہ دونوں صورتیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بری اور نامقبول ہیں نقل کرتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک حج کے واسطے ملک شام سے آتا تھا مدینہ منورہ میں حضرت ابوحازم سے ملاقات ہوئی اُنسے پوچھا کہ قیامت کے دن بندوں کے ملاقات پروردگار سے کس طرح پر ہوگی ابوحازم نے کہا اگر بندہ نیک ہے کہ دنیا میں نیکی کرکے گیا ہے اُسکی ملاقات اس طرح پر ہوگی جیساکہ کوئی شخص بہت دنوں میں سفر سے پھر کر اپنے گھر میں آوے اور بہت سا مال اور اسباب کما کے اپنے ساتھ لاوے اُسوقت خیال کیا چاہیئے کہ اسکے گھر والے اس سے کس طرح سے خوش ہونگے اور اُسکی کس کس طرح سے خاطرداری کرینگے اور اگر بندہ بدکار ہے کہ دنیا میں بہت بُرائیاں کرکے گیا ہے اُسکا سامنا ویسا ہوگا جیساکہ غلام چوری کرکے چھپ کے بھاگا ہوا اور اُسکے خاوند نے اُسکے پیچھے پیادے اُسکو پکڑنے کو دوڑائے ہوں اور وہ پیادے اُسکو پکڑ کے ہاتھوں میں ہتکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق ڈال کے اُسکے خاوند کے حضور میں لاویں اُسوقت کی حالت کو خیال کیا چاہیئے کہ کیسا اپنے دل میں شرمندہ ہوگا اور اپنے خاوند کے نزدیک کس طرح سے لایق لعنت اور نفرین کے ہوگا سلیمان کو اسبات کے سننے سے رقت غالب ہوئی بہت رویا اور کہا کہ کیا اچھی بات ہوتی کہ میں اپنا حال جانتا کہ مجھکو ان دونوں صورتوں میں سے کونسی طرح پر اُس مالک مطلق کے سامنے لیجاوینگے ابوحازم نے کہا کہ اسبات کا معلوم کرنا بہت آسان ہے اور قرآن شریف میں خوب کھول کے بیان فرمایا سلیمان نے پوچھا کس آیت میں ابوحازم نے کہا حق تعالیٰ فرماتا ہے ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم اب اپنے عملوں کا جائزہ دیکھو کہ ابرار میں ہو یا فجار میں سلیمان نے کہا کہ اگر ہمارے عمل پر انجام کا م کا ٹھیرا تو رحمت الٰہی کہاں ہے ابوحازم نے کہا کہ اس کا بھی پتا قرآن مجید میں بتا دیا ہے سلیمان نے کہا کس آیت میں ابوحازم نے کہا ان رحمة الله قريب من المحسنين سلیمان کو اسبات کے سنتے ہی خوف غالب ہوا اور روتے روتے حالت متغیر ہوگئی اُنکے پاس سے چلا گیا اور کہا کہ اس قسم کی تمہاری باتیں سننے کی مجھکو طاقت نہیں ہے کہ میرا پتا بچھٹا جاتا ہے اور جب اس آیت میں آدمی پر توبیخ اور سرزنش متوجہ فرمائی اسپر کہ تیرے اللہ کے کرم پر مغرور نہوا چاہیئے تو اب کئی نعمتیں جو اُس پر انعام کی ہیں اور وے غرور اور فریب کو مانع ہیں بیان فرماتے ہیں اُنہیں سے ایک ہے **الَّذِیْ خَلَقَكَ** وہ کریم کہ اپنے محض کرم سے تجھ کو پیدا کیا اور ہرگز خواہش اور سوال اور دعا اُس ہستی کی حالت میں تجھ سے متصور نہ تھی اور منفعت کی تجھ سے توقع نہ تھی **فَسَوّٰكَ** پھر تیرے بدن کو ٹھیک بنایا اور سب جوڑ بند برابر پیدا کئے اندازے سے ہاتھ برابر ہاتھ کے اور پاؤں برابر پاؤں کے اور کان برابر کان کے اور آنکھ برابر آنکھ کے کسی کو اُنہیں سے کم زیادہ نہیں کیا جیسے اگر ایک

پاؤں چھوٹا ہوتا اور دوسرا بڑا تو چلنے میں بھی رنج ہوتا اور دیکھنے میں بھی عیب دار اور ناقص ہوتا یہ اُسیکا کرم ہے کہ ایک قطرۂ ناپاک سے تجھ کو ایسا خوبصورت اور سڈول پیدا کیا **فَعَدَلَكَ** پھر معتدل مزاج بنایا تجھ کو اور تیرے بدن کے مزاج کے خلط کی رکنوں کو یعنی گرمی اور سردی اور تری خشکی کو طبیعت میں ایکساں اور برابر کیا تاکہ جو حوال کہ اعتدال سے خارج ہیں اُنکو پہچانے اور تو بوجھے کہ ظاہری اعتدال سے خارج ہونا کسقدر رنج اور الم دیتا ہے پھر معنوی اعتدال سے خارج ہونے کو اسی پر قیاس کیا چاہیے **فِىٓ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ** جس صورت میں چاہا تیرے پروردگار نے تجھ کو بنایا اُسوقت میں تو حاضر نہ تھا جو عرض کرتا کہ فلانی صورت اچھی ہے اور فلانی صورت بری مجھ کو اچھی صورت چاہیے بری نہ چاہیے یہ اسیکا کرم ہے کہ احسن اور اچھی صورت پر تجھ کو بنایا ہاتھ دئیے تکبیر میں اٹھانے کو مصحف کے پکڑنے کو اور ہتیار کے اُٹھانے کو جہاد میں اور سوائے انکے بہت چیزیں بندگی کی ہیں کہ ہاتھ سے تعلق رکھتی ہیں اور زبان دی ثنا اور صفت اور تسبیح اور ذکر اور تلاوت قرآن کرنے کو اور اچھی بات کے حکم کرنے کو اور بری بات سے منع کرنے کو اور ذات اور صفات الٰہی کی حقیقتیں بیان کرنے کو اور پاؤں دیئے نماز میں کھڑے ہونے کو جہاد میں دوڑنے کو بیت اللہ کے طواف کرنے کو مریضوں کی عیادت کو اولیاء اللہ کی زیارت کو اور سوائے اسکے جو اچھی چیزیں اُس سے متعلق ہیں اسیطرح ہر ایک عضو کو طاعت اور بندگی کے واسطے پیدا کر دیا اور تو نے ان نعمتوں کو اُسکے عکس میں خرچ کیا اور گناہ کا واسطہ بنایا سو جس نے ایسی نافرمانی اپنے مالک کی کی ہو وہ ہرگز صفت کریمی کے سزاوار نہیں ہوتا اور ایسے شخص کو فریب کھانا اور مغرور ہونا کریم کے کرم پر زیب نہیں دیتا ہے اور اس مقام پر کہ اللہ تعالی کی نعمتوں کا بیان اور شمار کرنا منظور ہے خاص پیدایش کی نعمت کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نعمت میں کسی طرح کی خواہش اور سوال بندے کی طرف سے پایا نہیں گیا تھا اور اسکی پیدایش میں اللہ تعالی کو بھی کسی منفعت کی توقع یا کسی ضرر کا دفع متصور نہیں تھا بخلاف اور نعمتوں کے کہ بعد پیدا ہونیکے اور بعد سوال حالی یا قالی کے عنایت ہوئی ہیں کہ وہ نعمتیں چنداں کرم پر دلالت نہیں کرتی ہیں اور یہ بھی ہے کہ انسان کی پیدایش کی نعمت ایسی بہتر اور معقول طبیعت کے اعتدال اور اعضاء کے تناسب کے ساتھ صریح دلیل ہے اسبات کی کہ ایسی مخلوق کو مہمل اور بیفائدہ نہیں پیدا کیا ہے بلکہ اعتقاد اور عمل کی سیدھی راہ پہچاننے کو اور بری راہ سے اعتقاد اور عمل کے احتراز کرنیکو پیدا کیا ہے اسواسطے کہ معتدل کو سوا معتدل کے کوئی پہچان نہیں سکتا اور طب کی کتابوں میں قاعدہ ٹھیرا ہوا ہے کہ غیر معتدل اس کیفیت سے جو اعتدال سے خارج ہے چنداں تاثیر قبول نہیں کرتا ہے اسواسطے کہ وہ کیفیت ہمجنس اس غیر معتدل کی نہیں ہے بخلاف اپنے ہمجنس کے کہ اس سے زیادہ تاثیر قبول کرتا ہے اور تھوڑے کو بہت جانتا ہے پس انسان نے جو اس کام میں قصور کیا اور اپنے مالک کی نافرمانی کی تو زیادہ تر لائق غصے اور غضب کے ہوا پھر اُسکو پہلے کرم پر فریفتہ اور مغرور ہونا ہرگز مناسب نہیں ہے اور اس مقام پر ایک سوال ہے جواب طلب اُسکا حاصل یہ ہے کہ ان نعمتوں کے بیان کرنے میں حرف عطف کا کہ ف ہے ہر جگہ پر مذکور فرمایا ہے مگر فی ای صورۃ ما شاء رکبک میں کہ حرف عطف کو نہیں لائے ہیں اُسکی وجہ کیا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ پیدایش اور اعضا کا برابر ہونا اور کیفیت کا معتدل ہونا یہ تینوں فعل ترتیب سے بیان ہوئے ہیں اُنکے درمیان میں مدلول ف کے کلمہ کا کہ تعقیب ہے گنجایش رکھتا ہے اور بعد ان تینوں فعل کے صورت کی ترکیب لازم ہے اسواسطے کہ جب تسویہ اور تعدیل سے فراغت پائی تو تصویر حاصل ــــ بلکہ وہی تسویہ اور تعدیل عین تصویر ہے پس گنجایش حرف عطف کی نرہی اور جب یہ نعمت یعنی پیدایش کی تسویہ اور تعدیل دونوں سے ملکر پیدا ہوئی تو اسواسطے اسکو بطور ان دونوں نعمتوں کے بیان کے بے حرف عطف کے بیان فرمایا اور مفسروں کی ایک جماعت نے فی ای صورۃ ما شاء رکبک کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ لڑکا کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی ماں کے اور کبھی چچا کے اور

کبھی ماموں کے اور کبھی ان میں سے کسی کے مشابہ نہیں ہوتا جیساکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ ایک شخص سے آپ نے
پوچھا کہ ما ولدك یعنے کیا ہے اولاد تیری اُس نے عرض کی کہ یارسول اللہ وما عسی ان یولد لی اما غلام واما جاریة یعنے ابھی تک
کچھ بھی نہیں مگر قریب ہے کہ پیدا ہوگا لڑکا یا لڑکی پھر آنحضرت صلعم نے پوچھا کہ ممن تشبه یعنے کس کے مشابہ ہوتا ہے اُسنے عرض کیا کہ تشبہ
اُمّه او اباه یعنے مشابہ ہوگا ماکے یا باپ کے آنحضرت صلعم نے فرمایا لا تقل هكذا ان النطفة اذا استقرت فی الرحم احضر الله كل
نسب بينها وبين ادم ماقرأت هذه الآية فی ای صورة ما شاء ركبك یعنے الیامت کہہ مقرر نطفہ جب ٹھیرتا ہے رحم میں حاضر
کرتا ہے اللہ تعالی سب نسب کو جو اُسکے اور آدم کے درمیان میں ہیں کیا نہیں پڑھی تونے یہ آیت فی ای صورة ما شاء ركبك اور بعضوں
نے کہا ہے اس سے خوبصورتی اور بدصورتی مراد ہے یعنے ہر ایک انسان اچھی صورت ہونے میں اور بری صورت ہونے میں متفاوت ہے اور بعضوں نے
کہا ہے کہ اس سے مراد انسان کی صورتوں کی زیادتی ہے یعنی اللہ تعالی کی قدرت کے عجائبات میں سے ایک یہ ہے اور حقیقت میں یہی ہے کہ
اسقدر لاکھوں کروڑوں آدمیوں کے چہرے حضرت آدم علیہ السلام سے اس دم تک باوجود ایکساں ہونیکے صورت اور شکل میں اور بدن کے
جوڑ بند میں جیسے آنکھ ناک کان منہ چہرہ پھر ہر شخص کی صورت اور شباہت دوسرے سے جدا اور علیحدہ ہے اس جگہ سے حق تعالی کی خزانوں
کی وسعت اور کثرت دریافت کیا چاہیے کہ کسقدر نقشے بے انتہا اُسکے خزانے میں موجود ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ مختلف ہونا صورت نر اور
مادہ کا مراد ہے اور اس صورت میں اس آیت کا ربط پہلی آیتوں سے اس طرح پر ہوگا کہ تسویہ اور تعدیل نر کی مخالف مادہ کی تسویہ اور تعدیل
کے ہے لیکن یہ مخالفت صنفی ہے یعنے نر کی قسم اور ہے اور مادہ کی قسم اور ہے اسیواسطے مادہ کے مزاج کو طب والے ارطب جانتے ہیں یعنے
بہت تر اور نر کے مزاج کو ایبس یعنی بہت خشک بوجھتے ہیں اور نر کے بدن کی صحت کو مادہ کے بدن کی صحت سے جدا جانتے ہیں لیکن اصل تسویہ
اور تعدیل میں کہ نوع انسانی کا مقتضا ہے دونوں قسم آپسمیں شریک ہیں اور بعضوں نے اس آیت کو انسان کے رنگوں کے مختلف ہونے پر حمل
کیا ہے جیسے کہ پہلی اور دوسری اقلیم کے رہنے والے سیاہ ہوتے ہیں اسواسطے کہ ہمیشہ آفتاب اُنکے سر کے مقابل میں رہتا ہے یا مقابل سے کچھ ہٹا
ہوا اور آفتاب کی سوزش اور گرمی کی ہمیشگی رنگ کو سیاہ کرتی ہے جیساکہ دھوبیوں میں اور ان گنواروں میں جو ہمیشہ ننگے بدن دھوپ میں
کام کیا کرتے ہیں یہ بات ظاہر ہے اور سب دیکھتے ہیں اور تیسری اقلیم کے رہنے والے اکثر گندم گوں ہوتے ہیں اور چوتھی اقلیم کے رہنے والے گورے
ہوتے ہیں مگر سرخی کے ساتھ اور پانچویں اقلیم کے رہنے والے سرخ رنگ ہوتے ہیں اور چھٹی اور ساتویں اقلیم کے رہنیوالے زرد رنگ ہوتے ہیں
اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ بعضوں کو ایسی صورت پر پیدا کیا ہے کہ اپنی بندگی کے واسطے اُنکو چن لیا ہے جیساکہ حضرت
موسیٰ کے حق میں ارشاد فرمایا ہے واصطنعتك لنفسی یعنے اور بنایا میں نے تجھ کو اپنے واسطے اور دوسری جگہ انکے اور دوسرے انبیاؤں کے
حق میں فرمایا ہے انه كان مخلصا بیشک تھا وہ چنا ہوا وانه من عبادنا المخلصين اور بیشک تھا وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں سے اور یہ
گروہ بادشاہی خاص بندوں کی مانند ہیں کہ حضور کی خاص خدمتوں کے واسطے مقرر ہوتے ہیں اور بعضوں کو ایسی صورت پر پیدا کیا ہے
کہ اُسکے غیر کی طرف مشغول ہیں جیساکہ بعضے مال کی تجارت میں اور بعضے کھیتی میں اور بعضے کسی اور کسب اور پیشہ میں مشغول ہیں کہ دنیا
کا کام چلے اور جو اس کلام میں گمان اسباب کا تھا کہ کرم کی صفت سننے سے جو اس توبیخ اور سوال میں مذکور ہے شاید کافر کہنے لگیں کہ ہمارا غرور
اور اعتماد اُسکے کرم پر تھا اسواسطے دوسری تنبیہ اور توبیخ پہلے سے بھی زیادہ سخت ارشاد ہوئی **كَلَّا** یعنی ایسا نہیں ہے کہ اُسکے کرم پر اعتماد کرکے تم
گناہ کرتے ہو اسواسطے کہ یہ اعتماد تو آخرت کی جزا کے اقرار کرنے پر اور اُسکے اعتقاد لانے پر موقوف ہے اور تم آخرت کا اقرار اور اعتماد نہیں کرتے ہو **بَلْ**
تُكَذِّبُونَ بِالدِّيْنِ بلکہ تم انکار کرتے ہو جزا کا اور حال یہ ہے کہ جزا کا وعدہ بھی اُسی کے کرم کا مقتضا ہے تاکہ اچھی جزا کی اُمید پر

طاعت اور بندگی کرو اور دین دنیا کے تمہارے کام اچھے بن جاویں اور عذاب کے خوف سے گناہ اور نافرمانی سے بچتے رہو تاکہ کام دونوں جہان کے تمہارے بگڑ
نہ جاویں اور جزا کا انکار تم سے کس طرح بن پڑیگا **وَاِنَّ عَلَیْکُمْ** اور حال یہ کہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے تم پر **لَحٰفِظِیْنَ** چوکیدار مقرر ہیں تاکہ نیک
اور بد کاموں پر تمہارے خبردار رہیں اور کوئی اچھا کام تمہارا ضائع نہ جائے اور کوئی برا کام بھی رائگاں نہووے **کِرَامًا** یعنے وے چوکیدار بھی حقتعالیٰ
کی صفت کے موافق تمسے کرم کا معاملہ کرتے ہیں سو انکے کرموں سے جو تم سے کرتے ہیں ایک یہ ہے کہ تمسے چھپے رہتے ہیں اور اپنے تئیں تم پر ظاہر نہیں کرتے تاکہ کہیں تم
شرمندہ ہوکے عورتوں کی صحبت اور جاضرور پیشاب اور اپنی مزیداریاں اور لذتیں چھوڑ ندو اور انکے کرموں سے یہ ہیکہ باوجود تمہارے سب کام جاننے کے تمکو فضیحت
اور رسوا نہیں کرتے ہیں اور کسی آدمی کے سامنے تمہارے بھید و نکو نہیں کھولتے اور انکے کرموں سے یہ ہے کہ جب کوئی نیکی تم سے ہوتی ہے اسکو دس گنی کر کے
لکھتے ہیں جیسا کہ اگر ایک روپیہ اللہ کی راہ میں تمنے دیا ہو اسکو دس روپے لکھتے ہیں اسی پر اور چیز کو بھی قیاس کرلو اور اگر کسی نیکی کا تمنے قصد کیا اور کسی سبب سے
وہ نیکی تم سے ہونے نہ پائی تو تمہارے اس نیک ارادے کو بھی نیکیوں میں گنتے ہیں اور ایک نیکی اسکے عوض میں لکھ لیتے ہیں اور اگر کسی گناہ کا تمنے
ارادہ کیا اور پھر اسے چھوڑ دیا یعنے نہ کیا تو اس چھوڑ دینے کو بھی نیکیوں میں گنتے ہیں اور ایک نیکی لکھ لیتے ہیں اور اگر کوئی گناہ تمسے ہوتا ہے تو چھ ساعت
تک تمکو مہلت دیتے ہیں اور اتنی دیر تک اس گناہ کو نہیں لکھتے کہ شاید اس عرصہ میں تم توبہ استغفار کرو یا اس اپنے کرنے پر شرمندہ ہو یا اسکے بعد تتنے
عرصہ میں کوئی ایسی نیکی تمسے ہو کہ اسکے سبب سے برائی تمہاری معاف ہو جاوے اور اگر اتنی دیر میں ان باتوں میں سے تمسے کچھ نہوا تو ایک گناہ لکھتے ہیں اور
پھر جب توبہ اور استغفار تم کرتے ہو یا کوئی اور نیکی تو اس لکھے ہوئے کو مٹا ڈالتے ہیں اور وہ چوکیدار تمہارے کاموں کے یاد رکھنے میں بہت احتیاط کرتے
ہیں اور باوجود فرشتے ہونیکے کہ انہیں نسیان اور فراموشی ہرگز نہیں ہوتی اپنی یاد پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ **کَاتِبِیْنَ** یعنے لکھ رکھتے ہیں اور اس
کام کیواسطے دفتر تیار کر رکھتے ہیں اور صحیح روایتوں کے موافق یہ ہے کہ ہر آدمی کے واسطے یہ لکھنے والے چار نفر ہیں دو دن کو آتے ہیں اور دو رات کو اور
ہر دن اور رات کے دونوں دفتر علیحدہ علیحدہ رکھ چھوڑتے ہیں اور بعضی روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ انکے بیٹھنے کی جگہ آدمی کے دونوں کندھے ہیں اور بعضوں
نے کہا ہے کہ ہر آدمی کے اوپر کے دونوں بڑے دانت انکے بیٹھنے کی جگہ ہے اور آدمی کی زبان انکا قلم ہے اور تھوک آدمی کا انکی سیاہی ہے اور جب
دفتر رات اور دن کا حقتعالیٰ کے حضور میں لیجاتے ہیں باوجود اسبات کے کہ حق تعالیٰ اپنے بندے سے جان کی رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہے لیکن احتیاط کے
واسطے حکم ہوتا ہے کہ اس دفتر لکھے ہوئے کا لوح محفوظ سے مقابلہ کرو اسواسطے کہ اسمیں جو کچھ کہ بندہ کریگا بے کمی اور بیشی کے لکھا ہے بعد مقابلہ کے حکم ہوتا ہے
کہ بندگی اور گناہ کے سوائے جو کچھ ہے اسکو مٹا ڈالو اور صرف بندگی اور گناہ رہنے دو کہ اسپر ثواب اور عذاب ہوگا اور ان چوکیداروں کو کس طرح پر تمہارے
احوال سے پردہ اور پوشیدگی نہیں ہے اور یہ بھی گمان مت کرنا کہ جس طرح دنیا کے اخبار نویسوں اور خفیہ نویسوں سے کسی حیلہ اور مکر سے اپنے کام چھپا رکھتے
انسے بھی چھپا رکھوگے اسواسطے کہ وے چوکیدار **یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ** جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو اگرچہ ہزار پردے میں کرو اب یہاں پر
جاننا چاہیئے کہ لکھنے والے فرشتوں کا آدمی کے سب کاموں پر خبردار ہونا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے اور آدمی کی سب باتوں پر خبردار ہونا انکا دوسری
آیت سے جو سورۂ قاف میں ہے بوجھا جاتا ہے وہ آیت یہ ہے مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ یعنے نہیں بولتا آدمی کوئی بات مگر اسکے پاس
ایک راہ دیکھتا تیار ہے لکھنے کو اور کسی کام چھوڑ دینے پر خبردار ہونا جیسے روزہ اور اعتکاف اور جو احرام کے اندر منع ہیں انسے بچنا اور جو اسکی مانند ہیں
سب دلیل عقلی سے ظاہر ہیں اسواسطے کہ جب کوئی شخص ایک کام کی حاجت کے وقت بدون کسی عذر اور مانع کے اس کام کو نہ کیا صریح معلوم ہوتا ہے
کہ اس کام کو اس نے چھوڑا لیکن آدمی کی نیت کا حال دریافت کرنا اور اسکے دل کی چھپی بات پر خبردار ہونا اسمیں علما کا اختلاف ہے اکثر عالموں نے
اسکا انکار کیا ہے یعنی دل کی بات کی انکو خبر نہیں ہوتی اور صحیح حدیث میں وارد ہے کہ یہ لکھنے والے نیکی کے ارادہ کو نیکی لکھتے ہیں اور اس بدی کے
ارادہ کو جسکو چھوڑ دیا ہے اسکو بھی نیکی لکھتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فرشتوں کو دل کے احوال پر بھی خبر ہوتی ہے لیکن اسکے منکر کہتے ہیں

کہ یہ خبر انکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے الہام کے طور پر یعنے فلانے شخص نے اسوقت فلانی نیکی کا ارادہ کیا ہے یا فلانی بدی کا ارادہ کر کے پھر اُسے چھوڑ دیا ہے وھوالاظہر یعنے یہی ظاہر بھی معلوم ہوتا ہے اور جب کلام جزا کے ثابت کرنے تک پہنچا تو اب تھوڑی نیکوں کی جزا اور بدوں کی سزا کی تفصیل اس مقام پر بیان کرنا ضرور ہوا اسواسطے ارشاد ہوتا ہے **اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ** مقرر نیک لوگ بڑی نعمت میں ہونگے **وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ** اور مقرر برے لوگ دوزخ میں ہونگے **یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ** پیٹھینگے اُسی دوزخ میں انصاف کے دن یعنی قیامت کو **وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ** اور نہونگے وہ سب اس دوزخ سے غائب ہونیوالے حاصل اسکا یہ ہے کہ جس طرح دنیا کی آفت اور مصیبت سے بھاگ کر یا چھپ کر بچ جا سکتے ہیں اُسدن یہ حیلے اور مکر اُنکے پیش نہ جاوینگے اور اس بلا سے کسیطرح انکو خلاصی نہوگی اسواسطے کہ اُس آگ کی لپک بدکاروں کو دور دور سے اپنے اندر کھینچ لاویگی اور وہ فرشتے جو دوزخ کے دروازوں پر مقرر ہیں زنجیروں اور طوقوں میں انکو باندھکے دوزخ میں ڈال دینگے نہ وہاں بھاگنے کی جگہ ہوگی نہ طاقت مقابلہ کی اور بعضے مفسروں نے غائب ہونے کو دوزخ سے نکلنے پر حمل کیا ہے تو اس صورت میں تخصیص کفار کی فجار سے ضرور ہوئی اسواسطے کہ فاسق ایماندار دوزخ سے ضرور نکلینگے اور بہشت میں داخل ہونگے اور علم بدیع کے عالموں نے کہا ہے کہ اس کلام میں جمع اور تقسیم کی صنعت ہے یعنے پہلے ان علیکم لحافظین فرمایا اسمیں سب آدمیوں کو نیک ہوں یا بد ایک حکم میں جمع کیا ہے پھر بعد اسکے جزا اور سزا کے بیان کرنے میں دونوں کو جدا جدا بیان فرمایا ہے یعنے ان الابرار لفی نعیم و ان الفجار لفی جحیم اور اس کلام میں ترصیع کی بھی صنعت ہے اور علم بدیع کی اصطلاح میں جس کلام میں یہ صنعت پائی جاتی ہے اس کلام کو مرصع کہتے ہیں اسواسطے کہ اسمیں دونوں فقروں کی لفظیں سجع میں یعنی آخر کے حرف میں اور وزن میں برابر ہوتی ہیں جیسا کہ اس کلام میں موجود ہے یعنی ابرار فجار سے اور نعیم جحیم سے وزن اور سجع میں برابر ہے اور اسی صنعت میں کسی شاعر نے کہا ہے ؎ اے منور بتو نجوم جلال ٭ وے مقرر بتو رسوم کمال ٭ اسمیں منور مقرر سے اور نجوم رسوم سے اور جلال کمال سے وزن اور سجع میں برابر ہیں اور تضاد کی صنعت بھی اسمیں پائی جاتی ہے اور اسکو طباق اور تطبیق بھی کہتے ہیں حاصل اس صنعت کا یہ ہے کہ کئی چیزیں جو آپسمیں ایک دوسرے کی ضد ہوتی ہیں انکو جمع کر دیتے ہیں جیسطرح اس مصرع میں مصرع ہشیار درون رفت برون آمد مست ٭ اور اس آیت میں بھی نعیم جحیم کی ضد ہے اور ابرار فجار کی اور جو بدکاروں کی جزا کے دریا میں دین کے روزگار کا بھی ذکر آگیا تھا اور اُس دن کی سختیاں اور مصیبتیں خاطر خواہ بیان نہیں ہوئی تھیں تو سننے والوں کو خبردار کر دینے کیواسطے تھوڑی سی سختیاں اُس دن کی استفہام تہویلی کے طور پر مجملا بیان فرماتے ہیں کہ **وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ** اور کیا جانا تو نے کہ کیا ہے دن انصاف کا حاصل اس کلام کا یہ ہے کہ اپنی عقل سے سختیاں اور مصیبتیں اُسدن کی آدمی دریافت نہیں کر سکتا ہے اسواسطے کہ جو جو دکھ درد کی سختیاں اور آفتیں مصیبت کے دنوں میں اُسپر گزری ہیں یا کسی اپنے ہمجنس سے سنی ہیں وہ سب اُسدن کی مصیبتوں اور سختیوں کی نسبت سے کچھ حقیقت نہیں رکھتیں تا کہ انکو اُسپر قیاس کر لے اور عقل کا کام تو یہی ہے کہ بن دیکھی چیز کو دیکھی چیز پر قیاس کر لے اور بن سنی کو سنی پر **ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ** پھر بعد مہلت کے ہم کہتے ہیں کہ تو نے کیا جانا کہ کیا ہے انصاف کا دن اس مقام پر ثم کی لفظ کا حاصل یہ ہے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ انکو سنتے ہی آدمی دریافت نہیں کر سکتا ہے اور اسکی فکر میں نہیں آتا بعد تھوڑی دیر کے اور تامل کرنیکے اسکی حقیقت معلوم ہوتی ہے لیکن جو چیز ایسی ہو کہ وہم اور خیال کی اسمیں گنجایش نہو ایسی چیز میں تو ننگ فکر اور تامل کرنا اور سنتے ہی اسکے دریافت سے مایوس ہونا دونوں برابر ہیں اسی سبب سے فرمایا کہ بعد مہلت اور فرصت کے بھی اسکی حقیقت حال کو دریافت نکر سکوگے اور تھوڑی سی شدت اور سختی اُسدن کی سمجھ سے بیان کرتے ہیں ہم کہ وہ دن **یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا** جسدن نہ مالک ہو کوئی جان کسی جان کے واسطے کچھ اب اس مقام سے شدت اُسدن کی بوجھا چاہئے اسواسطے کہ دنیا میں اگر کوئی شخص کسی بلا میں گرفتار ہوتا ہے تو پہلے عوام الناس سے کچھ مدد [illegible] نہیں ہوتی تب خواص کی طرف جو اس بلا کا دفعیہ جانتے ہیں ڈھونڈھتا ہے اور

اور جب دیکھتا ہے کہ عوام الناس سے کچھ کاربرآری نہیں ہوتی تب خواص کی طرف جو اُس بلا کا دفعیہ جانتے ہیں التجا لیجاتا ہے جیسے طبیب حاذق کی طرف رجوع کرتے ہیں بیمار دفع کرنیکے واسطے اور چابکدست جراحوں کی طرف پھوڑے اور وروموں میں اور تیز نظر کحالوں کی طرف آنکھوں کی مصیبتوں میں اور عادل حاکموں کی طرف ظلم اور زبردستی کے مقدمے میں اور ہر کام کے تجربہ کاروں کی طرف دوسرے کاموں میں اور جب دیکھتا ہے کہ ان آدمیوں سے کوئی میرے حال پر متوجہ نہیں ہوتا ہے تب لاچار ہو کے اُنکے یار دوستوں سے سفارش کراتا ہے اور اُنسے مدد چاہتا ہے اور اپنی کاربرآری کرتا ہے لیکن اُس دن جتنے ناتے رشتے خویشی آشنائی کے ہیں سب نیست و نابود ہو جاوینگے اور سوائے نفسی نفسی کے کسی کو دوسرے کے حال پر شفقت اور مہربانی نہوگی یہانتک کہ ماباپ کو اپنی اولاد پر رحم نہوگا اور نہ اولاد کو ماباپ کا کچھ غم سب اپنے اپنے حال میں مبتلا ہونگے اور وہانکے مقدمات میں کسی کو ادنیٰ ہو یا اعلیٰ کچھ دخل نہوگا خاص بندے عوام کی طرح حیران اور پریشان ہونگے اور بڑے بڑے سردار رعایا کی مانند سرگشتہ اور حیران ہونگے اُسدن بدون حکم اس مالک الملک کے کوئی کسی کی سفارش نکرسکیگا اور عاجزی اور چاپلوسی اور صبر اور استقلال دونوں بیفائدہ اور بیکار ہونگے اُسدن وہی ارحم الراحمین جسپر رحم کرے اُسکی نجات اور رہائی ہے اور جسپر قہر اور غضب ہو اُسکی خرابی اور رسوائی اور اس آیت میں تین عموم واقع ہوئے ہیں پہلا عموم مالک کی ذات میں اور دوسرا مملوک کی ذات میں اور تیسرا جیز مملوک میں اور ان تینوں عموم سے پرلے درجہ کی مایوسی اور ناامیدی حاصل ہوئی اپنی مصیبت کے دفع کرنے میں کسی دوسرے کی طرف التجا کرنیسے اس دن کے معاملہ میں چنانچہ یہ بات ظاہر ہے **وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ** اور حکم اُسدن اللہ ہی کے واسطے ہے اور دنیا میں جس طرح بادشاہ کا حکم رعیت پر اور ماباپ کا حکم اولاد پر اور آقا کا حکم نوکر پر اور خاوند کا حکم جورو پر اور میاں کا حکم لونڈی غلام پر جاری ہوتا ہے اُسدن یہ سب حکم منقطع ہو جاوینگے اور سوائے اُس مالک علی الاطلاق کے حکم کے کسی کو قدرت دم مارنے کی نہوگی جسکو اُس مالک نے سب طرح سے پسند کیا اُسکی نجات ہے اور جسکو سب طرح سے ناپسند کیا اُسکی ہلاکت اور خرابی ہے اور جسکو بعضی وجہ سے پسند کیا اور بعضی وجہ سے ناپسند کیا اُنکے واسطے پیغمبروں یا اولیاؤں یا عالموں یا حافظوں یا شہیدوں یا فرشتوں کو حکم ہوگا کہ فلانے شخص کی شفاعت کرو تاکہ تمہاری بھی عزت اور مرتبہ بڑھے اور اس طرح کی شفاعت جو حاکم کے حکم پر موقوف ہو اسمیں کسی کو دخل نہیں ہوتا اور اعتماد کرنا بھی نہ چاہیے اور اسی مضمون سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں شفاعت کی نفی نہیں ہے جو معتزلہ نے سمجھا ہے بلکہ شفاعت کا ہونا حاکم کے حکم پر موقوف رکھا ہے اور یہی ہے اہل سنت اور جماعت کا صحیح مذہب اور اعتقاد واللہ اعلم بالصواب

سورۂ مُطفّفین

اس سورت میں اختلاف ہے کہ مکی ہے یا مدنی اکثر معتبر تفسیروں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں تشریف لیگئے اور اُسوقت میں وہاں کے لوگ ناپ اور تول میں دغابازی بہت کرتے تھے تو یہ سورت نازل ہوئی اور اول سورت جو مدینے میں نازل ہوئی سو یہی سورت ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کے لوگوں کو یہ سورت تعلیم فرمائی اور وہ لوگ ہدایت سے قرآن اور رسول کی منور گئے اور وہ دغابازی چھوڑ دی چنانچہ اُس روز سے آج کے دن تک تمام دنیا میں کوئی پورا ناپنے تولنے والا مدینے منورہ کے لوگوں کے برابر نہیں اور جو لوگ کہ اس سورے کو مکی کہتے ہیں سو اُنکا قول یہ ہے کہ یہ سورت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی تھی جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کو تشریف فرما ہوئے اور وہاں کے لوگوں کو اس بلا میں مبتلا دیکھا تو یہ سورت اُنکے سامنے پڑھی پس اس سبب سے لوگوں نے یہ جانا کہ یہ سورت اسیوقت نازل ہوئی ہے اور عطاء مکی نے کہا ہے کہ نزول اس سورت کا مکے اور مدینے کے درمیان ہوا ہے ہجرت کے سفر میں اور اُسکے ربط کی وجہ سورۂ انفطار سے یہ ہے کہ اُس سورت میں نیکوکاروں اور بدکاروں کے نامۂ اعمال کی ابتدا کا مذکور ہے کہ دنیا میں لکھے جاتے ہیں اور اس سورت میں اُن اعمالوں کے درمیان کا بیان ہے کہ ہر شخص کی موت کے بعد خواہ نیک ہو خواہ بد اُن دفتروں میں سے کہ سجین اور علیین میں ایک دفتر کے متصدیوں کے حوالے کئے جاتے ہیں چنانچہ سورۂ انشقت میں اُن ناموں کی انتہا کا بیان ہے کہ حشر کے روز ہر شخص کے ہاتھ میں دیئے جاوینگے اور اس سورہ کا نام مطففین اسواسطے رکھا ہے کہ اُسکے شروع میں بدحالی مطففین کی مذکور ہے اور وہ دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ جو شخص اتنا تھوڑا سا حق بھی مخلوق کا تلف کریگا اُسکا بھی یہ بُرا حال ہوگا پھر جو شخص کہ حق عظیم اپنے

اپنے پروردگار کا کہ ایمان لانا اُسکی آیتوں اور اُسکے رسولوں پر ہے تلف کریگا تو انجام اُسکا کیا کچھ ہونیوالا ہے اور مناسبت ان دونوں سورتوں میں کلام نظم و نسق کے اعتبار سے بھی ظاہر ہے کہ اس سورے میں کلا بل تکذبون بالدین وان علیکم لحافظین مذکور ہے اور اس سورت میں ویل یومئذ للمکذبین الذین یکذبون بیوم الدین وما ارسلوا علیہم حافظین واقع ہے اور اُس سورت میں انّ الابرار لفی نعیم اور اس سورت میں بھی بعینہ یہی لفظ مذکور ہے اور اس سورے میں انّ الفجار لفی جحیم یصلونہا یوم الدین آیا ہے اور اس سورت میں ۔ ثم انہم لصالوا الجحیم ہے اور اس سورے کا ختم اس کلمہ پر ہے کہ والامر یومئذ للہ اور اوایل میں اس سورہ کے یوم یقوم الناس لرب العالمین مذکور ہے ؞

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ویل للمطففین خرابی ہے گھٹانیوالوں کی کہ لوگوں کے حق ناپنے تولنے میں گھٹاتے ہیں ہرچند کہ تطفیف ... میں ناپ اور تول میں خیانت کرنیکے معنوں میں آتا ہے لیکن شیخ ابوالقاسم قشیری قدس سرہ العزیز نے اور دوسرے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ظاہر کرنا لوگوں کے عیب کو اور وہی عیب اپنے اندر ہو اُسکو چھپانا اور لوگوں سے انصاف چاہنا اور خود انصاف نکرنا اور دوسروں کے عیبوں کو دیکھنا اور اپنے عیبوں کو نہ دیکھنا اور لوگوں سے تعظیم چاہنا اور آپ واجب التعظیموں کی تعظیم نکرنا اور جو اپنے واسطے چاہنا وہ دوسروں کے واسطے نہ چاہنا اور نوکروں مزدوروں سے کام پورا لینا اور اُنکی مزدوری اور ماہوار دینے میں قصور کرنا اور رزق مقدر کو جناب الٰہی سے پورا چاہنا اور آپ اُسکی طاعتوں میں نقصان کرنا یہ سب تطفیف میں داخل ہیں چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ الصلوۃ مکیال فمن وفّٰی وُفّی لہ ومن طفف فقد علمتم فیہ ما قال اللہ تعالیٰ اور یہی حدیث قدسی میں وارد ہے کہ اوف یا ابن ادم کما تحب ان یوفی لک واعدل کما تحب ان یعدل لک اور دوسری حدیث میں واقع ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس سورے کی تلاوت کے بعد مدینے کے لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ خمس بخمس یعنی پانچ چیزیں بدلے میں پانچ چیزوں کے ہوتی ہیں کوئی قوم سبب ملکر عہد شکنی نہیں کرتی مگر دشمن اُنکے اُنپر مسلط کئے جاتے ہیں اور کوئی فرقہ خلاف شریعت کے حکم نہیں کرتا اور رشوتیں کھاکر حکم شریعت کا تبدیل نہیں کرتا مگر کہ فقر و افلاس اُنمیں سرایت کرتا ہے اور کسی فرقے میں زنا اور لواطت رائج نہیں ہوتی مگر کہ موت اُنپر مسلط ہوتی ہے اور کوئی فرقہ ناپ اور تول میں نقصان نہیں کرتا مگر کہ زراعت اُنکی برباد ہو جاتی ہے اور قحط میں مبتلا ہوتا ہے اور کوئی فرقہ زکوٰۃ کا مانع نہیں ہوتا مگر کہ بارش اُنپر بند کی جاتی ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ مقدمہ ناپ اور تول کا نہایت عمدہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر جو عذاب نازل ہوا تھا سو اسی گناہ کی شامت سے تھا اور علما کو اسکے کبیرہ ہونے میں اختلاف ہے بعضوں نے ازراہ مبالغہ کے کہا ہے کہ قصداً اس فعل شنیع کا بھی گناہ کبیرہ سے ہے اور بعضوں نے فرق کیا ہے قلیل اور کثیر میں کہتے ہیں کہ اگر نقصان ناپ اور تول کا چوری کے نصاب کی حد کو پہنچے کہ اس ملک کے تین روپے رائج ہوتے ہیں تو کبیرہ ہو جاتا ہے اور اگر اس سے کم ہے تو صغیرہ ہے اور اکثر ظاہر بین اس مقام پر گھبرا کر کہتے ہیں کہ تھوڑا سا حق دبا رکھنا کسی کا اسقدر وبال نہیں رکھتا اور بالاجماع صغیرہ ہے تطفیف کو کیوں کبیرہ میں گنا ہے اور اسپر سخت وعید فرمایا ہے جواب اسکا یہ ہے کہ غصب ایک گناہ ہے شریعت کی ٹھیرائی ہوئی صورت کا بدلنے والا نہیں ہے اور یہ تطفیف ایک ظلم ہے عدل کی صورت میں تفصیل اُسکی یہ ہے کہ تول اور ناپ کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انصاف اور عدل کے قائم کرنیکے واسطے مقرر فرمایا ہے اور مخلوقات کے معاملات کا مدار انہیں دونوں چیزوں پر رکھا ہے پس ان دو چیزوں کو وسیلہ ظلم کا قرار دینا ایسا ہے جیسے عبادت کو وسیلہ گناہ کا ٹھیرانا اور یہ بھی ہے کہ تطفیف میں خیانت اور دغا اور مکر ہے کہ نفس کی خباثت پر دلالت کرتا ہے برخلاف غصب کے دوسرے نہایت خستا اور اوچھا پن مزاج کا ہے کہ ایک پیسا جبر دانوں کے واسطے اپنے ایمان کو بیچتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عدل کو ظلم کی صورت میں منودار کرتا ہے پس اس قسم کی باتوں سے اس گناہ نے ایسی عظمت پیدا کی ہے کہ دوسرے صغیرہ گناہوں میں نہیں پائی جاتی ۔ ہرچند کہ بعضے بزرگوں سے منقول ہے کہ اپنے زمانے کے بادشاہوں سے وعظ و نصیحت کے وقت فرمایا ہے کہ تمکو کچھ معلوم ہے کہ مطفف کے حق میں کیا وعید وارد ہوا ہے ۔ تم جو لوگوں کا مال بے تول کھاتے ہو تمہارا کیا حال ہونیوالا ہے لیکن مراد ان بزرگوں کی

یہ ہے بادشاہ کا ظلم بھی تطفیف کی مانند شریعت کے حکم کے برخلاف اور اُلٹا ہے کیونکہ قدرت سلطنت کی اسکو اسواسطے دی ہے کہ قائم ہونا عدل کا اور دفع ہونا ظلم کا ظہور پاوے پھر جو اس قدرت کو عدل کے مٹنے میں اور ظلم کے قائم کرنے میں خرچ کریں تو قلب موضوع کا اور خلاف مقصود کا لازم آتا ہے غرضکہ بہرصورت اس قسم کے گناہوں میں سوائے خلق اللہ کی حق تلفی کے تلبیس اور مکر اور رخنہ حکمت الٰہی میں کرنا ہے اور ظلم کو عدل کی صورت میں نمودار کرنا ایسا ہے جیسے قرآن درمیان میں رکھکر دغا کرے پس ایسی ایسی خباثتیں جمع ہونیکے سبب سے کبیرہ ہوا ہے اور اسی طرح سے مسجد کو نجاستگاہ بنانا حرام ہے نہ غیر مسجد کو اور دین کے کام دنیا کی غرض کے واسطے اور اپنے کو صلحا کی صورت سے نمودار کرکے داد ابلیسی کی دینا نہایت بد ہے کھلے بندوں دنیا طلب کرنے اور ظاہر فسق و فجور کرنیسے اور جو تطفیف یعنی گھٹانا ناپ اور تول میں کبھی بے پروائی کی راہ سے بھی ہوتا ہے چنانچہ بعضا شخص وارستہ مزاج ہوتا ہے لین دین میں چنداں احتیاط نہیں کرتا اور یہ تطفیف اپنا حق لینے میں مضائقہ نہیں رکھتی لیکن دوسرے کے حق میں کرنا حرام اور ممنوع ہے مگر اسقدر شدت اور عذاب اسکے واسطے نہیں ہے کہ اسکی کرنیوالے پر ویلٌ کا لفظ کہا جاوے سو اس قسم کی تطفیف کے احتراز کے واسطے مطففوں کو ایک دوسری علامت اور صفت سے موصوف فرمایا ہے تاکہ معلوم ہوجاوے کہ کم کرنا انکا ناپ اور تول میں مزاج کی بے پروائی اور وارستگی کی راہ سے نہیں ہے بلکہ کمال زیرکی اور ہوشیاری سے جان بوجھکر یہ کام کرتے ہیں اور کمال حرص رکھتے ہیں کیونکہ انکی صفت یہ ہے کہ **اَلَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ** وہ گھٹانیوالے ناپ اور تول کے جب ناپ کر لیتے ہیں لوگوں سے اپنا حق کہ انکے ذمہ پر رکھتے ہیں تو **يَسْتَوْفُوْنَ** پورا بھر لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہمارے حق میں سے ایک دانہ کم نہو بلکہ پورا کرنے کے بہانے سے تھوڑا سا اپنے حق سے زیادہ لے لیتے ہیں اور تقریر کرتے ہیں کہ ہمکو اپنا حق پورا آنا یقینی معلوم نہیں ہوتا جب تک کہ تھوڑا سا زیادہ نہ لیں اور جبکہ ناپ میں یہ حیلہ کرتے ہیں اور اپنے حق سے زیادہ چاہتے ہیں تو تول میں تو بطریق اولیٰ پورا کرنیکے بہانے سے زیادہ چاہتے ہیں کیونکہ ناپ میں مسامحہ اور مساہلہ رائج ہے اور تول میں کھینچ اور تنگی بھید اسمیں یہ ہے کہ ناپ چیزوں کی طول اور عرض سے علاقہ رکھتا ہے اور تول چیزوں کی ثقل اور اعتماد سے سو جو چیزیں کہ آدمی کا تعلق انکے ساتھ پوشاک اور سکونت کے سبب سے ہے جیسے کپڑا اور زمین تو انمیں پیمائش اور ناپ رائج ہے اور جو چیزیں کہ آدمی کی باطنیہ قوتوں سے علاقہ رکھتی ہیں جیسے غذا یا دوا یا مالیت سے رکھتی ہیں مثل سبعہ متطرقہ کے یعنے وہ سات چیزیں کہ بغیر انکے دنیا کا کام نہیں چلتا جیسے سونا چاندی تانبا لوہا وغیرہ کہ بھاری پن کے سبب سے انکے ناز اجزا کا رکھتی ہیں اور انکے ناز اجزا کے سبب سے انمیں بقا کا طول پایا گیا اور طول بقا کے سبب سے انکی مالیت زیادہ ہوئی یعنی ہر شخص اسکا خواہاں ہوا اس سبب سے ان چیزوں میں وزن رائج ہوا سو یہی سبب ہے کہ جو چیزیں ناپی جاتی ہیں اکثر خسیس ہوتی ہیں اور جو تولی جاتی ہیں وہ اکثر نفیس ہوتی ہیں اَللّٰهُمَّ اِلَّا نَادِرًا ۔ یعنی کبھی بعضی چیزوں میں اس قاعدے کا عکس جاری ہوتا ہے اور خسیس چیزوں میں تول اور نفیس میں ناپ جاری ہوتا ہے جیسے شلغم اور گاجر تولی جاتی ہیں اور کمخواب اور کناری ناپی جاتی ہیں ۔ حاصل کلام کا یہ ہے اس جگہ پر فقط ناپ کے ذکر پر اکتفا کرنا اور وزن کا ذکر نکرنا اسکا یہی بھید ہے اور بعضے اذکیا نے کہا ہے کہ اپنا حق لیتے وقت تول کی چیزوں کی قسم سے ترازو بیچنے والے کے ہاتھ ہوتی ہے تول سے زیادہ لینا خریدار کو ممکن نہیں کیونکہ ترازو کا پلہ اگر دو دانے زیادہ پڑیں تو جھک جاوے اور زیادتی ظاہر ہوجاوے اور ناپ کے لینے میں خریدار کو بھی البتہ کچھ تھوڑا سا دخل ہوتا ہے کہ پیمانے کو ذرا ہلاوے کہ چار دانے زیادہ سما جاویں یا کپڑے کو ذرا جھول دیدے کہ کچھ زیادہ آجاوے تو ہو سکتا ہے برخلاف پرایا حق دینے کے وقت کہ ترازو اور ناپ دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں اسی واسطے اس مقام پر دونوں کو مذکور فرمایا ہے چنانچہ آگے آجاویگا انشاء اللہ تعالیٰ ۔ اور لفظ علیٰ کا اس مقام پر اسواسطے لائے ہیں کہ ناپ کر لینا انکا لوگوں سے انکے ضرر پہنچانے کے ارادے سے ہے نہ انسے فقط اپنا حق لینے کے ارادے سے نہیں تو اصل لغت میں اکتیال متعدی مِن کے ساتھ آتا ہے چنانچہ بولتے ہیں اکتلت منک یعنی ناپ کر لیا میں نے تجھ سے **وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ** اور جب ناپ کر دیتے ہیں لوگوں کو انکا حق یا تول کر ۔ اور لفظ کیل اور وزن کا عرب کی لغت میں جیسے کہ ناپ اور تول کے معنوں میں آیا ہے اسی طرح سے ناپ دینے اور تول دینے کے معنوں میں بھی آیا ہے پس حاجت اضمار کرنے لام کی لفظ میں ہُمْ کے نہیں جیسے کہ اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ مراد کالوا لہم او وزنوا لہم ہے کیونکہ ناپنے اور تولنے سے لوگوں کا مال مراد ہے نہ انکی ذات لیکن لام کو لفظ میں

یہیں سے حذف کر دیا ہے اسواسطے کہ لام اکثر نفع کے واسطے آتا ہے اور اس مقام پر توہم نفع کا موجب نا قص کے توہم کا کلام میں ہوا جاتا ہے کیونکہ منظور یہ بات ہے کہ وہ لوگ دینے کے وقت بھی ارادہ مخلوق کی ضرر کا کرتے ہیں دونوں کاموں میں نیا ناپا اور کیا قول **یُخْسِرُوْنَ** گھٹاتے ہیں لوگوں کا حق اور انکو نقصان پہنچاتے ہیں تھوڑا تھوڑا الکال نکالکر یہاں پر سمجھ لیا چاہئے کہ دین لین کے پورا بھر دینے اور گھٹانے میں چار صورتیں خیال میں آتی ہیں اول تو یہ کہ دونو صورتوں میں پورا بھر دے۔ دوسرے یہ کہ دونوں صورتوں میں گھٹائے تیسرے یہ کہ دینے میں گھٹا دے اور لینے میں پورا بھر لے پس یہی صورت اس آیت میں مذکور ہے۔ چوتھے یہ کہ دے پورا اور لے کم یہ مرتبہ اعلیٰ ہے اور بڑے حوصلہ والوں کا کام ہے اور اُن پہلی دونوں صورتوں کو اس جہت سے یہاں مذکور نہیں فرمایا کہ اُن دونوں صورتوں میں بھی اگرچہ قبح اور حرمت موجود ہے لیکن پرلے درجہ کی بُرائی نہیں رکھتے ہیں کہ اُنکے حال پر ولے کہا جاوے کیونکہ دینے کا نقصان لینے کے نقصان کا بدلا ہو جاتا ہے اسی طرح سے زیادہ لینا زیادہ دینے کا معاوضہ ہے پس ایک صورت سے نیکی اور ایک صورت سے بدی پائی گئی اور یہ اس قیاس پر ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ لوگ قرض کے معاملہ میں چار قسم کے ہیں ایک وہ شخص کہ اپنا قرض بھی لوگوں سے سہولت سے وصول کرتا ہے اور جو لوگوں کا قرض اُسکے ذمے ہے اُسکو بھی بخوبی ادا کرتا ہے سو یہ شخص سب سے بہتر ہے دوسرا وہ شخص ہے کہ لوگوں کا قرض بھی کمال شدت اور ایذا سے ادا کرتا ہے اور اپنا قرض بھی لوگوں سے کمال شدت اور بیمروتی سے وصول کرتا ہے پس یہ سب سے بدتر ہے تیسرا وہ شخص ہے کہ لوگوں کا قرض تو بخوبی ادا کرتا ہے اور اپنا قرض شدت سے طلب کرتا ہے چوتھا وہ کہ لوگوں کا قرض خرابی سے ادا کرتا ہے اور اپنا قرض وصول کرنے میں نہایت نرمی اور آسانی کرتا ہے پس یہ دونوں قسمیں میانہ ہیں کہ ایک طرف کی خوبی دوسری طرف کی بدی سے مقابل ہے تو صرف بدی سے بہتر ہے اور اسی طرح سے غصے کے مقدمے میں بھی لوگوں کو چار قسم کا فرمایا ہے اول قسم تو وہ ہے کہ جلد غصے ہو اور جلد راضی ہو دوسری قسم وہ ہے کہ دیر سے غصے ہو اور دیر سے راضی ہو یہ دونوں قسمیں میانہ ہیں تیسری قسم وہ ہے کہ جلد غصے ہو اور دیر سے راضی ہو یہ قسم سب سے بدتر ہے چوتھی قسم وہ ہے کہ دیر سے غصے ہو اور جلد راضی ہو یہ قسم سب سے بہتر ہے اور جو مطففین کو اُنکے حال پر ولے کرکے ڈانٹ فرمائی تو اب ارشاد کرتے ہیں کہ گویا کہ یہ لوگ اس کام کے اختیار کرنیسے قیامت کے منکر ہیں کیونکہ جو شخص کہ اعتقاد اس روز کا رکھتا ہے اسقدر تلف کرنے میں خلق اللہ کے حق کے خصوصاً ٹھگی اور مکر اور حیلے سے جرأت نہیں کرتا۔ اسیواسطے بطور استفہام انکاری کے فرمایا **اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ** کیا گمان نہیں کرتے ہیں یہ لوگ کہ عقل اور شعور سے دور ہیں اور ظن کے لفظ میں کہ گمان کے معنوں میں آتا ہے آگاہی اسبات کی طرف سے کہ ہر عاقل اس عقیدے کو یقین صادق سے جانتا ہے بلکہ ہر گھڑی اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے اور یہ لوگ گمان بھی اسکا نہیں کرتے ہیں اعتقاد تو کہاں۔ دوسرے اشارہ اس طرف کو بھی ہے کہ اگر کسی کو اعتقاد کامل اُس دن کا نہو تو فقط گمان بھی اس قسم کی بُرائیوں سے بچنے کو کفایت کرتا ہے جیسے کہ مسافر راہ کے خطرے کے گمان پر بلکہ محض وہم پر پانی تو ساتھ لے لیتے ہیں اور بدرقہ طلب کرتے ہیں اور یہ احمق اس مضمون کا گمان بھی نہیں رکھتے ہیں کہ **اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ** مقرر وہ زندہ کئے جاوینگے ایک بڑے دن میں اور بزرگی اُس دن کی اس سبب سے ہے کہ وہ دن عدل قائم ہونے کا دن ہے اور اللہ جل شانہ کے حق اور بندوں کے حق اُس روز مخلوق سے طلب کئے جاوینگے اور کمال سختی حق ڈبونے والوں پر کی جاویگی اور اُس روز کی بزرگی کے اسبابوں سے ایک یہ ہے کہ وہ دن رسوائی کا ہے کیونکہ صفت اُسکی یہ ہے **يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** جسدن کھڑے ہونگے لوگ اگلے اور پچھلے حضور میں حضرت رب العالمین کے اور لفظ رب العالمین کی یہاں پر اسم ذات کے مقام پر لائے ہیں تاکہ اشارہ ہو اسبات کی طرف کہ عموم ربوبیت اُس ذات پاک کی چاہتی ہے کہ اپنے بندوں کا حق پورا پہنچاوے پس لوگوں کے حق برباد کرنیوالوں کا کھڑا ہونا اُسکے حضور میں کمال ذلت اور رسوائی ہے اور اس کھڑے ہونے کو بعضے مفسروں نے مُردوں کے زندہ ہونے پر قیاس کیا ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلانا سوتے سے اُٹھا یعنی بیدار ہوا اور اصح یہ ہے کہ حقیقی کھڑا ہونا مراد ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگ قیامت کے دن دنیا کے تین سو برس کے اندازے کے موافق حشر کے میدان میں کھڑے رہینگے اور اُنکے واسطے کچھ حکم ظہور میں نہ آویگا لیکن اتنی بڑی

مدت مسلمان کو ایسی تھوڑی معلوم ہوگی کہ گویا کہ نماز سے فارغ ہوا اور صحیح مسلم میں روایت ہے مقداد بن الاسود کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تفسیر میں اس آیت کی وارد ہے کہ یقوم الناس فی رشحہم الی انصاف اذانہم یعنی لوگ پسینے میں کھڑے ہونگے اور اُنکا پسینا اُنکے کانوں کی لو تک پہنچیگا۔ اور یہ بھی صحیح مسلم اور دوسری صحاحوں میں مروی ہے کہ قیامت کے روز آفتاب آدمیوں کے سر سے ایک کوس یا دو کوس کے مفاصلے پر کھڑا ہوگا تو اُسکی گرمی سے لوگوں کے بدن پگھلنے لگینگے اور پسینا بہنا شروع ہوگا لیکن ہر شخص کے برے عملوں کے موافق بعضے کے پسینا گردن تک پہنچیگا اور بعضے کے کان کی لو تک پہنچکے لگام کی مانند مُنہ میں رہیگا اور کسی کو گردن تک کسی کو سینے تک کسیکو کمر تک کسی کو زانو تک کسی کو ٹخنوں تک اور علی ہذا القیاس اور منقول ہے کہ ایک دن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سورت کو نماز میں شروع کیا جب اس آیت پر پہنچے تو کمال خوف سے رونے لگے یہاں تک کہ بیتاب ہو کر گر پڑے اور اُسوقت کی نماز ادا نکرسکے **كَلَّآ** یعنے ناپ اور تول کے کم کرنیوالوں کو چاہیئے کہ یہ کام نکریں اور قیامت کے دن سے اور حضور میں کھڑے ہونے سے عادل زورآور کے بیخبر اور غافل نہ رہیں کیونکہ ہر نیک و بد عمل انکا انکے اعمال ناموں میں لکھا ہوا اُسکے دفتر کے متصدیوں کے سپرد ہے پھر جو کچھ کہ مخلوق کے حق تلف کئے ہیں بموجب اسی دفتر کے اُس روز اُنسے بازپرس ہوگی اور اگر وہ پوچھیں کہ اعمال نامے ہمارے بعد موت کے کس علامت سے معلوم ہونگے اور کہاں محفوظ رہینگے تو اُنکو جواب دیا چاہیئے کہ **اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ** مقرر اعمال نامے بدکاروں کے اور اُنکی اسم نویسی سجین کے دفتر میں ہے اور سجین مبالغہ کا صیغہ ہے سجن سے کہ زنداں کے معنوں میں ہے پس جو وہ مقام کہ اُس دفتر کی اسم نویسی والے وہاں رہتے ہیں وہ ایک مکان ہے نہایت تنگ و تاریک اور دوزخیوں کی ارواح کا قیدخانہ تو اسیواسطے اس دفتر کو اس نام سے مسمی کیا چنانچہ بیان اسکا فرماتے ہیں **وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ** اور کیا بوجھا تو کہ کیا ہے سجین **كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ** ایک دفتر ہے لکھا ہوا اور علامت کیا ہوا حاصل اسکا یہ ہے کہ ایک دفتر ہے کہ اُس میں نام ہر ایک دوزخی کا لکھا ہے جو بندوں کے عمل لکھنے والے بعد اُن بدکاروں کے مرنے اور عمل منقطع ہونیکے ہر ہر شخص کے عمل علیحدہ علیحدہ فردوں میں لکھکر اس دفترخانے میں جسکا نام سجین ہے داخل کرتے ہیں اور اس دفتر پر یا ہر ایک دوزخی کے نام پر ایک علامت اور رقم بنا دیتے ہیں کہ اُسکے دیکھتے ہی معلوم ہو جاوے کہ یہ شخص دوزخی ہے اور اصل لغت میں رقم علامت کے معنوں میں ہے کہ سوداگر لوگ تھانوں پر قیمت دریافت کرنیکے واسطے لکھ دیتے ہیں کہ اُسکو ہندی لغت میں آنک کہتے ہیں اور بیان سجین کا احادیث ضعیفہ میں روایت ہے کعب الاحبار کی یوں آیا ہے کہ وہ دفتر ساتوں زمینوں کے تلے ہے اور وہاں ایک سیاہ پتھر پڑا ہے کہ اُس سے بدبو اور دھواں نکلتا ہے اور جو ابلیس اور دوسرے شیطان اذکار اور انوار سے بھاگتے ہیں تو وہاں جا کر ٹھیرتے ہیں بدکاروں کی روح کو بعد قبض کرنیکے اول آسمان کی طرف لیجاتے ہیں تو آسمان کے دربان اُسکے واسطے دروازہ نہیں کھولتے اور آنے نہیں دیتے پھر زمین پر لاتے ہیں تو کوئی مکان اُسکو قبول نہیں کرتا تا کہ اُس روح کو وہاں رکھیں آخر کو اُسکو ساتوں زمینوں کے تلے اُس پتھر کے نیچے رکھتے ہیں اور جو فرشتے کہ اُس دفتر کے متصدی ہیں اُسکا نام دفتر میں لکھ لیتے ہیں کہ فلانا فلانے کا بیٹا اس تاریخ میں دنیا سے برزخ میں پہنچا اور یہ عمل لایا اور فردیں اُسکے اعمال کے روزنامچہ کی کراماً کاتبین کے ہاتھ سے لیکر اس دفتر میں داخل کرتے ہیں تاکہ قیامت کے دن وہ سب اُسکے اُلٹے ہاتھ میں دیں اور بدکاروں کی ارواحیں بھی اُسی مکان میں رہتی ہیں اور طرح طرح سے عذاب کی جاتی ہیں اور یہاں پر علم معانی کے قاعدے کے موافق دو سوال وارد ہوتے ہیں کہ جواب طلب ہیں اول یہ کہ ذکر فجار کے دفتر کا خبر ابتدائی ہے کہ سننے والے سمجھنے سے اس خبر کے ناواقف تھے اور ہرگز سُنا نہ تھا اور علم معانی کا قاعدہ یہ ہے کہ کلام ابتدائی میں کہ سننے والا اُس سے بیخبر ہو تو تاکید نہیں لاتے پھر اس کلام میں دو تاکید کسواسطے لائے ہیں ایک تو اِنّ دوسرا لام جواب اسکا یہ ہے کہ اگرچہ سننے والے فجار کے اعمال نامہ کا دفتر ہونے سے سجین میں بیخبر تھے لیکن ثابت کرنے سے اس اثبات کے اصل دفتر اعمال کی لازم آتی ہے اور کافر کہ مجازات اور قیامت کے منکر ہیں اس دفتر سے کمال انکار رکھتے ہیں تو وہ لوگ اُسکے انکار کے تاکید تو ہی لائے ہیں چنانچہ کسی شخص کے روبرو کہ بالکل زید کے وجود سے منکر ہو کہیں کہ ان زیداً لفی دار فلان اگرچہ سننے والا اُس فلانے کا گھر نہ جانتا ہو اور اُسکا نام نہ سُنا ہو دوسرے یہ کہ جو ذکر سجین کا اول گزر چکا تو مقام عہد کا ہوا پھر یوں کہنا چاہیئے تھا کہ وما ادریٰک ما السجین چنانچہ کما ارسلنا الی فرعون رسولا فعصیٰ فرعون الرسول میں کہا ہے جواب اسکا یہ ہے کہ جو سننے والے معنوں سے سجین کے غافل تھے تو ذکر اُسکا ایسا ہے جیسے

کہ ذکر نہوا پس مقام اعادہ کیلئے تنکیر بھی مناسب معلوم ہوتی لہٰذا یوں فرمایا کہ کیا ہے وہ تعیین مجہول کہ اب تک سمجھ میں نہ آیا قسمت نہیں کرتے ہیں علاقہ

رسول کے لفظ کے کہ اسکے معنی سننے کے ساتھہ ہی عربی زبان کے واقفکاروں پر ظاہر ہوجاتے ہیں پس اعادہ کے مقام پر تعریف اسکی مناسب تھی اور اہلِ نظم بھی اس مقام پر شبہ کرتے ہیں کہ ہر مقام پر نیکوں کا ذکر بدوں کے ذکر پر مقدم ہے اور نیکوں کی شرافت اور بزرگی کے مناسب بھی یہی بات ہے کہ نیکوں کا ذکر اول بیان کیا جاوے پھر یہاں پر کس واسطے بدوں کے دفتر کا ذکر مقدم فرمایا ہے جواب اسکا یہ ہے کہ طرزِ کلام کا اس سورے کی ابتدا سے مطففین کے واسطے ہے کہ ایک قسم ہے بدکاروں کی پس یہی مناسب ہے کہ اول بلا فصل انکے ڈرانے کے واسطے بدکاروں کے دفتر کا ذکر کیا جاوے نہیں تو یہ عاجوبی حاصل نہوتا اور فصل ساتھ اجنبی کے اس مقام پر لازم آتی ہے اور رعایت مقام کی کہ نا شرافت کی رعایت سے ضرورتر اور چسپاں زیادہ ہے اور جو اس آیت میں حال بدمآل بدکاروں کا مطلقاً مذکور ہوا اور پہلے گزر چکا ہے کہ کم کرنیوالے مخلوق کے حق کے گمان قیامت کے دن کا نہیں رکھتے اب بطور ترقی کے مذکور ان لوگوں کا کہ اعتقاد میں آخرت کے قصور کرتے ہیں اور اس سے انکار مطلق رکھتے ہیں بیان فرماتے ہیں تاکہ اس مطففین کی گروہ کو بالخصوص سرزنش حاصل ہو **وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ** والے اس روز کہ اس دفتر کو کھولکر ہر ایک کو اسکے برے اعمالوں پر مطلع کرینگے **لِّلْمُكَذِّبِينَ** منکروں کے حال پر کہ ہرگز اعتقاد اس روز کا نہیں رکھتے اور گمان کرتے ہیں کہ لوگوں کے حق اسمیں نہ لئے جاوینگے کیونکہ انکی صفت یہ ہے **الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ** یعنی منکر وہ لوگ ہیں کہ انکار کرتے ہیں جزا کے دن کا حاصل یہ ہے کہ انکار انکا فقط مخلوق کا حق پھیر دینے کے واسطے نہیں ہے بلکہ جزا کے تمام کارخانوں کے منکر ہیں اور جزا کے دن کا انکار کرنا علامت بڑی قباحت کی ہے کیونکہ اعتقاد جزا کے دن کا ایمان کے تمام کاموں میں عبادت ہوں خواہ معاملات دخل رکھتا ہے **وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ** اور انکار نہیں کرتا اس روز کا **إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ** مگر جس شخص نے کہ تجاوز حد سے کیا ہوگا کفر میں اور تجاوز حد سے کیا ہوگا فسق میں لیکن تجاوز حد سے کفر میں اس جہت سے ہے کہ جو شخص کہ اس روز کا منکر ہے گویا ربوبیت الٰہی کی ہمیشگی کا اور اسکی قدرت کا منکر ہے اپنی ذات پر اور یہ جانتا ہے کہ مرنے کے ساتھ ہی میں اسکی بندگی سے نکلجاؤنگا اور وہ میری مالکی سے معزول ہوجاویگا جیسے دنیا کے مالک اور اسکے دوسری بار زندہ کرنے کی قدرت کا بھی منکر ہے اور اسکے عدل کا بھی منکر ہے کیونکہ دنیا میں حق مظلوم کا ظالم سے نہیں لیتا اگر اس روز بھی نہ لے تو راضی ظلم پر ہوا پس ان عقیدوں کے سبب سے مرتبے کفر کے تہ بتہ ہوکر حد سے طرف کفر کے زیادہ ہوجاتے ہیں اور فسق میں تجاوز اس جہت سے ہے کہ جب خوف حساب کا انکا اٹھہ گیا تو گناہ پر دلیری کی اور یہ سمجھ لیا کہ نقد مزیداریوں کو موہوم جزا کے خوف سے چھوڑ دینا کمال نادانی اور بیوقوفی ہے پس نفس امارہ کی خواہش کے موافق فسق و فجور میں پھنس جاتا ہے چنانچہ اثیم کا لفظ کہ مبالغہ ہے اثم کا اسبات کی گواہی دیتا ہے اور ایک جماعت نے مفسروں کی معتدی کو ظالم اور غاصب اور خلق اللہ کے حق تلف کرنیوالے پر حمل کیا ہے اور اثیم کو اس فاسق اور گنہگار کے واسطے مقرر کیا ہے کہ اسکے گناہ حق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں جیسے زنا اور لواطت اور شراب پینا یا نماز روزہ ترک کرنا کیونکہ پہلا شر متعدی ہے اور دوسرا گناہ محض اسی کی جان کا وبال ہے غرضکہ منظور یہ ہے کہ تکذیب اور انکار جزا کا اس شخص کا کام ہے کہ کسی مذہب اور مشرب پر مقید نہو اور کسی دین سے کسی ملت اور دین کی کچھ علاقہ نہ رکھتا ہو اور عقلی دلیلوں کو کہ اس مقصد پر قائم ہیں بسبب مس جانے کے گناہوں میں اور دوست رکھنے سے بے قیدی اور الحاد کے انسے آنکھہ چرا وے بلکہ قرآن کی آیتیں اور اخبار انبیا کے کہ معجزوں قطعیہ سے تائید کئے گئے اور مضبوط کئے گئے ہیں وہ بھی اسکے ذہن میں تنبیہ اور عبرت پیدا نہیں کرتے کیونکہ **إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا** جب پڑھی جاتی ہیں اسپر آیتیں ہماری کہ ہونے پر جزا کے دن کے اور بازخواست پر خلق اللہ کے حق کی اس روز کے دلالت کرتی ہیں تو ازراہ عناد کے **قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ** کہتا ہے کہ یہ کہانیاں ہیں اگلوں کی کہ لوگوں کے خوف دلانے اور ڈرانے کو برے کاموں سے بنائی گئی ہیں کہ ظلم اور غصب سے ملک خراب نہو جاوے اور فتنہ و فساد ظہور نکرے سو انکی کچھ اصل نہیں کہ انپر یقین کیا جاہیئے **كَلَّا** یوں نہ سمجھا چاہیئے اور یوں نہ کہا چاہیئے کیونکہ واقع ہونا جزا کا اور پھیر دینا خلق کے حق کا دلائل عقلیہ جلیہ اور شواہد نقلیہ صادقہ متواترہ سے ثابت ہے پھر اگر وہ شواہد تشفی منکروں کی خاطر کی نکریں اور انکے دلنشین نہوں تو ان شواہد اور دلائل کے قصور سے نہیں **بَلْ**

اِنَّ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ بلکہ زنگ جما گیا ہے اُنکے دلوں پر یہاں تک کہ دل کا مُنہہ سب سیاہ ہوگیا ہے **مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ**۝ وہ جو کسب کیا تھا دنیا میں اور کیفیت اُس زنگ کے پیدا ہونے کی دلوں پر وہ جو روایت ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اور دوسرے اصحابوں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مروی ہے یہ ہے کہ جب بندہ ایک گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ داغ اُسکے دل پر پیدا ہوتا ہے اگر اُس نے توبہ کی تو آئینہ اُسکے دل کا صاف اور روشن ہو جاتا ہے والا وہ خال سیاہ اُسمیں رہ جاتا ہے پھر جب دوسرا گناہ کیا تو ایک اور نقطہ پیدا ہوا اسی طرح سے ہر گناہ سبب پیدا ہونے سیاہی کا ہوتا ہے یہاں تک کہ تمام دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اندھیری چھا جاتی ہے اور دل مانند آئینہ کے ہے جتنا صاف ہوگا اُتنی اُسمیں صورت نمود کریگی اور جب زنگ آلود ہوگیا تو کوئی صورت اُسمیں نقش پذیر نہیں ہوتی پس پیدا ہونا رین کا دل پر سچ بات سمجھنے کی استعداد کے باطل ہونے کا سبب ہوتا ہے دلیل اور کشف سے اور ذکر دلیلوں کا اور پیغمبروں کی صحبت کا نور اُسمیں تاثیر نہیں کرتا اور حق کو باطل اور باطل کو حق جانتا ہے اور بُرے کو اچھا اور اچھے کو بُرا سمجھتا ہے اور خال سیاہ پیدا ہونیکے معنی کہ حدیث شریف میں وارد ہیں سو یہ ہیں کہ ہر فعل بد ایک ہیئت ظلمانی لطیفے پر قلب کے پیدا کرتا ہے نہ یہ کہ اس گوشت کے لوتھڑے پر جو کلی کی صورت ہے زنگ آ جاتا ہے کیونکہ یہ گوشت کا لوتھڑا قلب حقیقی نہیں ہے کہ نیک بد کاموں کو اُسمیں تاثیر ہو پس قلب حقیقی عبارت اُس لطیفے سے ہے کہ جسم لحمی سے تعلق رکھتا ہے جیسے بینائی اور شنوائی ایک اور چیز ہے کہ آنکھ اور کان سے تعلق رکھتی ہے اور یہاں سمجھ لیا چاہیئے کہ حفص اور دوسرے قاری معتبر لام پر بل کے سکتہ کرتے ہیں اور لام کو رے کے حرف میں موافق قاعدے کے مدغم نہیں کرتے اور ظاہر ہے کہ یہ طریقہ ادا کرنے کا مروی اور منقول جناب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوگا اور نزول وحی کا اُسکے موافق ہوا ہوگا پس یہ امر ایک نکتے کو چاہتا ہے اور وہ نکتہ نہایت باریک ہے بغیر تمہید ایک مقدمے کے ذہن میں جمتا نہیں اوّل سمجھ لیا چاہیئے کہ ہر لغت کے بلغا کا قاعدہ ہے کہ بعد بل یا بلکہ کے لفظ کے یا دوسرے کلمات اضراب کے علی اختلاف اللغات اگر کسی چیز کو مذکور کرتے ہیں کہ اُسکا ذکر منظور ہے تو وقفہ اور سکتہ نہیں کرتے بلکہ بل کے لفظ کو اُسکے مابعد کے ساتھ متصل لاتے ہیں اور اگر کراہت یا حقارت یا کسی اور مصلحت کے واسطے جو کچھ منظور ہو مذکور نہیں کرتے اور ایک دوسری چیز کہ اُس سے کمتر ہو اور آگاہ کرنے پر مطلب کے کافی ہو اُسکے عوض مذکور کرتے ہیں اور وقفہ قلیلہ درمیان میں بل اور اُسکے مابعد کے لازم سمجھتے ہیں اور رعایت اُس وقفہ کی نہایت بلاغت ہے چنانچہ ہر شخص کو اہل بلاغت سے اپنی لغت میں بعد تجربہ اور قیاس کے یہ معنی ظاہر ہوتے ہیں اور جو یہ مقدمہ بیان ہو چکا تو سمجھ لیا چاہیئے کہ جو بل کے کلمے پر وقفہ یسیری کہ عبارت ہے سکتہ سے یہاں پر فرمایا تو یہ اشارہ ہوا اسبات کی طرف کہ ان کافروں کی حالت کہ آیات الٰہی کے حق میں اگلے لوگوں کی کہانیوں کا گمان کرتے ہیں ایک خراب قسم ہے کہ ذکر اس حالت کا جیسا کہ چاہیئے فہم میں اُن بندوں کی کہ اپنی دلوں کی بھی خبر نہیں رکھتے تو دوسروں کے دلوں کے احوال کو کیا پہنچینگے آنے کا نہیں لیکن ذکر زنگ کے پیدا ہونے کا کہ نظر صحیح اور کشف صریح کو مانع ہے اس مقام پر کافی ہے اور سامنے والوں کی فہم سے بھی نزدیک ہے کیونکہ پیدا ہونا زنگ کا ظاہری آئینوں میں دیکھتے ہیں اور بسبب اس زنگ کے صورت کا نظر نہ آنا اُس آئینہ میں جانتے ہیں الغرض کہ اس آیت میں نہایت ڈرانا منظور ہے اُس شخص کا کہ گناہ پر گناہ کئے جاتا ہے اور اُسکا علاج جلد توبہ اور ندامت اور استغفار سے نہیں کرتا تو اُسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک مریض تھوڑے سے بگڑنے کو طبیعت کے خیال میں نہیں لاتا اور کھانے پینے میں بے اعتدالی کرتا ہے اور دوا دارو کی تدبیر نہیں کرتا یہانتک کہ فساد مزاج کا مستحکم ہو جاوے اور قابل علاج کے نہ رہے۔ اور یہ مرض باطنی ہے کہ سوائے اطبار روحانی کے کہ مراد انبیاء اور اولیاء ہیں اسکو اور کوئی نہیں جانتا اور علاج کر نہیں سکتا اور بڑی قباحت یہ ہے کہ یہ مرض جیسا کہ روح کے مزاج کے فساد کا موجب ہے اور مانع نظر اور کشف کا ہوتا ہے اسی طرح سے انبیا اولیا سے دور کرتا ہے اور ایک حجاب کثیف اطبار روحانی کی دریافت میں پیدا کرتا ہے پھر جبکہ طبیب کو نہ پہچانا اور دجال کو مسیح جانا تو معالجہ محال ہوگیا اور نوبت یاس و حرمان کو پہنچی اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنۡ ذٰلِکَ اور کبھی زنگ آلود دلوں والے کہیں کہ ہمکو بہت بہت ذکروں سے اور گناہوں کے ترک سے تصفیہ اور صیقل کرنا دل کا کاہیکو چاہیئے کیونکہ قیامت کے دن تجلی الٰہی کی چمک سے خودبخود یہ زنگ دور ہو جاویگا اور صفائی کامل حاصل ہوگی جیسا کہ اُس گروہ کے معتقدوں کا گمان ہے تو جواب میں کہنا چاہیئے **کَلَّآ** یوں

گمان کرنا نہ چاہیے کہ اُنکے دلوں کے زنگ نے فقط دنیا میں تاثیر کرکے اُنکو فہم حق سے اور معرفت سے آیات اللہ کے اور اعتقاد سے جزا کے دن کے روک رکھا ہے بلکہ تاثیر اس زنگ کی قیامت کے دن اور زیادہ قوت پکڑیگی کیونکہ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُوْنَ بیشک وہ اُسدن اپنے پروردگار سے محجوب ہونگے اور حجاب سے نور تجلی کے فائدہ مند نہونگے اور دیدار اُسکا نہ پاوینگے۔ کیونکہ قاعدہ عقلی ہے کہ نور بغیر نور کے نہ سکیئے دیکھنا اور جس طرح سے کہ آنکھ اُنکی دنیا میں کمال زنگ آلودگی سے دیکھنے اور تلاوت سے آیات الٰہی کے اندھی تھی اسی طرح بینائی اُنکی آخرت میں بسبب ظلمات ذاتیہ اور عرضیہ کے دیدار سے اللہ تعالیٰ کے اور ظاہر ہونے سے اُس ذات پاک کی تجلیوں کے اندھی ہوگی ؎ ہر کہ امروز نہ بیند اثر قدرت دوست ✦ غالب آنست کہ فرداش نہ بیند دیدار ✦ اور جو محجوب ہونا دیدار سے پروردگار کے جزا کے دن کافروں اور منکروں کی بدحالی کے مقام پر مذکور فرمایا تو دلیل صریح ہوئی اسبات پر کہ مسلمان اُس روز دیدار سے اپنے پروردگار کے محجوب نہونگے اور اس لذت و بہجت سے خوشوقت و شادان ہونگے اور اگر مسلمانوں کو بھی یہ دولت نصیب نہو تو کافروں میں اور اُنمیں اسبات میں کچھ فرق نہوا اور ذکر کرنا اس صفت کا کافروں کے حق میں نہایت نامناسب اور آئین بلاغت کے خلاف ہو معاذ اللہ کہ کلام الٰہی کو کوئی اس نوع کا سمجھے اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کو کہ سوال رویت کا کیا تھا اُسکے جواب میں لن ترانی ارشاد ہوا تو منظور یہ تھا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کی طاقت ان آلات جسمیہ سے کہ فنا پذیر ہیں نہ لا سکیگا نہ یہ کہ آخرت میں بھی نہ دیکھیگا کیونکہ کلام آئندہ یعنی ان استقر مکانہ فسوف ترانی موقوف ہونا رویت کا اُوپر استقرار کے کرتا ہے اور سورۂ فرقان میں بہشت کے حق میں وارد ہے کہ حسنت مستقرا ومقاما وعند حصول الشرط یجب حصول المشروط یعنی جب شرط پائی گئی تو مشروط ضرور پایا جائیگا یعنی آخرت میں اچھا استقرار پایا جائیگا تو رویت بھی باری تعالیٰ کی ضرور ہوگی اور احادیث متواتر المعنی سے ثابت ہے کہ تمام مومنین کو یہ دولت نصیب ہوگی لیکن موافق اپنے اپنے اعمالوں کے اس نعمت میں بھی تفاوت کے ساتھ ہونگے عام مومنین کو جمعہ کے دن کہ آخرت میں اُسکا نام یوم المزید ہوگا اس دولت سے سرفراز فرماوینگے اور خاصوں کو ہر روز دوبار صبح اور عصر کو اور اخص الخواص کو کہ جنت عدن کے رہنے والے ہیں ہمیشہ قرب اُس ذات پاک کا اور انکشاف تجلیات کا حاصل ہوگا چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ما بین القوم وبین ان ینظروا الی ربھم الا ردآء الکبریاء علی وجھہ فی جنة عدن یعنی نہوگا درمیان قوم کے اور درمیان دیکھنے اُنکے کے پروردگار اپنے کو کوئی حجاب مگر چادر بزرگی کی اُسکے منہ پر جنت عدن میں اور وہ جو بزرگوں سے منقول ہے کہ دیدار اللہ تعالیٰ کا بے کیف وبلا مقابلہ ومواجہہ ہوگا مخالف احادیث صحیحہ کے کہ اُنمیں دیکھنا صورتوں کا فرمایا ہے نہیں کیونکہ حشر کے میدان میں ساتھ صورت کے ہوگا اور بہشت میں داخل ہونیکے بعد بے صورت کے یا یہ کہ بعضے اوقات میں کیفیت اور مقابلہ کے ساتھ ہوگا اور بعضے وقت میں بلاکیفیت اور بلا مقابلے کے اور تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دیدار کے وقت ماسوی اللہ نظر سے محو ہو جاوینگے اور دنیا میں جو ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو اُسکے ساتھ دوسری چیزوں کو بھی دیکھتے ہیں اس سبب سے مقابلہ اور جہت اور دوسری خصوصیات نظر عقل کو ملحوظ ہوتی ہیں اور جو اس ذات پاک کے ساتھ کوئی اور چیز اصلا نظر نہ آویگی تو لحاظ جہت اور مقابلہ اور دوسری خصوصیات کا نظر عقل سے ساقط ہو جاویگا بلکہ جسوقت دنیا کے دیکھنے کی چیزوں کو جو ہم دیکھتے ہیں تو جو اسباب کہ بینائی کے ہیں وہ تو دیکھنے کے کام میں مصروف ہوتے ہیں اور دوسرے اسباب اور قویٰ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں اور عقل اپنے کام میں اسواسطے تشخیص صورت اور شکل اور رنگ اور مناسبت اعضا کی طول وقصر میں یا اور خصوصیات میں ہوسکتی ہے اور جسوقت کہ تمام جوارح اور اعضا رویت میں مصروف ہو جاویں اور استغراق کلی حاصل ہو تو اُسوقت تشخیص ان چیزوں کی ہرگز ممکن نہیں جیسے کہ دنیا میں کبھی کبھی فی الجملہ شرکت حواس وغیرہ کی دیکھنے سے بعضی محبوب چیزوں کے حاصل ہوتی ہے تو گویا کہ نمونہ اس حالت کا نمودار ہوتا ہے حالانکہ ابھی اُس استغراق اور اس استغراق میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور جو بیان فرمایا کہ قیامت کے دن دل کے زنگ کی تاثیر دیدار کی دولت سے کہ سب لذتوں سے بڑی لذت ہے محروم رکھیگی تو گمان اسبات کا ہوا کہ زنگ آلودہ دلوں والے کہ مشغول لذات جسمانی اور گرفتار حرص وہوا کے نقصانی نکے ہیں اس محرومی دیدار اور بے نصیبی کو خیال میں نہ لاوینگے

اوراس طرح کے عذاب کو آسان جانینگے تواسواسطے بیان فرماتے ہیں کہ ان مردودوں کے حق میں فقط اسیقدر حرمان و ہجران پر اکتفا نہوگی بلکہ **ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ** پھر اسبات کے تحقیق یے لوگ پیٹھینگے دھکتی آگ میں اور جلنا انکا اس آگ میں بسبب محروم ہونے کے دیدار کی لذت سے دونی تاثیر کریگا کیونکہ اگر دیدار کی لذت پاتے تو دوزخ کی تکلیفوں کو وہ لذت آڑے آتی اور وہ تکلیفیں آسان معلوم ہوتیں سو منظور انپر زیادتی عذاب کی ہے اسیواسطے فقط اس داخل ہونے پر دوزخ کے بھی انکے حق میں اکتفا نہ کی بلکہ **ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ** پھر کہا جاویگا یہ ہی دن ہے جس کا تم انکار کرتے تھے اور جھوٹ جانتے تھے تاکہ عذاب عقلی اور حسی دونوں جمع ہوجاویں اور جس طرح سے ان کا بدن دوزخ کی آگ میں جلتا ہے انکی جان بھی اس جھڑکی اور خجالت سے کباب ہوجاوے اور جب فجار کی بدحالی کے بیان سے فارغ ہوئے تو گمان اسبات کا تھا کہ شاید کہ واقع ہونے کو جزا کے اور مکافات کو قیامت کے دن کے یہی ایک قہر بدکاروں کا کفایت کریگا اور امتیاز بدکاروں اور نیکوکاروں میں اسیقدر ہوجاویگا کہ اعمال بدکاروں کے اسدن انکو دکھا کر حقوق خلق اللہ کے انسے پھروا دینگے اور نیکوکاروں سے کچھ بات چیت درمیان میں نہ آویگی اور وہ جو انہوں نے حقوق خلق اور خالق کے ادا کئے تھے ظہور میں نہ آوینگے کیونکہ حقدار کا حق پہنچا دینے میں کچھ احسان نہیں ہوتا کہ اسکے بدلے متوقع جزا کے ہوں پس انکی جزا یہی بس ہے کہ سرزنش اور عتاب اور رنج وعقاب سے سلامت رہیں سو اس گمان فاسد کو بطور جواب سوال مقدر کے دفع کرتے ہیں اور حقیقت حال کی ارشاد فرماتے ہیں کہ **كَلَّا** یوں نہ سمجھنا چاہئے کہ مجازات اور مکافات پر بدکاروں کے اس روز قناعت کی جاویگی اور انکے مخالفوں کو انکے جلانے کے واسطے طرح طرح کی نعمتیں اور سرخروئیاں عنایت فرماوینگے بلکہ انکے مخالفوں کو انکے سامنے قسم قسم کی نعمتوں سے سرفراز کرینگے اور ان بدکاروں کو انکے سامنے ایک ٹھٹھا بناوینگے تاکہ بدلا انکی ہنسی ٹھٹھول کا کہ نیکوکاروں سے دنیا میں کرتے تھے حاصل ہو کیونکہ **اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ** تحقیق نیکوکاروں کے اعمالنامے اور انکی اسم نویسی البتہ علیین کے دفتر میں ہے اور علیین جمع علی کی ہے فعیل کے وزن پر کہ علو سے اشتقاق کیا ہے اور بموزن سجین کے اور اس جمع کو نیکوں کی ارواح کے قائم مقام نام کیا ہے تاکہ دلالت کرے وسعت اور کشادگی پر اس مقام کی لیکن اعراب اسکا جمع کے اعراب کی مانند ہے کیونکہ جمع کی صورت پر ہے اگرچہ معنی اسکی مفرد ہیں اور نکتہ مفرد ہونے میں سجین کے اور جمع ہونے میں علیین کے یہ ہے کہ جو معنی میں سجین کے ضیق اور تنگی اور ازدحام واقع ہے تو اسکے لفظ کو بھی مفرد اختیار فرمایا کیونکہ ایک مکان بہت سی مخلوق جمع ہونے کی حالت میں تنگ اور تاریک ہوجاتا ہے اور معنی میں علیین کے فراخی اور وسعت واقع ہے تو لفظ میں بھی اسکے جمع اختیار فرمائی گویا کہ یوں ارشاد ہوا کہ مکان ہر نیک کی روح کا ایک مکان ہے بلند اور فراخ اور سمجھ لیا چاہئے کہ بلندی کو مکان کی فراخی اور وسعت اور مدنظر لازم ہے تو مقابلہ علیین کا سجین کے ساتھ باعتبار لغوی معنوں کے بھی درست ہوا کیونکہ دونوں کے درمیان میں مقابلہ بالعرض محقق ہوا اور مقام علیین کا ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے کہ نیچے کا سرا اسکا سدرۃ المنتہی کے پاس ہے اور اوپر کا سرا اسکا عرش مجید کے سیدھے پائے کے متصل اور نیکوں کی ارواحیں قبض ہونے کے بعد وہاں پہنچتی ہیں اور مقربین یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ وہیں رہتے ہیں اور عوام صلحاء کو بعد اسم نویسی کے اور اعمال ناموں کے پہنچنے کے موافق مرتبے کے کسی کو آسمان دنیا میں اور کسی کو زمین و آسمان کے درمیان میں اور کسی کو چاہ زمزم میں رکھتے ہیں اور ان ارواحوں کو ایک علاقہ اپنی قبر سے بھی ہوتا ہے کہ آنے سے زیارت کرنیوالوں کے اور اقرباء اور دوستوں کے مطلع ہوتے ہیں کیونکہ روح کو قرب اور بعد مکانی اس دریافت کو مانع نہیں ہوتا اور مثال اسکی انسان کے وجود میں روح بصری ہے کہ ساتوں آسمانوں کے ستاروں کو کنوئیں کے اندر سے دیکھ سکتی ہے اور جو وہ مقام عقل میں بشر کے آ نہیں سکتا جبتک کہ جناب الٰہی سے آگاہی نہو تو اسیواسطے تفسیر میں علیین کی بطور سوال وجواب کے ارشاد کرتے ہیں **وَمَا اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ** ○ اور کیا بوجھتا ہے تو کہ کیا ہے علیین **كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ** ایک دفتر ہے لکھا ہوا اور علامت کیا ہوا کہ جو شخص اسکو دیکھے تو جان لے کہ اس دفتر والے بہشتی ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ دفتر ایک زمرد سبز کی تختی پر لکھا ہے اور وہ تختی سیدھے پائے سے عرش معلی کے لٹکتی ہے اور پائین اسکا سدرۃ المنتہی تک پہنچا ہے اور وہ دفتر اللہ تعالیٰ کے

خاص بندوں کے حوالے ہے چنانچہ فرماتے ہیں یَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ حاضر رہتے ہیں اور گواہ ہوتے ہیں اس دفتر پر مقرب فرشتے کہ حاملان عرش اور خازنان کرسی ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مراد ہو کہ حاضر ہوتے ہیں اس مقام عالی شان میں ارواح مقربوں کی اہل کمال سے جیسے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور ابرار کے حق میں اتنا فخر بھی بس ہے کہ اُنکے نام اُس مقام میں لکھے جاویں اور اعمال حسنہ اُنکے اس دفتر والوں کے مقبول اور پسندیدہ ہوں اور یہاں پر سمجھ لیا چاہیئے کہ قرآن میں اہل نجات اور فلاح کو کئی سورتوں میں دو قسم سے یاد فرمایا ہے کبھی ابرار اور مقربین اُن دونوں کا نام رکھا ہے اور کبھی اصحاب الیمین اور سابقین فرمایا ہے اور اہل تحقیق ان دونو قسموں کی تحقیق میں اختلاف رکھتے ہیں بعضے کہتے ہیں کہ سابقین اور مقربین صاحب محبت ذاتیہ کے ہیں کہ محبت انکی اللہ تعالیٰ سے محض اسکی ذات کے واسطے ہے اور ابرار اور اصحاب الیمین وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت انعام کی توقع پر رکھتے تھے اور اسی قول کے قریب ہے وہ جو کہا ہے کہ مقربین اور سابقین فنا فی اللہ اور بقا باللہ والے ہیں اور ابرار اور اصحاب الیمین وہ لوگ ہیں کہ انوار اور طاعات اور اذکار سے منور ہوئے ہیں اور انشراح صدر پیدا کیا ہے لیکن ہنوز مرتبہ بقا اور فنا کا حاصل نہیں ہوا اور بعضے کہتے ہیں کہ ہر نیک عمل کے واسطے دو حدیں مقرر ہیں ایک سفلانی یعنی تلے کی اور ایک فوقانی یعنی اُوپر کی پھر جس شخص نے ایک کام نیک کیا نہایت صدق اور خلوص نیت سے اور سب اُسکی شرطوں اور سنتوں اور آدابوں کی رعایت سے اور اس عمل کی ثمرات کو یعنی اُسکے ثواب کو محفوظ رکھا ابطال اور حبط سے اور نقصان اجر سے اور ان سب باتوں کی رعایت پرلے درجے کو کی یہانتک کہ حد فوقانی کو پہنچایا تو وہ شخص مقربین میں سے ہے اور جو اس سے کمتر ہے اور ان باتوں کی رعایت میں ورلے درجے میں ہے پہلے کی نسبت سے تو وہ ابراروں میں ہے اور اس تقریر سے ابرار اور مقربین کا جمع ہونا ایک شخص میں باعتبار بعض اعمالوں کے سوائے بعض کے ہوسکتا ہے اور وہ جو لفظ سے ابرار اور مقربین کے اور اصحاب الیمین اور سابقین کے اور جو سیاق سے ارشاد الٰہی کے کہ وصف اُن دونوں گروہوں کا کیا ہے معلوم ہوتا ہے سو یہ ہے کہ ابرار اور اصحاب الیمین ایک جماعت ہیں کہ ادا کرنے میں حقوق خلق اور خالق کے اور احسان کرنے میں لوگوں سے اور اعمال نیک اور پسندیدہ میں کوشش کرکے قوت ملکیہ کو قوت بہیمیہ اور سبعیہ پر اپنی غالب کیا ہے اور مقربین اور سابقین ایک جماعت ہیں کہ بطور جذب الٰہی کے اِن صفتوں اور اعمالوں کے سبب سے اُنکے پردے باطنی اُٹھ گئے ہیں اور شہود تام یعنی حضوری پوری نصیب ہوئی ہے اور سلوک اُنکا ساتھ جذب کے منتہی ہوگیا ہے اور قرب حقیقی اپنے محبوب سے پیدا کیا ہے واللہ اعلم اور تحقیق حقیقت سجین اور علیین کے مقام کی جس طور سے کہ بعضے عارفوں نے فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ کمال نوع انسانی کا موافق وسعت معرفت اور اُسکی تنگی کے اور باعتبار تہذیب لطائف اور تحصیل انوار ملکیہ اور تکدر لطائف اور لحوق ظلمات بہیمیہ اور سبعیہ کے عرض عریض رکھتا ہے کہ کسی اور نوع میں اسقدر عرض عریض ممکن نہیں اسیواسطے کسی شاعر نے کہا ہے ؎ ولم ارامثال الرجال تفاوتوا　لذی الفخر حتی عد الف بواحد　پس کمال انسانی کی شکل مانند دائرہ وسیع کے خیال کیا چاہیئے کہ مرکز اُسکا ادنیٰ مراتب انسانیہ کا ہے اور اعلیٰ اُسکا برابر عرش محیط کے وسعت رکھتا ہے اور جو عالم غیب میں یہ شکل تخیل مثالی تحقق پیدا کی تو اُس دائرے کے محیط کا نام علیین ہوا اور اُسکے مرکز کا نام سجین اور مقرر ہے کہ جو دائرے کہ مرکز کے قریب ہوتے ہیں وہ نہایت تنگ اور چھوٹے ہوتے ہیں اُن دائروں سے کہ محیط کے قریب ہیں پس فجار کی انسانیت کے مرتبے درجے بدرجے مرکز کے نزدیک ہیں اور ضیق اور تنگی میں مترقی اور ابرار کی انسانیت کے مرتبے درجے بدرجے محیط کے قریب ہیں اور وسعت اور فراخی میں ایک دوسرے سے زیادہ یہانتک کہ نوبت اعلیٰ علیین کو پہنچے کہ مقام مقربین اور سابقین کا ہے اور ابرار کو بھی تبعیت سے مقربین کی عبور روحانی اُس مقام پر حاصل ہوتا ہے لیکن رہنے کی جگہ اُنکی وہ مقام نہیں یہ عبور روحانی بعد جدا ہونے روح کے جسم سے ایک تاثیر کریگا کہ روح کو اُنکی اُس مقام پر لیجاوینگے اور اُس مقام کے رہنے والوں کے پیروؤں میں لکھدینگے اور جو احوال بیان کرنے سے ابرار کی ارواح کے کہ بعد قبض ہونے روح کے کیا معاملہ اُنسے گذریگا فارغ ہوئے تو اب اُنکے انجام کا حال کہ قیامت کے دن کیا ہوگا بیان فرماتے ہیں اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ تحقیق نیکوکار نعمتوں میں ہونگے اور نعیم کا لفظ بہشت کی تمام موعود چیزوں کو شامل ہے حور اور قصور اور طعام اور شراب اور پوشاک اور سواری اور خادم خوبصورت اور مکان پاکیزہ اور دوسری جو جو نعمتیں کہ وہاں تیار ہیں سب کو شامل ہے اور

علاوہ ان سب نعمتوں سے ایک یہ ہے کہ انکو وہاں پر سونے کے جڑاو تختوں پر بٹھالیں گے اور اُن تختوں پر موتیوں کے قبے کھڑے کئے جاوینگے کہ جنتی
اُسکے اندر بیٹھے سب کچھ دیکھیں اور اُنکو کوئی نہ دیکھے چنانچہ فرماتے ہیں عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۙ نیک لوگ سایہ دار تختوں پر بیٹھے
دیکھتے ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ مومن کو بہشت میں سب نعمتوں سے وہاں کی بہرہ مند کرینگے برخلاف دنیا کے کہ حق تعالیٰ یہاں
نعمتیں بعضے لوگوں کو دیتا ہے مگر لطف اُن نعمتوں کا انکو نصیب نہیں ہوتا جیسے بادشاہ مریض یا ضعیف الباہ کہ ہرگز نفیس کھانوں سے اور ستھری
پاکیزہ باکرہ عورتوں کی صحبت سے کچھ کیفیت نہیں اُٹھا سکتا اور یہ بھی حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ادنیٰ اور کم سے کم درجے کا وہ بہشتی ہوگا کہ اسکو دنیا کی
برابر مکان نعمتوں سے بھرا ہوا ملیگا اور مفعول کو ینظرون کے تعمیم کے واسطے حذف فرمایا ہے تاکہ اپنی نعمتوں کے دیکھنے کو جیسے حور اور قصور اور انہار اور اشجار
اور دوسرے بہشتیوں کی نعمتوں کو اور عذاب و شدت دیکھنے کو دوزخیوں کے بھی شامل ہو اور منظور یہ ہے کہ تخت یہ اُنکو سیر سے عالم بہشت اور دوزخ کے
حاجب اور مانع نہونگے برخلاف دنیا کے تختوں کے کہ وہ بیٹھنے والے کو سیر و تماشے سے مانع ہیں اور اریکہ لغت میں اُس تخت کو کہتے ہیں کہ اُسپر قبے کی مانند
سائبان بنا ہو اور منقش پردوں اور مرصع جھالروں اور آویزوں سے سجا ہو جسکو ہندی لغت میں چھپر کھٹ کہتے ہیں اور عارفوں نے کہا ہے کہ بہشت کے ارائک
کہ نیکوں کو نصیب ہونگے اور جا بجا قرآن مجید میں کمال مدح کے ساتھ انکا ذکر آیا ہے سو وہ نمونہ ہیں نیکوں کے مقامات کے اسمار الٰہیہ سے کہ دنیا میں انکا ہونا
اُن مقاموں میں آنکھ اور عقل سے خلق کی پوشیدہ تھا اور وہ اس مقام پر ٹھہر کر تمام مرتبوں کو وجود کے وہاں سے سیر کرتے تھے تَعْرِفُ فِيْ
وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۚ معلوم کریگا تو اے دیکھنے والے چہروں میں اُنکی تازگی نعمتوں کی حاصل یہ کہ دوزخیوں کا حال دیکھنے سے
کچھ اُنکو ملال اور غبار خاطر اور تغیر چہرے کا ظاہر نہوگا کیونکہ اپنے دشمنوں کا اپنی آنکھوں کے سامنے ذلیل ہونا تو اور بھی فرحت اور خوشی کی بات ہے
اسیواسطے نشانیاں سرور اور بہجت کی چہروں میں انکے ہمیشہ نظر آوینگی يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ ۙ پلائے جاوینگے خالص شراب کہ محبت الٰہی کا
نمونہ ہے اور دنیا میں اُسکو اپنے دل میں جگہ دی تھی اور شراب کی مانند قوتوں اور رگوں میں اُنکے سرایت کی تھی اور وہ محبت خالص محبت تھی کہ اُسکے
ساتھ ہوائے نفسانی اور معاصی کی محبت کی آمیزش نہ تھی اور شراب بہشت کی اکثر نہروں اور چشموں میں جاری ہوگی جیسے کہ دوسری سورتوں میں
مذکور ہے تو اس تصرف شراب سے احتراز کے واسطے کہ ہاتھ ہر خاص و عام بہشتی کا اُسمیں پڑتا ہے ایک دوسری قید کو اسمیں بڑھاتے ہیں مَّخْتُوْمٍ ۙ
یعنی وہ شراب خالص مہر کی گئی ہے اور عام شرابوں سے ممتاز اور جدی ہے اور بھید مختوم ہونے میں اُس شراب خالص کے کہ نمونہ محبت الٰہی کا ہے یہ ہے
وہ محبت باوجود کمال غلو اور ہیجان کے عشق کے مرتبے سے کوسوں بڑھ گئی تھی تو بھی شرع کی مہر سے مختوم تھی اور احکام الٰہی کی مہر کے نیچے محفوظ ہرگز
محبتیں وہمیہ محرمہ اور شہوات نفسانیہ منہیہ اور نجاسات شیطانیہ اُس محبت سے کچھ آمیزش نہیں رکھتی تھیں اور عجائبات سے اِس شراب مختوم کی ایک یہ
بات ہے کہ دنیا کی شراب کے شیشوں کو بھی جو اُنکی احتیاط منظور ہوتی ہے تو مہر کر دیتے ہیں لیکن جس چیز سے کہ مہر کرتے ہیں تو وہ مٹی یا موم یا لاکھ وغیرہ ہوتی ہے
اور نیکوں کی مختوم شراب کا وصف یہ ہے کہ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ یعنی جس چیز کی کہ اُسپر مہر کی ہے وہ مشک ہے تاکہ خوشبو مشک کی شیشہ
لیتے ہی دماغ میں بس جاوے اور دماغ کو خوش کر دے اور جس مشک کی کہ اُسپر مہر کی جائیگی وہ نمونہ حکم شرع کا ہے ساتھ اُن چیزوں کے کہ نیکوں کے
دلوں کی قوت دینے والیں اور اُنکے خاطر کو خوش کرنیوالیں اور اُنکے ذوق و شوق کے بڑھانیوالی دنیا میں تھیں وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ
الْمُتَنَافِسُوْنَ ۭ اور اس قسم کی شراب میں کہ نمونہ اور مثال اس قسم کی نفیس شئے کا ہے چاہیئے کہ رغبت کریں رغبت کرنیوالے نہ ایک مٹھی جو یا
گیہوں میں کہ لوگوں کا حق ناپ اور تول میں گھٹا کر لیں کہ اسکو اس سے کچھ نسبت نہیں اور بعضے مفسروں نے ختام کو ختم اور انتہا کے معنی میں ٹھہرایا ہے
اور اُسی کے موافق اُس حدیث شریف میں جو ابو الدرداء سے مرفوعاً ثابت ہوئی ہے وارد ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پچھلی
شراب بہشتیوں کی مسک ہے اور مسک ایک شراب کا نام ہے کہ سفید ہے جیسے چاندی کے پتر اگر کوئی دنیا کا شخص اسمیں ہاتھ ڈبو کر پھر نکالے تو تمام
جاندار دنیا کے اُسکی خوشبو سے مست ہو جاویں ظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اُس خالص شراب کو کہ پچھلا پیالہ بہشتیوں کا وہی ہوگی سو اسطے اُسکا نام

مشک رکھا ہے کہ مشک حار اور دلوں کو قوت دینے والا ہے اور خنکی کا تدارک کرتا ہے غذا کے ہضم کرنے میں اور منہ میں خوشبو پیدا کرتا ہے اور جگر معدہ کو اشتہا پیدا کرتا ہے
اور وہ شراب کہ بہشتیوں کی شراب کی مجلس کا ختم اسپر ہوگا وہ بھی یہی کام کریگی اور چونکہ بعضے اوقات شراب میں کچھ ملانا بھی اہل مجلس کو منظور ہوتا ہے
تو اسواسطے فرماتے ہیں کہ شراب خالص کو جب چاہیں گے کسی اور چیز سے ملاکر پئیں تو بھی ہو سکیگا **وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ** اور ملونی اسکی
تسنیم ہوگی اور تسنیم لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں کہ شربت پر خوشبو یا ذایقہ کے واسطے جیسے گلاب یا بید مشک یا کچھ اور اسکے مانند ملاویں اور یہ خوف
سنام سے ہے کہ اونٹ کے کوہان کے معنوں میں ہے کیونکہ ایسی چیزوں کے ڈالنے سے شراب کے برتن میں بلبلے اٹھتے ہیں کہ اونٹ کے کوہان کی مانند
معلوم ہوتے ہیں اور مراد تسنیم سے اس جاپر ایک چشمہ ہے بہشت میں کہ سب قسموں کی شراب سے بہتر ہے اور لذیذ ہے اور مقربین اور سابقین کو اس
چشمے سے خالص پلاوینگے اور ابرار اور اصحاب الیمین کو بطور گلاب اور بید مشک کے ملا کر دینگے اور بعضی روایات میں مروی ہے کہ تسنیم برخلاف دوسرے
چشموں کے ہوا میں جاری ہوگا نہ بہشت کی زمین پر اور بھید اسکا یہ ہے کہ وہ چشمہ نمونہ محبت ذاتیہ الہیہ کا ہے کہ بے تعین محل اور صورت کے بلکہ بے تشخیص حال
اور صفت کے ارواح کو مقربین کی فریفتہ کر دیا ہے اور کہتے ہیں کہ وہ چشمہ عرش کے نیچے سے ابلتا ہے اور مقربین کے مکانوں کے صحنوں میں بہتا ہے
چنانچہ اسکے حال میں ارشاد فرماتے ہیں **عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ** یعنی مراد ہماری تسنیم سے وہ چشمہ ہے کہ پیتے ہیں اس سے مقرب
لوگ حاصل کلام کا یہ ہے کہ مقرب لوگ اس چشمے کی شراب کو خالص پیتے ہیں اور ابرار کو اس شراب سے بطور گلاب کے ملا کر دیتے ہیں اسواسطے کہ مقرب مشغول
طرف ماسوی اللہ کے نہیں ہوتے ہیں اور حق کی محبت کو غیر کی محبت میں ملایا نہیں برخلاف ابرار کے کہ محبت انکی مخلوق اور مصنوعات کے سبب سے مختلط اور جو
ابرار کے تنعم کے مذکور میں انکی شراب نوشی کا بھی ذکر فرمایا تو اسکے نکتے کو بھی ارشاد فرماتے ہیں اور تفصیل اس نکتے کی یہ ہے کہ حق تعالی کو اس وقت بدلا لینا کفار سے
ہنسی ٹھٹھول کا کہ اسکے بندوں سے دنیا میں کرتے تھے منظور ہوگا اور وہ خاص بندے خدا کے بسبب کمال تمکین اور وقار کے اسبات کا بدلا لینے میں توقف کرینگے
تا چار انکو ایسی شراب کے جام پلا کر سرشار کر دینگے اسکی فرحت سے البتہ اس تمکین اور وقار میں کچھ فرق ہو جائیگا اور انتقام اپنے تمسخر اور ٹھٹھول کا انسے لینگے چنانچہ
فرماتے ہیں **اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا** مقرر جو لوگ گناہ کرتے تھے دنیا میں جیسے انکار آیات الہی کا اور خلق کے حقوق کا اور کم کرنا ماپ تول میں
كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ہنسی ٹھٹھول کرتے تھے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تھے اور کہتے تھے کہ اس گروہ کو کیا
خیال فاسد دامنگیر ہوا ہے کہ آنکھوں دیکھتی لذتوں کو خیالی لذتوں کی توقع پر چھوڑتے ہیں اور فقط اتنی ہنسی پر بھی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ **وَاِذَا مَرُّوْا
بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ** اور جب گزرتے تھے ان مسلمانوں پر تو آپس میں سینیں مارتے تھے کہ یہ گروہ وہی بے عقل اور احمق ہیں کہ اپنے کو نقد
لذتوں سے خیال پر بہشت کے جو موہوم ہے محروم رکھا ہے **وَاِذَا انْقَلَبُوْا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ** اور جب لوٹ کر جاتے تھے یہ کافر اپنے گھر والوں میں اور پاتے
مجمع طرح طرح کی لذتوں دنیاوی لذتوں کا دیکھتے تھے جیسے عورتیں خوبصورت اور لڑکے مرغوب اور لڑکیاں محبوب اور فرش نفیس اور برتن مکلف
اور کھانے لذیذ اور پانی سرد خوشبودار تو جانتے تھے کہ یہ چیزیں ہمکو اسی عقیدے سے حاصل ہوئی ہیں کہ ہم جزا کے روز کا اعتقاد نہیں رکھتے
اور کچھ خوف اور ڈر اس روز کا ہمارے دل میں نہیں اور مسلمان نیکو کار ان لذتوں سے اسی سبب سے محروم ہیں کہ توقع پر بہشت کے موہوم نعمتوں کے
اور خوف سے دوزخ کے خیالی عذابوں کے ان نقد لذتوں سے دست بردار ہیں تو مثال انکی ایسی ہے جیسے مجنون کہ اپنے خیال فاسد کے سبب سے غذا اور
لطیف فائدہ مند سے ڈرتا ہے اور پرہیز کرتا ہے **انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ** پھرتے تھے باتیں بناتے اور خوش طبعی کرتے **وَاِذَا رَاَوْهُمْ** اور
جب دیکھتے تھے مسلمانوں کو کہ اپنی جان کو مشقت میں طاعت اور عبادت کی گلاتے ہیں اور اچھی پوشاک نہیں پہنتے اور کھانا چٹخارے مزا کا نہیں کھاتے
ہیں اور گرمی کے دنوں میں روزہ رکھتے ہیں **قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ** کہتے تھے کہ تحقیق یہ لوگ البتہ راہ بھولے ہوئے
ہیں کہ موہوم لذتوں کو موجود لذتوں پر ترجیح دیتے ہیں اور بے حاصل مشقتوں کا کمالات حقیقی نام رکھا ہے **وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ
حٰفِظِيْنَ** اور نہیں بھیجے گئے ہیں وہ کافر مسلمانوں پر نگہبان کہ انکو نیک راہ سے پھرنے نہ دیں اور ہر مجلس اور مجمع میں انکا پیچھا کریں اور

طعن و تشنیع کرتے رہیں اور یہ کافر اس درجے کو اس کام میں تعدی کرتے ہیں کہ اول تو ہنستے ہیں بعد اسکے غمزے اور اشارے کرتے ہیں بعد اسکے تماشا اُنکے اوپر پھبتیاں بولتے ہیں بعد اسکے منہ بمنہ گمراہ کہتے ہیں اور وجہ ان چاروں حالوں کی اس ترتیب کے ساتھ یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کسی شخص کی کوئی حرکت ناپسند آتی ہے تو اُسپر حقارت کی راہ سے ہنستا ہے اور جب سے زیادہ نفرت ہوتی ہے تو اپنے ہم مشربوں کو بھی چشم و ابرو سے بتاتا ہے تاکہ اہانت اور حقارت کرنے میں اُس حرکت والے کے شریک ہوں اور جو تنفر نہایت کو پہنچتا ہے تو غائبانہ بھی اس حرکت والے پر لطیفے اور پھبتیاں کہتا ہے اور خوش طبعیاں کرتا ہے تاکہ تحقیر اور اہانت کا حق ادا کرے اور جب بات تنفر سے بھی گزر گئی تو منہ بمنہ ساتھ حماقت اور جہالت اور گمراہی کے نسبت کرتا ہے اسواسطے اس ترتیب کی ان آیتوں میں رعایت رکھی ہے اور کافروں کے اس ظلم بیان کرنیکے بعد مسلمانوں کو ارشاد ہوتا ہے کہ یہ ظلم بھی اُنکا رایگان نہ جاویگا بلکہ جزا کے روز اس قسم کے ظلم کا بھی انتقام لینگے **فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** سو آج کے دن کہ جزا کا روز ہے جو لوگ کہ ایمان لائے تھے اور کمالات حقیقی کو ساتھ قوت ایمانی کے لذات نفسانی پر ترجیح دیکر اختیار کیا تھا **مِنَ الْكُفَّارِ** کافروں سے کہ کمالات کے منکر تھے اور کمال کے حاصل کرنے کو دنیا کی فانی لذتوں میں منحصر جانتے تھے **يَضْحَكُوْنَ** ہنستے ہیں کہ یہ لوگ کیا کوتہ اندیش اور احمق تھے کہ کس فانی خسیس چیز کو کس نفیس باقی رہنے والی چیز پر ترجیح دی تھی اب دوزخ میں کس طرح سے عذاب میں اور طوق و زنجیروں میں جکڑے گئے ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ کافروں کو دوزخ میں ایک دروازہ بہشت کی طرف کھول دینگے اور دوزخ کے دربان کہینگے کہ ہاں جلد آؤ بہشت میں وہ گرتے پڑتے طوق و زنجیروں میں جکڑے ہوئے اس دروازہ کی طرف جاوینگے اور جب قریب پہنچینگے تو اُس دروازے کو بند کر دینگے اور دوسری طرف کا دروازہ کھول دینگے اور کہینگے اُس دروازہ سے جاؤ تو اُس دروازے کی طرف جانے کا ارادہ کرینگے اور آگ کے پہاڑوں پر گرتے پڑتے گزرینگے جب نزدیک پہنچینگے تو اُسکو بھی بند کر دینگے علی ہذا القیاس اُنکو دوزخ میں ان حیلوں سے سرگردان اور پریشان کرینگے اور مسلمان جب بہشت میں سے یہ حالت انکی دیکھینگے تو ہنسینگے لیکن باوجود ایسے بُرے حال دیکھنے کے کہ ہنسی کے سبب ہیں اُنکو تمکین اور وقار مانع آویگا اور حد سے ہنسی اور مسکرانے کی تجاوز نکرینگے اور کافروں کی طرح سے کہ دنیا میں چشم و ابرو سے غمازی کرتے تھے اور غائبانہ پھبتیاں کہتے تھے اور منہ بمنہ گمراہ بولتے تھے یہ بات انسے ہرگز ظہور میں نہ آویگی بلکہ باوجود ایسا حال دیکھنے کے کہ موجب کمال ہنس پڑنے اور لوٹ جانے کا ہے چنانچہ اکثر لوگ اس قسم کے تماشوں کے واسطے دوڑتے ہیں اور دور دور جاتے ہیں وہ لوگ اپنے مکانوں سے جنبش نکرینگے بلکہ **عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ** اپنے سایہ دار تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں اور آپسمیں کمال تمکین اور وقار سے پوچھتے ہیں **هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ** کیا سزا پائی اُن کافروں نے اپنے کاموں کے عوض اسکے جو دنیا میں کرتے تھے جیسے غمزے اور ٹھٹھے اور لطیفہ گوئی اور گمراہ نام رکھنا +

سُوْرَۂ اِنْشِقَاق

سورۂ انشقت مکی ہے اسمیں پچیس آیتیں اور ایک سو نو کلمے اور چار سو تیس حرف ہیں اور ربط اس سورے کا سورۂ مطففین سے ابتدا سے انتہا تک ظاہر ہے کہ دونوں سورتوں کے مضمون اور معنی قریب قریب ہیں جیسا کہ اُس سورے میں وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ و وَیْلٌ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ واقع ہے اور اس سورے میں یدعو ثبورا اور اُس سورے میں الا یظن اولئک انہم مبعوثون اور اس سورے میں انہ ظن ان لن یحور اور اس سورے میں یوم یقوم الناس لرب العالمین اور اس سورے میں فملاقیہ اور اُس سورے میں مذکور ہے کہ اعمال نامے نیکوں کے اور بدوں کے بعد اُنکے مرنے کے دفتر میں علیین اور سجین کے داخل ہونگے اور اس سورے میں بھی نیکوں اور بدوں کے اعمال ناموں کا مذکور ہے کہ بعد حشر کے سیدھے یا اُلٹے ہاتھوں میں دینگے اور اُس سورے میں تکذیب قرآن کی کہ کافر کرتے تھے اس عبارت سے مذکور ہے واذا تتلی علیہ آیاتنا قال اساطیر الاولین اور اس سورے میں اس عبارت سے مذکور ہے واذا قرئ علیہم القرآن لا یسجدون اور

اُس سورے میں انہم لصالوالجحیم واقع ہے اور اس سورے میں پہلے سے ثبورا اور اُس سورے میں الی تجاپ کے حق میں لفرمنانی وجوہم نضرۃ النعیم واقع ہے اور یہ بھی ہے کہ فالیوم الذین امنوا من الکفار یضحکون اور اِس سورے میں وینقلب الی اهله مسرورا اور اُس سورے میں کافروں کے حق میں بہ نسبت مسلمانوں کے مذکور ہے کہ کانوا من الذین امنوا یضحکون واذا انقلبوا الی اهلهم انقلبوا فکهین اور اِس سورے میں انه کان فی اهله مسرورا اور علیٰ ہذا القیاس مناسبت کلی بعد تامل کے ظاہر ہوتی ہے اور اس سورے کا نام سورۂ انشقت اور انشقاق اِس جہت سے رکھا ہے کہ اول میں اُسکے پھٹنا آسمانوں کا حکم الٰہی سے قیامت کے دن مذکور ہے اور یہ واقعہ ایک بڑی عجب ہے آدمی پر کیونکہ جو آسمان باوجود اس بڑے پن اور بلندی کے کہ رکھتا ہے اس امر شاق کو بجز و حکم اپنے پروردگار کے بغیر توقع ثواب اور خوف عذاب کے بجالایا پھر آدمی کہ نہایت پست اور ذلیل بنا ہے آسان سے کام کو اللہ تعالیٰ کے کہ کچھ اتنا سخت و بھاری نہیں ہے باوجود ثواب کی توقع اور عذاب کے خوف کے کیوں قبول نکرے اور بجا نہ لاوے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ جسوقت آسمان پھٹ جاوے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ پھٹنا آسمان کا کہکشاں کے مقام سے واقع ہوگا اور وجہ اُسکے پھٹنے کی اُس روز یہ ہے کہ فرشتے موکل دروازوں پر آسمان کے کہ روزی رزق اُتارنے کو بندوں کی اور اُوپر لیجانے کو اُنکے اعمال کے مقرر ہیں اپنے کام سے فراغت کرکے اُتر ینگے اور دوسرے فرشتے کہ رہنے والے آسمانوں کے ہیں صفیں باندھکر گرداگرد محشر کے کھڑے ہوجاوینگے اور تجلی قہر الٰہی کی اُس روز عرش معلے پر غلبہ کرکے اُسکو نیچے کی جانب کو حرکت دیگی تو اُس تجلی کے صدمے سے اور عرش معلے کے بوجھ سے آسمان کے اجزا پاش پاش ہوجاوینگے اور یہ بھی ہے کہ منظور اُسوقت خراب کرنا اس عالم کا اور تعمیر کرنا دوسرے عالم کا ہے اور نئے مکان کی تعمیر بغیر پرانے مکان کے توڑے پھوڑے ہو نہیں سکتی اور یہاں سمجھ لیا چاہیئے کہ آدمی دو چیز سے مرکب ہے روح اور جسم منشا اُسکی روحانیت کا آسمان ہے کیونکہ نفس ناطقہ اسکا نفوس سماوی سے ماخوذ ہے اور اُنسے کلی مشابہت رکھتا ہے اور روح ہوائی کہ مرکب نفس کے ساتھ ہے اور لحمی بدن میں دائر و سائر ہے سو اُسکا جوہر بھی آسمانوں کے جوہر سے مشابہت کلی رکھتا ہے کہ پھٹنے چرنے ٹوٹنے پھوٹنے کے قابل نہیں ہے اور ہر چند کہ مرض اور بڑے بڑے صدمے اُٹھاتی ہے لیکن بالکل فنا نہیں ہوتی انتہا اُسکی فنا کا یہ ہے کہ بدن سے جدا ہوجاتی ہے پھر بھی ارواحوں کے مُوکلوں کے پاس محفوظ اور مامون رہتی ہے اور روح کی سعادت اور شقاوت کا سبب کہ اُسکو عرف میں بخت کہتے ہیں اور طالع کے ساتھ بھی منسوب کرتے ہیں تو یہ بھی اوضاع حرکات آسمانی سے اور اُسکے ستاروں سے ماخوذ ہے اور غذا روح کی اور اُسکے مرضوں کی دوا کہ شریعت اور طریقت ہے وہ بھی آسمان سے نازل ہے پس انشقاق آسمان کا دلیل قوی اور برہان ظاہر ہے اسبات پر کہ آدمی کی روحانیت کو اطاعت اور امر سے اپنے پروردگار کے چارہ نہیں ہے اسواسطے کہ معدن اور کان اسکا کہ آسمان ہے باوجود اس عظمت اور بلندی کے کہ رکھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے نکل نہیں سکتا اور پھٹنا آسمان کا اُس روز بسبب ضعیف ہونے اُسکی بنیاد کے نہوگا جیسا کہ ٹوٹنا دنیا کی عمارتوں کا اور اس جہان کی بنی ہوئی چیزوں کا ہوتا ہے بلکہ اُسکو کمال قوت اور متانت اور عظمت کی حالت میں کہ رکھتا ہے حکم اللہ تعالیٰ کا اُسکے پھٹ جانے کے واسطے پہنچا **وَاَذِنَتۡ لِرَبِّهَا** اور کان رکھے اِس آسمان نے اور فرمانبردار ہوگیا حکم ماننے کو اپنے پروردگار کا اور قبول کرلینے سے اِس حکم کے کہ نہایت شاق تھا سر نہ پھیرا اور یہ فرمانبرداری کہ اُس سے واقع ہوئی سو اس قسم سے نہیں ہے کہ اُسکی عظمت اور بلندی کو مانع ہو بلکہ یہ لیل لایق اور سزاوار اُسکی عظمت کے تھے **وَحُقَّتۡ** اور وہ آسمان لایق اُسکی تابعداری اور فرمانبرداری کے تھا **وَاِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ** اور جسوقت کہ زمین کھینچی جاویگی کہ لمبی اور چوڑی ہوجاوے اور اس مجمع عظیم کے واسطے کہ ساتوں آسمانوں کے فرشتے اور حاملان عرش اور طرح طرح کی مخلوقات جن اور انس اور جانور اولین اور آخرین کے سب اسوقت جمع ہونگے اور زمین پر کھڑے ہونگے کہ سب کو گنجایش کرے اور دوسرے کھینچنا زمین کا اس سبب سے بھی ہوگا

کہ بلندی اور پستی اور عمارتیں اور پہاڑ سب برابر ہو جاوینگے کہ کھڑے ہونیوالوں کے واسطے وہاں اونچا نیچا نہوا اور کوئی چیز آپسمیں ایک دوسرے کی آڑ اور اوٹ
نہوا اور ایک کا حال دوسرے پر ظاہر رہے جیسے کہ فرش اور بچھونوں میں نظر آتا ہے کہ کھینچنے تاننے کے سبب سے دو فائدے معاً حاصل ہوتے ہیں ایک تو وسعت اور
فراخی دوسرے ہمواری اور جو زمین کہ منشا انسان کے جسم کا ہے اور اسکا جزو غالب ہے اور غذا اور منفعتیں دوسری طرح کی بھی اسکو زمین سے پہنچتی ہیں پس فرمانبرداری
اسکی خدا تعالی کے حکم کو دلیل قوی اسبات پر کہ آدمی اپنے تمام اعضا اور رگ و ریشہ سے اپنے مطیع اور فرمانبردار حکم الہی کا ہو **وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا**
اور اگل دیگی زمین کھینچنے کے سبب سے جو اسمیں ہے مردوں کے اجزا اور خزانے اور دفینے اور کانیں تا حشر آدمیوں کا انکے تمام اجزا سے حاصل ہووے اور منفعتیں
زمین کی کہ اسپر جنگ و جدال اور ضرب و قتال کرتے تھے اور ایک دوسرے کی حق تلفی کرتے تھے کمال ذلیل و بیقدر انکی نظروں میں ظاہر ہوں **وَتَخَلَّتْ**
اور خالی ہو جاویگی زمین ان چیزوں سے جو اس سے متعلق ہیں اعمال آدمیوں کے تا کہ جزا موافق اسکے ٹھہر جاوے اور زمین کو اس اگل دینے اور خالی ہو جانے
میں کچھ عوض باضرر یا نفع دینا کسی کو منظور نہیں بلکہ فرمان الہی اسکو اسی کام کرنے کو پہنچا ہے **وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ** اور کان
رکھے زمین نے اپنے پروردگار کے حکم پر اور فرمانبردار ہوئی اور لایق بھی اس فرمانبرداری کے تھی اور یہاں پر سمجھ لینا چاہیئے کہ اکثر عوام گمان کرتے ہیں کہ
یہ آیت مکرر ہے اور حال یہ ہے کہ یہ بات یوں نہیں ہے بلکہ اول آسمان کے واسطے ہے اور دوسری بار زمین کے واسطے تو ہرگز تکرار نہوئی اور جزا شرط
کی محذوف ہے یعنی جو آسمان ایسا فرمانبردار ہو جاوے اور زمین ایسی تابعداری کرنے لگے تو اے آدمی تجھپر الزام صریح لاحق ہوگا اور حجت قائم ہو جاویگی
کہ تو نے کسواسطے حکم اپنے پروردگار کا روح اور جسم سے قبول نکیا اور امر الہی کی مخالفت میں عمر گزاری چنانچہ الزام حجت کے بیان کرنیکے واسطے ظاہر کرکے فرماتے
ہیں **يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ** اے آدمی تو کچھ آسمان سے بڑا اور اونچا نہیں ہے اور نہ زمین سے زیادہ سخت کہ اپنے پروردگار کے حکم کو قبول نکرے اور اسکے
حکم کی اطاعت بجا لاوے حالانکہ حکم اللہ تعالی کا تیرے حق میں بہت آسان ہے اور ان دونوں کے حق میں شاق اور گراں ہے اور ان دونوں نے باوجود
گرانی اور سختی کے فرمانبرداری کی اور سر نہ پھیرا اور علاوہ اسکے یہ بھی ہے جو حکم کہ آسمان و زمین پر ہوگا سو اسمیں کچھ عذاب و ثواب نہیں اور جو حکم کہ تیرے حق
میں آیا ہے اسکے ساتھ ثواب اور عذاب کی بھی توقع ہے کہ آسمان اور زمین کو ہرگز اسکی امید نہیں کیونکہ **إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ** بیشک تو
کوشش کرنیوالا ہے کہ قرب حاصل کرے اپنے پروردگار کے **كَدْحًا** کمال مشقت سے کیوں کہ تجھکو استعداد وصول کی دی ہے اور اسکی دھن تیرے دماغ
میں رکھی ہے برخلاف آسمان و زمین کے کہ نہ انمیں استعداد وصول کی ہے اور نہ انکو اسکے حاصل کرنے کا خیال اور یہ وصول موعود اور دیدار بے پردہ
کہ اسکی فکر حصول میں تو لگا ہے محض خیالی نہیں ہے کہ دنیا میں تو خوش تھا بلکہ لا کلام ہونیوالا ہے چنانچہ فرماتے ہیں **فَمُلَاقِيهِ** پھر ملاقات کرنیوالا
ہے تو اپنے پروردگار سے بے پردہ خیال و ادراک کے اور بغیر حجاب نمونہ اور مثال کے پس تجھکو تابعداری اللہ تعالی کے امر کی اسقدر درکار ہے کہ
کسی مخلوق کو اسقدر درکار نہیں کیونکہ اس روز عین ملاقات اور حضوری کے وقت شرمندگی نہ اٹھاوے اور ندامت نہ کھینچے کہ اس روز قوت اور
ضعف تیرا سعی میں قرب کے مرتبے کے حاصل کرنے میں ظاہر ہو جاویگا اس طور سے **فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ** پھر جس شخص کو دیا جاویگا
نامۂ اعمال اسکا اپنے پروردگار کی ملاقات کے وقت کہ اس نامے میں سعی جمیل اسکی اور طاعت اور فرمانبرداری اسکے حکموں کی لکھی ہے تا کہ بالکل ان چیزوں
کا جو اسکے شوق میں بجا لایا تھا موجب اسکے سرور اور لذت کا ہو اور جانے کہ سعی میری ٹھکانے لگی **بِيَمِينِهِ** سیدھے ہاتھ میں اسکے کہ علامت
نجات اور رضامندی کی ہے کیونکہ سیدھا ہاتھ اکثر الٹے ہاتھ سے غالب ہوتا ہے اور اس شخص نے کہ اطاعت اللہ تعالی کے فرمان کی کی تو اپنے نفس
کی خواہش پر غالب آیا اور ایک قوت عظیم پیدا کی اور نیکیوں نے اسکی بدیوں پر غلبہ کیا **فَسَوْفَ يُحَاسَبُ** بس بعد دینے اعمال نامے کے
سیدھے ہاتھ میں حساب کیا جاویگا برے کاموں پر کہ مغلوب اور تھوڑے سے رہگئے تھے **حِسَابًا يَسِيرًا** آسان حساب حدیث شریف میں
آیا ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یا رسول اللہ حساب یسیر کیا ہے تب رسول اللہ نے فرمایا کہ حساب یسیر وہ ہے کہ بندہ کے
نامۂ اعمال اسکو دکھاوینگے اور آواز آویگی کہ اے میرے بندے مسلمان جو تو نے بندگی کی سو میں نے قبول کی اور جو تو نے خطا کی سو میں نے بخشدی اور کسی

بات کے واسطے کہا نہ جاویگا کہ جو باتیں کرنے کی تھیں سو تونے کیوں نہ کیں اور جو نہ کرنے کی تھیں سو کیوں کیں **فاما من نوقش فی الحساب عذب**
یعنی پھر جس شخص کے واسطے تکرار اور پوچھ پاچھ ہوئی تو وہ شخص آفت میں پڑا اسواسطے کہ اسوقت کوئی عذر گناہ کا نہیں رکھتا ہے اور گناہ سے خالی
نہیں ہے اور یہ بھی حدیث صحیح میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز فرماتے تھے کہ جس شخص سے حساب لیا جاویگا اسکو عذاب بھی ہوگا
حضرت ام المومنین نے عرض کیا کہ خدا تعالی تو فرماتا ہے **فسوف یحاسب حسابا یسیرا** اور اس آیت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعضے آدمی حساب کے بعد نجات
پاوینگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ حساب نہیں ہے محض عملوں کا دکھانا ہے کہ تو نے یہ کچھ کیا اور ہمنے عفو کیا اور فلانے فلانے کام نہیں کیے اور ہمنے
درگزر کی لیکن مراد میری یہ ہے کہ جس شخص کے واسطے پوری پوری پوچھ ہوگی تو وہ ہلاک ہوگا **وینقلب الی اہلہ مسرورا** اور پھریگا
اپنے اہل کی طرف خوش ہوکر نہ اسکو خوف عذاب کا رہیگا اور نہ خجالت جھڑکی اور غصے کی لاحق ہوگی بلکہ نجات کی خوشی اہل وعیال کے ملنے کی
خوشی کے ساتھ ملکر ایک عجیب راحت اسکو نصیب ہوگی کہ کوئی کیفیت برابری اسکی کر نہیں سکتی اور مراد اہل خانہ سے اسکی حوریں ہیں اور دنیا کی عورتیں
جو اسکے نکاح میں تھیں اور بہشت میں ملینگی اور دوسرے ناتے رشتے والے کہ حشر میں اسکے حساب کتاب کی اطلاع کے واسطے منتظر کھڑے ہونگے اور
یہاں سے معلوم ہوا کہ حق تعالی بندے میں دو غم جمع نہیں کرتا جو کوئی کہ دنیا میں دین کا غم کریگا تو اس روز خوش ہوگا اور لفظ سوف کا کہ دلالت
تراخی اور تاخیر پر کرتا ہے اشارہ اسبات کی طرف ہے کہ اول اعمال نامے نیکی کے اسکو دکھا کر خوشوقت کرینگے اور بہت سی مہلت کے بعد اسکو بدیوں پر اطلاع
دینگے تاکہ اول ہی بار بدیوں پر اطلاع دینے سے شرمندہ نہو اور پشیمانی نہ اٹھاوے **واما من اوتی کتابہ** اور جو شخص کہ دیا جاوے اعمالنامہ
اپنا الٹے ہاتھ میں اور یہ علامت ہلاکت اور عذاب کی ہے کیونکہ الٹا ہاتھ بہت ضعیف ہے سیدھے ہاتھ سے اور اس شخص نے ضعیف جانب کو اپنی کہ خواہش
نفس تھی قوی جانب پر اپنی کہ فرمانبرداری اللہ تعالی کی ہے مقدم رکھا تھا پس قوی کو ضعیف اور ضعیف کو قوی کیا تھا اور معاملے کی صورت
کو الٹا کر دیا تھا اسیواسطے اعمالنامے کو اسکے الٹے ہاتھ میں دینگے لیکن سامنے سے نہ دینگے بلکہ الٹے ہاتھ کو اسکے پیچھے باندھ دینگے اور اعمالنامے کو اسکے
اس ہاتھ میں دینگے **وراء ظہرہ** پیچھے سے اسکی پیٹھ کے **فسوف یدعوا ثبورا** ۝ پھر آگے پکاریگا موت کو یعنی آرزو کریگا کہ کسی طرح
موت آجاوے اور مجھکو ہلاک کرڈالے کہ ان اپنے برے کاموں کی جزا سے خلاصی پاؤں اور لفظ سوف کا کہ دلالت تاخیر پر کرتا ہے اسیواسطے اس جا
لائے ہیں کہ اسکو اپنی موت خوب طرح سے بعد عمر کی جمع خرچ کے مطالعہ کے ظاہر ہوجاویگی اول بار میں اپنے نیک بد اعمال کو دیکھکے خیال کریگا کہ
شاید میری نیکیاں میری برائیوں پر غالب آویں اور میں نجات پاؤں اور یہ مطالبہ اور برابر کرنا حساب کا ایک مہلت چاہتا ہے اور وہ جو سورہ حاقہ
اور دوسری سورتوں میں مذکور ہے کہ بعضوں کو اعمالنامے سیدھے ہاتھ میں اور بعضوں کو الٹے ہاتھ میں دینگے سو اسبات کے مخالف نہیں کہ پیٹھ کے
پیچھے سے دینگے جیسے کہ یہاں مذکور ہے کیونکہ اعمالنامے کا دینا الٹے ہاتھ میں اسی طور سے ہوگا کہ پیٹھ کے پیچھے سے دینگے اور جو بعضے علمانے
تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ آدمی اس روز تین قسم پر ہونگے ایک نجات والے انکو اعمالنامے سیدھے ہاتھ میں دینگے اور دوسرے ہلاک ابدی والے انکو الٹے ہاتھ
میں دینگے اور تیسرے عذاب والے جنکو کہ بعد عذاب کے نجات ہوگی سیدھے ہاتھ میں پیٹھ کی طرف سے دینگے یا ہلاک ابدی والوں کو الٹے ہاتھ میں پیٹھ کے
پیچھے سے دینگے اور اہل نجات کو بائیں ہاتھ میں سامنے سے پس یہ قول مطابق قرآن وحدیث کے نہیں ہے محض احتمال ہے کیونکہ اہل شمال اور اہل ظہر دونو
کے حق میں جو وعیدیں کہ آئی ہیں ایک دوسرے کے قریب ہیں نجات اور خلاص پر دلالت نہیں کرتیں باوجود اسبات کے کہ بعضی حدیثوں میں تصریح
اعمال ناموں کے دینے کی اسی طور سے روایت ہے کہ بیان کی گئی واللہ اعلم اور جو اس شخص کا حال کہ اپنے دوزخی ہونے کی علامت اپنے اعمالنامے سے جو
اسکی پیٹھ کی طرف سے دیا جاویگا دریافت کریگا اور واویلا مچاویگا اور دعا موت اور ہلاکت کی شروع کریگا بیان فرمایا اب ارشاد ہوتا ہے کہ اسقدر جزع
اور فزع اور اضطراب اور بیقراری اور بیتابی پر اسکی اکتفا نہوگا بلکہ وہ چیز جس سے وہ ڈرتا ہے واقع ہوگی **ویصلی سعیرا** اور پیٹھیگا دہکتی آگ میں
کیونکہ **انہ کان فی اہلہ مسرورا** تحقیق کہ وہ تھا اپنے گھر والوں میں دنیا میں خوش اور بے غم کہ دنیا کا غم رکھتا تھا نہ آخرت کا

اور کفر اور گناہ سے بھی نہیں ڈرتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی جانب کی اصلا رعایت نہیں کرتا تھا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ دنیا کی خوشی
کے پیچھے آخرت کا غم لگا ہے چنانچہ دوسری جاے پر فرمایا ہے فلیضحکوا قلیلاً ولیبکوا کثیراً اور جو شخص کہ اس دنیا میں دکھ اور غم آخرت کا رکھتا
ہوگا تو اُسکے مآل کا حال یہ ہے کہ ہمیشہ کی خوشی اُسکو حاصل ہوگی اور یہاں پر سمجھ لیا چاہیئے کہ خوشی دنیا کی وہی بُری ہے کہ غفلت اور رفاہیت اور
آسودگی سے پیدا ہوا اور جو خوشی کہ بسبب راضی ہونے کے حکم الٰہی پر یا واسطے حاصل ہونے مراتب علیہ دینیہ کے ہو تو عین محمود اور سراسر نافع ہے چنانچہ
سورۂ یونس میں فرمایا ہے قُل بفضل اللہ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فلیفرحوا اور یہاں مذکور اُسی خوشی اور نعمتوں کا ہے کہ نہایت غفلت سے دنیا
میں حاصل تھیں چنانچہ صاف فرماتے ہیں کہ اِنَّہٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ یہ تمام خوشی اس کافر کو اسواسطے تھی کہ وہ گمان کرتا تھا کہ ہرگز
پھیرا نہ جاویگا عالم ارواح کی طرف اور اپنے اعمالوں کا حساب نہ دیکھیگا اسواسطے کہ جسوقت دنیا کی خوشی کے واسطے آخرت کا غم یاد آتا ہے یا اپنی
روح کا جانا عالم ارواح میں اور اپنے عملوں کا بدلا پانا قیامت میں یاد آتا ہے اور اُسپر یقین ہوتا ہے تو وہ خوشی بالکل نیست نابود ہوجاتی ہے اور
اسیواسطے کہا گیا ہے ؎ مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم ✦ جرس فریاد میدارد کہ بربندید محملہا ✦ اور یہی مضمون اس شعر کا ؎
عشرت امروز بے اندیشۂ فردا خوش است ✦ فکر شب نہ تلخ دارد جمعۂ اطفال را ✦ اور ثابت کرنے کو حشر و نشر کے اور جزا اور حساب کے اور رد کرنے کو اُسکے گمان
کے فرماتے ہیں بَلٰی یُوں نہیں ہے جیسا کہ اُسنے گمان کیا ہے بلکہ پھر جانا اُسکا عالم ارواح کی طرف پھر وہاں سے حشر و نشر کے عالم میں پھر حساب کے
میدان میں پھر وزن اعمال کے مقام پر پھر مجازات کے محل میں کہ بہشت و دوزخ ہے ضروری ہے اور دلیل اُسکی یہ ہے اِنَّ رَبَّہٗ کَانَ بِہٖ بَصِیْرًا
تحقیق پروردگار اسکا اسکو دیکھتا تھا ابتداے پیدایش سے انتہاے موت تک کہ روح اُسکی کہاں سے آئی ہے اور بدن اُسکا کس کس چیز سے بنا ہے پھر
کیا اعتقاد اور کیا عمل کیا ہے اور دل میں کونسی چیز قائم ہے اور زبان سے اُسکی کیا نکلا اور ہاتھ سے اُسکے کیا ہوا اور بعد موت کے روح اُسکی کہاں
گئی اور بدن اسکا کس کس مکانوں میں بکھر رہے پھر جو آدمی کے حال سے اسقدر واقف ہو تو البتہ اُسکو مہمل نہیں چھوڑیگا اور اُسکے کیے کا بدلا پورا دیگا
اور روح کو اُسکے بدن کے اجزا سے جمع کریگا پس گمان اُسکا محض بیجا ہے کچھ حاجت قسم کی نہیں اُسکے باطل کرنے میں اور اگر کسی کو اس عجیب حالت کے
سننے سے کہ بعد موت کے نمود ہوگی اور وارد ہونے میں ان حادثوں کے کہ بعد جدا ہونے روح کے بدن سے واقع ہوتے ہیں کچھ شک اور تردد ہو تو —
فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ پھر سوگند کھاتا ہوں میں شفق کی اور شفق نام ہے ایک سرخی کا کہ آفتاب ڈوبنے کے بعد کناروں پر مغرب کے
نظر آتی ہے اور اُسکے باقی رہنے تک مغرب کی نماز کا وقت باقی ہے چنانچہ امام شافعیؒ اور صاحبینؒ کا مذہب یہی ہے اور اسی پر فتوی ہے اور بعضی
روایتوں میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ شفق نام ہے ایک سفیدی کا کہ سرخی جانیکے بعد پیدا ہوتی ہے اور دیر تک رہتی ہے لیکن
صحیح یہ ہے کہ حضرت امام اعظمؒ نے اس مذہب سے رجوع کی ہے اور عرب کے لوگ شفق کو اپنے اشعاروں میں اور محاوروں میں تشبیہ سرخی کے ساتھ دیتے ہیں تو
یہ دلیل صریح ہے اسبات پر کہ مراد شفق سے سرخی ہے نہ سفیدی اور وہ جو بعضے علمانے کہا ہے کہ اول دن کی سرخی کنارے مشرق کے کسی مقدمے میں
روزہ ہو یا نماز معتبر نہیں بلکہ معتبر سفیدی ہے کہ اُسکو صبح صادق کہتے ہیں تو چاہیئے کہ مغرب کی نماز کا وقت صبح کی نماز کے وقت کے برعکس ہو کہ ابتدا
اُسکی آفتاب کے غروب سے ہے اور انتہا اُسکی طلوع آفتاب سے پس جواب اُسکا یہ ہے کہ وہ وقت یعنی فجر کا نور کے ظہور کا وقت ہے اندھیرے میں اور ابتدا نور کے
ظہور کی صبح صادق کے طلوع سے ہے کہ سفیدی اُسکی عام و خاص کو نظر آتی ہے جو اول سے رات کے اندھیرے میں تھی اور یہ وقت یعنی مغرب کا اندھیرے
کے پھیلنے کا وقت ہے نور پر کہ پہلے سے اسمیں تھا اور بعد جانے سرخ شفق کے کچھ امتیاز اندھیرے میں خاص و عام کی نظروں میں نہیں رہتا ہے اور اُسوقت
آفتاب کا اثر بالکل جاتا رہتا ہے تو اُسوقت کا ٹھہرانا یعنی مغرب کا سُرخی کے جانے پر نہایت مناسب ہے اور ٹھہرانا اُسوقت کا یعنی صبح کا سفیدی
کے آنے پر مناسب ہے اور فرق دونوں وقتوں کے درمیان میں بسبب مقدم ہونے اندھیرے کے ہے نور پر اور بالعکس کیونکہ حکمت کا قاعدہ ہے کہ انفعال حاسّہ
باحد الضدین موجب سرعت و قوت احساس کا دوسری ضد سے ہوتا ہے اور اثر اس ضعف کی ضد کا محسوس ہوتا ہے واللہ اعلم وَالَّیْلِ وَمَا وَسَقَ

اور قسم ہے رات کی اور اُس چیز کی جسکو جمع کرتی ہے رات آدمیوں سے ہوں یا جانوروں سے کیونکہ جانداروں کی ہمیشہ یہ عادت ہے کہ دن کو تلاش معاش کے
واسطے اپنے مکانوں سے نکلتے ہیں اور ہر شخص ایک طرف کو جاتا ہے اور منتشر ہو جاتے ہیں اور جب رات ہوتی ہے تو سارے اقربا اور متعلق اسکے ایک گھر میں جمع
ہوتے ہیں اور ایک مکان پر رات گذارتے ہیں پس گویا رات جامع المتفرقین ہے اور اسیواسطے نیک بد کام جو اخفا اور پوشیدگی سے تعلق رکھتے ہیں
جیسے حلقے ذکر اللہ کے اور جماعتیں تراویح کی اور مجلس رقص کی اور شراب پینا وغیرہ سب رات میں ہوتے ہیں اور اُنکے واسطے جمع ہونا متحقق ہوتا ہے **وَالْقَمَرِ
إِذَا اتَّسَقَ** اور قسم کھاتا ہوں میں چاند کی جب بنے اُسکا پورا ابھرتا ہے اور شام سے صبح تک رات کے اندھیرے کو دور کرتا ہے اور بُرائی کے حجاب کو اُٹھا دیتا ہے
اور تینوں چیزیں یعنی شفق اور اندھیری رات اور روشن چاند نمونہ ہے تین حالتوں کا کہ آدمی پر بعد موت کے گزرینگی گویا نمونہ ہے آفتاب زندگی کے غروب کا ظاہر ہوتا ہے
اول جو حالت کہ بعد جدا ہونے روح کے بدن سے ہوگی تو اُسمیں کچھ اثر پہلی زندگانی کا اور اُلفت بدن کے تعلق کی اور دوسرے اپنے جنس کے آشنا دوستوں کی
اُلفت باقی رہیگی اور وہ وقت گویا برزخ ہے دنیا کی زندگانی اور استغراق قبر کے عالم میں کہ کچھ اس طرف سے اور کچھ اُس طرف سے علاقہ رکھتا ہے وہ وقت بعینہ مانند
شفق کے وقت کے ہے کہ ہنوز تصرفات مخلوقات کی اور آمد و شد انکی منقطع نہیں ہوتی اور جاندار سب بیدار اور دیکھتے بھالتے چلتے پھرتے ہیں اور دن کے
باقی ہے کاموں میں مشغول ہیں اور یہ حالت حالت ہے انکشاف کی اور جزاے برزخ کی جو نیکیوں سے اور بدیوں سے کیا تھا اور مدد زندوں کی مُردوں کو
اِس حالت میں جلد پہنچتی ہے اور مُردے ایسے وقت میں اس طرف کی مدد کے منتظر ہوتے ہیں اور یوں گمان کرتے ہیں کہ گویا ابھی ہم جیتے ہیں اسیواسطے
حدیث شریف میں قبر کے احوال میں وارد ہے کہ مسلمان آدمی وہاں کہتا ہے کہ دعونی اُصلی چھوڑو مجھ کو کہ میں نماز پڑھوں اور یہ بھی وارد ہے
کہ مُردہ اس حالت میں غریق کی مانند ہے کہ انتظار فریاد پہنچنے والے کا رکھتا ہے اور صدقے اور دعائیں اور فاتحہ اسوقت اُسکے بہت کام آتے ہیں اور
اسیواسطے اکثر لوگ ایک سال تک علی الخصوص ایک چلے تک موت کے بعد اس قسم کے کاموں میں کوشش اور سعی کرتے ہیں اور مُردے کی روح بھی موت کے
قریب کے دنوں میں خواب میں اور عالم مثال میں زندوں سے ملاقات کرتی ہے اور اپنا احوال بیان کرتی ہے دوسری وہ حالت ہے کہ بعد قطع ہونے دنیا کی
زندگانی کے علاقوں کے بالکلیہ ظاہر ہوتی ہے اور استغراق عظیم دیکھنے سے اُن کیفیتوں کے جو دنیا میں کمایا تھا نیکی اور بدی سے اُسکو حاصل ہوتا ہے اور
قواے مدرکہ اور متصرفہ اُسکے اس عالم سے یک لخت ٹوٹ کر اُس عالم کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور حس و حرکت معنوی اُس کی اِس جہان سے مطلقًا
بیکار ہو جاتی ہے اور یہ حالت مانند رات کے اندھیرے کے ہے کہ بعد زایل ہونے شفق کے ہجوم کرتی ہے اور لوگوں کو خواب اور معطل ہو جانا حواس اور حرکتوں کا
لاحق ہو جاتا ہے اور ملاقات اور کسب باتوں کے سے مطلقًا غافل ہو جاتا ہے لیکن وہ ملاقات اور کسب باتیں ظاہر بدن سے انتقال کر کے باطن میں ان کے جمع
ہوتے ہیں اور روح انکو رنگا رنگ صورتوں میں مطالعہ کرتی ہے اور متلذذ اور متالم ہوتی ہے یعنی خوش ہوتی ہے اچھائی کو دیکھکر اور رنجیدہ ہوتی ہے بُرائی
کو دیکھکر اور یہ حالت عام مُردوں کی ہے اور بعضے خاص اولیاء اللہ جنکو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے بندوں کی ہدایت اور ارشاد کے واسطے پیدا کیا ہے انکو
اس حالت میں بھی اِس عالم کے تصرف کا حکم ہوتا ہے اور اس طرف متوجہ ہونے سے اُنکے استغراق میں کمال وسعت مدارک کے سبب سے کچھ خلل واقع نہیں ہوتا
اور وہ استغراق اس طرف کے متوجہ ہونے کو منع بھی نہیں کرتا اور اُویسی لوگ باطنی کمالوں کو ان ہی سے حاصل کرتے ہیں اور حاجتمند اور غرض والے اپنے اٹکے
کاموں کی کشادگی کا سبب اُن سے پوچھتے ہیں اور اُنکے کہنے پر چلنے سے اپنا مطلب پاتے ہیں اور انکا حال اُسوقت میں اس مصرع کے مضمون پر گواہی دیتا
ہے ؎ من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن ؛ تیسری ایک اور حالت ہے کہ بعد حشر اور نشر کے ظاہر ہوگی اور وہ مانند چودھویں رات کے چاند کے ہے کہ رات کے
اندھیرے کے دور کر کے نیک بد کو انکے طرح طرح کے انہار سے جلوہ گر کریگی اور ہر شخص اپنے نفع اور ضرر کی چیزیں اور دوست اور دشمن اور زہر اور تریاق میں امتیاز
کریگا اور یہی حالت ہے اعمال ناموں کے دینے کی اور نیک بد عملوں کے ظہور کی رنگا رنگ صورتوں سے اور اعمالوں کے تولنے کی اور نیکی اور بدی کے حساب
کی اور دوسرے بہت سے کاموں کی اور اس حالت کی انتہا ایک اور زندگانی ہے کہ اتم اور اکمل اس جہان کی زندگانی سے ہے لیکن جو وہ زندگانی تغیر اور تبدیل
نہیں رکھتی اور یکساں ہمیشہ قایم اور برقرار ہے اسیواسطے کچھ مثال اُسکے واسطے نہیں ہے کہ مقام پر قسم کے لائی جاوے بلکہ وہ زندگانی اِس قسم سے بھی

نہیں ہے کہ اُسکے احوال و صفات متغیر ہوتے رہیں یعنی کبھی کچھ اور کبھی کچھ تاکہ بیان کے مقام پر وہ حالتیں بیان کی جاویں اسیواسطے اِنھی تین قسم پر
اکتفا فرماکر اس مضمون کو کہ اثبات اسکا منظور ہے ارشاد فرماتے ہیں **لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ** البتہ تم سب کو چڑھنا ہے کھنڈ پر کھنڈ
یعنی پہلے بعد جانے کے اس دنیا سے ایک حال میں ہوگی کہ اسکو رجوع الی اللہ سمجھو گے بعد اسکے اس حالت سے گزر کر ایک دوسری حالت کو پہنچو گے تو جانو گے
کہ حالت جوع کی یہی ہے اور اگلی حالت اس حالت کی تمہید تھی اور علیٰ ہذا القیاس یہانتک کہ بہشت میں یا دوزخ میں جا ٹھہرو گے اور سفر تمہارا
تمام ہوجاویگا بعد اسکے سدا رہا کرو گے اور جو گزرنا ان حالتوں سے قطع منازل اور طے مراحل کے مشابہ تھا اسواسطے رکوب کا لفظ کہ معنی میں سوار ہونے کے
ہے اس مقام پر استعمال فرمایا اور جو یہ حرکت یعنی دنیا سے آخرت کو جانا حرکت صعودی ہے یعنی اس خاکدان پست سے عالم بالا کی رفعت گاہ جاتے ہیں اُسکی حالتوں
اور منزلوں کو طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ارشاد فرمایا کیونکہ طبقا عن طبق تہ بتہ چیز کو کہتے ہیں چنانچہ سات طبق آسمان کے مشہور ہیں اور عمارت کے طبقے بھی عرف میں
رائج ہیں اور جو ان انتقالوں کی دلیلیں ہر دن اور رات میں اور ہر مہینے اور برس میں آنکھوں میں ہر خاص و عام کی جلوہ گر ہیں ایمان نہ لانے سے کافروں کے
اور اُنکے یقین نہ کرنے سے واقع ہونے کو ان حالتوں کے بعد موت کے تعجب فرماکر ارشاد کرتے ہیں **فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ** پس کیا ہوگیا ہے ان
کافروں کو کہ باوجود اس بیان واضح اور روشن مثالوں کے ایمان نہیں لاتے اور یقین نہیں کرتے کہ ہم کو بعد موت کے بھی کسی طرف رجوع ہونا ہے اور
سفر درپیش ہے اور اُس سفر کا غم نہیں کھاتے اور توشہ اُسکے واسطے نہیں اُٹھاتے اور نقصان اور نفع سے اس عالم کے کہ منتہا اس سفر کا ہے کچھ خبر نہیں لیتے
اور بعضے مفسروں نے لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ کو دوسرے معنوں پر حمل کیا ہے کہ اس مقام کے ساتھ چنداں مناسبت نہیں رکھتے اگرچہ امر واقعی
ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کو خطاب ہے اور مراد توبیخ اور تشنیع ہے یعنی تم بھی اختیار کرو گے ایک ایک طبقے کو گناہوں سے بعد ایک
طبقے کے یعنی اگلی امتوں کی طرح سے مکروہات صغیرہ اور کبیرہ اور طرح طرح کے الحاد اور بدعتیں کہ اگلوں نے کی تھیں تم بھی کرو گے چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے
کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے حق میں فرمایا ہے کہ تم بھی اپنے اگلوں کی پیروی کرو گے بالشت بالشت سے اور گز گز سے یعنی اگر اگلے لوگ
ایک گز راہ حق سے دور رہے تھے تم میں سے بھی بعضے لوگ اسیقدر راہ حق سے دُور رہینگے اور اگلے لوگ ایک بالشت دُور رہے ہونگے تو تم میں سے بھی
ایک گروہ اسیقدر دور رہینگے یہانتک کہ اگر اگلی امتوں میں کوئی ایسا ہوا ہوگا کہ اُس نے اپنی ماسے زنا کھلے بندوں کیا ہوگا تو تم میں سے بھی یعنی بعضے
شخص کرینگے اور اگر کوئی اگلوں میں سے گوہ کے سوراخ میں گھسا ہوگا تو تم میں سے بھی کوئی اِس سوراخ میں گھسیگا اور یہ بھی حدیث صحیح میں وارد ہے کہ تمہارا
حال بھی ادا نکرنے میں حق اللہ اور حق خلق کے اور جھٹلانے میں پیغمبروں کے اور کتاب اور قیامت کے اور دوسرے گناہوں کے کرنے میں بعینہ اگلی امتوں کے
مطابق اور موافق ہے جیسے کہ ایک جوتی دوسری جوتی کے برابر ہوتی ہے کہ جو بھر کا بھی دونوں میں تفاوت نہیں ہوتا بلکہ تم کتنی چیزیں زیادہ کرو گے
کہ اگلی امتوں میں وہ چیزیں نہ تھیں جیسے بیچنا احرار کا یعنی ایسے شخص کا کہ وہ کسی کا غلام لونڈی نہو اسکو فریب مکر سے بیچنا اور اُسکی قیمت کھانا اور
انھیں میں سے ہے ستر بازی یعنی مساحقہ عورت کا عورت کے ساتھ یعنی چپٹی لڑنا اور انھیں میں سے ہے قتل کرنا اپنے پیغمبر کی اولاد کو جسپر ایمان لائے اور
وجود ایمانداری کے دعوی کے ایسی بات کسی اُمت میں نہیں ہوئی کافروں نے ہر چند کہ اپنے پیغمبروں کو قتل کیا ہے اور ایذا دی ہے لیکن کفر کی حالت میں ایسا
کسی نے نہیں کیا کہ دعویٰ ایمان کا کریں اور ایذا کریں اور بعضے قاریوں نے لترکبن کے بے کو زبر سے پڑھا ہے اور اس صورت میں مفسروں نے معنی اُسکے
اس طور سے کہے ہیں کہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور مراد معراج کا وعدہ ہے کہ البتہ براق پر سوار ہوکر سات طبق آسمانوں پر ایک بعد
دوسرے کے گزریگا اور یہ معنی بھی سباق اور سیاق سے آیتوں کے ہرگز مناسبت نہیں رکھتے بلکہ بے کے زبر کی حالت میں بھی خطاب ہر نبی کو عام ہے جیسے
پیش کی حالت میں سب بنی آدم کو خطاب تھا غرضکہ ظاہر معنی وہی ہیں جو اول بیان کئے گئے اور مدعا کافروں کو ڈانٹنا ہے کہ آخرت کے سفر کی نشانیوں کو
جانتے بوجھتے اُس سفر کا انکار کرتے ہیں اور جو معاملے کہ وہاں ہونیوالے ہیں اُنپر ایمان نہیں لاتے اور اگر اُنکی عقل خود بخود ان حالتوں کو دریافت نہیں کرسکتی
تھی تو انکو لازم تھا کہ قرآن کے بیان سے فائدہ اُٹھاتے یعنی قرآن سنکر اُسپر عمل کرتے اور اسکو سچ جانتے لیکن انکو اسقدر ایمان لانے سے آخرت پر انکار اور دوری ہے کہ قرآن

میں بھی اُن مضمونوں کو سنکر فرمانبرداری نہیں کرتے **وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ** اور جب پڑھا جاتا ہے اُنپر قرآن کہ اُسکی عبارت کو کہ سراسر اعجاز ہے سُنکر متحیر ہوجاتے ہیں لیکن عاجزی اور تذلل نہیں کرتے اور جسوقت کہ مسلمان اپنا عجز ظاہر کرنیکو سجدہ کرتے ہیں تو یہ لوگ **لَا يَسْجُدُوْنَ** سجدہ نہیں کرتے حالانکہ سجدہ کرنا اللہ تعالیٰ کو جس نے اس طرح کا قرآن فصیح اور بلیغ اُتارا کہ کوئی ایک سورت اُسکے برابر بنا نہیں سکتا ہے کسی آئین اور مذہب میں منع نہیں اور فقط نافرمانی اور سجدہ نکرنے پر اکتفا نہیں کرتے ہیں **بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ** بلکہ جو لوگ کہ کافر ہیں جھٹلاتے ہیں قرآن کو اور ہرچند کہ زبان سے نہیں کہتے لیکن حق تعالیٰ انکے اس انکار کو جو دل میں رکھتے ہیں جانتا ہے۔ **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ** اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو دل کے برتن میں بھرتے ہیں یعنی جو کچھ کہ باطن میں اُنکے سوائے تکذیب اور انکار اور مخالفت اللہ کے امروں کی اور نافرمانبرداری اُسکے حکموں کی اور خوشی اور شادمانی دنیا کی زندگانی پر اور اس گمان پر کہ آخرت کا سفر ہمکو درپیش نہیں اور محبت گناہوں اور شہوتوں کی اور مکر و حیلے کرنے کی چیزوں سے دل اُنکے لبالب اور مالامال ہیں سو اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور لفظ میں یوعون کے اشارہ اسبات کی طرف ہے کہ وہ نادان کوتہ اندیش ان قبیح چیزوں کو کمال احتیاط سے اپنے اندر کے باسن میں لگا رکھتے ہیں لیکن احتیاج کے وقت جب اس باسن سے سوغات نکلینگے تب یہ جانینگے کہ ہم کیا چوکے کہ اندھیری رات میں کالے ناگ کو پھولوں کا گجرہ سمجھکر گلے میں پہنا چنانچہ کسی نے کہا ہے **شعر** بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت۔ کہ باکہ باختۂ عشق در شب دیجور + لیکن جو یہ جاہل ان بُرائیوں کو نیکی جانتے ہیں اور آئندہ کے نفع کے واسطے زر و جواہر کی مانند کمال احتیاط سے جان کے برتن میں رکھتے ہیں نہ مٹی تانبے کے برتن میں پس تجھکو بھی چاہیے کہ انکے باطل اعتقاد کے موافق ہنسی ٹھٹھے کی بات چیت کر **فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ** پس خوشخبری دے انکو دکھ کی مار کی انکے فرحت و شادمانی پر دنیا کی اور بشارت کا لفظ اس مقام پر استعارہ ٹھٹھول کا واسطے ڈرانے اور خوف دلانے کے **اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** یعنے انکے سب لوگوں کو عذاب الیم کا وعدہ دے مگر اُن لوگوں کو کہ ایمان لاویں اور اچھے کام کریں اور کفر اور گناہوں کو اپنے اس عمل نیک کے سبب سے محو کریں پھر جو ایسا کریں اُنپر ہرگز عذاب نہیں ہے نہ الیم اور نہ غیر الیم بلکہ **لَهُمْ اَجْرٌ** انکے واسطے نیک ہے ایمان اور اُنکے نیک عمل پر اور باز رہنے پر کفر اور گناہ سے اور وہ نیک **غَيْرُ مَمْنُوْنٍ** بے انتہا ہے ہرگز تمام ہونیوالا نہیں ہرچند کہ اُنکا ایمان خواب اور غفلت کے وقت منقطع ہوجاتا تھا اور نیک عمل اُنکا بسبب مرض اور شغل اور سفر اور موت کے بھی موقوف ہوجاتا تھا لیکن رحمت الٰہی نے اس غیر دائمی ایمان کو حکم دائمی ایمان کا دیا اور اس منقطع عمل کو استمراری قرار دیا اور نعمت سدا رہنے عوض میں اُسکے امداد فرمائی اور یہ سورت سجدے کی سورتوں میں سے ہے اور بعد لایسجدون کی آیت کے سجدہ ہے اور حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے ترک کرنے پر سجدہ کے مذمت اور عتاب جو اس جاے پر وارد ہے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ سجدہ تلاوت کا واجب ہے اسواسطے کہ ترک سنت پر مذمت اور عتاب نہیں آتا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سجدہ تلاوت کا سنت ہے جواب سکا یہ ہے کہ مراد سجدے سے اس جاے پر خضوع اور انقیاد ہے اور ارادہ فرض نماز کے سجدے کے ادا کرنیکے واسطے ہے نہ سجدۂ تلاوت کا لیکن اس جواب میں خدشہ ہے کیونکہ اگر یہی مراد ہوتی تو سجدۂ تلاوت اس جاے پر مسنون کسواسطے ہوتا حالانکہ حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اس سورے کو عشا کی نماز میں پڑھا ہے اور اس مقام پر سجدہ کیا ہے اور مقتدیوں اور سننے والوں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کیا ہے چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس جماعت میں داخل تھے اور ظاہر یہ ہے کہ جب اُن کافروں کی جو سجدہ نہیں کرتے اس آیت میں مذمت فرمائی تو البتہ مسلمان کو لازم ہے کہ کافروں کی مخالفت کی جہت سے سجدہ کرے اور تمام سجدہ کی آیتیں جو قرآن میں ہیں یا تو اُن آیتوں میں بُرائی کافروں کی ہے بسبب سجدہ نکرنے کے یا مدح مسلمانوں کی ہے اور فرشتوں کی بسبب سجدہ کرنے کے لیکن ملازمت اس جانب سے ہے یعنی جو سجدہ کہ قرآن میں ہے اس قسم کی آیتوں میں ہے نہ اسکے برعکس کیونکہ قرآن میں بہت سی جاے پر اس قسم کی آیتیں آئی ہیں اور اُنمیں سجدہ نہیں ہے اسواسطے کہا ہے کہ آیتیں سجدے کی توفیقی ہیں یعنی شارع کی مقرر کی ہوئی ہیں نہ قیاسی کہ جہاں اس قسم کا مضمون پایئے وہاں سجدہ کیجیے واللّٰہ اعلم بحقیقۃ الحال والیہ المرجع والمآل +

سُوْرَۃُ البُرُوْج

تمہید

سورۂ بروج مکی ہے اسمیں بائیس آیتیں اور ایک سو نو کلمے اور چار سو تمیں حرف ہیں اور ربط اس سورے کا سورۂ انشقاق سے یہ ہے کہ ابتدا میں اسکی ذکر ہے آسمان کے پھٹنے کا قیامت کے دن اور اس سورے میں ذکر ہے آسمان کے حصے کرنے کا دنیا میں بارہ جگہ برابر کہ ہر ایک جدا جدا حکم رکھتا ہے اور اخیر میں اس سورے کے بل الذین کفروا یکذبون واللہ اعلم بما یوعون واقع ہے اور انتہا میں اس سورے کے بل الذین کفروا فی تکذیب واللہ من ورائھم محیط ہے اور یے دونو مضمون آپسمیں ظاہرا اتحاد رکھتے ہیں اور درمیان میں اس سورت کے حال بہشتیوں اور دوزخیوں کا مذکور ہے جیسے کہ درمیان میں اس سورے کے مذکور ہے پس دونو سورتوں کو آپسمیں کمال مناسبت حاصل ہوئی اور اس سورے کے نازل ہونے کا سبب یہ تھا کہ مکے کے کافر مسلمانوں کو بسبب اسلام لانے کے طرح طرح کے رنج و اذیت پہنچاتے تھے اور مسلمان یہ قصہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے تھے اور جناب رسالتمآب ارشاد فرماتے تھے کہ ایک وقت ایسا آویگا کہ تمکو حق تعالیٰ ان لوگوں سے بدلا لینے کی طاقت بخشیگا اور جو کچھ کہ یے تمہارے ساتھ کرتے ہیں ایسا ہی تم انکے ساتھ کروگے کافروں نے جو یہ ماجرا سنا تو طعن اور ٹھٹھول شروع کیا کہ یے ذلیل مفلس کیا حقیقت رکھتے ہیں کہ ہمسے بدلا لے سکینگے اگر ہماری عزت اور انکی ذلت حق تعالیٰ کے نزدیک ثابت نہوتی تو ہمکو کیوں انپر غالب کرتا پس معلوم ہوا کہ ہر وقت اور ہر آن انعام الٰہی ہمارے ہی نصیب ہے اور ذلت اور عجز اور خواری انکے نصیب ہے کافروں کی اس بات کے جواب میں یہ سورت نازل فرمائی اور مطلع میں اس سورت کے سوگند آسمان کی کھائی ہے کہ جو بارہ برج رکھتا ہے اور ہر برج سبب ہے عالم اور اہل عالم کے انقلاب کا اور بہت سی چیزیں ہیں کہ ایک برج کی تاثیر کے سبب سے عزیز ہوتی ہیں اور وہی دوسرے برج کی تاثیر سے ذلیل اور بیقدر ہو جاتی ہیں چنانچہ پوشاکیں شال اور پوستین وغیرہ گرمی کے دنوں میں اور ٹھنڈا پانی اور لطیف شربت اور برف جاڑوں میں یہاں سے اس انقلاب کو اپنے دل میں خوب سمجھیں اور تمھیں اور اپنی عزت پر مغرور نہوں اور ذلت پر مسلمانوں کی طعن اور استہزا نکریں کہ ہر سال اختلاف موسم کے وقت اس انقلاب کو دیکھتے ہیں اور یہاں سے معلوم ہوا کہ اس سورے کا نام سورۃ البروج اسی مناسبت کے واسطے رکھا ہے کہ منظور اس سورت میں بیان نیکی اور بدی کے پے در پے آنے کا ہے اور سعادت اور نحوست کے بدلنے کا تا معلوم ہو جاوے کہ جو شخص کہ مسلمان کو ایذا اور رنج پہنچاتا ہے اور نہایت قوت اور غلبہ رکھتا ہے ہو سکتا ہے کہ انتقام میں گرفتار ہو اور خراب ہو اور زیادہ تر اور مشہور تر اسباب نیکبختی اور بدبختی کی لیاقت کے نزدیک عوام کے کہ ہر سال اسکو دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں آسمان کے بارہ برج ہیں اسیواسطے قمری مہینے کو اس حق میں اعتبار نہیں فرمایا ہے کہ انکے اختلاف کے سبب سے انقلاب عالم میں نظر نہیں آتا اور یہی سبب ہے کہ مہینے قمری ہر موسم میں آتے ہیں اور حکم اس موسم کا پکڑتے ہیں اور خود بھی بسبب اپنے برجوں کے احکام کے انقلاب قبول کرتے ہیں +

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

س

ع

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ قسم کھاتا ہوں میں آسمان برجوں والے کی کہ ہر برج نیکی اور بدی اور سعادت اور نحوست میں جدا حکم رکھتا ہے اور باوجود حکموں کے اختلاف کے تعاقب اور دوران کرتا ہے اور چند روز حکم اسکا عالم میں جاری ہوتا ہے پھر زائل ہو جاتا ہے وہی حکم پھر آتا ہے سو کسی شخص کے واسطے یوں اعتماد کرنا نہ چاہیئے کہ یہ حالت خاص اسی کے واسطے ہے دوسرے کو ہرگز نصیب نہو گی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ حالت موجودہ معدوم ہو جاوے اور وہ حالت معدومہ لوٹ آوے اور حقیقت برجوں کی یہ ہے کہ آفتاب کی گردش کے سبب سے آسمان میں ایک دائرہ پیدا ہوتا ہے کہ اسکو دائرۃ البروج کہتے ہیں اور آفتاب اسکو ایک سال کی مدت میں تمام طے کرتا ہے اور جب اس دائرہ کو بارہ حصوں پر برابر تقسیم کریں تو بارہ حصے ہونگے تو ہر حصہ کو برج کہتے ہیں اور سب ملکے بارہ برج پیدا ہوتے ہیں اور وجہ اس دائرے کے تقسیم ہونے کی بارہ حصہ پر نہ اس سے کم نہ زیادہ کہ جناب الٰہی سے دلوں میں تمام بنی آدم کے القا ہوا ہے اور تمام طائفے ہنود اور فارسیوں اور یونانیوں اور عربوں اور فرنگیوں اور دوسری قوموں کے اسی بات پر متفق ہیں سو یہ ہے کہ جو مدت ہے آفتاب کے اپنے طلوع کی

ہر برج میں اربع فلکیہ سے اسکا فصل نام رکھا ہے کہ ہوا اور خاصیت اُن فصلوں کی مخالف ایک دوسرے کی ہے جیسے ربیع اور خریف اور گرمی اور جاڑے اور
ہر فصل کو ابتدا اور بیچ اور انتہا ہے کہ حکم اس فصل کا اُن حالتوں میں ساتھ قوت اور ضعف کے بدلتا ہے تو آسمان اسیواسطے بارہ قسم پر تقسیم کیا گیا اور ہر قسم کا
برج نام رکھا ہے اور آفتاب کو بھی ایک دورے کامل کی مدت میں بارہ مرتبے چاند سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے اور یے دونوں آسمان میں ایک مکان پر اکٹھے
ہوتے ہیں اور ہر بار جمع ہونا چاند کا آخر تک یہی قمری مہینا ہے اسیواسطے آسمان کو موافق گنتی جمع ہونے شمس اور قمر کے بارہ حصے مقرر کیا ہے اور ہر قسم کو
برج مقرر کیا ہے اور ہر برج کا موافق اُس صورت کے کہ جمع ہونے سے تاروں کے اس برج میں پیدا ہوئی ہے نام رکھا جیسے حمل اور ثور اور جوزا اور سرطان اور
اسد اور سنبلہ اور میزان اور عقرب اور قوس اور جدی اور دلو اور حوت اور ہر ایک کو ان برجوں سے آفتاب کی حرکت کے دنوں کی مانند تیس حصوں پر تقسیم کیا
ہے اور ہر قسم یعنی ہر حصہ کا اُن برجوں سے درجہ نام رکھا ہے اور ہر درجہ کو ساٹھ جگہ بانٹا ہے اور ہر حصے کا نام اُن درجوں سے دقیقہ رکھا ہے کہ ہندی لغت
میں اتنی دیر کو گھڑی کہتے ہیں اور دقیقہ کو ساٹھ قسم پر تقسیم کرکے ثانیہ نام رکھا ہے کہ ہندی لغت میں اسکو پل کہتے ہیں اور ہر ثانیہ کو پھر ساٹھ حصے کیا ہے اور
اُسکا نام ثالثہ رکھا ہے جسکو ہندی میں چھن کہتے ہیں اور علی ہذا القیاس اور یہ بارہ برج آپسمیں صورت اور احکام میں نہایت اختلاف رکھتے ہیں پس حمل بکری کے
بچے کی صورت ہے کہ سر مغرب کی طرف اور دُم مشرق کی طرف رکھتا ہے اور مُنہ پیچھے پھیرے ہوئے کسی کو دیکھ رہا ہے اور جو تارے کہ اسکی صورت میں واقع ہیں تیرہ تارے
ہیں اور پانچ تارے دوسرے بھی اسکی صورت سے تعلق رکھتے ہیں گو کہ صورت سے خارج واقع ہوتے ہیں اور ثور بیل کی صورت ہے کہ سر اسکا مشرق کی طرف ہے اور دُم اسکی
مغرب کی طرف ہے اور صورت اسکی بتیس تاروں سے مرکب ہے اور دوسرے تارے بھی مانند عین الثور اور ثریا کہ انگور کے خوشے کی مانند ہے اور دوسرے بھی اسکی صورت سے تعلق
رکھتے ہیں اگرچہ صورت سے خارج ہیں اور جوزا دو آدمیوں کی صورت پر ہے ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے کہ سر اُنکے شمال اور مشرق کی طرف ہیں اور پاؤں اُنکے جنوب اور
مغرب کی طرف ہیں اور اٹھارہ تارے اس برج کی صورت میں واقع ہیں اور سات تارے دوسرے خارج ہیں کہ انہیں سے ذراع اور ہنعہ بھی ہیں اور سرطان ایک جانور
کی صورت پر ہے کہ معروف اور مشہور ہے کہ فارسی میں اُسکو خرچنگ کہتے ہیں اور ہندی میں کیکڑا اور نو ستاروں سے اسکی صورت مرکب ہے اور اسد شیر کی صورت پر
ہے کہ ستائیس تاروں سے مرکب ہے اور دوسرے تارے جیسے قلب الاسد اور زہرہ بھی اس سے تعلق رکھتے ہیں اور سنبلہ ایک عورت کی صورت پر ہے کہ ایک خوشہ اسکے
ہاتھ میں ہے کہ سر اسکا اسد کے پیچھے ہے اور پاؤں اسکے میزان کی طرف ہیں چھبیس تاروں سے مرکب ہے اور دوسرے تارے بھی اس سے تعلق رکھتے ہیں اور اسکے ہاتھ کے
پاس جس ہاتھ میں خوشہ ہے ایک تارہ ہے جس کا نام سماک اعزل ہے اور میزان ترازو کی صورت ہے آٹھ تاروں سے مرکب ہے اور عقرب بچھو کی صورت ہے مرکب ہے
اکیس تاروں سے اور قلب العقرب اور اکلیل اور دوسرے تارے بھی اُس سے تعلق رکھتے ہیں اور قوس ایک مرد کی صورت ہے تیر کمان ہاتھ میں اکتیس تاروں سے مرکب ہے
اور جدی کی صورت بھیڑ کے بچے کی ہے مرکب ہے اٹھائیس تاروں سے اور سعد ذابح بھی اسی سے تعلق رکھتا ہے اور دلو بھی ایک مرد کی صورت ہے کہ ڈول کنوئیں سے
نکال کے ہاتھ میں پکڑے اُسکو اوندھا کئے ہوئے پانی اُسکا زمین پر گرتا ہے اور صورت اُسکی بیالیس تاروں سے مرکب ہے اور حوت کی شکل دو مچھلیوں کی سی ہے
کہ آپسمیں دونوں پیٹھ اور پیٹ ملائے ہوئے پڑے ہیں ایک کو اُنہیں سے سمکہ مقدم کہتے ہیں کہ جنوب کی طرف ہے اور صورت اُن دونوں مچھلیوں کی چونتیس تاروں سے
مرکب ہے یہ بیان ہے برجوں کی صورتوں کے اختلاف کا لیکن اُن برجوں کے احکام کے اختلاف کا پس یہ ہے کہ حمل مریخ کا گھر ہے اور وبال زہرہ کا اور شرف
آفتاب کا انیسویں درجے میں ہے اور ہبوط زحل کا اور حمل کو برج مذکر اور نہاری اور حار یابس اور صفراوی اور برج منقلب اور ربیعی اور شمالی کہتے ہیں اور ثور
زہرہ کا گھر ہے اور وبال مریخ کا اور شرف قمر کا اُسکے تیسرے درجہ میں ہے اور اسکو مؤنث اور لیلی اور سرد خشک اور سوداوی اور ثابت گنتے ہیں اور جوزا عطارد کا گھر
ہے اور وبال مشتری کا اور شرف راس کا اور ہبوط ذنب کا اور اُسکو مذکر اور نہاری اور گرم تر اور دموی اور ذو جسدین گنتے ہیں اور سرطان قمر کا گھر ہے اور وبال
زحل کا اور شرف مشتری کا اور ہبوط مریخ کا اور مؤنث اور لیلی اور برج منقلب ہے اور اسد سورج کا گھر ہے اور وبال زحل کا اور اُسمیں شرف اور ہبوط نہیں ہے اور ثابت
ہے اور مذکر اور نہاری اور حار یابس اور صفراوی ہے اور سنبلہ عطارد کا گھر ہے اور شرف بھی عطارد کا اور وبال مشتری کا اور ہبوط زہرہ اور ذو جسدین کا اور
مؤنث اور لیلی اور سرد خشک سوداوی ہے اور میزان زہرہ کا گھر ہے اور وبال مریخ کا اور شرف زحل کا اور ہبوط آفتاب کا اور برج منقلب ہے اور مذکر اور نہاری اور گرم تر

اور دموی بھی اور عقرب مریخ کا گھر ہے اور وبال زہرہ کا اور ہبوط قمر کا اور برج ثابت اور مؤنث اور سرد و تر و بلغمی ہے اور قوس مشتری کا گھر ہے اور وبال عطارد کا
اور شرف ذنب کا اور ہبوط راس اور ذوجسدین کا اور مذکر اور نہاری اور گرم خشک و صفراوی ہے اور جدی زحل کا گھر ہے اور وبال قمر کا اور شرف مریخ کا
اور ہبوط مشتری کا اور برج منقلب اور مؤنث ہے اور دلو زحل کا گھر ہے اور وبال آفتاب کا اور کسی ستارے کو اس سے شرف اور ہبوط نہیں ہے اور برج ثابت ہے اور ہوائی
اور گرم و تر اور مذکر اور نہاری ہے اور حوت مشتری کا گھر ہے اور وبال عطارد کا اور اسکے ہبوط کا اور شرف زہرہ کا اور مؤنث اور لیلی اور سرد اور تر اور بلغمی اور ذوجسدین
ہے حاصل کلام کا ظاہر خواص اور احکام سے ان برجوں کے کہ بہ نسبت عوام کے ذہنوں کے ظاہر اور روشن ہے سو اختلاف فصلوں کا ہے اسکے ضمن میں عزت
اور ذلت تمام عالم میں تعاقب اور تناوب کرتی ہے اور ہر سال یہ انقلاب ظاہر ہوتا ہے پھر دوسرے برس اسی طور سے عزت مفقود اور ذلت معدوم پھر عود کرتی ہے
تو یہ دلیل صریح ہے حالات کی تبدیل پر اور انقلاب عزت کا ذلت سے اور ذلت کا عزت سے اور جو اس قسم کے انقلاب کو کہ ہمیشہ نظر میں عام و خاص کے مشہور اور
محسوس ہے ثابت فرمایا اب ایک قسم اور واسطے بیان کرنے ایک بڑے انقلاب کے کہ واقع ہونیوالا ہے اور عام و خاص کی نظر سے مستور اور مخفی ہے اور عقل کسی عاقل
کی خود بخود بغیر نور نبوت کی مدد کے اسکو معلوم نہیں کر سکتی ہے یاد فرماتے ہیں **وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ** اور قسم کھاتا ہوں میں اس دن کی کہ وعدہ کیا گیا ہے
جزا دینے کے واسطے اور اسمیں ایک بڑا تغیر اور تبدل ظاہر ہوگا کہ آسمان اور آسمان کے برج اور زمین سب اس روز الٹ پلٹ ہو جاوینگے اور ایک عالم دوسرا اس روز
پیدا ہوگا اور اس عالم کی عزت داروں کو اس روز کمال ذلت ہوگی اور ذلیلوں کو اس عالم کے اس عالم میں کمال عزت حاصل ہوگی اور جو وہ روز جزا کے واسطے
مقرر ہے تو پہنچانے میں جزا کے تین چیزیں ضرور ہیں اول مستحق جزا کا ہونا دوسرے حاکم کا ہونا کہ ہر شخص کو اسکے موافق بدلا دیوے تیسرے اس کام کا ہونا نیکی
اور بدی سے کہ موافق اسکے جزا دی جاتی ہے سو واسطے بیان کرنے کو ان تینوں چیزوں کے کہ اس روز جمع ہونگی دو قسمیں اور یاد فرمائیں **وَشَاهِدٍ** اور قسم کھاتا
ہوں میں ہر حاضر ہونیوالے کی جنس سے آدمیوں کی اور جنوں کی اور فرشتوں کی کہ اس روز ایک جائے پر حاضر ہونگے اور ایک جماعت عظیم کہ ہرگز اسکی مانند خیال
میں نہیں سماتی ترتیب پاویگی اور بسبب اس اجتماع کے مقدمہ جزا کا درست ہوگا کہ مدعی اور مدعا علیہ اور گواہ سب محکمہ میں موجود ہیں **وَمَشْهُودٍ** اور قسم
کھاتا ہوں میں اس چیز کی کہ اسکے پاس حاضر ہونگی اور وہ چیز بھی کئی صورتیں رکھتی ہے اول عمل نیک اور بد کہ بعد اٹھنے کے گور سے اور زندہ ہونیکے نمودار ہونگے
اور ہر شخص کے ہمراہ ہونگے دوسرے فرشتے کہ رنگارنگ صورتوں سے تنعیم اور تعذیب کے واسطے آدمی کے ظاہر ہونگے اور فرشتے ساتوں آسمان کے اور حاملان
عرش اور لکھنے والے اعمال کے سب بے حجاب آدمی کو نظر آوینگے تیسرے نامے اعمال کے ہر شخص کو دینگے کہ مطالعہ کرے چوتھے اعمالوں کا وزن کہ وقت حاضر
ہونے میزان کے کھلجاویگا پانچویں تجلی الٰہی کہ حاکم اس روز کا ہے بے پردہ نمایاں ہو جاویگی چھٹی بہشت اور دوزخ کہ اس جہان میں پوشیدہ اور مخفی ہیں ساتھ
لباس اور آرائش کے اور ہول اور شدتوں کے جلوہ کرینگی اور بسبب ظاہر ہونے ان چھ چیزوں کے ایک انقلاب عجیب آدمی کی جان اور بدن میں بلکہ تمام عالم
میں نمودار ہوگا اور تفسیر میں شاہد اور مشہود کے بہت اختلاف ہے اور وہ جو اس جگہ مذکور ہوا وہ صحابۂ کرام کے معتبروں سے منقول ہے جیسے عبداللہ بن
عباس اور حضرت امام حسن اور ضحاک اور مجاہد اور ابن المسیب رضی اللہ عنہم لیکن معالم التنزیل میں بغوی سے اور دوسری حدیث کی معتبر کتابوں سے ابوہریرہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ مراد شاہد سے جمعہ کا دن ہے کہ ہر شہر اور مسجد کہ اسمیں جمعہ پڑھا جاتا ہے برکتیں اس روز
کی حاضر ہوتی ہیں اور مراد مشہود سے عرفے کا دن ہے کہ حاجی اور دور کے ملکوں سے حج کے انوار حاصل کرنے کو اس روز ایک خاص مکان میں جمع ہوتے
ہیں پس گویا وہ دن اس مکان میں سکونت رکھتا ہے کہ لوگ اسکے مشتاق ہوکر اسکے پاس آتے ہیں اور وجہ نکرہ ہونے شاہد اور مشہود کی برخلاف اگلی
قسموں کے کہ معرف ساتھ لام کے ہیں یہی ہے کہ جمعہ کا دن اور عرفے کا دن ایک فرد میں منحصر نہیں مکرر وارد ہوتے ہیں برخلاف قیامت کے دن کے اور آسمان اور
برجوں کے کہ غیر مکرر واقع ہوتے ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ خیر یوم طلعت فیه الشمس یوم الجمعة فیه خلق آدم وفیه ادخل الجنة
وفیه اهبط منها وفیه تقوم الساعة وفیه تاب الله علی آدم یعنی بہتر دن جسمیں سورج نکلا جمعہ کا دن ہے اسی دن پیدا کئے گئے حضرت آدم علیہ السلام اور
اسی دن داخل کئے گئے جنت میں اور اسی دن نکالے گئے تھے اور اسی دن قیامت ہوگی اور اسی دن توبہ قبول کی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اور یہ بھی

وارد ہے کہ جمعہ کے دن میں ایک ساعت ہے کہ اگر بندہ مسلمان اس ساعت کو ساتھ دعا اور التجا کے جناب الٰہی میں مطلب حاصل ہونے کے واسطے اچھی طرح سے گذارے تو مطلب اسکا حاصل ہوجاوے اور یہ بھی وارد ہے اکثروا الصلٰوۃ علیّ یوم الجمعۃ بہت بھیجو مجھ پر درود جمعہ کے دن کہ وہ دن بہتر ہے اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے کہ حق تعالیٰ عرفے کے روز فرشتوں کو فرماتا ہے کہ دیکھو میرے بندوں کو کہ کیسے دھولوں میں اٹے ہوئے بال بکھرے ہوئے کہاں کہاں سے میرے گھر کا حج کرنے کو آئے ہیں گواہ رہو کہ میں نے انکو بخشدیا اور اس روز شیطان عام مغفرت الٰہی کو دیکھکر واویلا مچاتا ہے اور خاک سر پر اڑاتا ہے اور اسدن کا روزہ دو سال اگلے اور دو سال پچھلے گناہوں کی کفارت ہے اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہفتے کے دنوں میں بہتر دن جمعہ کا ہے اور سال کے دنوں میں بہتر دن عرفے کا ہے یعنی نویں ذی حجہ کی اور اگر دونوں جمع ہوں تو نور علی نور ہوجائے اور ان دونوں قسموں میں بھی ایک طرح کا انقلاب ہے کیونکہ جمعہ کا دن ہماری شریعت میں ہفتے کی ابتدا ہے اور عرفے کا دن سال کی عبادتوں کا انتہا ہے بسبب ادا کرنے عبادت کبریٰ کے کہ حج ہے خانۂ کعبہ کا اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ جو دن کہ اسمیں اجتماع عظیم واقع ہو اور بہت سے لوگ حاصل کرنے کو برکت کے یا سرانجام پہنچانے کو کسی مہم کے حاضر ہوں تو وہ دن مشہود ہے اور حاضر ہونیوالے اس روز کے شاہد اور بموجب اس تفسیر کے مشہود جمعہ کا دن ہے اور عرفہ اور عیدین کا اور ترویہ کا دن یعنی آٹھویں ذی حجہ کی اور دوسرے دن اجتماعوں کے اور ایک گروہ نے تفسیر والوں سے شاہد اور مشہود کو مشہود سے جو معنی میں حضور کے ہیں نہیں پکڑا بلکہ شہادت سے جو معنی میں گواہی کے ہے اختیار کیا ہے اس تقدیر پر شاہد اور مشہود بہت سی چیزیں ہیں اول تو ذات حضرت حق کی جیسے سالم بن عبداللہ نے کہا ہے کہ شاہد خدا ہے اور مشہود خلق کفیٰ باللہ شہیدا اور سعید ابن جبیر نے کہا ہے کہ شاہد خدا ہے اور مشہود یہ توحید شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو دوسرے یہ کہ شاہد پیغمبر ہیں اور مشہود علیہ ہے قول اللہ تعالیٰ کا فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید تیسرے یہ کہ شاہد عملوں کے لکھنے والے ہیں اور مشہود مکلفین جیسے قول ہے اللہ تعالیٰ کا وجاءت کل نفس معہا سائق وشھید چوتھے یہ کہ شاہد آدمی کے اعضا ہیں اور مشہود علیہ آدمی جیسے قول ہے اللہ تعالیٰ کا یوم تشھد علیھم السنتھم وایدیھم وارجلھم پانچویں یہ شاہد رات اور دن ہیں اور مشہود یہ بنی آدم کے اعمال جیسے حسن بصری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے مامن یوم الا ینادی انی یوم جدید وانی علی مایعمل فی شھید چھٹے یہ کہ شاہد آسمان و زمین ہیں کہ ہر قطعہ آسمان کا جو چیز کہ اسکے نیچے واقع ہوئی ہے نیکی اور بدی سے بیان کریگا اور ہر ٹکڑا زمین کا جو کچھ اسپر واقع ہوا ہے نیکی سے یا بدی سے قیامت کے دن گواہی دیگا اور مشہود یہ وہ نیک و بد کام ہیں کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر واقع ہوتے ہیں ساتویں یہ کہ شاہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے اور مشہود علیہ دوسری امتیں قولہ تعالیٰ وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا آٹھویں یہ کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ شاہد تمام ممکنات ہیں اور مشہود ذات پاک واجب الوجود کی کہ ہر ذرہ ذرات عالم کے وجود پر ذات و صفات حق تعالیٰ کی گواہ ہے اور موافق اسی تفسیر کے ہے اصطلاح اہل کلام کی کہ قیاس غائب کا شاہد پر درست نہیں اور دلیل پکڑنا ساتھ شاہد کے اوپر غائب کے ہوسکتا ہے نویں یہ کہ شاہد حجر اسود ہے اور مشہود لہ حجاج کیونکہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ الحجر الاسود یمین اللہ فی الارض یجیئ یوم القیٰمۃ لہ عینان یبصر بھما ولسان ینطق بہ یشھد علی من استلمہ بحق اور حضرات صوفیہ نے بھی فرمایا ہے کہ مقام میں جلا کے شاہد حق ہے اور مشہود خلق اور استجلا کے مقام پر شاہد خلق ہے اور مشہود حق بہر تقدیر یہ چیزیں کہ مذکور ہوئی ہیں بسبب شرافت اور عظمت کے کہ رکھتے ہیں قابل قسم کھانے کے ہیں اور فی الجملہ دلالت انقلاب پر احوال کے بھی کرتی ہیں اور موافق بعضے معانی کے تنکیر اور ابہام بھی مناسب آنکے ہے اور معین کرنے میں ان قسموں کے جواب کے مفسروں کو بڑا اختلاف ہے بعضے کہتے ہیں کہ جواب ان قسموں کا قتل اصحاب الاخدود ہے مقدر ماننے سے لام اور قد کے اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ کلام تقدیم اور تاخیر پر بنایا گیا ہے یعنی قتل اصحاب الاخدود والسماء ذات البروج اور ابن مسعود اور قتادہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جواب ان قسموں کا ان بطش ربک لشدید اور درمیان میں انکے جو کہ مذکور ہے حکم جملہ معترضہ کا رکھتا ہے اور کشاف والے اور تھوڑے سے متقدمین نے یوں اختیار کیا ہے کہ جواب قسم کا محذوف ہے یعنے لعن من یوذی المومنین لایمانھم کما لعن اصحاب الاخدود اور اصح یہ ہے کہ جواب قسم کا ان الذین فتنوا المؤمنین

اور قتل اصحاب الاخدود بطور گواہی کے اِس مضمون پر بعد ان چاروں قسموں کے درمیان میں لائے ہیں کہ دلائل عقلیہ ساتھ دلائل نقلیہ کے ملا کر کمال قوت سے اثبات مطلب کا کریں اور یہ بھی ہے کہ ان قسموں سے انقلاب عالم کا اور انتقام ظالم سے دنیا میں اثر نحوست کے آنیکے وقت اور وعدہ دیئے گئے دن میں بعد قائم ہونے شاہدوں کے اور اظہار مشہود بہ کے مطلقاً ثابت ہوتا ہے اور اس قصے سے بالخصوص مسلمان بندوں کی مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوتی ہے پس لانا اس قصے کا واسطے تمام کرنے تقریب سخن کے اور تنزیل عام کی اوپر خاص کے ہے کہ تقاریر مطالب میں اس سے ناچاری ہے یعنی مقدر ماننے میں مطلب کے ضرور ہے گویا یوں فرماتے ہیں کہ انتقام مسلمانوں کا ظالموں سے کیا دنیا میں اور کیا آخرت میں بعد لانے گواہوں کے اور ثابت ہونے حق کے ضرور ہونیوالا ہے جیسے قبل اسکے واقع ہو چکا ہے **قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ** قتل عام کیئے گئے خندق والے کہ طول میں چالیس چالیس گز اور عرض میں بارہ بارہ گز کھودی تھیں تاکہ مسلمانوں کو ان خندقوں میں ڈالیں اور عذاب کریں اور وہ خندقیں ایسی گرم ہوئی اور تپی تھیں کہ **النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ** تمام وہ خندق ایک آگ تھی شعلہ والی یا بہت سی لکڑیوں والی کہ اسمیں جلا کر نہایت گرم کیا تھا اور حدیث شریف میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت میں اس سورے کی اس آیت کو پہنچتے تھے فرماتے تھے کہ اعوذ باللہ من جہد البلاء اور یہ قتل عام کہ خندق والوں کو واقع ہوا بدلا تھا جلد اور سریع کہ بسبب بھڑکنے آگ کے اور اسکی چنگاریوں کے بعد ڈالنے مسلمانوں کے اسمیں فی الفور ہلاک ہوئے اور فرصت گھر تک پھر جانے کی نہ پائی اسواسطے کہ یہ انتقام اسوقت واقع ہوا کہ **اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ** جسوقت کہ وے خندق والے اس آگ پر بیٹھتے تھے قبل اسکے کہ کرسیوں سے اٹھیں اور گھر کو جاویں جل گئے اور تھوڑی سی فرصت بھی نپائی اور اس قسم کا بدلا جلد اور سریع لینا بیشتر عوام کی نظروں میں موجب عبرت کا ہوتا ہے اور فی الواقع اس جماعت نے ظلم میں کمال مرتبے کو زیادتی کی تھی کہ ایسی جلد سزا کو پہنچے کیونکہ دوسرے ظالم جو کسی پر ظلم کرتے ہیں اپنے روبرو مار دھاڑ نہیں کرتے بلکہ پیادوں کو یا قید خانے والوں کو حکم کر دیتے ہیں کہ گنہگاروں کو سزا پہنچاویں تاکہ خلاف مروت کے اور خلاف رقت جنسیت کے واقع نہو **وَهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ** اور یے ظالم کہ صاحب خندق کے تھے جو کچھ کہ ایمان والوں سے کرتے تھے خود اپنے حضور میں کرتے تھے اور یہاں سمجھ لیا چاہیئے کہ قصہ اصحاب خندق کا کہ دین اور ایمان کے سبب لوگوں کو اس آگ بھری خندق میں ڈالا ہے اور خود بھی جلد اسیوقت انتقام میں گرفتار ہو کر کندۂ دوزخ ہوئے چار بستیوں میں کہ قریب قریب ایک ملک کے ہیں واقع ہوا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ چاروں قصے مراد ہوں اور منظور اہل مکہ کو ڈرانا ہے تاکہ ان قصوں سے کہ انکی خبر بھی ظاہر ہیں عبرت پکڑیں اور مسلمانوں کی ایذا دینے میں زیادتی نکریں پہلا قصہ جو شام کے ملک میں واقع ہوا کیفیت اسکی حدیث صحیح میں کہ مسلم اور دوسری صحاح میں صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی روایت سے وارد ہے سو یہ ہے کہ اس ملک میں ایک بادشاہ تھا بڑا جلیل القدر اور اسکے یہاں ایک جادوگر تھا کہ جادو کے فن میں کمال مہارت رکھتا تھا اور اس بادشاہ کی سلطنت گویا اسی کے سبب سے قائم تھی جو دشمن کہ ارادہ اسکے ملک کا کرتا وہ جادوگر اسکو جادو سے ہلاک کر دیتا تھا کچھ لڑنے بھڑنے کی بھی حاجت نہوتی تھی اور جب کبھی ارکان اور امرا اس مملکت کے بادشاہ سے اسکی نالایق حرکتوں کے سبب سے بد دل اور رنجیدہ ہوتے تو یہ جادوگر جادو کے زور سے انکو رجوع کر دیتا تھا اور اسی طرح سے ہر امر [illegible] اسکا کام کرتا تھا یہانتک کہ وہ جادوگر بوڑھا ہوا اور اپنی زندگی سے ناامید ہوا تب بادشاہ سے عرض کی کہ میں بوڑھا ہو گیا اور قریب ہے کہ اس جہان فانی سے رخصت ہوا چاہتا ہوں اب کوئی لڑکا خوب قابل اور ہوشیار [illegible] میرے سپرد کرو تاکہ اسکو سحر کا علم تعلیم کروں کہ بعد میرے کاروبار [illegible] مملکت کا وہ لڑکا درست کرتا رہے بادشاہ نے ایک لڑکا ہوشیار [illegible] تجویز کر کے اسکو حکم کیا کہ صبح سے شام تک ساحر کے پاس حاضر رہا کر اور جادو کا فن سیکھ اس لڑکے نے روز آنا جانا جادوگر کے گھر شروع کیا اور جادو سیکھنے لگا اتفاقاً ایک روز راستے میں کیا دیکھتا ہے کہ بہت سے آدمی ایک دروازے سے نکلتے ہیں پوچھا کہ اس گھر میں کون ہے [illegible] کسی نے کہا کہ یہاں ایک راہب ہے [illegible] دنیا کو ترک کر کے خدا کی طرف مشغول ہے [illegible] سب کا [illegible]

بیٹھنے لگا یہاں تک نوبت پہنچی کہ جب بادشاہ کے ہاں سے ساحر کے گھر کو جاتا تو راستے میں راہب کے پاس بیٹھتا اور جو کبھی راہب کے پاس
زیادہ بیٹھ جاتا تو جادوگر اسکو نہایت غصہ و تنبیہ کرتا کہ دیر کیوں کی وہ لڑکا کہتا کہ مجھکو گھر میں دیر لگی آخر ساحر نے یہ ماجرا بادشاہ کے حضور میں
عرض کیا بادشاہ نے نہایت تقید فرمائی کہ یہ لڑکا بہت سویرے ساحر کے پاس جایا کرے لوگوں نے عرض کی کہ یہ لڑکا یہاں سے تو صبح دم جاتا ہے
اگر دیر کرتا ہے تو راہ میں کرتا ہے پس بادشاہ اور ساحر دونوں نے یہ خبر سنکر لڑکے کو دھمکایا کہ خبردار پھر ایسی دیر نہ کرنا لیکن یہ خیال کیا کہ شاید
راستے میں لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں لگ جاتا ہے اسواسطے دیر ہو جاتی ہے یہانتک کہ ایک روز یہ لڑکا راہب کے گھر سے بادشاہ کے دولتخانے کی طرف
آتا تھا ناگاہ کیا دیکھتا ہے کہ راستے میں ایک بڑا اژدہا پڑا ہے اور راستہ بند ہے اودھر کے لوگ ادھر اٹکے ہیں اور ادھر کے لوگ اودھر ٹھٹھکے ہیں
لڑکے نے اپنے دل میں کہا کہ آج امتحان کرتا ہوں کہ ساحر کی صحبت بہتر ہے یا راہب کی پس یہ کہکر ایک پتھر اٹھایا اور کہا اے بار خدایا اگر دین و مذہب
گوشہ نشین کا بہتر ہے سحر اور ساحری سے تو اس اژدہے کو مار ڈال تاکہ لوگ خلاص ہو جائیں اور اس پتھر کو اژدہے کی طرف پھینکا اس پتھر کے پہنچتے ہی وہ
اژدہا ہلاک ہو گیا لوگ اس معاملے کو دیکھکر پکار اٹھے کہ یہ لڑکا جادوگری کے کمال کو پہنچا رفتہ رفتہ یہ خبر گوشہ نشین کو پہنچی تو اس نے خلوت میں لڑکے سے
کہا کہ اے لڑکے تجھ کو خدا تعالی نے بزرگ کیا اور تیرا رتبہ اللہ تعالی کے نزدیک بڑا عالی ہوگا اسکو میں خوب جانتا ہوں لیکن تو ایک بلا میں مبتلا ہوگا خبردار
مجھکو نہ بتانا لڑکے نے گوشہ نشین سے قول اقرار کیا کہ میں ہرگز تیرا نام نہ لونگا اور تجھکو نہ بتاؤنگا تو خاطر جمع رکھ پھر لڑکے کو حق تعالی نے برکت سے گوشہ نشین
کی صحبت کی اور انجیل مقدس کی تلاوت کی برکت سے کہ اس سے تعلیم لی تھی اور دین عیسوی کے اتباع کی برکت سے کہ اس زمانے میں حقیت اسی دین میں منحصر تھی
ولایت عظمی کے مرتبہ کو پہنچایا یہانتک کہ کوڑھی اور مادرزاد اندھے اسکے ہاتھ کی برکت سے اچھے ہو جاتے تھے اور بہت سے مریض کہ طبیب انکے معالجے سے عاجز
ہو جاتے تھے اس لڑکے کی دعا سے تندرست ہو جاتے تھے اتفاقاً بادشاہ کے ایک مصاحب کی آنکھیں جاتی رہی تھیں اور اندھے پنے کے سبب سے بادشاہ
کی مصاحبت چھوٹ گئی تھی جب اس لڑکے کی شہرت اسکے کان میں پہنچی تو اسکے پاس آیا اور کچھ ہدیہ و نذرانہ اسکے واسطے لایا اور کہنے لگا کہ مجھپر بھی توجہ فرما
اور شفا بخش اس لڑکے نے کہا کہ میں کیا چیز ہوں کہ شفا دوں شفا اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے اگر تو اللہ تعالی پر ایمان لاوے اور بت پرستی چھوڑ دے
اور بادشاہ کو اپنا پروردگار نہ جانے تو میں جناب الہی میں دعا کرونگا کہ تجھ کو شفا نصیب ہو وہ اندھا اسی مجلس میں مشرف بایمان ہوا اور دعا سے
اس لڑکے کی فوراً اچھا ہو گیا اور موافق معمول کے بادشاہ کی مجلس میں حاضر ہوا بادشاہ نہایت متعجب ہوا اور کہنے لگا کہ اطبا اور کحال ہماری سرکار
کے تیری آنکھوں کے معالجے سے عاجز ہو گئے تھے اب تو کس طور سے اچھا ہوا اس نے کہا پروردگار نے میرے بے وساطت غیر کے مجھکو بینا کیا بادشاہ نے
فرمایا کہ میرے سوا پروردگار تیرا کون ہے مصاحب نے کہا کہ پروردگار میرا اور پروردگار تمہارا اللہ تعالی کی ذات پاک ہے جس نے مجھکو اور تجھکو اور سب خلق کو
پیدا کیا ہے بادشاہ غصہ ہوا اور اسکو مار دھاڑ شروع کی کہ یہ عقیدہ تو نے کس سے سیکھا جب مار کوٹ نہایت ہونے لگی تو گھبرا کر اس لڑکے کا نام بتا دیا بادشاہ
نے لڑکے کو اپنے حضور میں بلایا اور کہنے لگا کہ تجھ کو میری پرورش سے اور میرے ساحر کی برکت سے یہ فیض حاصل ہوا ہے کہ اندھوں کو انکھیارا کرتا ہے اور ہر مرض کو شفا
دیتا ہے یہ کیا کفران نعمت ہے کہ میری پرورش کو کنارے کر دیا اور پروردگار اپنا دوسرے کو ٹھہرایا۔ لڑکے نے کہا کہ شفا نہ میرے ہاتھ میں ہے نہ آپکے ساحر کے محض اللہ
تعالی کی قدرت پر موقوف ہے بادشاہ نے فرمایا کہ اس لڑکے کو خوب عذاب کرو اور کہا کہ یہ لڑکا جو ساحر سے غائب رہتا تھا معلوم ہوا کہ دوسری جگہ جاتا تھا اور
وہاں سے اس عقیدہ کو سیکھا ہے ساحر بھی اسباب کے سننے سے گرتا پڑتا بادشاہ کے حضور میں پہنچا اور عرض کی کہ یہ لڑکا ایک مدت سے میرے پاس نہیں آتا۔
معلوم نہیں کہ یہ کہاں جاتا ہے اور سرکاری لوگوں نے بھی عرض کی کہ یہ لڑکا یہاں سے تو صبح سے جاتا ہے نہیں معلوم کہ کہاں رہتا ہے بادشاہ نے
فرمایا کہ اسکو طرح طرح سے عذاب کر کے پوچھو کہ یہ عقیدہ کہاں سے سیکھا ہے وہ لڑکا نہایت عذاب سے بیقرار ہو گیا اور نام اس گوشہ نشین کا بتلا دیا بادشاہ
نے اس گوشہ نشین کو بلا کر آرا اسکے روبرو رکھکر کہا کہ اگر تو اپنے دین سے نہ پھریگا تو یہ آرا تیرے اوپر پھریگا راہب نے کہا کہ میں ہرگز اس دین حق سے
پھرنیوالا نہیں آگے جو تیری مرضی ہو سو کر بادشاہ نے فرمایا کہ اسکو آرے سے چیر ڈالو پس موافق حکم کے فی الفور اسکو چیر کے ڈالدیا پھر اس مصاحب کو

سمجھانے لگے کہ اس راہب کے دین سے پھر جا اور توبہ کر اُس نے بھی قبول نکیا آخر اُسکو بھی اسیطرح ہلاک کیا پھر اُس لڑکے کو لائے اور بادشاہ نے کہا کہ سزا ان دونوں کی دیکھی اگر تجھکو اپنی زندگی منظور ہے تو اُس دین سے تبرا کر لڑکے نے بھی انکار کیا پھر بادشاہ نے اپنے کئی مصاحبوں کو حکم کیا کہ اسکو فلانے پہاڑ پر لیجا کر اُسکی چوٹی پر کھڑا کر دو اور اسکو خوب سمجھاؤ اگر یہ سمجھ گیا تو اسکو بڑا امیر کرونگا اور اپنا مصاحب بناؤنگا اور اگر باز نہ آوے تو اسکو وہاں سے دھکیل دینا کہ بند بند اُسکا پاش پاش ہو جاوے لڑکے کو جب اُس پہاڑ کی چوٹی پر لیگئے تو لڑکے نے جناب الٰہی میں عرض کی کہ یارب تو کسی طرح مجھکو اُنکے شر سے بچا اُسیوقت پہاڑ میں ایک زلزلہ پیدا ہوا اور سارے مصاحب بادشاہ کے پہاڑ کے تلے گر پڑے پُرزے پُرزے ہوگئے اور وہ لڑکا صحیح وسلامت گھر کو آیا بادشاہ نے پوچھا تیرے رفیق کیا ہوئے غلام نے عرض کی کہ اُسی خدا نے جس کا دین میں نے قبول کیا ہے اُنکی آفت سے مجھکو بچا لیا بادشاہ کو زیادہ غصہ ہوا اور دوسرے مصاحبوں کو حکم کیا کہ اس لڑکے کو ایک کشتی میں سوار کر کے دریا کے اندر لیجاؤ اگر یہ لڑکا اس دین سے اپنے توبہ کرے تو بہتر والا اسکو دریا میں پھینک دینا جب اس لڑکے کو لیکر دریا کے بیچ میں پہنچے اور اُسکو مرتد ہونے کی ترغیب دینے لگے تو اُس غلام نے پھر جناب الٰہی میں عرض کی کہ بار خدایا مجھکو شر سے اس گروہ کے بچا لے فی الفور کشتی اُلٹ گئی اور بادشاہ کے مصاحب سب کے سب غرق ہوگئے اور غلام صحیح وسلامت نکل کے بادشاہ کے حضور میں گیا بادشاہ نے پوچھا پھر کیا کر کے آیا غلام نے تمام قصہ بیان کیا بادشاہ سُنکر تعجب میں رہ گیا غلام نے عرض کی کہ اگر بادشاہ کو اس بندے کا قتل ہی منظور ہے تو بغیر ایک حیلے کے نہو سکیگا بادشاہ نے کہا کہ وہ کیا ہے غلام نے عرض کی کہ وہ حیلہ یہ ہے کہ اس شہر کے سب لوگوں کو شہر کے باہر ایک میدان میں جمع کرو اور مجھکو سولی پر چڑھا کر ایک تیر اپنے ترکش سے نکالو اور اُسکی سوفار کو کمان کی زہ پر رکھکے اس افسوں کو پڑھنا بسم اللہ رب الغلام یعنی نام سے اللہ کے جو رب ہے غلام کا پھر اس تیر سے مجھکو مارو تو میں اُس سے مر جاؤنگا بادشاہ نے ویسا ہی کیا اور اُس تیر کو غلام کے مارا جب وہ تیر غلام کے جا کر کنپٹی میں لگا تو غلام نے اپنا ہاتھ اُسپر رکھا اور کہا کہ میں نے اپنا مطلب پایا کہ اپنے پروردگار کے نام پر ذبح ہوا ایسیں ایک شور مخلوق سے اُٹھا کہ اٰمنا برب الغلام اٰمنا برب الغلام یعنی ایمان لائے ہم پروردگار پر غلام کے ایمان لائے ہم پروردگار پر غلام کے یہ بات سُنکر مصاحبوں نے بادشاہ سے عرض کی کہ اس بات میں بڑی خرابی پیدا ہوئی جس بات سے ہم ڈرتے تھے وہی پیش آئی کیونکہ سب شہر والوں نے خوب سمجھ لیا کہ اس غلام کا پروردگار نہایت زبردست اور قدرت والا ہے اور تم اُس سے ضعیف اور زیردست ہو کیونکہ جبتک کہ اس غلام کے پروردگار کا نام لیا تب تک اُس غلام کے مارنے پر قادر نہوئے بادشاہ یہ سُنکر کمال غصہ میں آیا اور شرمندگی سے جھنجلا کر کہنے لگا کہ شہر کے کوچوں کے کناروں پر خندقیں کھود دو اور آگ دہکاؤ اور بادشاہ اور تمام اعیان دولت خندق پر حاضر ہوئے اور کرسیاں بچھا ئے ہوئے اُس عذاب کا تماشا کرتے تھے یہاں تلک کہ ایک عورت کو پکڑ کر لائے اُسکے بغل میں ایک دودھ پیتا بچہ تھا چاہا کہ اس عورت کو بھی آگ میں ڈالیں وہ عورت آگ میں گرنے سے ڈری اور جھجھک کے پیچھے ہٹی بادشاہ نے کہا کہ اس عورت کو مہلت دو شاید کہ اپنے دین سے پھر جاوے وہ دودھ پیتا لڑکا جو اُسکی گود میں تھا آواز بلند سے کہ ہر خاص و عام نے سُنا کہنے لگا کہ اے ماں نادان کیا کرتی ہے صبر کر کہ تو سچے دین پر ہے بسم اللہ کر کے اسمیں بیٹھ جا کہ یہ آگ تجھپر گلزار ہو جاویگی وہ عورت یہ بات سنتے ہی بیدھڑک بچے سمیت آگ میں کود پڑی اور وہ آگ یکبارگی ایسی بھڑکی کہ بادشاہ اور اُسکے مصاحبوں کو کہ کرسیوں پر بیٹھے تماشا دیکھتے تھے اتنی فرصت ندی کہ بھاگ جاویں سب کو وہیں جلا کر خاک کر دیا اور ہر خندق پر اسی قسم سے آگ بھڑکی اور اکثر شہر والوں کو کہ بادشاہ کی تبعیت میں تھے اور مسلمانوں کی ایذا اور جلانے میں مشغول تھے سب کو جلا کر فنا کر دیا اور ربیع بن انس نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ اُن مسلمانوں کی جان کو کہ اس آگ میں ڈالے جاتے تھے قبل اسکے کہ آگ کی گرمی اُنکے بدن تک پہنچے اُنکی جان قبض کر لیتا تھا اور بہشت میں داخل کرتا تھا اور اس قصہ میں ایک باریک نکتہ ہے کہ حضرت شیخ اکبر اور اُنکے پیرو اسبات کی طرف گئے ہیں وہ یہ ہے کہ قتل غلام کا بادشاہ کے ہاتھ سے مکافات دنیوی کے واسطے تھا کہ راہب سے قول قرار کر کے اُس سے پھر گیا تھا والا بادشاہ اُس غلام پر دستیاب نہوتا اور مکافات دنیوی کا ایک کارخانہ ہے سوائے مجازات اُخروی کے کارخانے کے کیونکہ مکافات دنیوی اس قسم کی صورتوں میں موجب عتاب و رنارضامندی حضور خداوندی سے نہیں ہوتی بلکہ اہل کمال کی ترقی کا باعث ہوجاتی

بخلاف مجازات آخروی کے چنانچہ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بسبب رستے و شمنوں حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ
وجہہ کے اور بسبب انکے پیٹ چاک کرنے اور انکے کلیجے کے کباب کرنے سے کیا کچھ واقع ہوا کہ خود بھی شہید ہوئے اور کافروں نے انکے سینے کو چاک
کرکے جگر کو نکال کے چابکے ڈالدیا اور تفصیل اس مقام پر اسرار کی فتوحات میں موجود ہے دوسرا قصہ وہ ہے جو نجران کی سرزمین میں ہوا اور وہ
شہر یمن کے ملک میں واقع ہے کیفیت اسکی یہ ہے کہ ایک شخص مسلمانوں میں سے کہ اسوقت دین مسلمان انجیل ہی کے تابعدار تھے ایک شخص کے
مکان پر آکر نوکر ہوا اور رات دن اسکے دروازہ پر بیٹھا رہتا تھا تاکہ جس کام کا حکم ہو بجا لاؤں اس مسلمان شخص کو انجیل مقدس یاد تھی ہمیشہ اسکو
پڑھا کرتا تھا اس شخص کی بیٹی کو جس کا یہ نوکر تھا ایسا نظر آیا کہ انجیل پڑھنے کے وقت ایک نور عظیم اسکے سینے سے نکلتا ہے اور عالم میں پھیلتا جاتا ہے
لڑکی نے باپکے سامنے اس عجائبات کا مذکور کیا تو اسکے باپ نے بھی اسکے انجیل پڑھنے کے وقت سوراخ سے دیکھا کہ فی الواقع ایک نور عظیم ظاہر ہوتا ہے
اس نوکر سے پوچھا کہ یہ کیا کلام ہے اور کیا اسکی تاثیر ہے کہ تجھسے سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں وہ مسلمان وہاں کے بادشاہ کافر کے خوف سے اور رئیسوں کے ڈر
سے اس بھید کو چھپاتا تھا لیکن وہ گھر والا اسکا پیچھا نہ چھوڑتا تھا اور تنگ کرتا تھا یہانتک کہ لاچار ہوکر احوال دین اسلام کا اور انجیل مقدس کا اس سے
بیان کیا پس وہ شخص اور اسکی بیٹی فی الفور مسلمان ہوگئے اور انجیل کو پڑھکر اسکی تلاوت میں مشغول ہوتے تھے رفتہ رفتہ یہ بات اس شہر میں مشہور
ہوئی تو ستاسی آدمی دوسرے مرد اور عورتوں سے شرف اسلام سے مشرف ہوئے یہانتک کہ یوسف ذی نواس حمیری کا بیٹا کہ بادشاہ اس شہر کا
تھا اور بت پرستی میں مستغرق تھا یہ بات سنکر ان سب مسلمانوں کو کہ نوّے آدمی تھے اپنے حضور میں بلایا اور ایک خندق کھدوائی اور آگ سے خوب
دہکائی اور حکم دیا کہ تم لوگ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے دین سے نہ پھروگے تو تم کو آگ میں پھونک دونگا اس جماعت میں بھی ایک عورت تھی بچے والی کہ دودھ
پیتا بچہ اسکی گود میں تھا اس نے [illegible] آواز بلند سے کہا کہ اے ماں بسم اللہ اس آگ میں گھسو کہ بدلا اس آگ کا بہشت ہے [illegible] جب سب
کے کہ مسلمان ہلاک ہوچکے تو بادشاہ اور اسکے مصاحب خندق کے پاس کرسیوں پر بیٹھے تھے کہ یکایک اس آگ سے شعلے ایسے بھڑکے کہ ان سب کو
جلاکے خاک کردیا اور یہ قصہ حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھا لیے جانے کے بعد واقع ہوا تھا اس روز سے نجران کے لوگوں نے دین نصرانی کو حق جانکر قبول کیا
چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک اسی دین پر تھے اور سردار انکے سید اور عاقب وغیرہ تھے آنحضرت صلعم کی زیارت کو مدینہ منورہ میں آکر حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کے حال میں بحث اور تکرار کی تھی اور آیت مباہلہ کی انہیں کے جواب میں نازل ہوئی تھی تیسرا قصہ فارس [illegible]
کیفیت اسکی حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ مجوسی بھی اہل کتاب تھے اور ایک پیغمبر کے
دین کے تابع تھے اور شراب انکے دین میں اسقدر کہ بیہوش نکرے بدن کے نفع کے واسطے حلال تھی ایک روز مجوسیوں کے بادشاہ نے شراب بہت پی
اور اس مستی کی حالت میں اپنی بہن سے صحبت کی جب ہوش میں آیا تو نہایت نادم اور پشیمان ہوا اور اپنی بہن سے تدبیر اس عار کی کہ اسکو لگ گئی
پوچھی بہن نے کہا کہ تدبیر اسکی یہ ہے کہ تو دعویٰ بہن کے حلال ہونے کا کر اور کہہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں بہن بھائی کا نکاح ہوتا تھا میں بھی
اسی [illegible] بادشاہ نے لوگوں کو جمع کرکے اس مذہب اور اس مسئلہ کو بیان کیا لوگوں نے ہرگز قبول نہ کیا پھر بادشاہ کی بہن نے کہا کہ انکو
کوڑوں سے مارو [illegible] کیا لیکن لوگوں نے قبول نہ کیا پھر اسکی بہن نے کہا کہ انکی گردنیں مار اسنے ویسا ہی کیا لیکن لوگوں نے اسپر بھی قبول
نہ کیا [illegible] آگ خوب [illegible] جو کوئی اس مسئلہ سے انکار کرے
اسکو آگ میں پھینکو [illegible] حالت میں خود بھی جل گیا اس روز سے مجوس کے مذہب میں آتش پرستی اور بہن کا حلال
جاننا رائج ہوا چوتھا قصہ [illegible] منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شہر مسلمانوں کا تھا اسمیں قحط پڑا تو مسلمان اس شہر کے غول کے غول
[illegible] اس شہر میں آوینگے تو [illegible] تنگی ہو جاوے گی
[illegible] بادشاہ نے حکم دیا [illegible] ایک خندق کھودی اور اسکو آگ سے بھرا اور بادشاہ خود بھی اپنا تخت بچھا کر وہاں بیٹھا

اور ایک بڑا بت ہاتھی کے برابر وہاں کھڑا کیا اور شہر میں منادی پھروادی کہ ان غریب لوطنوں اور باہر کے آئے ہوؤں سے جو کوئی اُس بت کو سجدہ نہ کرے تو اُسکو آگ میں جھونک دو اتفاقاً ایک مسکین عورت کہ بچہ اُسکی گود میں تھا پکڑ کر لائے اور اُس سے کہنے لگے کہ اس بت کو سجدہ کر اُس نے کہا معاذ اللہ بادشاہ نے خفا ہو کر کہا کہ اسکے بچے کو اُس سے چھین کے آگ میں ڈالدو جب بچے کو اُسکے چھین کے آگ میں ڈالدیا تو وہ ما نہایت بیقرار ہو گئی تب اُس بچے نے آگ کے اندر سے آواز دی کہ اے ما کچھ خوف نہ کر بید ھڑک چلی آ کہ یہ تو آگ نہیں ہے پھول ہیں اُس عورت نے ہاتھ اُٹھا کر جناب باری میں دعا کی کہ یارب تو دیکھتا اور جانتا ہے تیرے روبرو حاجت بیان کرنے کی نہیں فی الفور اس آگ سے ایک شعلہ چالیس گز کا اونچا اُٹھا اور اُن سب کافروں کے پاس قنات کی مانند ہو کے سب کو گھیر لیا اور ایک ایک کو جلا دیا پھر جب اشارۂ اجمالی سے کہ ان چاروں قصوں میں سے منظور تھا فارغ ہو چکے اور بیان کر چکے کہ ان ظالموں سے دنیا میں بدلا ہاتھوں ہاتھ بلا مہلت واقع ہوا اور اُنکا کام اُلٹا ہو گیا یعنی جو آگ کہ مسلمانوں کے جلانے کے واسطے تیار کی تھی اُسمیں آپ ہی جل گئے اب جو ایسے ہاتھوں ہاتھ بدلا لینے کی کہ خلاف عادت ہے بیان فرماتے ہیں **وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ** بدلا نہ لیتے تھے یہ کافر ظالم مسلمانوں سے **اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ** مگر اس بات کا کہ ایمان لائے تھے اللہ پر اور صیغہ مستقبل کا اس جہت سے لائے ہیں کہ مطلب کافروں کا مسلمانوں سے ایمان چھڑانا مستقبل کے زمانہ میں تھا اور اُنکے ثابت رہنے اور صبر کرنے پر اُنکو عذاب کرتے تھے نہ ایمان ماضی کے ترک کے واسطے اور اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کسی وجہ کی اُن کافروں کو مسلمانوں سے عداوت نہ تھی مگر ایمان کی جہت سے پس اس جہت سے عداوت مسلمانوں کی عداوت ایمان کی ہوئی برخلاف اور کافروں کے کہ باوجود مسلمانوں کی ایذا دینے کے سالہا سال کی مہلت پائی اور پاتے ہیں کیونکہ عداوت اُنکی فقط ایمان کی جہت سے نہیں بلکہ طمع ریاست کی اور اُمید مال و جاہ کی بھی اُسمیں ملی ہوئی ہے اور اُن لوگوں کو عداوت خالص ایمان کے واسطے تھی اور جس ایمان سے دشمنی رکھتے تھے وہی ایمان صحیح تھا کیونکہ متعلق اُس ذات پاک کے ساتھ تھا جو ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہے **الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** وہ اللہ کہ غالب ہے سب پر ہیوں سراہا گیا اور وہ ذات ہے کہ اسی کے واسطے ہے بادشاہت آسمانوں اور زمین کی اور ہر صفت ان تینوں صفتوں میں سے اسی بات کو چاہتی ہے کہ ایمان اُسی پر لانا چاہیئے کہ وہ اپنے سب ماسوا پر غالب ہے اور کسی کی عزت اُسکی عزت کو نہیں پہنچتی تو اُسپر ایمان لانا بھی عزت اور افتخار کا سبب ہوا اور جو وہ محمود ہے تو شکر اُسکا دل اور زبان اور اعضا سے واجب ہوا اور اظہار ایمان کا فرض و لازم ہوا اور جو اُسی کے واسطے پادشاہتیں آسمانوں کی اور زمین کی ہوئیں تو اُسکے مخالفوں سے ڈرنا جائز نہوا اور یہ تینوں صفتیں مذکورہ جیسی موجب اظہار کرنے ایمان کی ہیں اسی طرح سے باعث ہیں جلد بدلا لینے کی کیونکہ بدلا لینا دشمنوں سے موجب عزت کا ہے نہیں تو ذلت پہنچتی ہے اور مقتضائے محمودیت کا بھی انتقام لینا دشمنوں سے ہے کیونکہ مخالفوں سے بدلا نہ لینے والے کو بھی تعریف نہیں کرتے ہیں مگر عفو کی صورت میں سو عفو کفار پر جایز نہیں اور بادشاہت بھی موجب انتقام کی ہے دشمنوں سے والا دشمن دلیر ہو جاویں اور بادشاہت کے کارخانے میں خلل واقع ہو جاوے اور اگر باوجود ان صفتوں کے کوئی انتقام لینا چھوڑ دے تو ضرور رعایا کے حال سے بے خبر ہے کہ دشمنوں کی دشمنی کو اور دوستوں کی دوستی کو نہیں جانتا یا دشمنوں کی ایذا رسانی سے کہ اسکی دوستی کی سبب سے اُسکے دوستوں کو پہنچاتے ہیں بے خبر ہے یا محمول کسی اور اسباب پر کرتا ہے اور خدا تعالی اس بے خبری سے پاک ہے کیونکہ **وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ** اور اللہ ہر چیز پر خبردار ہے اور جب کافر ایمانداروں سے ایمان کی جہت سے عداوت کرنے لگے اور انتقام سے اللہ تعالی کے غافل ہو لئے تو گویا عزت اور بادشاہت اور خبرداری اور محمودیت اس جناب کی کو انکار کیا تو حکمتیں اللہ تعالی کی ان باعثوں کے جمع ہونیکے سبب سے تعجیل انتقام کو تقاضا فرماتی ہیں چنانچہ خندق والوں کے قصوں میں نمود ہوا اور جو دلیل ایک فرد خاص میں صحیح ہوئی تو قیاس کلی کا اُسپر درست آیا چنانچہ فرماتے ہیں **اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ** تحقیق جو لوگ کہ ایذا دیتے تھے ایماندار مردوں کو ایمان کی عداوت کے سبب سے **وَالْمُؤْمِنٰتِ** اور ایماندار عورتوں کو اگرچہ اُنکا ایمان بسبب عقل کے نقصان کے اور ہوا اور ہوس کے غلبہ کے ضعیف اور ناقص ہے لیکن وہ ضعف بسبب بیکسی اور عجز کے کہ رکھتے ہیں مقابلے اور مدافعے سے بدلا ہو جاتا ہے **ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا** پھر باوجود مہلت اور فرصت کے اس ظلم سے توبہ نہ کی اور اسی شغل

مر گئے اور اگر توبہ کر لیتے تو ہرچند کہ حق العباد کی جہت سے اُنسے پرسش ہوتی اور معذب ہوتے لیکن یہ شدت اُنپر نہوتی کیونکہ عداوت ایمانی اور حق اللہ کے
تلف کرنیکے الزام سے چھوٹ جاتے اور اسی آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ جو کوئی کہ مسلمان کو عمداً مارے اور پھر توبہ کرے تو توبہ اسکی مقبول ہے لیکن اس
استدلال میں بحث ہے کیونکہ مسلمان کا قتل عمداً اگر کفر کی حالت میں ہوگیا ہے تو بالاجماع توبہ اُسکی مقبول ہے کسی کا اختلاف اسمیں نہیں ہے اور
اس آیت میں مراد کافر ہیں کہ ایمان کے واسطے مسلمانوں کو مارتے تھے اور ایذا دیتے تھے **فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ** پھر اُنکے واسطے
[illegible] کا اور اُسمیں طرح طرح کی ایذائیں ہیں سو وہ سارے دکھ اور ایذائیں اُنھیں کے کام میں مصروف ہونگی **وَلَهُمْ** اور اُنکے واسطے ہے
اور ظالموں سے علاوہ **عَذَابُ الْحَرِيقِ** ۝ عذاب جلن کا کہ تن من اُنکا اُسمیں گرفتار ہوگا جیسے ایمان والوں کے دلوں کو جور و جفا سے جلاتا
تھا اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ عذاب جلن کا قبر میں ہوگا دوزخ کے عذاب سے پہلے اور بعضوں نے جلنے پر خندق والوں کے کہ بھڑکتے شعلوں کی
بیچ میں حمل کیا ہے اور جو ظالموں [illegible] ایمانداروں کو ایمان کی جہت سے ایذا دیتے تھے سننے والے کو ایک رنج پیدا ہوا کہ وہ ایمان والے کہ
ظالموں کی بلا میں گرفتار تھے اور جانیں اُنکی ایمان کے سبب سے برباد ہوئیں نہیں معلوم کہ بدلا اسکا قیامت کے دن کیا پاوینگے تو اس انتظار کے دفع
واسطے نئے سر سے ایمان والوں کا حال بیان کرنا ضرور پڑا اور جو یہ بیان ایک نئی بات ہے سامع کے انتظار کی تسکین کے واسطے کچھ مقصود اصلی اس جائے پر
نتھا تو [illegible] کا ترک فرما کے ارشاد کرتے ہیں **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا** تحقیق جو لوگ کہ ایمان لائے اور ایمان پر ثابت رہے
اور باوجود ظالموں کی ایذا اور تکلیف کے صبر کیا **وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** اور کام [illegible] کر بھلے کام ایسی حالت میں بڑی پونجی ہے جیسا بلا
پر صبر کرنا اور قضا پر راضی رہنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف کو اختیار کرنا ماسوا پر **لَهُمْ جَنَّاتٌ** اُنکے واسطے باغ تیار ہیں کہ دنیا کی بلاؤں کے
بدلے میں ملینگے پس دنیا کا عذاب اُنکے حق میں ایسا ہے کہ کسی کو اُسکے محبوب کے روبرو اُسکی محبت کے واسطے ایذا دیں کہ وہ ایذا اُسکو عین راحت ہو جاتی ہے
تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ بہتی ہیں اُسکے درختوں کے تلے نہریں طرح طرح کی شہد اور دودھ اور پانی اور شراب کے بدلے میں اس لہو
اور پسینے [illegible] کافروں کے ظلم کے سبب سے بہا تھا **ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ** یہ بڑی مراد ملتی ہے کیونکہ دنیا کی مرادیں ملنا فانی ہیں اور یہ مرادیں
باقی کہ ہرگز فنا ہونیوالی نہیں اور یہ بھی ہے کہ مطالب دنیوی کے حاصل ہونے میں رضامندی محبوب حقیقی کی مشکوک اور نامعلوم ہے اور ان آخرت کی
لذتوں میں یقینی اور قطعی ہے اب یہاں ایک سوال باقی رہا کہ جواب طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ کافروں کی جزا کے بیان میں حرف فاے جزائیہ کا لائے ہیں اور فلھم
عذاب جہنم۔ ارشاد فرمایا ہے اور مسلمانوں کی جزا کے بیان میں اس حرف کو ترک کر دیا اور لھم جنات ارشاد کیا اسمیں کیا نکتہ ہے جواب اسکا یہ
ہے کہ ثواب آخرت کا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے عمل پر موقوف نہیں جیسے نابالغ لڑکا یا جو شخص کہ بلوغ کے وقت سے مجنوں ہوگیا یا جو شخص کہ پہاڑ کی
چوٹی پر بالغ ہوا اور طریقہ اسلام سے واقف ہی نہوا اور توفیق عبادت اور طاعت کی بھی نپائی یہ سب آخرت میں بغیر عمل اور طاعت کے ثواب پاوینگے
بخلاف دوزخ کے عذاب کے کہ بغیر فسق کے یا کفر کے نہوگا کیونکہ عذاب عدل کو چاہتا ہے اور عدل بغیر سبب کے ہو نہیں سکتا تو ان دونوں چیزوں کے
فرق کے واسطے کہ فضل اور عدل ہے اس جائے پر سبب اور تعقیب کی تصریح فرما کر فا کا حرف لائے ہیں اور یہاں حذف کیا ہے اور جو معاملہ حق تعالیٰ
کا ان ظالموں سے کہ بسبب ایمان کے مسلمانوں کی ایذا کے درپے ہوتے ہیں اور ان مظلوموں سے کہ ایمان کے واسطے تحمل جفا کا کرتے ہیں دنیا اور آخرت میں
بیان فرمایا تو یہ مطلب ثابت ہوا کہ **إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ** تحقیق پکڑ تیرے رب کی بہت سخت ہے کیونکہ اوروں کی پکڑ سے زور سے یا
زاری سے یا صبر سے یا شفاعت سے خلاصی ممکن ہے اور عذاب سے اللہ تعالیٰ کے کسی طور سے ممکن نہیں اور یہ بھی ہے کہ دوسروں کی پکڑ کی نہایت یہ ہے کہ
ہلاک کر دینا پھر بعد موت اور ہلاک کے مقدور نہیں رکھتے کہ ایذا دے سکیں کیونکہ اُنکی طاقت نہیں کہ مُردے کو جلاویں بخلاف اللہ تعالیٰ کے کہ مرنے اور خاک
ہونیکے بعد بھی اُسکی دستِ قدرت سے خلاصی ممکن نہیں وہ قادر ہے کہ جلاوے پھر زندہ کرے پھر جلاوے اسی طرح ابد الآباد تک عذاب میں گرفتار رکھے اسواسطے
کہ **إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ** تحقیق وہی ایسا ہے کہ اول بھی پیدا کرتا ہے اور بعد فنا کے بھی پھر پیدا کرتا ہے **وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ**

اور وہ اللہ تعالیٰ باوجود اس صفتِ قہاری اور گرفت گیری کے اپنے مسلمان بندوں پر بخشش کرنیوالا ہے اور دوست رکھنے والا کہ دوستی کی شدت کے سبب گناہ
اپنے دوستوں کے بخشتا ہے اور عیبوں کو اُنکے چھپاتا ہے اور دوستوں اور دشمنوں سے اُسکا معاملہ ایسا کیوں نہو کہ وہ اللہ تعالیٰ **ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ**
صاحب ہے جہان کی سلطنت کے تخت کا اور بزرگی اُسکی قدیم ہے اور مجید عرب کی لغت میں خاندانی اور موروثی بزرگی کو کہتے ہیں اور جو قدیم اور دوام موروثی
بزرگی کو لازم ہے تو یہاں مراد قدیم بزرگی رکھنی ہے اور قدیم السلطنت بادشاہوں کی عادت ہے کہ اپنے دوستوں اور دشمنوں سے اسی طرح معاملہ خوشی اور
ناخوشی کا فرماتے ہیں نہیں تو اُنکی سلطنت کے قدم میں خلل واقع ہوجاوے اور باوجود اسبابِ کے اور بادشاہوں سے ایک چیز میں ممتاز ہے کہ کسی بادشاہ کو متصور
نہیں اور وہ چیز یہ ہے **فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ** کر ہی ڈالتا ہے جو چاہتا ہے جب ارادہ اُسکا کسی چیز کو متعلق ہوتا ہے پھر اسمیں امکان مخالفت کا نہیں
بخلاف اور بادشاہوں کے کہ بہت سی چیزیں چاہتے ہیں اور میسر نہیں ہوتیں ایسے شاہنشاہ سے ہر وقت اور ہر آن ڈرنا چاہیئے اور اُسکی رحمت کے اُمیدوار
رہنا باقی رہا یہاں پر ایک سوال جواب طلب وہ یہ ہے کہ پہلی صفتوں میں جیسے الغفور اور الودود اور ذوالعرش اور المجید میں لام تعریف کا یا اضافت معنوی
باللام کی طرف واقع ہے اور اس صفت میں کہ فعال لما یرید ہے تنکیر کو اختیار کیا ہے اسمیں کیا نکتہ ہے جواب اُسکا یہ ہے کہ **فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ** مشابہ
مضاف کے ہے یا طالعاً جبلاً کے قبیل سے اور مشابہ مضاف کا حکم مضاف کا رکھتا ہے حاجت تعریف کی نہیں اور مبالغہ کے صیغہ کو اوپر صیغہ فاعل لما یرید
کے اسواسطے اختیار کیا ہے تاکہ اشارہ ہو کثرت پر مرادوں کی اور کثرت پر حق تعالیٰ کے مفعولوں کے جیسے کہ واقع ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ ان صفات
متضادہ مخالفۃ الآثار سے منظور یہ بات ہے کہ اُس مالک سے بعید نہیں کہ کبھی معاملہ مہربانی اور مغفرت اور دوستی کا بندوں سے کرے اور کبھی سخت پکڑ
میں پکڑے بلکہ اُس ذاتِ پاک سے ہوسکتا ہے کہ انعام اور انتقام کو حق میں ایک فرقہ کے اور ایک آدمی کے اوقات مختلفہ میں جمع کرے سو انعام پر حق تعالیٰ کے
کہ ایک وقت میں اپنے حال پر مصروف ہو مغرور ہونا نہ چاہیئے اور انتقام سے اُس منتقم عادل کے بیخوف اور بیدھڑک نہ رہیئے چنانچہ فرماتے ہیں **هَلْ
أَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ** کیا پہنچی ہے تجھ کو بات اُن لشکروں کی کہ ایک مدت تک دروازہ انعام کا اُنپر کھلا تھا اور ہر طرف سے طرح طرح کی
نعمتیں اُنکو پہنچتی تھیں پھر کیسا کچھ انتقام اُنسے لیا اور سبب اُنکی خرابی اور بدلے کے یہی ذلیل اور قلیل لوگ ہوئے کہ انعام الٰہی کے زور کے سبب سے اُن
لوگوں کو کمال ذلت اور خواری سے رکھتے تھے اور وہ لشکر **فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ** فرعون والے اور ثمود کی قوم تھی پس فرعونیوں کو ایک مدت تک حکومت اور
نعمت دیکے بنی اسرائیل پر کمال تسلط دیا تھا کہ سارے نیچ اور پوچ کام بیگار پکڑ کر اُنسے کراتے تھے پھر تمام مال اور ملک اُنکا چند روز کے عرصہ میں اُنھیں
بنی اسرائیل کو دلوایا اور اُن فرعونیوں کو اُنکے آنکھوں کے دیکھتے دریائے قلزم میں غرق کردیا اور ثمود کی قوم کو اول تو نہایت قدرت اور قوت عنایت
فرمائی یہانتک کہ ایک ہزار سات سو بستیاں تمام سنگین عمارت کی آباد کی تھیں اور حضرت صالح علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو اور ضعیف مسلمانوں کو اوٹنی کی
بابت کیا کیا کچھ تذلیل اور ہتک کرتے تھے وہ سب کے سب ایک کڑک میں ہلاک ہوگئے اور وہاں کے بدبخت اور اشرار کو حضرت صالح علیہ السلام کی بددعا سے
اندھا کردیا پس یہ قصے عاقلوں کی عبرت کے واسطے کفایت کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے انعام پر مغرور نہو جاویں اور انتقام سے اُسکے ڈرتے رہیں لیکن
کافر ان قصوں سے عبرت نہیں پکڑتے ہیں اور غرور اور بیخوفی میں گرفتار ہیں **بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ** بلکہ جو لوگ کہ کافر ہیں سچ ان
قصوں کے انکار کے درپے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ قصے اس قسم کے ہیں کہ اہل تواریخ نے لوگوں کے تعجب کرنے کو بنالئے ہیں اور کتابوں میں لکھدیے ہیں اور
یہ نہیں جانتے کہ قطع اِن قصوں کے اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر شخص کو ہر وقت بے پردہ نمایاں ہے اور اگر اپنے ہی حال میں غور کریں تو دیکھیں کہ آدمی کا دم کہ زندگی
انسان کی اُس سے تعلق رکھتی ہے وہ بھی اُسی کے ہاتھ میں ہے **وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ** اور اللہ تعالیٰ آگے پیچھے سے اُنکے گھیرے ہے کہ اُنکے
زمانہ سے پہلے بھی بہت سے سرکشوں کو ہلاک کیا اور اُنکے زمانے کے بعد بھی بہتوں کو ہلاک کریگا پس اُنکا ایسے قصوں کا کہ اس طرح کے قصے ہر وقت میں ظہور آتے ہیں
بیجا ہے اور لفظ ورا کا اصل لغت میں اُس چیز کے معنوں میں ہے کہ کوئی شخص اُس چیز کو چھپاوے یا وہ چیز کسی شخص کو چھپاوے اسواسطے اس لفظ کو آگے اور پیچھے
دونوں کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں اور اس آیت میں بطور اشتراک معنوی کے یا عموم مجاز کے دونوں معنوں کو شامل ہے باوجود اسبابِ کے یہ قصے اس قسم سے بھی

نہیں ہیں کہ قصۂ اہل تاریخ نے انکو ذکر کیا ہے **بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ** بلکہ یہ قصہ قرآن قدیم ہے کہ اس قصے کے ہونے سے پہلے لکھ گیا تھا **فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ** ایک تختے میں کہ شیاطین اور جن اور انسان کے دخل سے باہر ہے اور محفوظ ہے اسمیں کوئی تصرف نہیں کر سکتا کہ زیادہ اور کم اور تحریف اور الحاق کرے پس اس قسم کی محفوظ چیز میں احتمال جھوٹ اور ملاوٹ کا کرنا مقتضائے عقل کے خلاف ہے اور بغوی معالم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند کے ساتھ لایا ہے کہ لوح محفوظ سفید موتی کی طول اسکا جیسے زمین سے آسمان اور عرض اسکا جیسے مشرق سے مغرب اور کناروں پر اسکے یاقوت جڑے ہیں اور دونوں دفتیاں اسکی یاقوت سرخ کی ہیں اور نور کے قلم سے کلام قدیم اسمیں لکھا ہے سر اس تختی کا عرش سے معلق ہے اور نیچے کی طرف اسکے ایک معزز فرشتے کی گود میں رکھی ہے اور وہ عرش عظیم کی سیدھی طرف کھڑا ہے اور سر پر لوح کے یہ عبارت واقع ہے لا الہ الا اللہ وحدہ دینہ الاسلام ومحمد عبدہ ورسولہ فمن اٰمن باللہ عز وجل وصدق بوعدہ واتبع رسولہ ادخلہ الجنۃ اللہم اجعلنا منہم +

سورۃ الطارق

سورۂ طارق مکی ہے اسمیں انیس آیتیں اور اکسٹھ کلمے اور دوسو انتالیس حرف ہیں اور ربط اس سورہ کا سورہ بروج سے بسبب مناسبت کلام کے ہے کہ ابتدا میں دونوں قسمیں کے ساتھ آسمان کے اور برجوں کے اور ستاروں کے واقع ہے اور انتہا میں بھی دونوں کے بیان محافظت الٰہی کا غیب کی چیزوں کو جیسے لوح محفوظ اور آسمان اور آدمی کی جان سو یہ چیزیں ظاہر ہیں کچھ حاجت بیان کی نہیں اور اس سورے کا نام سورۂ طارق اسواسطے رکھا ہے کہ طارق عرب کی لغت میں اس مہمان کو کہتے ہیں جو رات کے وقت آوے اور جو حادثہ کہ رات کو نمود ہوا اسکو بھی طارق کہتے ہیں اسیواسطے حدیث میں وارد ہے کہ نعوذ باللہ من طوارق اللیل پناہ لیتا ہوں میں اللہ کی اس شر سے کہ رات کو اچانک آپڑے کیونکہ دفع کرنا ایسی آفت کا مشکل پڑتا ہے اور عرب کے اشعار میں معشوق کے خیال کو بھی کہ بار بار عاشق کے دل میں گزرتا ہے طارق کہا ہے کیونکہ معشوق کے خیال کا آنا اکثر فراغت کے وقت میں ہوتا ہے اور بڑی فراغت کا وقت رات ہے اور حدیث شریف میں مسافر کو منع فرمایا ہے کہ طروق کرے یعنی یکایک رات کے وقت گھر میں چلا آوے جبتک کہ اسکے گھر والے بن سنور کے درست نہولیں کہ اسکو بگڑے حال میں دیکھ کے نفرت نہو جاوے اور اس سورے میں مراد طارق سے آسمان کے تارے ہیں اور ستارے اس صفت میں برابر ہیں اسواسطے کہ رات کو نظر آتے ہیں اور دن کو غائب ہو جاتے ہیں اور بعضے علما کے نزدیک یہاں زحل مراد ہے کیونکہ سب تاروں سے اونچا ہے اور اسکی شعاع ساتوں آسمان کی موٹائی کو سوراخ کرکے زمین پر پڑتی ہے پس کمال ظہور ثاقبیت کا اسمیں پایا جاتا ہے اور بعضوں کے نزدیک ثریا مراد ہے کہ بسبب جمع ہونے روشنی تاروں کے اسمیں چمک زیادہ پائی جاتی ہے اور اکثر علماء اسبات پر ہیں کہ مراد جنس ہے اور ہر ستارہ اسمیں داخل ہے کیونکہ ہر ستارہ تین صفتیں رکھتا ہے اول تو یہ کہ ہر ستارہ اپنی شعاع سے تاریکی کو دفع کرتا ہے دوسرے یہ کہ تعین طرف کا ستارہ کا مشرق کی طرف ہو یا مغرب کی طرف ہر مسافر کو تری کا ہو یا خشکی کا اس سے معلوم ہوتا ہے تیسرے یہ کہ سبب ہے آسمان کی محافظت کا شیاطین کے شر سے اور اسکے دو سبب ہیں اول تو یہ کہ شیاطین ظلمانی مادے سے پیدا ہوئے ہیں اور ظلمت اور تیرگی کو بالطبع دوست رکھتے ہیں اور روشنی سے بھاگتے ہیں چنانچہ تجربہ کیا ہوا ہے کہ اکثر غلبہ انکا اندھیرے میں اور اندھیرے مکان میں ہوتا ہے اور جس مکان میں چراغ اور شمع ہوتی ہے وہاں انکا دخل کم ہوتا ہے پس آسمان کو ان نورانی قندیلوں سے روشن کیا تاکہ روشن ہونے سے آسمانوں کے کہ محض غنفات ہیں شیطان چند صلا کر بھاگ جاویں دوسرے یہ کہ فرشتے شعاع سے ستاروں کی گیند بناکر شیاطین کو مارتے ہیں جیسے توپ کے گولے سے دشمنوں کو مارتے ہیں اور محافظت آسمان کی تاروں سے ایسی ہے جیسے محافظت قلعوں کی ہوتی ہے توپوں سے کہ برجوں اور فصیلوں پر چنی ہوتی ہیں لیکن فرق اسیقدر ہے کہ تاروں کو اور ان گولوں کو کہ فرشتے ان تاروں کی شعاعوں سے تیار کرکے شیاطینوں کو مارتے ہیں دونوں کو عرب کی لغت میں نجم اور کوکب اور ہندی میں تارا کہتے ہیں اور توپ کے گولے کو توپ نہیں کہتے اور قرآن مجید میں ستاروں کے ان فائدوں کو جا بجا ذکر فرمایا ہے اور یہ تینوں وصف کہ ہر ستارے میں موجود ہیں اس قسم میں منظور ہیں کیونکہ جس مضمون کی کہ اس قسم سے تاکید فرمائی ہے یہ ہے کہ آدمی کی جان ہر چند کہ تکلیف اور محنتوں میں گرفتار ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی

نگہبانی کے سبب سے ٹوٹنے اور فنا ہونے سے محفوظ ہے اور اسی واسطے حدیث شریف میں وارد ہے کہ اِنَّمَا خُلِقْتُمْ لِلْاَبَدِ یعنی جان آدمی کی کہ حقیقت میں آدمی عبارت اُسی سے ہے ابدی ہے ہرگز فنا ہونیوالی نہیں اور وہ جو عرف میں مشہور ہے کہ موت جان کو ہلاک کرتی ہے محض مجاز ہے موت کا نہایت کام یہ ہے کہ جان کو بدن سے جدا کر دیتی ہے اور بدن بسبب چھٹنے مربی اور نگہبان کے بیکس ہو کر بکھر جاتا ہے و الا جان کو ہرگز فنا نہیں ہے اور ثابت ہونا عالم برزخ کا اور ہونا حشر اور نشر کا موقوف اسی مسئلہ پر ہے اور اس سورت میں بھی معاد اسی راہ سے ثابت کیا ہے اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آدمی دو چیز سے مرکب ہے جان اور بدن اور جزو اعظم اُسکا جان ہے کہ تبدل اور تغیر کو اُسمیں دخل نہیں اور بدن مانند لباس کے ہے جبتک کہ ماں کے پیٹ میں تھا تو اور رنگ تھا پھر جب ماں کے پیٹ سے نکلا تو آخر لڑکپن تک کچھ اور ہی رنگ رکھتا ہے اور جوانی اور بڑھاپے میں کچھ اور ہی اختلاف ہوتا ہے پس جزو اعظم اسکا کہ جان ہے اور شعور اور ادراک اور لذت اور دُکھ کو دریافت کرنا اسی کا خاصہ ہے جو فنا کو قبول نہیں کرتی اور ہاتھوں میں نگہبانوں کے کہ حضور سے جناب کبریا کی اُسپر مقرر ہیں بیقدر رہتی ہے تو جمع ہونے میں بدن کے اور دوبارہ بنا دینے میں اُس سکے اسی صورت اور شکل پر کونسا تعجب باقی رہا کہ اسی طرح کا معاملہ شروع پیدائش سے آخر عمر تک ہمیشہ نظر آتا ہے اور جو دلیل جان کی محافظت کے ساتھ معین ہونے نگہبانوں آسمانوں کے طفیل سے ستاروں کے تھی تو پہلے ہی ثابت کرنے میں اس مطلب کے قسم آسمان کی اور ستاروں کی یاد فرمائی اور اس سورے کا ستارے کے نام پر نام رکھا کہ بیشتر ثابت ہونا مطلب کا اُسی کی محافظت کے ملاحظہ سے ہے یہاں پر سمجھ لیا چاہیئے کہ اس سورے کا سبب نزول دلالت کرتا ہے اسبات پر کہ مراد طارق سے ٹوٹنے والا تارا ہے جسکو شہاب کہتے ہیں اور حقیقت میں شیطانوں کو آسمان کے جانے سے روکنے والا وہی ہے کہ شیطان کی راہ کو بند کرتا ہے اور اُسکو جلا دیتا ہے اگرچہ توپ کے گولے کی مانند شعاع سے جڑے ہوئے ستاروں کے پیدا ہوتا ہے پس بہتر یہ ہے کہ طارق شہاب پر حمل کیا جاوے اور سبب اس سورے کے نازل ہونے کا یہ تھا کہ ابوطالب حضرت کے چچا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کو آپکے مکان پر تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا اُنکے روبرو رکھا کہ دودھ اور روٹی تھی پھر دونوں کھانے لگے اُسوقت ایک تارا آسمان سے ٹوٹا اسقدر زمین سے نزدیک ہو گیا کہ تمام گھر اُسکی روشنی سے بھر گیا اور ابوطالب کی آنکھیں چندھلا گئیں اور گھبرا کر ہاتھ کھانے سے کھینچ لیا اور اُٹھ کھڑا ہوا اور پوچھنے لگا کہ یہ کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تارا ہے کہ فرشتے آسمان کی محافظت کے لئے شیاطینوں سے اسکو اُوپر سے پھینکتے ہیں اور یہ ایک علامت ہے اللہ تعالیٰ کی علامتوں سے ابوطالب متعجب ہو کر خاموش بیٹھ گیا اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام اس سورے کو لائے اور اس سورے میں اشارہ اسبات کی طرف ہوا کہ ان چیزوں کے دیکھنے سے عقائد حقہ دین اسلام کے مضبوط ہونا چاہیئے اور اُسکو بیفائدہ چھوڑ دینا نہ چاہیئے کیونکہ یہ معاملہ بڑی دلیل ہے آدمی کے حشر اور نشر اور معاد پر اسواسطے کہ آسمان باوجود اپنی عظمت اور بلندی کے یہانتک کہ ہاتھ کسی کا اُس تک پہنچ نہیں سکتا تب بھی محافظت الہی کا محتاج ہے اور صورت اُسکی محافظت کی اس وضع پر ظاہر ہوئی کہ گرے ہوئے تاروں سے آسمان کے ایک ستارہ ٹوٹنے والا پیدا ہوتا ہے کہ شیطانوں کو سدِ راہ ہوتا ہے اور بھگاتا ہے سو آدمی کی جان کہ نہایت ناتوان ہے کس طور سے بغیر اللہ تعالیٰ کی محافظت کے ایسی مصیبتوں اور حادثوں کی کشمکش میں باقی اور سلامت رہ سکے گی پس جب یہ بات ثابت ہوئی کہ آدمی کی جان اللہ تعالیٰ کے قبض و تصرف میں ہے زندگی میں ہو خواہ بعد موت کے تو پس ہمیں سے سمجھ لیا چاہیئے کہ بعد موت کے نعمتیں اور تکلیفیں وہاں کی اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں باقی رہا بدن کا حال سو اُسکو بھی ساتھ تامل اور فکر کے قابل پھر پیدا ہونیکے سمجھا چاہیئے +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ قسم کھاتا ہوں میں آسمان کی اور اُس آنے والے کی کہ رات کے وقت نمودار ہوتا ہے اور جو اس ستارے میں کہ رات کے وقت دوڑتا نظر آتا ہے لوگوں کو اسمیں بڑا تردد ہے بعضے تو یوں کہتے ہیں کہ دھواں زمین سے اُٹھکر آسمان کی طرف جاتا ہے جب کرہ نار کے متصل پہنچتا ہے تو بسبب چکنے ہونے کے کہ اُسمیں باقی ہے جل اُٹھتا ہے پھر اگر لطیف ہے تو جلد محو ہو جاتا ہے اور اگر غلیظ ہے تو کئی روز تک بطور نیزے کے یا دُمدار ستارے کی طرح یا کسی اور صورت سے رہتا ہے اور بعضے یوں کہتے ہیں کہ آسمان قمر کے نیچے آگ کا کرہ ہے اور اُس کرہ سے کبھی حرکت کی زیادتی سے ایک شعلہ کہ بسبب جمع ہونے کے

ستاروں گرم مزاج کے کسی وجہ میں رجوع آسمان سے حاصل ہوتا ہے اور اُس شعلہ سے کوئی چیز مثل چنگاری کے جدا ہو کے نیچے آتی ہے اور دخانی طبقے میں کہ درمیان
میں کرۂ آگ اور ہوا صرف کے ہے وہ چیز نمود ہوتی ہے تو دوڑتے ستارے کی طرح نظر آتی ہے اور جب طبقۂ زمہریر کو پہنچتی ہے تو جم جاتی ہے اور نظر سے غائب ہو جاتی
ہے اور ان دونوں باتوں میں بہت سی بحثیں ہیں کیونکہ جو نور کہ اس دوڑتے تاروں میں نظر آتا ہے اسکو ہرگز آگ کے شعلہ سے کہ دھوئیں کے ساتھ روشن
ہوتا ہے مشابہت معلوم نہیں ہوتی بلکہ نور اُس تارے کا کمال مشابہت نور آسمانی سے رکھتا ہے چنانچہ ظاہر نظر آتا ہے اور دوسرے یہ بھی ہے کہ حرکت کی جہت
اس ستارے کی موقوف تحت اور فوق پر نہیں ہے تا کہ دھوئے چڑھنے والے کے شعلے پر یا انگارے گرنے والے پر حمل کیا جاوے اکثر اوقات داہنے سے بائیں طرف اور
بائیں سے داہنی طرف دوڑتا ہے پس صریح معلوم ہوتا ہے کہ حرکت اُنکی طبیعی نہیں بلکہ کوئی زبردست ارادے اور اختیار والا اُنکو دوڑاتا ہے پس دفع کرنے کو ان
ترددوں کے بطور سوال و جواب کے ارشاد فرماتے ہیں **وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ** اور کیا جانتا ہے تو کہ کیا ہے وہ ستارہ رات کا آنیوالا **النَّجْمُ
الثَّاقِبُ** ایک تارہ ہے کہ شیطانوں کی آنکھوں میں چکا چوند کر دیتا ہے اور کبھی اس شعلے سے کہ اُسمیں سے پیدا ہوتا ہے اُنکو جلا دیتا ہے اور شیطانوں
کو اسکے شعاع کے زور سے ایسی حالت ہو جاتی ہے جیسے چمگادڑ کی سورج کی چمک سے اور جبکہ طارق کی حقیقت بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب اس مضمون کو
کہ جسپر قسم کھائی ہے یاد فرماتے ہیں **اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ** کوئی جان نہیں چھوٹی ہو خواہ بڑی نیک ہو خواہ بد مگر کہ اُسپر
ایک نگہبان ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہ اُسکو حادثوں کی سختی میں اور صدموں میں فنا نہیں ہونے دیتا یہاں پر سمجھا چاہیئے کہ داروغہ آدمی کی جان کی محافظت
کا کہ فنا نہو جاوے ایک فرشتہ ہے حضرت اسرافیل کے لشکر کا آخر کام اُسکا یہ ہے کہ جان کو درمیان دو نفخوں کے صور میں داخل کر دیگا اور آدمی کے اور کاموں کے واسطے
نگہبان بہت ہیں کہ نوبت بنوبت رات دن چوکی پہرہ کرتے ہیں جبتک کہ تقدیر الٰہی اُسکی تکلیف کے واسطے متوجہ نہو پھر جب مقدر وقت تکلیف کا آجاتا ہے تو
وے لوگ دست بردار ہو جاتے ہیں اور تقدیر الٰہی کو سونپ دیتے ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے وکّل بالمؤمنین مائۃ وستون ملکاً یذبون عنہ کما یذب
عن قصعۃ العسل الذباب ولو وکل العبد الیٰ نفسہ طرفۃ عین لاختطفتہ الشیاطین عضواً عضواً یعنے مقرر کیئے گئے ہیں ہر مسلمان پر ایک سو
ساٹھ فرشتے کہ ہانکتے ہیں اُس سے شیطانوں کو جیسے شہد کے پیالے سے مکھیوں کو ہانکتے ہیں اور اگر بندے کو بندے پر ایک پلک مارنے برابر چھوڑ دیں تو شیطان
کو بوٹی بوٹی توڑ کے لیجاویں اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر اور آدمیوں سے زیادہ نگہبان ہیں کیونکہ ایمان کے سبب سے اسکے دشمن بہت ہیں
کہ اتنے دشمن اور کافروں کے نہیں ہیں اور وے نگہبان کہ مومن اور کافر کو آفتوں سے نگاہ رکھتے ہیں اُنکا ذکر سورۂ رعد میں ہے کہ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَيْنِ
يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اور بیان ہر شخص کی جان کے نگہبانوں کا سورۂ انعام میں مذکور ہے کہ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ
عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ اور دوسرے فرشتے کہ آدمیوں کے اور بد اعمال لکھنے کے واسطے
مقرر ہیں اُنکا مذکور سورۂ اذا السماء انفطرت میں ہے یعنی اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ اور جو فرشتہ کہ حرف اور لفظ پر آدمی کے مقرر ہے اور اُنکو
لکھتا ہے اور لکھتا اُسکا ذکر سورۂ قاف میں ہے یعنے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ غرضکہ یہاں بیان جان کی محافظت کرنے کا ہے
کہ یہ امر سب کے واسطے ہے اور کبھی اس محافظت میں قصور نہیں ہوتا اور جو آدمی کو بحث معاد کا اور باقی رہنا اُسکی جان کا اور محفوظ رہنا اسکے نفس کا قبل موت کے
اور بعد موت کے معلوم ہو چکا اور سمجھ چکا کہ میری جان کہ حقیقت میں ذات میری وہی ہے اور بدن اُسکے لباس کی مانند ہے سو وہ جان مالک حقیقی کے قبضہ تصرف
میں ہے تو اب اسکو اعتقاد کرنے میں معاد کے واقع ہونیکے اور سچ جاننے میں حشر اور نشر کے کچھ تردد نہ رہا مگر استبعاد کی جہت سے بدن کے اعادہ میں کہ اجزا اُسکے بعد
موت کے نہایت متفرق اور پراگندہ ہو جاتے ہیں کچھ زمین کی خاک میں ملکر نیست نابود ہو جاتے ہیں اور کچھ حیوانات کا طعمہ ہو جاتے ہیں پھر وہ حیوانات ملکوں میں
جا کر مرتے ہیں اور خاک میں رل مل جاتے ہیں اور بعضے ایک ملک سے دوسرے ملک کو اور ایک جنگل سے دوسرے جنگل کو اُڑ جاتے ہیں پھر ان منتشر اجزاؤں کو جمع
کرنا اور پہچاننا کہ یہ جزو فلانے بدن کا ہے اور یہ جزو فلانے کے بدن کا یہ ایک کام ہے کہ عقل ظاہر بین کو نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے اور اسی سبب سے کسی کہنے والے
کہا ہے ہندی کا دوہرہ ۞ بات جھر متے یوں کہیں اس سے بنکے رانے + اکے بچھڑے نا ملیں دور پڑینگے جاے + ناچار اس تعجب کے دفع ہونے کے واسطے ایک راہ

اسکو اور بتاتے ہیں کہ **فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ** پس دیکھے آدمی کہ کس چیز سے بنایا گیا ہے اور مادہ اُسکی خلقت کا کہاں کہاں سے جمع کرکے لائے ہیں تفصیل اسکی یہ ہے کہ نطفہ کہ آدمی کا خلاصہ ہے لہو کا کہ غذا سے حاصل ہوتا ہے اور غذا یا اُگنے والی چیز میں سے ہے یا جاندار چیز سے اُگنے والی چیز سے ہے تو اُسکی بہت قسمیں ہیں جیسے اناج اور ساگ اور ترکاری اور میوے اور مصالح گرم اور سرد اور سوائے اسکے بہت سی چیزیں ہیں اور جو حیوانی ہے تو اُسکی بھی کئی قسمیں ہیں جیسے گوشت اور دہی اور دودھ اور گھی اور چربی اور بیضہ اور سوائے اسکے اور طب کے علم میں مقرر ہے کہ غذائے صالح کے کھانیکے بعد چھہتر ساعتیں گزرتی ہیں تو منی پیدا ہوتی ہے پس آدمی کو اپنی ہر روز کی غذا میں فکر کرنا چاہیئے جیسے چانول کہ کہاں سے آئے ہیں کس قطعہ زمین میں کس کھیت میں کس گانوں میں پھر وہ گاؤں کس پرگنے میں اور وہ پرگنہ کس سرکار میں اور وہ سرکار کس صوبہ میں اور وہ صوبہ کونسی مملکت میں متعلق ہے جہاں اُن چانولوں کو بویا تھا اور بنجاروں کو کس ارادے پر اسباب کا مستعد کیا کہ اس ملک سے اُونٹوں یا بیلوں پر لاد کر اس بازار میں لائیں اور مجھ بیچارے کے ہاتھ بیچیں اور مجھ کو انہیں سے کھانا نصیب ہو اور اسی قیاس پر حال تمام ضروریات کو اپنی غذا کے جانیں اور بوجھے کہ میرے ماں باپ کو بھی اسی طرح سے غذائیں طرح طرح کی دور دور کے ملکوں سے جمع کرکے کھلائیں تھیں تو نطفہ میرا ان کے بدن میں پیدا ہوا تھا اور مجھ کو اُس نطفے سے بنایا پھر جو شخص کہ ہر روز کی غذا میں اسقدر اجزائے متفرقہ کو جمع کرتا ہے کہ اگر ان سب کو ایک جا پر اکٹھا کریں تو آدمی کے بدن کے اندازے سے ہزاروں درجے زیادہ ہو پھر اُس سے کیا بعید ہے کہ چالیس برس کے عرصہ میں کہ دونوں نفخوں کے درمیان میں ہے تمام اجزا کو بدن کے کہ بلاشبہ اس مقدار سے کمتر ہیں متفرق مکانوں دور دراز سے جمع کرکے صورت گوشت اور پوست کی پہنا دے پھر بعد اسکے غذا کو نطفہ کرکے کہاں سے کہاں کو پہنچاتے ہیں اور راہ میں اس نطفے کے کون کونسی ہڈیاں بڑی بڑی سخت کہ آدمی کے بدن میں پہاڑوں کی مانند حائل ہیں پھر باوجود اسباب کے اس نطفے کو کس تدبیر سے دماغ سے کھینچکے احلیل کو یعنی پیشاب کے مقام کو پہنچاتے ہیں پھر اُس راہ سے رحم کے اندر کس طور سے پہنچاتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں **خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ** پیدا کیا گیا ہے آدمی اُچھلتے پانی سے اور وہ پانی مرد اور عورت کا نطفہ ہے کہ رحم میں مخلوط ہو کر یکساں ہو جاتا ہے ہرچند کہ دفق یعنی اُچھلنا مرد کی منی کا خاصہ ہے لیکن جو بعد ملجانے کے دونوں ایک ہو جاتے ہیں تو مرد کی منی کی صفت کو بسبب غالب ہونیکے ان دونو میں اطلاق فرمایا اور بعضے طبیب اسبات کے قائل ہیں کہ عورت کی منی بھی رحم میں اُچھلتی ہے لیکن رحم کے گہرے پن کے سبب سے معلوم نہیں ہوتی چنانچہ تھر تھرا اُٹھنا عورت کا انزال کے وقت اسبات پر گواہ ہے پس اُس غذا کو بعد طے ہو جانے ہضمیت کے درجوں کے صورت پانی کی بخشنا دلیل صریح ہے کہ بدلتا صورتوں کا یعنی ایک صورت کو دوسری صورت پر کر دینا قدرت الہی کے روبرو بہت آسان کام ہے **یَخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ** نکلتا ہے وہ اُچھلتا پانی درمیان سے پیٹھ کے اور سینہ کی ہڈیوں کے کیونکہ مادہ منی کا اول دماغ سے نزول کرتا ہے اور ان رگوں میں کہ دونوں کانوں کے پیچھے ہیں وہاں سے گزر کر نخاع میں آتا ہے اور مقام نخاع کا درمیان میں پیٹھ اور سینے کے ہے پھر مرد کے وہ مادہ پیٹھ کے منکوں کی راہ سے گذر کر گردوں میں آتا ہے بعد اسکے خصیوں میں وہاں سے ذکر کے نیچے کی رگ میں ہو کر رحم میں گرتا ہے اور عورت کے سینے کی طرف سے اسی طور سے خصیوں میں کہ رحم کے عمق میں ہیں آکر جماع کی حرکت کے سبب سے رحم میں گرتا ہے اور رحم کے اندر دونوں ملجاتے ہیں اور یہاں سے معلوم ہوا کہ منظور اس آیت سے پانی کے گزارنے کا بیان ہے کہ کس کس طور سے اس قسم کی سخت راہ سے کہ دونوں طرف ایسی بڑی بڑی ہڈیاں ہیں اُسکو روانہ کرتے ہیں اور اُسکے سفر کی انتہا کو پہنچا دیتے ہیں نہ یہ کہ مادہ منی کا پیٹھ میں یا سینے کی ہڈیوں میں پیدا ہوتا ہے والا طب کے قاعدہ کے مخالف ہو کیونکہ اُنکے نزدیک منی تمام اعضا سے لی جاتی ہے اسیواسطے اولاد میں مشابہت ماں باپ کی ہر عضو میں پائی جاتی ہے اور وہ مادہ دماغ میں جمع ہوتا ہے اور وہاں سے رگوں کے رستے سے جو کانوں کے پیچھے ہیں اُترتا ہے اور جب آدمی کو بقا اپنی جان کی حضرت حق کے قبضے میں معلوم ہو چکی اور کیفیت اپنی تمام غذائے متفرقہ کی اور اپنے ہونیکے مادے کی ابتدائے خلقت میں اور بدلنا اُسکا ایک صورت سے دوسری صورت میں اور گزرنا اُسکا ایک جا سے دوسری جا سے کو بھی ظاہر ہو چکا پھر پیدائش اور معاش کو بھی اپنی خوب معلوم کر لیا تو اب اگر آخرت کو بھی انہی دونوں حالتوں پر قیاس کریگا تو اُسکے نزدیک یقینی ثابت ہو جاویگا کہ **اِنَّهٗ عَلٰی رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ** تحقیق کہ اللہ خالق آدمی کا ہے اس طور سے کہ البتہ وہ پھیر لانے پر اُسکے قادر اور توانا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں کے زندہ کرنیکا ارادہ کریگا تو ایک مینہ عرش عظیم سے نازل کریگا اُسکا پانی خاصیت

مرد کی منی کی رکھتا ہوگا اور قوت جماع کی اُسکے اندر ودیعت تھی امانت رکھی ہے کہ مرنیکے بدن کے اجزا کو زندگی کے قبول کرنے کا مستعد کرے اور تعلق اروح
کا اُنکے ساتھ صحیح ہوجاویگا لیکن اس بار کا پھیر لانا موقوف ہے ایک وقت پر کہ بیان اسوقت کا اس آیت میں ہے **یَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ** جس دن
ظاہر کیے جاوینگے بھید اور تحقیق اس مقام کی یہ ہے کہ آدمی پر دنیا میں احکام بدن کے غالب ہیں اور احکام روح کے مغلوب اسیواسطے اپنی روح کے اوصاف
کو صنعت اور تکلف سے دبا چھپا سکتا ہے یہانتک کہ ہرگز اثر اسکا بدن پر ظاہر نہیں ہونے دیتا جیسے لوگ نامردی اور بخل اور دوسری بُری خصلتوں
کو اپنی صنعت اور تکلف سے پوشیدہ رکھتے ہیں اور اثر اضطراب اور گھبراہٹ کا چہرے پر ظاہر ہونے نہیں دیتے اور قیامت کے دن حکم روح کا غالب ہو جاویگا اور جو
سیاہی کہ روح کے جوہر میں مخفی تھی چہرے کی سیاہی بنکر ظاہر ہوگی اور جوارح میں کہ اعضا میں منتشر ہیں کاموں پر اُن اعضا کے گواہی دینگی اور تمام
اوصاف باطن کے ظاہر ہوجاوینگے اور جو پھیر لانا آدمی کا جزا دینے کے واسطے ہے تو ضرور اسوقت پر موقوف ہونا چاہیئے اور پہلے اس سے پھیر لانا حکمت کے
خلاف ہے اور سرائر لغت میں چھپی چیزوں کو کہتے ہیں اور یہاں پر شامل ہے عقائد باطلہ کو اور فاسد نیتوں کو اور نیک بد عملوں کی نشانیوں کو کہ آدمی کی
روح میں سما جاتے ہیں اور مانند اچھے بُرے رنگ کے روح کے چہرے پر نمودار ہوتے ہیں اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ مراد سرائر سے پوشیدہ گناہ اور مکر اور حیلے
ہیں کہ دنیا میں اُنکے چھپانے کے واسطے کوششیں کرتے تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد اس سے وہ فرائض ہیں کہ ادا کرنا اور نکرنا اُنکا محض آدمی کے ظاہر
کرنے پر موقوف ہے دوسرے کو اُسپر اطلاع ممکن نہیں جیسے نماز روزہ وضو غسل جنابت کا اور ادا کرنا زکوۃ کا اور دوسرے واجبات کہ درمیان میں اللہ تعالیٰ کے اور بندے
کے واقع ہیں دوسرے آدمیوں کو مطالبہ اُسکا نہیں پہنچتا اور ادا کرنا اُسکا دوسروں سے تعلق نہیں رکھتا مثلاً اگر کوئی شخص بے روزے والا ظاہر کرے کہ میں روزہ دار
ہوں یا جنب ظاہر کرے کہ میں نے غسل کیا یا کوئی بے وضو کہے کہ مجھ کو وضو ہے یا جو شخص کہ زکوۃ نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ میں زکوۃ دیتا ہوں فقط اُسکے اس کہے پر
چھوڑ دینا چاہیئے اور اُس سے تعرض نہ کیا چاہیئے اور تحقیق یہ بات ہے کہ لفظ سرائر ان چیزوں سے عام ہے اور سب کو شامل ہے **فَمَا لَهٗ مِنۡ قُوَّةٍ** پھر نہوگی آدمی
کو اُس روز کچھ قوت کہ اپنے کاموں کو ظاہر نکرے اور بھیدوں کو چھپا رکھے جیسے کہ دنیا میں قوت رکھنے چھپانے کی رکھتا تھا کہ خوف اور گھبراہٹ کے وقت اپنے
کو تھامتا تھا اور باوجود مار دھاڑ کے اپنی چوری بدکاری کا اقرار نکرتا تھا **وَّلَا نَاصِرٍ**ؕ اور نہوگا کوئی مددگار کہ باوجود ظاہر ہو لینے قصور کے اُسکی سزا موقوف
کر دینے جیسے دنیا میں یار دوست باوجود ثابت ہو لینے تقصیروں کے آڑے آجاتے ہیں اور سزا نہیں دینے دیتے اور جو دنیا میں طریقہ نجات کا سزا سے وقت ثابت
ہو لینے گناہوں اور تقصیروں کے انہیں دو طریقوں میں منحصر ہے اس طور کہ کمال قوت سے اسکو چھپا ہوا اور پوشیدہ رکھے اور کسی طرح ثابت نہونے دے یا باوجود اظہار
کے مدد سے رفیقوں اور مددگاروں کی بُرائی سے اسکی محفوظ رہے ان دونوں طریقوں کو اُس دن مطلق نیست و نابود کرینگے تاکہ سزا دینے میں جو قابل سزا کے ہے
قصور واقع نہو نہیں تو وہ دن بھی دنیا کے دن کی طرح سے درہم برہم ہوجاویگا اور روز فصل نرہیگا اور جب کہ ان آیتوں میں دو مضمون مذکور ہو لیے اول تو یہ
کہ دوسری بار پیدا کرنا آدمی کا روح اور جسم کے ساتھ مقدور اللہ تعالیٰ کا ہے دوسرے یہ کہ قیامت کا دن سرائر اور پوشیدگی کے ظہور کا دن ہے کہ چھپے بھید نفس
کے اُس روز ظہور کرینگے اور حیلے اور تدبیر سے چھپانا اُنکا ممکن نہوگا ثابت کرنے کو ان دونوں مضمونوں کے دو دلیلیں دوسری قسم کی صورت سے مذکور فرمائی ہیں
وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ اور قسم کھاتا ہوں میں آسمان چکر مارنیوالے کی کہ ہمیشہ حرکت دوریہ میں اپنی وضع متروک کو پھر عود کرتا ہے اور
ہر دورے میں رات دن کے ہر جزو اسکا اپنی وضع متروک کو رجوع کرتا ہے بعضے ستارے سال میں بعضے مہینے میں بعضے اُس سے زیادہ میں اپنی
وضع متروک کو رجوع کرتے ہیں پس رجوع ہونا انسان کی روح کا اپنی حیات متروک کی طرف اور اپنے بدن قدیم کی تدبیر کے واسطے کیا بعید ہے کیونکہ
اسی طور سے ہر رات و دن میں حرکت دوریہ فلک کی نظر آتی ہے **وَالۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ** اور قسم ہے زمین دراڑ کھانیوالی کی
کہ اُسکے پھٹنے سے طرح طرح کی نباتات اُسکے اندر سے ظہور کرتی ہیں اور چشمے جاری ہوتے ہیں اور زر و جواہر معدنوں سے نکلتے ہیں پس قیامت
کے دن ظاہر ہونا اسرار مودعہ کا یعنی امانت کا جو نفس انسانی میں ہے کچھ بعید نرہا کیونکہ زمین کو جو خزاں کے دنوں میں دیکھیے تو سارے نباتات اُسمیں پوشیدہ
اور مخفی ہوتے ہیں پھر جب موسم بہار کا پہنچتا ہے اور مینہ کا پانی اُس زمین کے اجزا میں ملتا ہے اور اُسکو نرم کر دیتا ہے پھر تمام چھپی چیزیں اُسکی ظاہر اور

نمود ہوتی ہیں پس یہی حالت نفس کی ہوگی جب آسیر روح کا فیضان ہوگا عالم آخرت میں اور بعضے مفسروں نے رجع کو مینہ پر قیاس کیا ہے اور کہتے ہیں کہ بخارات زمین اور دریا کے اوپر چڑھتے ہیں جب طبقۂ زمہریر کے متصل پہنچتے ہیں تو پانی ہوکر برستے ہیں پس اس تفسیر سے بھی بخارات کے مادے کا اپنے مکان اصلی کی طرف رجوع ثابت ہوا اور یہ دلیل انسان کے رجوع ہونے کی عالم روحانی کی طرف کہ مقر یعنے ٹھکانا اصلی اسکا تھا اور اسبات سے پہلا مضمون ثابت ہوتا ہے **إِنَّهُ** تحقیق یہ بات کہ حق تعالی پھیر لانے پر انسان کے قادر ہے اور پھیر لانا اسکا موقوف ہے اسرار ظاہر ہونے کے وقت پر کہ وہ قیامت کا دن ہے **لَقَوْلٌ فَصْلٌ** البتہ یہ بات کھلی دوٹوک ہے کچھ شبہ اسمیں نہیں **وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ** اور نہیں ہے یہ بات ٹھٹھے کی کہ دلیل قوی نرکھتی ہو اور بطور خیال کے دل میں گزری ہو یا شعر کے مبالغوں کی طرح کچھ اصل نرکھتی ہو جیسے کفار کہتے ہیں کہ وعدہ وعید پیغمبروں کے بعث اور جزا کے دن کے ایسے ہیں جیسے لڑکوں کو فرضی ناموں سے ڈراتے ہیں کہ شوخی نکریں اسیطرح سے پیغمبر بھی اسلئے ڈراتے ہیں کہ دستور عالم کا فاسد نہو جاوے اور رسمیں اور انتظام تمدنیہ رائج نہوں پس از راہ عقلمندی کے وعدہ اور وعید اور ترغیب اور ترہیب کرتے ہیں اور حقیقت میں یہ چیزیں کچھ بھی نہیں ہیں اور انکا محال ہونا ثابت کرنے کو کافر حجتیں اور شبہے بیان کرتے ہیں چنانچہ حقتعالی نے فرمایا ہے **إِنَّهُمْ** تحقیق یہ کافر کہ قرآن کو کلام فصل نہیں جانتے بلکہ ہزل سمجھتے ہیں **يَكِيدُونَ كَيْدًا** کرتے ہیں ایک داؤ یعنی قرآن کے مضمون کے دفع کرنے کو شبہے پیدا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ باتیں عقل کے خلاف ہیں تا عام لوگوں کے نزدیک ہزل ہونا اسکا ثابت ہوجائے **وَأَكِيدُ كَيْدًا** اور میں بھی انکے مقابلے میں داؤ کرتا ہوں بطور مکر کے تا کہ کلام فصل ہونا اسکا مدلل اور واضح ہونا اسکا عام خاص کے نزدیک ظاہر ہوجاوے کیونکہ جسوقت کہ کافر واقع ہونے میں جزا اور حشر اور نشر کے شک شبہ لاتے تھے تو جواب اسکا ساتھ تمثیلوں اور دلیلوں کے جزا اور حشر و نشر کے مقدمے میں صاف صاف نازل ہوتا تھا یہاں تک کہ مجمل باتیں مفصل ہوگئیں اور کسی طرح کا شک شبہ اسمیں نرہا تو شبہے انکے سبب ہوئے زیادتی ثبوت مطلب اور وضوح مقصد کے اور وے اسبات سے بے خبر اور غافل رہے اور یہی حقیقت ہے کید کی کہ بے خبر حریف کو ملزم کرے اور اسکے مطلب کا نقیض یعنے الٹا ثابت ہوجائے اور ہر چند کہ حقتعالی قادر ہے کہ اثبات مطلب کا عین ہوشیاری و خبرداری کی حالت میں کرے لیکن بے خبری کی حالت کے الزام دینے میں کمال خجالت اور ذلت انکی منظور ہوئی کیونکہ وے لوگ بھی ذلت اور خجالت دینے میں اسکے رسولوں کی ارادہ کرتے تھے اور جب معلوم ہوا کہ ہونا کافروں کا اسوقت میں کہ وقت نزول وحی کا اور اوائل اسلام کا تھا اور طرح طرح کے شبہے لانا انکا اسلام کے عقیدوں میں گویا دلائل اسلام کی ترقی کا موجب تھا اور جبتک وہ زندہ ہیں اور شبہے لاتے ہیں تو گویا اسلام کی دلیلوں کی ترقی میں کوشش کرتے ہیں اس سبب سے کہ حقیقت کار سے بیخبر ہیں پس عین منفعت اور اسرار حکمت سے تو ہلاکت کی دعا کرنا انکے واسطے اسوقت مناسب نتھا اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تنگدلی کے سبب سے چاہتے تھے کہ جلد ہلاک ہوں اسیواسطے ارشاد ہوا **فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ** پس مہلت دے کافروں کو اور جلدی انکی بددعا میں نہ کر کہ انکے شبہے کرنیکے سبب سے نزول وحی کا اور جواب شبہوں کا پے درپے پہنچتا ہے اور حقائق شریعت اور دین کے اور احوال حشر اور نشر کے کما حقہ تحقیق اور واضح ہوجاتے ہیں اور بعد اسکے ظہور دین کا خوب متحقق ہوجاوے اور الزام اور حجت اور رفع شبہ کا اپنی نہایت کو پہنچے تو اسوقت تجھ کو جہاد اور قتال پر مامور کرینگے اور تیرے ہاتھوں سے انکو ہلاک کرینگے **أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا** فرصت دے انکو تھوڑے دنوں کہ وے دن ابتداے بعثت سے قریب چودہ برس کے تھے اور اس عرصہ میں جو شبہ کہ انکی خاطر میں گزرتا تھا کرتے تھے اور جواب اسکا پاتے تھے بعد اسکے کوئی شبہ انکے دل میں نرہا تو عناد اور شرارت انکی ظاہر ہوگئی اور قابل سیاست اور تنبیہ کے ہوئے اور اتنی مدت کی مہلت دینے میں نکتہ یہ ہے کہ یہ مقدار آدمی کے سن بلوغ کا ہے کہ جب اس عمر کو پہنچتا ہے تو عقل اور بدن اسکا کامل ہوجاتا ہے اور قابل سیاست اور جزا کے ہوتا ہے پس ابتداے بعثت میں مکے اور عرب کے کافر حکم لڑکے کا رکھتے تھے کہ آہستہ آہستہ تعلیم اور سمجھانا شریعت کے حکموں کا اور تامل کرنا اسکے دلائل میں اور جاننا بھلائی برائی دین کے قاعدوں کی انکو منظور تھی اور دکھانا معجزوں اور آیات بینات کا اس مقدمے میں کفایت کرتا تھا جبکہ اس مدت تک بھی بعضے انمیں سے صلاح پذیر نہوئے تو باوجود پرورش کامل کے محتاج تادیب اور تعذیر کے ہوئے تو پس حکم جہاد اور قتال کا نازل ہوا

سورۃ الاعلیٰ

تمہید

سورۂ اعلیٰ مکی ہے اور اسمیں انیس آیتیں اور بہتر کلمے اور دو سو اکہتر حرف ہیں اور وجہ اسکے ربط کی سورۂ طارق سے یہ ہے کہ اس سورے میں بیان فرمایا ہے کہ نفس انسانی کے واسطے نگہبان مقرر ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس سورے میں یہ مذکور ہے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے نفس کا اللہ تعالیٰ خود حافظ و نگہبان ہے اس بات سے کہ علوم غیبی کی وحی کو فراموش کریں اور اس سورے میں انسان کی کیفیت کی ابتدا کا بیان ہے کہ نطفہ اسکا کہاں سے آتا ہے اور کہاں کو جاتا ہے اور اس سورے میں اسکی خلقت کی انتہا کا بیان ہے کہ بعد کمال تربیت کے کیا صورت پکڑی ہے اور اس سورے میں قرآن مجید کے اوصاف مذکور ہیں کہ اپنی ذات سے وہ کلام اعجاز نظام کیا کچھ مرتبہ رکھتا ہے اور اس سورے میں بھی اوصاف قرآن مجید کے بیان ہیں بہ نسبت آدمیوں کے کہ عمل کرنا اسپر موجب نجات کا ہے اور منہ پھرنا اس سے ہلاکت کا سبب ہے اور ان مضمونوں کو جو کچھ کہ آپسمیں ربط ہے سو پوشیدہ نہیں ہے اور اس سورے کا نام سورۂ اعلےٰ اسواسطے رکھا ہے کہ اول میں اسکے یہ نام اسماء الٰہی میں سے مذکور ہے اور حقیقت اس نام کی دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ مرجع ہے ہر کمال کا ابتدا میں بھی اس کمال کے اور انتہا میں بھی اس کمال کے کیونکہ عالی ہونا مرتبے کا منحصر ہے دو قسم میں ایک قسم علو بدایت کا ہے یعنی کمال وہاں سے شروع ہوتا ہے اور دوسرا قسم علو نہایت کا کہ کمال وہاں انتہا کو پہنچتا ہے اور جو کہ دونو قسموں کو جامع ہے وہ اعلےٰ ہے اور جو حق تعالیٰ کو اس نام سے مذکور فرمایا تو معلوم ہوا کہ اسکے بخشے ہوئے کمالات کو ہرگز نقصان نہیں آتا ہے ورنہ الاعلو مرتبے میں اسکے ابتدا میں یا انتہا میں قصور لازم آوے پس آنحضرت صلعم کو فوراً ذکر سے اس نام کے تسلی خاطر کی حاصل ہوا اور جو دغدغہ کہ خاطر مبارک میں آتا تھا بالکل زائل ہو جاوے اور اس سورے کے نازل ہونے کا سبب اس طور سے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت صلعم پہ بڑی بڑی سورتیں نازل ہونی شروع ہوئیں اور بے حد و بے حساب غیب کی طرف سے جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے علوم نازل ہونا شروع ہوئے تو خاطر مبارک میں آپ کی یہ دغدغہ خلجان کرتا تھا کہ میں تو امی محض ہوں یاد رکھنا ان الفاظوں اور ان معنوں کا بغیر لکھنے اور کتابت کرنیکے مجھ سے کیا ہو سکیگا مبادا کہ بہت سی چیزیں اسمیں سے بھول جاؤں اور رسالت کے مقدمہ میں نقصان واقع ہو جائے پس حقتعالیٰ نے انکی خاطر مبارک کی تسلی کے واسطے یہ سورت نازل فرمائی اور اس سورے میں خوشخبری دی کہ جناب خداوندی خود تیری استادی فرماوے گی اور تجھ کو سبق بھولنے کا خطرہ ہرگز نہ چاہیئے کرنا اور اسی واسطے

ح حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سورے کو بہت دوست رکھتے تھے اور وتر کی پہلی رکعت میں اور جمعہ کی پہلی رکعت میں اس سورے کو اکثر پڑھتے تھے اور سلف کے لوگ بھی اکثر تہجد کی نماز میں اس سورے کو پڑھتے تھے اور اسکی برکت کے امیدوار رہتے تھے اور عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت فسبح باسم ربك العظيم نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس تسبیح کو اپنے رکوع میں مقرر کرو یعنی رکوع میں سبحان ربی العظیم کہو اور جب آیت سبح اسم ربك الاعلى نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس تسبیح کو اپنے سجدے میں بجا لاؤ یعنی سجدے میں سبحان ربی الاعلےٰ کہا کرو اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے کہ جو شخص سبح اسم ربك الاعلى پڑھے تو چاہیے کہ اسکے ساتھ ہی سبحان ربی الاعلیٰ کہے تاکہ فرمانبرداری امر الٰہی کی ادا ہو جاوے ؛

س بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ع **سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی** پاک سمجھ نام کو اپنے پروردگار کے کہ سب اونچوں سے اونچا ہے اس جگہ یہ جان لیا چاہیئے کہ پاک جاننا نام کا اکثر مفسروں کے نزدیک کنایہ ہے پاک جاننے سے ذات کے کیونکہ عرب کا قاعدہ ہے کہ تعظیم اور ادب کے مقام پر ذات کو نام کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں چنانچہ عرف میں مشہور ہے کہ بادشاہوں امیروں کے حضور میں عرض کرتے ہیں کہ حضور کے نام سے یہ کام ہوا اور فلانا قلعہ فتح ہوا پس اگر سبح ربک فرماتے تو یہ رعایت تعظیم اور ادب کی حاصل نہوتی دوسرے یہ کہ ذات کو حقتعالیٰ کے سوائے کوئی نہیں جانتا پس پاک جاننا اسکی ذات کا یہی ہے کہ ناقص اور بے ادبی کے ناموں کو اسکی ذات پاک کی طرف نسبت نکرے اور حق تعالیٰ کی ذات کو پاک جاننے کے معنی جسقدر کہ شریعت میں وارد ہیں یہ ہیں کہ اجمال کے طور سے سمجھ لیجئے کہ حق تعالیٰ کی ذات ہماری عقل اور وہم اور ادراک سے برتر ہے اور کوئی نالائق صفت

اور نقصان اور عیب سکے جاہ جلال کے سراپردوں کے گرد نہیں پھٹکتے اور تفصیل سے بھی سمجھ لیا چاہئے کہ وہ ذات پاک جو جوہر نہ جسم ہے نہ عرض نہ کل اور بعض کو آمیزہ
گنجائش نہیں اور صورت اور جہت اور حد اور نہایت اور مکان اور مجلس کی قیدیں ہرگز اسکو لائق نہیں ہوتی ہیں اور نہ کوئی چیز اُس سے مشابہت رکھتی ہے اور
نہ وہ کسی چیز سے مشابہت رکھتا ہے پس مثل اور شریک سے اور جورو بچوں سے اور کھانے اور پینے سے اور جو چیزیں کہ حدوث اُنکو لازم ہے یا موجب زوال اور فنا
کی ہیں وہ ذات پاک اُن سب چیزوں سے پاک اور مُبرا ہے اور ایک گروہ نے مفسروں کے کہا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات کو پاک جاننا فرض ہے اسی طرح سے
اُسکے پاک ناموں کی بھی تعظیم اور عزت واجب ہے پس اس آیت میں کس واسطے اُسکے ناموں کا پاک رکھنا مراد ہوا اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کو پاک رکھنے کے
معنی یہ ہیں کہ اُسکے نام کو ایسی چیز پر جو نقصان اور عیب پر دلالت کرتی ہو نہ لیں اور اُسکے نام کو اُسکے غیر پر جاری نکریں اور ذکر اُس جناب پاک کے ناموں کا
تعظیم اور طہارت اور حضور قلب اور کمال توجہ سے بجالاویں تاکہ تصفیہ قلب کا حاصل ہو اور اچھا پھل پاوے اور ظاہر یہ بات ہے کہ اعلیٰ رب کی صفت ہے کیونکہ آگے کی
صفتیں جیسے الذی خلق فسوّٰی اور سوائے اُسکے سب رب کی صفتیں ہیں نہ اسم کی اور بعضے صوفیہ کرام نے فرمایا ہے کہ اعلیٰ صفت اسم کی ہے اور وہ اشارہ
ہے ایک مسئلے کی طرف تصوف کے مسئلوں میں سے کیونکہ اہل تصوف کے نزدیک مخلوقات الٰہی سے ہر مخلوق کا ایک رب ہے اسمار الٰہیہ سے کہ اُس مخلوق کی تعین کا مبدا
اور اُسکی کمال کی نہایت کا مرجع اور اُسکے سفر کا منتہیٰ ہے اور روح محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کہ سب مخلوقات سے اکمل ہے رب اُسکا اسم اعلیٰ ہے اور وہ
عبارت ہے اُس ذات سے جو جامع ہے سب کمال کی صفتوں کی اور معنی اُس اسم کے تسبیح کے یہ ہیں کہ ماسوائے حق سے تجرد کرے اور نظر کرنے سے غیر کی طرف اپنے کو بچاوے تاکہ تیری
ذات پر کمالات حقانیہ سب کی سب بارش فرماویں کہ استعداد تام قبول کرنے کو کمالات الٰہی کے سوائے ذات محمدی کے کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہے اور تسبیح
ہر چیز کی کہ اُس چیز کے ساتھ خاص ہے وہ تسبیح ایک اسم کی ہے اسمار الٰہی سے کہ وہ اسم مربی اُس چیز کا ہے اور مرجع اُس چیز کے کمال کا حاصل کلام کا یہ ہے کہ لانا
اس اسم کا اُس مقام پر اس فائدہ کے واسطے ہے کہ جو کمال کہ تجھ میں ظاہر ہوا ہے اُسمیں اسبات کا خوف مت کر کہ کبھی اُسمیں نقصان و خلل پاویگا کیونکہ تیرا پروردگار
وہی ہے اعلیٰ کہ مبدا اور مرجع ہر کمال کا ہے اور ہر چیز کو اُسکے لائق کمال کے درجہ کو پہنچا دیتا ہے اور اُسکے کام تکمیل اور تربیت میں ناتمام نہیں رہتے چنانچہ
گواہی دینے کو اس مطلب کی اور ثابت کرنے کو اسبات کے کہ اللہ تعالیٰ مبدا اور مرجع ہر کمال کا ہے تین صفتیں دوسری یاد فرماتے ہیں کہ **الَّذِي**
خَلَقَ فَسَوّٰى یعنی پروردگار تیرا وہ ذات ہے کہ پیدا کیا ہر چیز کو پھر پورا کیا اور معتدل بنایا حاصل یہ ہے کہ پیدائش کو ہر چیز کی باعتبار خواص اور
منفعتوں اور اُن فائدوں کے جو اس چیز سے منظور ہیں کمال کے درجے کو پہنچایا ہے اور ایک خاص مزاج کہ ان کمالوں کو قبول کرے اور وے منفعتیں اور
فائدے اُس سے ظاہر ہوں اُسکو بخشا ہے چنانچہ جو شخص حیوانات کی قسموں کو انسان اور ہاتھی سے لیکر مچھر اور پسو تک غور کرے اور اسی طرح سے نباتات اور
معادن کو دھیان کرے تو یقینی جان لے کہ ہر چیز کو اس چیز کے فائدے اور منفعتیں حاصل ہونے کا اسباب عنایت فرمایا ہے **وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدٰى**
اور تیرا پروردگار وہ ذات پاک ہے کہ اندازہ فرمایا ہے ہر شخص کے واسطے ایک کمال کو پھر راہ بتائی ہے اسکو اپنے کمالات حاصل کرنے کی یہاں تک کہ بچے کو
ماں کے پیٹ میں پیٹ سے باہر نکلنے کی راہ الہام فرماتا ہے اور پیٹ کے نکلنے کے ساتھ ہی دودھ پینا اور رونے سے اپنا حال ظاہر کرنا اسکو الہام ہوتا ہے اور نر
کو مادہ پر جست کرنا اور پانی میں تیرنا اور کنوئیں باؤلی کا پہچاننا اور دوسرے معاش کے کاموں کی مصلحتیں غیب سے تلقین ہوتی ہیں اور شہد کی مکھی کو
مہندسی کے فن میں کامل کیا ہے کہ عجیب اور غریب طرح کے گھر بناتی ہے پھر اُسمیں سے شہد نکالتی ہے اور کہتے ہیں کہ سانپ جاڑوں میں ہوا کی سردی سے اندھا
ہو جاتا ہے پھر جب بہار کے دن آتے ہیں تو سونف کے درخت کی طرف جاتا ہے اور اپنی آنکھوں کو اُسکے پتوں پر ملتا ہے یہانتک کہ اُسکی آنکھیں روشن
ہو جاتی ہیں اور جو کچھ کہ امورات جانوروں اور حشرات کو معاش کے اسباب حاصل کرنے میں اور توالد اور تناسل اور دوسرے امورات ضروری کے واسطے الہام
ہوتے ہیں سو یہ سب احوال کتاب عجائب المخلوقات میں خوب تفصیل سے لکھے ہیں اور حکما نے کہا ہے کہ ہر مزاج مستعد ایک قوت خاص کا ہے اور ہر قوت
قابل ایک کام معین کے ہے اور تقدیر اسی سے عبارت ہے کہ اجزا کو جسم کے اس طور سے بنا دیں کہ ایک قوت کے قبول کرنے پر مستعد ہووے اور ہدایت عبارت ہے اُس
قوت کے فیض دینے سے تاکہ مصدر اُس معین کام کا ہو جاوے اور ان دونوں تصرفوں سے صلاحیت عالم کی منتظم کی ہے **وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعٰى**

اور پروردگار تیرا وہ ذات ہے کہ اپنی قدرت سے ایسی چیز نکالی ہے کہ اسکو جانور چرتے ہیں جیسے گھاس کہ بہائم اور وحوش اسکو کھاتے ہیں اور طرح طرح کے
پھول اور ریحان کہ شہد کی مکھی اور شکر خورہ اور دوسرے پرندے اسکو غذا کرتے ہیں اور طرح طرح کی کھیتیاں اور میوے اور پھل کہ آدمی اور بعضے جانور اسکے کھانے
سے فائدہ مند ہوتے ہیں **فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى** پھر کر ڈالا اس کھیتی کو خشک سیاہ کہ جاڑے کی خشکی اور سردی کے سبب سے رطوبت اور طراوت
اسکی جاتی رہتی ہے اور خشک اور سیاہ ہو کر ذخیرہ کرنیکے کام آتی ہے کہ نایابی کے وقت میں کام آئے اور یہاں پر سمجھ لیا چاہیئے کہ اسباب کے ثابت کرنے کو کہ پروردگار
عالم کا سب آدمیوں سے اونچا ہے اور مرجع ہر کمال کی ابتدا اور انتہا کا ہے ان تینوں صفتوں کو اختیار فرمایا ہے اور نکتہ اسکا یہ ہے کہ تمام عالم میں کمال تین
قسم سے باہر نہیں ہیں کیونکہ ہر شے کا کمال یا اپنی ذات میں ہے یا غیر کے نفع کے واسطے اور کمال ذاتی یا باعتبار جسم اور ظاہر کے ہے یا باعتبار روح اور باطن
کے پس کمال ذاتی کے ثابت کرنے کو کہ تعلق جسم و ظاہر سے رکھتا ہے اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى لایا گیا اسواسطے کہ پیدا کرنے میں ہر چیز کے رعایت جسم کے عدل
کی اور مناسبت اعضا کی اور برابر کرنا ہاتھ کا ہاتھ سے اور کان کا کان سے اور آنکھ کا آنکھ سے اور پاؤں کا پاؤں سے کمال زیب و زینت کے ساتھ ظاہر اور موجود ہے
اور ثابت کرنے کو کمال ذاتی کے کہ روح سے تعلق رکھتا ہے وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى لایا گیا کیونکہ ارواحوں کی استعداد کے اندازے کو مختلف کرنا پھر موافق استعداد
کے راہ دکھانا تاکہ اس کمال کو کہ اسکی استعداد کے لایق ہے حاصل کرے یہ بھی آنکھوں کے روبرو نظر آتا ہے اور ثابت کرنے کو اس کمال کے کہ غیر کے نفع سے تعلق
رکھتا ہے وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى لایا گیا کیونکہ پیدا کرنا جانوروں کی گھاس کا اور آدمیوں کی غذا کا اور طرح طرح کی خوشبوئیوں کا اور
لباسوں اور دواؤں اور زہروں کا اور ایک وقت معین تک انکو رطوبتوں اور طراوتوں سے بڑھانا اور پھر اسکے خشکی اور سردی کے مسلط کرنے سے زیادتی رطوبتوں
کو انسے دور کر ڈالنا تاکہ مدتوں رہنے سے سڑنے نہ پاویں اور ذخیرہ ہو سکیں ایک دلیل قوی ہے ابتدا اور انتہا پر اس کمال کے اور جو معلوم ہوا کہ حقتعالی رب اعلیٰ
ہے کہ مرجع ہر کمال کا ہے ابتدا میں بھی اور انتہا میں بھی اور تجھکو اسکے نام کی تسبیح سے بڑی مناسبت اس جہت سے حاصل ہوئی ہے اب اپنے کمال کے نقصان
سے اندیشہ نہ کر کیونکہ **سَنُقْرِئُكَ** ہم آپ تجھکو پڑھاوینگے قرآن اور بلے انتہا علم تجھکو تعلیم کرینگے کہ اسی قرآن سے نکلتے ہیں اور تصفیہ اپنے قلب کا اس
تسبیح سے کر تا زنگ آلودہ نہو جاوے **فَلَا تَنْسٰى** پھر ہرگز نہ بھولیگا تو اسواسطے کہ تیری استعداد و تصفیۂ قلب کے سبب سے کمال کو پہنچیگی اور کوئی زنگ
غیب کے فیض کو حجاب نہو سکیگا **اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ** یعنی کسی چیز کو علوم غیبیہ سے جو تیری استعداد کے لائق ہے اور میثاق کے دن جو استعداد وں کی
تقسیم کا وقت تھا تیرے حصے میں پہنچی ہے ہرگز نہ بھولیگا مگر وہ جو اللہ تعالی نے چاہا ہے اور حکمت اسکی نے تقاضا فرمایا ہے کہ تیرے دل سے اس جہان میں بھول
جاوے تاکہ قیامت کے دن مقام محمود کے حاصل ہونے کے واسطے ذخیرہ ہووے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ مقام محمود میں مجھکو اس طرح کی حمد و ثنا اللہ تعالی تعلیم
فرماویگا کہ اسوقت مجھکو یاد نہیں ہے اور بے شبہ وہ محامد استعداد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی داخل تھے اور عالم روحانی میں التقات اجمالی ان حمدوں پر رکھتے
تھے گویا کہ اس دنیا میں ایک حکمت کے واسطے انکو بھلا دیا تھا اور بعضے قرآن کی آیتیں کہ سینۂ مبارک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محو ہو گئی تھیں اور بھول
گئی تھیں وہ بھی استثنا اللہ میں داخل ہیں کیونکہ بھلانا بھی ایک طرح کا منسوخ کرنا ہے چنانچہ سورۂ بقر میں فرمایا ہے کہ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ
مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا لیکن اتنا سمجھ لیا چاہیئے کہ بھلا دینا اسوقت علامت منسوخ ہونے کی ہوتی ہے کہ آنحضرت صلعم کے سینۂ مبارک سے اور ساری امت کے قاریوں کے دل سے
محو ہو جاوے والا حدیث صحیح میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایکبار نماز کی قرات میں ایک آیت چھوڑ گئے پھر بعد نماز کے ابی بن کعب سے پوچھا کہ میں اس سورت
میں کوئی آیت چھوڑ گیا ابی رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی کہ ہاں فلانی آیت رہگئی فرمایا مجھکو بتائی کیوں نہیں ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں
سمجھا کہ یہ آیت منسوخ ہو گئی فرمایا کہ نہیں میں ہی بھول گیا تھا اور اگر منسوخ ہوتی تو تمکو خبر کر دیتا **اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى** تحقیق وہ
اللہ تعالی جانتا ہے ان کمالوں کو جو تجھ میں ظاہر ہیں اور جلوہ گر اور ہر آن اعلی اسکو دیکھتا ہے اور جانتا ہے انکو جو کہ ہنوز تیری استعداد کی تہ میں پوشیدہ
ہیں اور اپنے وقت پر مصلحت کے موافق پوشیدگی سے فعل کی طرف ظہور کرینگے اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی استادی سے تسلی بخشی تاکہ حفظ قرآن
سے انکا دل فارغ ہو جاوے لیکن کمر یہ پودہ بیشک امر رشبہ پھیلنے والا ہے اور یہ بات اس طرح کی نہیں جیسے دوسرے انسانوں کے استاذ کسی شخص کی تعلیم کے درپے ہوتے

ہوتے ہیں اور وہ شخص بعض عارضوں کے سبب سے ناقص ہجاتا ہے تو اب دوسرے علموں کی حفاظت سے بھی انکی خاطر جمع فرماتے ہیں **وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ** اور آسان کردینگے ہم تجھپر آسانی کی راہ چلنا کہ اللہ کی طرف کے راستوں میں سے بہت نزدیک کا راستہ ہے معرفت میں بھی اور عبادت میں بھی اور ملک اور ملت کی سیاست میں بھی پس جو جو علم کہ ان تینوں چیزوں سے متعلق ہیں فوارے کی مانند تیرے دل سے جوش مارینگے اور ان علموں کے حاصل کرنے میں کچھ محنت اور مشقت بھی نہ کھینچیگا اور کسی کتاب اور دستور العمل اور مرشد اور استاد کا بھی محتاج نہوگا پھر جب حقیقت میں بات یوں ہے تو تجھکو یاد کرنے میں قرآن اور دوسرے علموں کے مبالغہ اور کوشش ضرور نہیں ہے بلکہ تجھ کو چاہئیے کہ دوسرونکو انکے بھولے ہوئے علم یاد دلاوے اور کامل ہونیسے کامل کرنے کی طرف رجوع کرے کہ ہمنے تجھکو محض امت کی تکمیل کی محنت اور رنج کے واسطے بھیجا اور تیری تکمیل ہمارے ذمے پر ہے چنانچہ فرماتے ہیں **فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَىٰ** پھر یاد دلا اگر نفع کرے یاد دلانا اور نصیحت کرنا تاکہ تیرا کمال متعدی ہوجاوے اور ہزاروں آدمی تیرے رنگ میں رنگ جاویں یہاں پر ایک سوال ہے جواب طلب کہ اکثر مفسر اس سے رنج وتعب میں ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب تذکیر اور وعظ اور پند دینا ہے خواہ کوئی قبول کرے یا نکرے پھر اس شرط کو کسواسطے بڑھایا ہے یہانتک کہ بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ مراد الہی یہ ہے کہ ان نفعت الذکری وان لم تنفع پس ایک قرینے کو محذوف رکھا ہے چنانچہ رب المشارق اور سرابیل تقیکم الحر میں بیان ہے اور دوسرے جواب بھی اسی قیاس سے ذکر کئے ہیں اور تحقیق مقام کی یہ ہے کہ تذکیر اور موعظت اور پند دینا یہ سب مشروط ہیں قبولیت کے ظن کے ساتھ اور منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکیر اور وعظ ہر شخص کا نہیں ہے ہاں حکم الہی کا پہنچانا اور ڈرانا اللہ تعالی کے عذاب سے تاکہ الزام حجت کا ہو اور عذر جہل و نادانی کا نرہے البتہ ہر شخص کے ضرور ہے لیکن اسکو تذکیر اور موعظہ نہیں کہتے ہیں اور سورۂ غاشیہ میں قول صریح یہی ہے کہ الا من تولی وکفر استثنا ہے فذکر سے تو اس سے صراحۃً یہی شرط بوجھی جاتی ہے اور یہ بات بھی ہوسکتی ہے کہ یہ شرط امر کی تاکید کے لئے ہے تذکیر کے واسطے یعنی اگر کسی کو تذکیر نفع کرے تو تجھ کو تذکیر کرنا چاہئیے اور یقین ہے کہ تذکیر البتہ عالم میں کسی کو نفع کریگی گو ہر کسی کو نفع نہ کرے پس گویا معلق ہونا ایک شے کا ایسی چیز پر ہو جسکا واقع ہونا ضروری ہے کہ یہ مرجب تاکید کا ہے چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ قد کان فیما قبلکم من الامم محدثون فان یک فی امتی احد فانہ عمر +

اور یہاں پر دو سوال دوسرے بھی تفسیروں میں بیان کرتے ہیں سو وہ سوال مع جواب لکھے جاتے ہیں اول تو یہ ہے کہ معلق کرنا کسی شرط پر اس شخص کے واسطے جائز ہے جسکو کام کے انجام کی خبر نہو اور اللہ تعالی تو علام الغیوب ہے اُسکے کلام میں تعلیق کے کیا معنی ہونگے اسکا جواب یہ ہے کہ انبیاء کی دعوت اور مبعوث ہونا سب ظاہر کی چیزوں کے واسطے ہے پوشیدہ چیزوں کے واسطے نہیں ہے اسیواسطے حضرت موسی علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کی حرکتوں میں کہ ظاہر میں بری تھیں اور باطن میں اچھی گرفت فرمائی اور حضرت موسی علیہ السلام کو بھی فرعون سے ہمکلام ہونے میں ارشاد ہوا کہ فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشی یعنی فرعون سے کلام نرم کرو شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا خدا سے ڈرے حالانکہ علم الہی میں مقرر تھا کہ وہ نصیحت قبول نکریگا اور حق تعالی سے نڈریگا دوسرے یہ کہ وعظ کا نام تذکیر کسواسطے رکھا حالانکہ عرب کی لغت میں تذکیر کے معنی یاد دلانے کے ہیں اور یاد دلانا اُس چیز میں ہوتا ہے کہ اول سے معلوم ہو لیکن فی الحال بھول گئی ہو **جواب** اسکا یہ ہے کہ دین کی خوبی اور اللہ تعالی کی عبادت اور توحید اس ذات پاک کی عقلوں میں بنی آدم کے موافق اصل جبلت کے گڑی ہوئی ہے چنانچہ فرمایا ہے فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا پس گویا ہر شخص کی ذات میں دین کے کاموں پر علم حاصل تھا لیکن بسبب پیدا ہونے موانع کے بھول گیا تھا اب وعظ اور نصیحت پیغمبروں کی اُس بھولے ہوئے علم کے یاد دلانے کے واسطے ہے اسیواسطے بعضے عقلانے کہا ہے کہ ارواح بنی آدم کی اُن چیزوں کو کہ جاننا انکا ضرور ہے بدن کے تعلق سے پہلے جانتی ہیں جو اس دنیا میں آئیں اور بدن کی تدبیر میں مشغول ہوگئیں تو وہ سب بھول گئیں جیسے کمال بڑھاپے کی حالت میں کہ تدبیر بدن کی مشکل پڑ جاتی ہے تو پچھلی یاد باتیں بھول جاتی ہیں پس انکو یہی معلوم باتیں جو بھول گئے ہیں انبیاء اور وعظ یاد دلاتے ہیں چنانچہ اس حدیث سے کہ الارواح جنود مجندۃ ما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف یعنی سب روحیں مثل لشکر کے ہیں اکٹھا کی گئیں جسے پہچان وہاں کی ہے اس سے

دنیا میں آپسمیں محبت ہوتی ہے اور جسے پہچان نہیں اُنمیں محبت نہیں ہوتی یہی بُواسی بات کی آتی ہے اور افلاطون حکیم سے بھی یہی منقول ہے
کہ اپنے شاگردوں سے کہتا تھا انی لست اعلمکم ما کنتم تجهلون ولکنی اذکرکم ما کنتم تعلمون بیشک میں تمکو نہیں سکھلاتا جو تمکو نہیں معلوم
ہے ولیکن یاد دلاتا ہوں میں تمکو جو تم جانتے تھے اور جو بیان فرمایا کہ تجھ کو خلق اللہ کے نفع کے واسطے تذکیر کرنا چاہئے اب بیان اُس شخص کا جسکو
پیغمبر کی تذکیر سے فائدہ ہوگا فرماتے ہیں **سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى** اب سمجھ جاویگا جسکو اللہ کا ڈر ہے ہر چند کہ تجھ کو علی العموم نصیحت کرنا فرض ہے
لیکن ہر شخص کو اُس سے فائدہ نہوگا بلکہ نفع اسکا استعداد کی شرط کے ساتھ مشروط ہے اسیواسطے کہا گیا ہے **بیت** اصل استعداد و شرط صحبت
مردچوں کور است عینک لعبت است ۔ اور علامت خدا کے خوف کی دل کا نرم ہونا اور سلامت کھنا جان کا بیہودہ و رپوچ باتوں سے مصاحبوں کی
تاکہ نورانیت و صفائی روح کی ظلمت اور کدورت سے بدل نجاوے اور نبوت کی شعاع سے روشنی قبول کرتی رہے اور بعضے مفسروں نے اس آیت کے معنی یوں لیے
کہے ہیں کہ بار بار کی نصیحت کر اگر ایکبار کی بھی نصیحت نے نفع کیا ہو کیونکہ جلد ہی پوری نصیحت پکڑیگا جو کہ ایک ہی بار نصیحت کرنے میں خدا سے ڈرا
پس اس صورت میں اشکال بھی بالکل جاتا رہا اور علامت بھی اُس شخص کی کہ اسکو نصیحت نفع کرے بیان ہوگئی اور تفعیل کا باب کہ تکرار کے معنوں پر
دلالت کرتا ہے ان معنوں کے ساتھ نہایت مناسب ہو گیا واللہ اعلم اور جب فائدہ لینے والوں کی نصیحت کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب فائدہ نہ لینے والوں
کا بیان فرماتے ہیں **وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى** ۙ اور کنارہ پکڑیگا اس نصیحت سے وہ شخص جو بڑا بدبخت ہے اور حقیقت میں وہ شخص وہ ہے کہ کچھ خدا کا
خوف نہیں رکھتا ہے اور عداوت اور عناد کی راہ سے کفر کرتا ہے پس حقیقت کلام کی اس طرح سے تھی کہ ويتجنبها من لا يخشى لیکن اسبات کی
آگاہی کے واسطے کہ جو شخص کہ خدا کا خوف نہیں رکھتا ہے نہایت بدبخت ہے اسواسطے اشقی کو من لا یخشی کی جاے پر لائے ہیں اب یہاں پر سمجھ لیا
چاہئے کہ آدمی کی شقاوت یہ ہے کہ عمل اور اعتقاد اُسکا درست نہو اور جس کا عمل نادرست ہے اور اعتقاد درست ہے وہ بھی شقی ہے لیکن جو شخص کہ اعتقاد
بھی فاسد رکھتا ہے وہ اُس سے بھی زیادہ بدبخت ہے پھر اگر کوئی قصور اُسکے اعتقاد میں جہل بسیط کے سبب سے ہے یا مالوف ہونے اور تقلید کرنے کسی مذہب
کی مذاہب باطلہ سے تو اسکو ممکن ہے کہ نیک نصیحت سے اور مرشد کے سمجھانے سے راہ پر آجاوے اور جو شخص کہ اسکا اعتقاد بسبب عناد کے نادرست ہے کہ دیدہ و دانستہ
انکار حق کے کئے جاتا ہے اور ایک بڑا حجاب کثیف اُسکے استعداد کے آئینے پر پیدا ہوا ہے کہ ہرگز تعلیم سے معلم کی اور ارشاد سے مرشد کی اصلاح اسکی ممکن
نہیں رہی ہے اور بدبختی کی نہایت کو پہنچا ہے وما تغنی الآیات والنذر اُسی کی شان میں ہے اور اس آیت میں مراد شقی سے وہی ہے اور انجام اُسکے
کام کا یہ ہے کہ **الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى** یعنی یہ شخص وہ ہے جو داخل ہوگا بڑی آگ میں کہ اُسکا وصف سورۂ واللیل میں جس جگہ
پر کہ فرمایا ہے کہ فانذرتکم نارا تلظی اور وہ ایک آگ ہے نیچے کے طبقے میں دوزخ کے کہ ساتواں درجہ ہے اور فرعون والے اور اُس امت کے منافق اور حضرت
عیسے علیہ السلام کے مائدے کے منکر اُسی طبقے میں ہونگے اور دوسرے طبقوں کی آگ سے سوزش میں بہت تیز ہے اور ہر چند کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ
نارکم هذه جزء من سبعين جزءا من نار جهنم کلهن مثل حرها یعنی یہ دنیا کی آگ سترواں حصہ ہے دوزخ کی آگ سے گرمی میں پس دوزخ کی آگ کی
اصل نسبت دنیا کی آگ کے بہت بڑی اور بزرگ ہے اسیواسطے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ نار کبریٰ جہنم کی آگ ہے اور نار صغریٰ دنیا کی
آگ ہے لیکن جو آگ کہ اُسکے درکے میں ہے بہ نسبت دوسرے درکوں کی آگ کے جہنم کی آگ کا حکم رکھتی ہے دنیا کی آگ کی نسبت سے پس آتش کبریٰ حقیقت
میں وہی آگ ہے اور سبب اُس آگ کی گرمی کی زیادتی کا بہ نسبت دوسری آگوں کے اس مثال سے سمجھ لیا چاہئے کہ دنیا کی آگ سرد ملک میں عین سردی
کے موسم میں برف پڑنے کی حالت میں سردی کے کام میں مشغول ہونیکے وقت جیسے ملاحی اور سقائی علی الخصوص بڑھاپے میں اور مزاج بھی سرد ہو
جیسے بوڑھا بلغمی مزاج اسقدر سوزش رکھتی ہے کہ اُسکا تحمل بدن پر نہیں ہوسکتا پھر وہی آگ گرم ملک میں عین دوپہر کے وقت گرمی کے موسم میں
گرمی کے کام میں مشغول ہونیکے وقت جیسے باورچی گری اور نان پزی علی الخصوص جوان صفراوی مزاج کو کہ روزہ دار بھی ہو اور تپ بھی چڑھی ہو
تو قیاس کیا چاہئے کہ کتنا تفاوت رکھتی ہے پس اسی قیاس پر تفاوت اُس آگ کی گرمی کا دوسری آگوں کی گرمی سے قیاس کر لیا چاہئے والعیاذ

باللہ من کل اصناف البلا اور جو دنیا میں ہر مصیبت کہ آدمی کو پیش آتی ہے نہایت اسکی یہ ہے کہ موت کو پہنچا دیتی ہے اور موت موجب خلاصی اور راحت
کا اس مصیبت سے ہو جاتی ہے اور اس بدبخت کو اس راحت سے بھی محروم رکھا ہے کہ باوجود ایسی گرمی کی شدت کے ہلاک نہیں ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں
ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا پھر باوجود اسقدر عذاب کی شدت کے اور دراز ہونے مدت کے نہ مریگا اُس آگ میں کہ بسبب مرنے کے جسم اسکا اس بلا
سے علیحدہ ہو جاوے اور روح اسکی اس دکھ سے نجات پاوے کیونکہ بنیاد اُس عالم کے بدنوں کی ایسی نہیں کہ روح اُس سے جدا ہو سکے اور بھید اسمیں
ہے کہ احکام روح کے اس عالم میں بدن پر غالب ہونگے اور بدن حکم روح کا پیدا کرینگے اور روح کا معدوم ہونا محال ہے اسیواسطے دنیا میں ہر چند
کہ محنتیں سخت اور مصیبتیں بے انتہا پیش آتی ہیں لیکن روح فنا نہیں ہوتی بلکہ نہایت بیقراری اور دکھ سے بدن کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے اور جو
وہاں کے بدن حکم ارواح کا پیدا کرینگے تو بگڑنا ترکیب کا بھی اُنسے غیر ممکن ہوگا **وَلَا يَحْيٰى** اور نہ جیے گا کیونکہ اسکی روح ہمیشہ کو دکھ اور عذاب میں
ہے یہانتک کہ موت کی آرزو کرینگے اور موت نہ آویگی اور اس قسم کی زندگانی حقیقت میں زندگانی نہیں ہے ؎ عمر چوں خوش گذرد زندگی خضر
کم است ۞ ور بنا خوش گذرد نیم نفس بسیار است ۞ پس پوست اُنکے بدن کا آگ کی تاثیر سے جل جاویگا پھر روح کے غلبے کے سبب سے آناً فاناً دوسرا نیا
چمڑا پیدا ہوگا تاکہ اسمیں ایذا اور دکھ زیادہ ہو چنانچہ زخم پر انگور آنے کے بعد دنیا میں تجربہ میں آچکا اور جو آیت **سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَخْشٰى** میں بیان اس
شخص کا جو تذکیر سے پیغمبروں کی فائدہ مند ہوتا ہے کیا گیا تو فرماتے ہیں کہ خوف الٰہی کا ہونا آدمی کے دل میں سننے سے پند اور نصیحت بزرگوں کی تمام
ہے کمال کی اور نہایت کمال کی دوسری چیز ہے اعتماد کرنا فقط خوف ہونے پر نہ چاہیئے کیونکہ اگر وہ خوف دل کے خیال کی مانند آیا اور چلا گیا تو کچھ کام
آیا ہوا نہیں جبتک دل میں جم نہ جاوے اور ہر عضو کو برے کاموں سے بند نہ کرے اور اچھے کاموں پر قائم کر دے پھر جب ایسا ہو گیا تو اسوقت قابل اعتبار
کے ہوا اور سبب ہو گا رستگاری کا **قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى** تحقیق مراد کو پہنچا جو پاک ہوا اور پاکی کی کئی قسمیں ہیں اول دل کی پاکی کفر
اور شرک سے اور باطل عقیدوں سے اور بری نیتوں اور بداخلاق سے جیسے غل یعنی بدباطنی اور حقد یعنی کینہ اور دغا بازی اور حسد و تکبر اور سوا اسکے
جو اس طرح کی چیزیں ہیں دوسری بدن کی پاکی اور کپڑوں کی نجاستوں سے جیسے پیپ اور لہو اور بول و براز اور منی اور مذی اور سوا اسکے تیسری
پاکی بدن کی حدث اور جنابت سے وضو اور غسل کے ساتھ چوتھی پاکی بدن کی پیدا ہونیوالی چیزوں سے جیسے ناف کے نیچے کے بال اور بغل کے اور ناخن اور بدن
میل سوا اسکے اور اگر کسی کی ڈاڑھی یا سر کے بال لمبے ہوں تو ہر ہفتے میں جمعہ کے دن اُن بالوں کو دھونا اور کنگھی کرنا اور عطر ملنا سنت مؤکدہ ہے
پانچویں مال کی پاکی کرنا زکوٰۃ اور صدقات کے دینے سے اور سود کا مال ملجانے سے بچانا اور دوسرے طور کے حرام مالوں سے جیسے جوا اور زنا کی اجرت اور گھیا
لگانے کی اجرت یا جو نجس چیزوں کی تجارت سے حاصل ہو جیسے کچے چمڑے اور ذبح کی اجرت اور دوسرے کام کہ انمیں نجاست ہاتھ میں بھرنا پڑے **وَ
ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ** پھر بعد کمال طہارت کے لیا اپنے پروردگار کا نام تکبیر تحریمہ میں جو شروع نماز میں ہے اور قرأت اور تسبیح اور تشہد میں اور حاضر رکھنا دل
درمیان میں نماز کے اور زبان اور دل سے یاد کرنا سوا نماز کے وقتوں کے کیونکہ ذکر سبب ہے استعداد کی صفائی کا اور کمالات کی زیادتی کا اور جسقدر کہ ذکر
میں نام پروردگار کا بہت لیا جاتا ہے اسیقدر معرفت کا درخت بڑھتا ہے **فَصَلّٰى** پھر نماز پڑھی اور جس ذکر کو کہ دل اور زبان سے کرتا ہے اسکو جوارح سے
یعنی ہاتھ پیر وغیرہ سے ملا کر ایک صورت ظاہر میں بنائی اور دل اور زبان اور جوارح یعنے ہاتھ پیر وغیرہ کی موافقت سے
کمال مرتبہ منعم حقیقی کی نعمتوں کا شکر حاصل کرے۔ ــــ حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں
اشارہ ہے سلوک کی منزلوں کی طرف کہ اول اسکے توبہ ہے اور بعد اسکے تزکیہ اور تصفیہ نفس کا ہے یعنی پاک اور صاف کرنا دور کرنے سے بری صفتوں
کے اور حاصل کرنے سے نیک صفتوں کے اور بعد اسکے ہمیشگی ذکر لسانی اور قلبی اور روحی اور سری کی ہے اور بعد اسکے پہنچنا ہے مشاہدات کے مقام کو پس
قد افلح من تزکی اشارہ ہے اول مرتبے کی طرف اور ذکر اسم ربہ اشارہ ہے ذکر قلبی کے ہمیشہ ہونے کی طرف اور **فصلی** اشارہ ہے مشاہدہ کا مرتبہ حاصل
ہونے کی طرف کہ الصلوٰۃ معراج المؤمنین کے یہی معنی ہیں اور حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی صدقہ فطر کا ادا کرے اور عیدگاہ کے راستے میں
بھی تکبیریں کہتا جاوے اور عیدگاہ میں پہنچنے کے بعد بھی کہے اور عید کی نماز پڑھے تو میں امیدوار ہوں کہ اس آیت کی بشارت میں داخل ہوگا پس ترکی کا

لفظ اس سورے میں زکوٰۃ سے ماخوذ ہے اور صدقہ فطر کا واجب ہونا فرض حکم زکوٰۃ کا رکھتا ہے پس تزکّی لفظ اشارہ صدقہ فطر کے دینے کی طرف ہوا اور
ذکر اسم ربّہ اشارہ ہے عید کی تکبیروں کی طرف اور فصلّٰی اشارہ ہے عید کی نماز کی طرف پس مقصود حضرت امیر المومنین کا اس تفسیر سے یہ ہے کہ
کہ ہر جگہ قرآن میں زکوٰۃ کا ذکر نماز کے بعد آیا ہے اور یہاں پر جو نماز پر بلکہ ذکر پر بھی مقدم کیا ہے تو ضرور کوئی خاص صورت مراد ہے کہ اسمیں یہ تینوں کام ترتیب سے
واقع ہوں اور وہ صورت شرع میں سوا اس صورت کے نہیں ہے اور اکثر فقہانے ان تینوں سے شرطیں و ارکان نماز کے مراد رکھے ہیں اور کہتے ہیں تزکّی کے اشارہ
ہے طہارت کی طرف خواہ وضو ہو اور غسل خواہ تیمم اور ذکر اسم ربّہ اشارہ ہے تکبیر تحریمہ کی طرف اور فصلّٰی اشارہ ہے نماز ادا کرنیکی طرف اور حضرت امام اعظم
رحمۃ اللہ علیہ نے موافق اس تفسیر کے دو مسئلے فقہ کے مسئلوں سے اس آیت سے نکالے ہیں تخیّیں ہے ایک تو یہ ہے کہ تحریمہ باندھنے کے وقت بالخصوص اللہ اکبر کا لفظ کہنا
لازم نہیں ہے جو چیز کہ خدا کا ذکر ہو سکے کفایت کرتی ہے جیسے الرحمٰن اعظم یا لا الٰہ الا اللہ یا سبحان اللہ مگر جو ذکر کہ ملا ہوا غرض اور حاجت سے ہو شروع نماز کا
اس سے جائز نہیں جیسے اللھم اغفر لی کیونکہ ذکر خالص نہیں ہے اور ایک یہ بھی ہے کہ تکبیر تحریمہ انکے نزدیک نماز کی شرط ہے رکن نہیں ہے یعنے نماز میں داخل
نہیں کیونکہ فصلّٰی کو ذکر اسم ربّہ کے بعد حرف عطف کے ساتھ لائے ہیں کہ معطوف اور معطوف علیہ کی مغایرت پر دلالت کرتا ہے اور اسی مذہب سے یہ
بات بھی نکلتی ہے کہ اکثر نماز کی شرطیں جیسے طہارت اور ستر عورت اور روبقبلہ ہونا اگر تکبیر تحریمہ کے وقت کسی کو حاصل ہو اور بلا فصل بعد اسکے حاصل ہو جاوے تو نماز
اسکی درست ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ بھی نماز میں داخل ہے اسواسطے کہ تکبیر مذکور قیام کی حالت میں واقع ہوتی ہے اور
قیام نماز کا رکن ہے اور جو ارکان کہ بطور فرضیت کے مقرر ہوئے ہیں وہ بھی نماز کے ارکان ہیں پس سب شرطیں نماز کی انکے مذہب پر
تکبیر تحریمہ کی حالت میں ضرور چاہئیے اور جو ان آیتوں میں فرمایا کہ حاصل ہونا کمال کا اور خلاصی عذاب سے موقوف تطہیر اور ذکر اور نماز پر ہے کہ خدا کے خوف کا
پھل ہے تو مقام اسبات کا تھا کہ کافر بطریق شبہہ کے ذکر کریں کہ ہمکو باوجود کمال عقل و دانش کے کسواسطے خوبی ان اعمالوں اور افعالوں کی معلوم نہیں ہوتی اور سبب ہونا
اس اسباب کا حاصل کرنے کو فلاح کے کسواسطے ہماری نظروں سے پوشیدہ اور مخفی رکھا ہے جواب میں اسکے فرماتے ہیں کہ تم سب لوگ بسبب شقاوت ازلی کے ان چیزوں کے
کمال کو نہیں جانتے ہو **بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا** بلکہ اختیار کرتے ہو تم دنیا کی زندگانی کو آخرت پر اور دنیا ایک سبزہ زار سے بڑھکر نہیں ہے
اور انجام اسکا سوکھی گھاس کی طرح سے سیاہ ہو جاتا ہے اور جاتی رہتی لذتوں میں دنیا کی اور حاصل کرنے میں نام وجاہ کے کمال کو منحصر جانتے ہو حالانکہ دنیا کی زندگانی
ہرگز اس قابل نہیں کہ آخرت کی زندگانی پر ترجیح دی جاوے کیونکہ **وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ** اور آخرت سب کی سب اسمیں نیکی ہے بدی کو اسمیں گنجایش نہیں
بخلاف دنیا کی زندگانی کے کہ ہر چند نعمت اور جاہ و حشمت سے گذاری جاوے لیکن اسمیں رنج اور فکر اور غم اسکو لازم ہے اور کوئی نعمت دنیا کی نظر نہیں آتی مگر
ایک غم کھا اور ضعف اور کملانا اسکے پیچھے لگا ہے اور اگر بالفرض دنیا بھی نیک ہو اور کسی طرح سے شر اور بدی اسمیں گنجایش نکرے اگرچہ یہ فرض محال ہے پھر بھی
دنیا اس قابل نہیں ہے کہ آخرت پر ترجیح دی جاوے کیونکہ آخر دنیا فانی ہے اور آخرت باقی چنانچہ فرماتے ہیں **وَاَبْقٰی** اور آخرت بہت باقی ہے دنیا سے کیونکہ
دنیا کی بقا ہر چند کہ دراز و طویل ہو لیکن فنا اسکے پیچھے لگی ہے اور آخرت کی بقا کو فنا کا کھٹکا ہی نہیں اسیواسطے کہا گیا ہے ؎ حاصل دنیا زکہن تا بنو +
چوں گذرندہ است نیرزد بجو + غرض دنیا سے یہی ہے کہ اسکو آخرت کا وسیلہ کریں کہ الدنیا مزرعۃ الاخرۃ یعنی دنیا کھیتی ہے آخرت کی چنانچہ عقلانے کہا ہے
کہ دنیا کو چلتے گھر کی طرح سے سمجھ جہانتک ہو سکے اسمیں سے باہر نکال ؎ حافظا عمر عزیز است غنیمت دانش + گوی چیزے کہ توانی بہ برازمید انش +
نکتہ فہموں نے کہا ہے کہ اس کلام اعجاز نظام میں باوجود کمال اقتصار کے دو دلیلیں قوی باطل کرنے پر دنیا کی ترجیح کے آخرت پر مذکور ہیں یعنی ایک تو خیر ہونا
دوسرے باقی رہنا اسواسطے کہ عاقل ہرگز ادنی کو اعلی کے بدلے میں نہ لیگا اسی طرح سے فانی کو باقی کے بدلے اختیار نہ کریگا پس ترجیح دنیا کی آخرت پر تاجروں کی
مقتضائے عقل کے بھی خلاف ہے کہ بادشاہوں اور امیروں اور علماء اور حکماء سے بہت کم عقل رکھتے ہیں اور جو مضمون کہ ترجیح دنیا کی آخرت پر نہ چاہیے
اور دل کو دنیا سے نہ لگایا چاہیے مقتضائے نفوس بنی آدم کے خلاف دیکھا کہ انکی جبلت میں محبت دنیا کی اور منہ پھرانا آخرت سے ودیعت ہے یعنے امانت ہے اور
ہرگز آخرت کی ترجیح کو وہم بھی انکا باور نہیں کرتا لاچار واسطے ثابت کرنے اس مطلب کے اگلی کتابوں کی سند سے کہ عالم کے فرقوں کے نزدیک علی الخصوص عرب کے
ملک کے رہنے والوں پاس مسلّم الثبوت تھیں لاکر فرماتے ہیں **اِنَّ ھٰذَا** تحقیق یہ مضمون کہ قد افلح من تزکّی سے یہانتک کہ مذکور ہوا **لَفِی الصُّحُفِ**

الۡاُوۡلٰی البتہ اگلی کتابوں میں بھی مذکور ہے اور کسی وقت میں یہ مضمون منسوخ اور بدلا نہیں گیا **صُحُفِ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ مُوۡسٰی** صحیفوں میں حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے کہ اُنپر آسمان سے نازل ہوئے تھے پس یہ اُن قاعدہ کلیوں سے دین اور شریعت کے ہے کہ کسی پیغمبر کے زمانے میں منسوخ نہیں ہوئے اور انکار انکا گویا علوم نظریہ کا انکار ہے کہ سوفسطائیوں کا کام ہے اور کشاف میں مذکور ہے اور بعضی حدیث کی کتابوں میں بھی سند ضعیف سے دیکھنے میں آیا ہے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتنی کتابیں نازل ہوئی ہیں آپنے فرمایا کہ ایکسو چار کتابیں حضرت آدم علیہ السلام پر دس صحیفے اور حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے اور حضرت ادریس علیہ السلام پر تیس اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اور توریت اور انجیل اور زبور اور فرقان اور طیبی کشاف کے حاشیہ میں ایکسو چودہ لایا ہے اور اُن سب میں سے دس صحیفے سوائے توریت کے موسیٰ علیہ السلام پر زیادہ کہتے ہیں واللہ اعلم۔ لیکن یہودیوں کی زبانی سننے میں نہیں آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سوائے توریت کے دس صحیفے اور بھی نازل ہوئے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے تو موجود ہیں انمیں طرح طرح کے وعظ اور نصیحتیں ہیں چنانچہ انمیں سے ایک یہ ہے کہ ینبغی للعاقل ان یکون حافظاً للسانہ عارفاً بزمانہ مقبلاً علی شانہ یعنی عاقل کو چاہئے کہ اپنی زبان کو نگاہ رکھے اور اپنے زمانے کو پہچانے اور اپنے کام پر بالکل مصروف ہو جاوے +

سورۃ الغاشیۃ

یہ سورۃ مکی ہے اسمیں سولہ آیتیں اور بہتر کلمے اور ایک سو اکیانوے حرف ہیں اور حدیث صحیح میں مکرر آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نمازوں میں خصوصاً جمعہ کی نماز میں اور عشا کی اس سورے کو سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلٰی کی سورت کے ساتھ دونوں رکعتوں میں جمع فرماتے تھے پس ربط اس سورے کا سَبِّحِ اسۡمَ کی سورت کے ساتھ اشارہ نبوی سے ثابت ہوا اسیواسطے صحابہ کرام نے قرآن جمع کرنیکے وقت اس سورے کو پیچھے سبح اسم کی سورت کے رکھا ہے اور تامل کرنیسے بہت سی وجہیں ربط کی ظاہر میں بھی نظر آتی ہیں چنانچہ انمیں سے ایک یہ ہے کہ اس سورے میں فذکر انما انت مذکر ہے اور اس سورے میں فذکر ان نفعت الذکریٰ ہے اور اس سورہ میں تصلی نارا حامیۃ اور اُس سورہ میں یصلی النار الکبریٰ واقع ہے اور خلاصہ اس سورت کا اس مضمون پر ہے کہ دنیا کی زندگانی کو اختیار کرنا برا ہے اور آخرت ہر صورت سے بہتر ہے اور اس سورت میں تفصیل اُن لوگوں کے حال کی ہے کہ دنیا کی لذت میں مشغول ہیں اور آخرت کو بھلا دیا ہے اور اُن لوگوں کا حال ہے کہ دنیا میں آخرت کی زندگی کے واسطے مشقتیں کھینچی ہیں اور تفصیل آخرت کی خوبی کی بھی ہے کہ طرح طرح کی نعمتیں وہاں موجود ہیں اور سب باقی غیر فانی ہیں پس گویا اسبات میں یہ سورت تمامی اُس سورت کی ہے گوکہ بندوبست میں کلام کے مشابہت کم ہو اور اس سورے کو سورہ غاشیہ اسواسطے کہتے ہیں کہ غاشیہ نام قیامت کا ہے اور اول میں اس سورت کے ہول قیامت کے ڈرانا ہے اور ڈرانا قیامت کے حالات سے بڑا مقصود قرآن کا ہے +

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِیۡثُ الۡغَاشِیَةِ کیا پہنچی تجھ کو قیامت کی خبر کہ لوگوں سے کیا کریگی اور غاشیہ عرب کی لغت میں اُس چیز کو کہتے ہیں جو چھپا لیتی ہے اسیواسطے زین پوش کو غاشیہ کہتے ہیں اور قیامت کا حادثہ کئی چیزوں کو چھپا دیگا اول ہوش کو کہ بسبب شدت ہول کے پوشیدہ ہو جاویگا دوسرے بدن کو سب طرف سے یعنی اوپر اور نیچے آگے اور پیچھے داہنے اور بائیں سے اُس روز عذاب چھپا دیگا چنانچہ دوسری جاگہ پر فرمایا ہے یوم یغشٰهم العذاب من فوقهم و من تحت ارجلهم و تغشی وجوههم النار تیسرے نیک کاموں کو کافروں کے چھپا دیگی اور مسلمانوں کے بھی برے کاموں کو چھپا دیگی اول کو حبط کے طور سے اور دوسروں کو عفو سے اور غرض اس پوچھنے سے کہ تجھ کو کچھ قیامت کی خبر پہنچی ہے یہ ہے کہ سننے والا کمال توجہ سے

اِکان چہرے کی صفت ہوتا اور زندہ کی بات کو حضور دل سے سنتے چنانچہ بعد اس کے نشانے اور حساب کے معاملہ اس دن کا لوگوں سے بیان فرماتے ہیں **وُجُوہٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ** کتنے منہ اس روز ذلیل اور خوار ہونگے ہرچند کہ ذلت اور خواری صفت چہرے والوں کی ہے لیکن جو آثار ذلت اور خواری کے اکثر چہروں پر ظاہر ہوتے ہیں تو گویا ذلت اور خواری صفت چہروں کی ہے اور عرب کا قاعدہ ہے کہ ذات سے شخص کی منہ اور گردن اور سر کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں کیونکہ یہ اعضا ہر شخص کی ذات کے بقا کا سبب ہیں پس گویا قائم مقام ذات کے ہیں اور یہ چہرے اُن لوگوں کے چہرے ہونگے کہ دنیا میں کبھی خوف اور جھکنا اور فروتنی اور ذلت اور خواری دین کے مقدموں میں اپنے اوپر پسند نہ رکھتے تھے اور رنج اور مشقت دینی سے استراحت ڈھونڈتے تھے اور صورت آرائی اور تن پروری میں مشغول اور حریص تھے اسیواسطے لذیذ طعام کھانا اور ٹھنڈے شربتوں کا پینا اور استعمال عطریات کا کرنا اُنکا مقصد تھا دنیا سے سو آج کے دن بدلے میں اس تکاسل اور تن پروری کے انکو ذلت اور خواری میں گرفتار کرینگے اور اگر خوف اور فروتنی دنیا میں دین کے مقدموں میں اور اللہ تعالی کی عبادت میں اُنکو نصیب ہوتی تو بڑے بڑے درجہ ثواب کے پاتے لیکن تکلیف کے کاموں سے اپنی تن پروری کے سبب سے دل چراتے تھے چنانچہ اُسکے بدلے میں اس روز تکلیف اعمال شاقہ کی اُنکو دینگے اور رنج بے حساب سے ثواب اُنکو ملیگا چنانچہ فرماتے ہیں **عَامِلَةٌ** یعنی وہ چہرے اُس روز کام کرینگے اُن سب میں ایک یہ ہے کہ کمال محنت اور ذلت سے چڑھنا ہوگا آگ کے پہاڑوں پر جو دوزخ میں ہیں اور انھیں میں سے ہے کہ طوق اور زنجیریں آگ کی گردن اور پاؤں میں گھسیٹتے پھرینگے اور انھی میں سے ہے کہ دوزخ کی آگ میں دھنس جانا جیسے اونٹ دلدل میں غوطے کھاتا ہے اور تفصیل اس اعمال شاقہ کی جو اُس روز واقع ہونگے دوسری سورتوں میں مذکور ہے جیسے سَأُرْهِقُهُ صَعُوْدًا خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ وَيَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا وَيَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ مانع زکوۃ کو چاندی سونے کے تختوں سے آگ میں گرم کر کے داغ دینگے پیشانی اور پہلو اور پشت پر اور جو لوگ کہ چارپائے رکھتے تھے اور حق تعالی کا حق ان چوپایوں میں سے ادا نہیں کرتے تھے تو وے لوگ قیامت کے میدان میں چت لٹائے جاوینگے اور اُن جانوروں کو حکم ہوگا کہ انکو روندو اور تصویر بنانیوالوں کو تکلیف دینگے کہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں جان ڈالو اور اُن لوگوں کو کہ جھوٹے خواب بناتے ہیں حکم ہوگا کہ دو جو میں گرہ لگاؤ اور جو لوگ کہ حق بات سے خاموش ہوئے آگ کی لگامیں اُنکے منہ میں ڈالیں گے اور علی ہذا القیاس **نَاصِبَةٌ** وہ چہرے اُس روز اُن اعمالوں کے سبب سے دکھ اٹھاوینگے کیونکہ کام بھاری کہ توقع پر ثواب اور تحسین کے نہ ہو تو محض رنج ہے اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ عمل اور رنج دونوں دنیا ہی میں ہیں اور مراد ان چہروں سے چہرے ریاضت کرنیوالوں کے ہنود اور یہود اور نصاریٰ اور دوسرے باطل دینوں کے ہیں کہ دنیا میں شاق عمل خدا کے واسطے کرتے ہیں اور محض رنج اُٹھاتے ہیں کیونکہ ریاضتیں اُنکی اپنے وقت کے پیغمبروں کی انکار کے سبب سے بیفائدہ اور اکارت ہیں اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ عمل دنیا میں اور رنج آخرت میں مراد ہے اور وہ چہرے چہرے عیاشیوں اور دولتمندوں اور مال جاہ کے طالبوں کے ہیں کہ حاصل کرنے کو ان مطلبوں کے دنیا میں بڑی بڑی محنتیں اور مشقتیں کرتے تھے آخرت میں پھل ان تکلیفوں کا رنج بیہودہ اور محنتیں بیفائدہ حاصل ہونگی بلکہ فقط اُس رنج بیہودہ پر اکتفا نہ ہوگی کچھ اور بھی اسکے ساتھ زیادہ کیا جاویگا کہ اس آیت میں اسکا بیان ہے **تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً** پیٹھینگے دہکتی آگ میں بدلے میں اسبات کے کہ خدا سے غافل ہوکر ہوادار مکانوں میں اور خس خانوں میں رہا کرتے تھے اور بیان آگ کی گرمی کا حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایکہزار برس تک وہ آگ پھونکی گئی تو سفید ہوگئی پھر ہزار برس پھونکی گئی تو سرخ ہوگئی پھر ہزار برس پھونکی گئی تو سیاہ ہوگئی اب اُسی سیاہی پر ہے اور جب گرمی دوزخ کی ہوا کی اُنکے اندرون میں نہایت تشنگی پیدا کریگی بے اختیار پیاس پیاس پکارینگے کہ شاید پانی پینے سے پیاس دفع ہو جاوے تو اسوقت **تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ** پلائے جاوینگے پانی ایک کھولتے چشمے سے کہ جسکے پیتے ہی اُنکے منہ کباب ہو جاوینگے اور آنتیں اُنکی ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گر پڑینگی پھر فوراً درست ہو جاوینگی اور اسی طور سے عذاب میں گرفتار ہونگے اور یہ مہانی اُنکی عوض اُن شربتوں اور بہشتوں کے ہے جو گلاب اور کیوڑے ڈال کے برف میں ٹھنڈا کر کے پیتے تھے اور جبکہ دوزخ کی لوؤں کی گرمی اور اُس پانی کی گرمی پیٹ میں اُنکے جمع ہوکر بھوک کی آگ کو بھڑکا دیگی تو ایکہزار برس بھوک کا عذاب اُن پر مسلط ہوگا اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ یہ بھوک کا عذاب اکیلا دوزخیوں کو دوزخ کے

سارے عذابوں کے برابر معلوم ہوگا پھر بہت سی داد بیداد کے بعد دوزخ کے پیادوں کو حکم ہوگا کہ انکو کچھ کھلاؤ لیکن **لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ** نہیں اُنکے واسطے وہاں کوئی کھانا کہ عوض میں اُن میٹھے سلونے مسمن و پیازے چٹ پٹے چاشنی داروں کے کہ دنیا میں لذتوں اور فربہ ہونے کو اور رنگ روپ نکلنے کے واسطے تناول کرتے تھے اور صبح سے شام تک فرمائشوں میں طرح طرح کے کھانوں کی بکاولوں اور باورچیوں کو رکھتے تھے **إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ** مگر ضریع کی قسم سے اور ضریع نام ہے ایک گھاس کا کہ اکثر پانی کے کنارہ پر ہوتی ہے اور جبتک کہ سبز رہتی ہے تو اُسکو شبرق کہتے ہیں اور اونٹوں کے چارہ کے کام آتی ہے اور جب خشک ہوجاتی ہے تو اُسکو ضریع کہتے ہیں اور زہر قاتل ہوجاتی ہے اور کوئی جانور اُسکو نہیں کھاتا اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ وہاں کے ضریع کو یہاں کے ضریع پر قیاس نہ کیا چاہئے کیونکہ وہ ایک چیز ہے آگ کے اندر کہ چبھنے میں جیسے کانٹا اور کڑوائی میں ایلوے سے زیادہ اور بدبو میں مُردار سے بدتر اور گرمی میں آگ سے بڑھ کے ہے اور وجہ اُسکی یہ ہے کہ جیسے کہ دنیا میں جوہر خاک اور آب کا طبیعتوں پر یہاں کے حیوانات اور نباتات کے غالب ہے اسی طرح سے دوزخ میں جوہر ناری طبیعتوں پر وہاں کے حیوانات اور نباتات کے غالب ہے پس حیوانات اور نباتات ہیں انکے ظاہر صورت میں حیوانات اور نباتات سے دنیا کے مشابہت رکھتے ہیں سو اسواسطے انکے نام سے وہ بھی پکارے جاتے ہیں والا معنی میں مادہ انکا جوہر آگ کا ہے اور ہر چیز میں وہاں کی سوزش اور ناریت موجود ہے اور جو مقصود کھانا کھانے کا خالی ان تین چیزوں سے نہیں ہوتا ہے یا تو لذت یا تو موٹا کرنا بدن کا یا دفع کرنا بھوک کا سو دو کرنے سے ضریع کے اور اُسکے وصفوں کے جو حدیث شریف میں وارد ہیں لذت تو کوسوں نزدیک نہیں پھٹکتی اب باقی رہیں دو چیزیں دوسری کہ بعضے وقت بدمزا کھانے سے بھی کچھ مقصود ہوتی ہیں اُسکی بھی نفی فرماتے ہیں کہ **لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ** نہ موٹا کرے بدن کو اور نہ کام آوے بھوک میں اور فائدے کھانیکے یہی تین چیزیں ہیں اور جو کھانا کہ ان تینوں چیزوں سے خالی ہے تو گویا کہ طعام نہیں کیونکہ اگر موٹا کرتا بدن کو تو بھی دوزخیوں کو فائدہ ملتا کہ ایک قوت اُس سے حاصل کرتے اور سہنا عذاب کا اس قوت کے سبب سے آسان ہوجاتا اور اگر بھوک کو دفع کرتا تو بھی البتہ ایک طرح کا فائدہ ہوتا کہ بھوک کے عذاب سے رہائی پاتے سو یہ کوئی فائدہ وہاں کے کھانے میں نہیں ہے باقی رہے یہاں دو سوال جواب طلب اول یہ کہ وجود نباتات کا آگ میں ممکن نہیں کیونکہ دھوپ گرمی کے موسم کی اکثر درختوں کو جلا دیتی ہے تو آگ کی گرمی کا کیا حال ہوگا خصوصاً دوزخ کی آگ جواب اسکا یہ ہے کہ وجود انسان کے بدن کا اور وجود سانپ اور بچھوؤں کا جو اُس آگ میں مسلم ہے تو وجود میں نباتات کے کیا تعجب ہے اور علاوہ یہ کہ بعضے نباتات عین شدت میں آفتاب کے گرمی کے بڑھتے ہیں اور سبز اور ہرے رہتے ہیں جیسے گوکھرو یا جواسا اور علیٰ ہذا القیاس بہت سے درخت گرمیوں کے موسم میں بڑھتے ہیں پھر کیا بعید ہے کہ وہاں کی آگ میں بھی اسی طرح کی تاثیر ودیعت ہو کہ بعضے نباتات کو بڑھاوے اور سرسبز کرے علی الخصوص جبکہ جوہر آتشی اصل طبیعت پر اُن نباتات کی غالب ہو پھر از راہ تماثل کے گرمی سے آگ کی مدد پاویں جیسے سمندر کیڑا دنیا کی آگ سے دوسرے یہ کہ اس آیت میں دوزخیوں کا کھانا فقط ضریع پر منحصر کیا ہے کہ سوا اُسکے وہاں دوسرا کھانا نہ ملیگا حالانکہ دوسری آیت میں دوسرا کھانا بھی دوزخیوں کے واسطے مذکور فرمایا ہے آئمیں سے زقوم بھی ہے کہ ان شجرة الزقوم طعام الاثیم اور آئمیں سے ایک غسلین ہے ولا طعام الا من غسلین جواب اسکا یہ ہے کہ دوزخ کے بہت سے طبقے ہیں بعضے طبقے میں فقط یہی کھانا ہوگا اُسکے سوا اور کچھ نہ ملیگا پس وجوہ یومئذ خاشعة سے مراد اُسی طبقے والے ہوں تو بس کچھ اشکال باقی نرہا اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ مراد من ضریع سے خصوصیت ضریع کی نہیں بلکہ جو کچھ کہ ضریع کی جنس سے ہے بے لذتی اور تلخی اور بدبو اور موٹا نکرنے اور بھوک کے دفع نکرنے میں وہ سب ضریع میں داخل ہے یہانتک کہ بعضے مفسروں نے ضریع کو فعیل جو مفعل کے معنوں میں ہے جیسے علیم اور بدیع مقرر کیا ہے اور معنی اسکے یوں کہے ہیں کہ جو طعام کہ سبب ضراعت اور خواری اور طبیعت کی بدمزگی کا ہو وہ ضریع ہے اور اس صورت میں بھی اشکال دفع ہوجاتا ہے جبکہ احوال بیان کر چکے دوزخیوں کے کھانے اور پینے کے اور رہنے کی جائے کے فارغ ہوئے تو اب جنتیوں کے کھانے پینے رہنے کی جائے اور اسباب سامان کا بیان فرماتے ہیں اور جو بیان بہشتیوں کے حال کا بھی تفصیل اُس اجمال کی ہے جو حدیث الغاشیہ میں مذکور ہوا ہے حرف عطف کا یہاں نہ لایا گیا بخلاف سورۂ قیامت کے کہ وہاں حرف عطف کے ساتھ مذکور فرمایا ہے کیونکہ وہاں تفصیل مجمل کی نہیں ہے کیونکہ پہلے اجمال [illegible] **وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاعِمَةٌ** کتنے منہ اُس روز خوش منظر اور نازک اندام ہونگے اسواسطے کہ علامتیں ذلت اور خواری اور خوف اور دہشت اور رنج اور محنت کی چہروں میں

انکی تاثیر نکرینگی کیونکہ ان چہروں والوں نے دنیا میں بہت سی تکلیفیں اس روز کی سختی کی آسانی کے واسطے اٹھائی تھیں اور محنتیں اور مشقتیں حقتعالی کی خوشنودی
کے واسطے اپنی جان اور تن پر گوارا رکھتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں **لِسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ** اپنی کوشش سے اس روز خوش و خرم رہینگے کہ وہ کوشش ہماری
ٹھکانے لگی اور اچھا پھل لائی **فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ** وہ چہرے ایک باغ میں ہونگے کہ بلند ہے اور بسبب اس بلندی کے ہول قیامت کا اور دوسری موذی
چیزوں کا وہاں نہ پہنچیگا اور دوزخ کی بھاپ کا وہاں اثر نہوگا بلکہ **لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً** نہ سنینگے وہاں بیہودہ بات چہ جائیکہ گالی گفتار
اور ذلت کی بات ہو یا یہ کہ فریاد اور الغیاث دوزخیوں کا کہ محض بیہودہ ہے وہاں نہ پہنچیگا تاکہ عیش انکا مکدر نہو جائے اور صفت بہشتیوں کو مقابلے میں
تصلیٰ نارًا حامیۃ کے وہی ہے اور مقابلے میں کھولتے چشمے کے انکو **فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ** اس باغ میں چشمہ ہے کہ پانی اسکا بہتا ہے
اور برف سے ٹھنڈا اور شہد سے میٹھا ہے اور مقابلے میں دوزخیوں کی ذلت اور خواری کے انکو **فِيهَا سُرُرٌ مَرْفُوعَةٌ** انکو اس باغ میں تخت
ہیں اونچے تاکہ کمال عزت سے اسپر بیٹھیں اور مقابلے میں دوزخیوں کی محنت و رنج کے اور رنجش کھانے پینے کے انکو **وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ**
اور کوزے ترتیب سے چنے ہونگے انھیں تختوں پر یعنی جبکہ خواہش کھانے یا پینے کی جیسے شراب دودھ اور شہد کی انکو ہوگی تو بن مانگے اٹھا کر پینگے اور کھائینگے
اور اسباب کی حاجت ہوگی کہ تختوں سے اتریں اور محنت کریں اور انکے فرش کے واسطے اس بہشت میں **وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ** اور مسند اور توشکیں برابر
بطور صف کے بچھی ہونگی تاکہ جس مسند اور توشک پر چاہیں لیٹیں اور تکیے لگاویں اور انکے مکانوں میں **وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ** اور قالین ہونگے بکھرے
پڑے تاکہ جس مکان میں چاہیں بچھوا دیں پھر جبکہ حال دوزخیوں اور بہشتیوں کا تفصیل سے اس سورے میں مذکور ہوا تو کافر بطور طعن اور ٹھٹھول کے کہتے تھے
کہ اس پیغمبر کے کلام میں تناقض پایا جاتا ہے کیونکہ دوزخیوں کے رہنے کی جگہ اور کھانا اور پینا انکا اس طور سے بیان کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ اس عذاب شدید
سے دوزخی مرینگے بھی نہیں اور ابد الآباد تک زندہ رہینگے حالانکہ آدمی اور جانوروں کو اس قسم کے عذاب میں ایک لحظہ زندگی بسر لیجانا محال ہے اور بہشتیوں کی
تعریف میں کہتا ہے کہ اونچے اونچے تختوں پر بیٹھے ہونگے اور مشقت و رنج کسی طرح کا نکرینگے حالانکہ بار بار اترنا چڑھنا اونچے اونچے تختوں سے یہ بھی تو مشقت ہے
اور یہ بھی کہتا ہے کہ وہاں کوزے پانی اور شراب کے بھرے دھرے ہونگے اور مسند اور قالین بھی بچھے ہونگے حالانکہ جو بیٹھنے کے تخت ہوتے ہیں انمیں اسقدر گنجایش
کہاں ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ اگر وہ کوزے ڈھل جاویں تو تمام فرش بھیگ جاوے اور قابل بیٹھنے کے نرہے حقتعالی نے انکے اس ٹھٹھول و طعن کے جواب میں
یہ آیت بھیجی اور حاصل جواب کا یہ ہے کہ نمونہ بہشتیوں اور دوزخیوں کا عالم میں موجود ہے اور صورت بھی بہشت اور دوزخ کی نمودار ہے پھر کسواسطے بہشتیوں اور دوزخیوں
کے احوال کا اور بہشت اور دوزخ کی صفتوں کا انکار کرتے ہو اور ان چیزوں میں جو تمہارے سامنے موجود ہیں کیوں تامل نہیں کرتے اور وہ چار چیزیں ہیں اول جانوروں
میں سے تو اونٹ ہے دوسرا بسایط علویہ سے آسمان ہے تیسرا معادن میں سے پہاڑ ہیں چوتھا بسایط سفلیہ سے زمین ہے پس اول کو شتر کا فرماتے ہیں **أَفَلَا
يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ** کیا نظر نہیں کرتے اونٹوں کی طرف کہ کیسے پیدا کئے گئے ہیں اور پیدایش میں انکے نمونے
جنتیوں کے اور دوزخیوں کے دونوں موجود ہیں ذات اور معاش میں اپنی مشابہت دونوں خیوں سے رکھتا ہے اور فوائد اور منفعتوں میں مناسبت بہشتیوں سے لیکن
مشابہت دوزخیوں سے اپنی ذات اور معاش میں جو رکھتا ہے سو اس جہت سے ہے کہ باوجود اس ڈیل ڈول کے اس مرتبے کو ذلیل اور خوار ہے کہ ایک بچہ بلکہ چوہا اسکی
مہار پکڑ لے تو جہاں چاہے وہاں لئے پھرے اور جب چاہے بٹھا لے پھر لادکے جہاں چاہے لیجاوے اور یہ سب اسکے چہرے کے خشوع کے سبب سے ہے کہ اسکی ناک چھید کے نکیل ڈالتے
ہیں پس اسکے سبب سے ذلیل اور تابعدار ہو جاتا ہے اور اکثر اسکے رہنے کی جگہ گرم اور ریگستان ہوتی ہے کہ لوئوں کے چلنے سے اور آفتاب کی گرمی سے گویا کہ آگ ہو
جاتی ہے اور مدتوں تک یہ جانور پیاسا رہتا ہے اور اگر پانی میسر ہوتا ہے تو بالکل گرم کہ دھوپ کی شدت سے کاڑھا بن جاتا ہے اور خوراک اسکی درخت خار دار اور کڑوے
جیسے گوکھرو اور جواسا اور ضریع اور باوجود ان سب باتوں کے حیات اور قوت اور طاقت بارکشی اور اعمال شاقہ کی اور اترنا چڑھنا پہاڑوں کا اور ذلت کچھ بانی
کی جو اسکو نصیب ہوتی ہے عشر عشیر اسکا کسی اور جانور کو نہیں اور سدا گرفتاری سے رنج و بلا میں رہتا ہے اور مناسبت اسکی بہشتیوں سے فائدوں اور منفعتوں
کی جہت سے ہے کہ اگر اسکی پیٹھ کو خیال کریں تو گویا ایک اونچا تخت چار ستون پر دھرا ہے پھر باوجود اس بلندی کے کہ ہاتھ بھی آدمی کا اس تک نہیں پہنچ سکتا جب

چاہیں بٹھلاکر سوار ہو جاویں جیسے جنت کے تخت چنانچہ معالم التنزیل میں ذکر کیا ہے کہ بہشت کے تخت دور سے بلند نظر آوینگے پھر جب جنتی چاہیں کہ اُنپر بیٹھیں
تو وہ نیچے ہو جاوینگے پھر اُونچے ہو جاوینگے اور اُسکے چاروں طرف گویا دودھ کے بھرے آبخورے تیار رکھے ہیں اور چشمے دودھ کے اُنسے جاری ہیں اور اُسکی پشم
سے نمدے اور قالین اور مخملی مسندیں بناتے ہیں اور گوشت اُسکا کھاتے ہیں اور دودھ اُسکا پیتے ہیں اور اُسکے بال سے پہننے اوڑھنے کے اسباب بناتے ہیں
اور پیٹھ پر اُسکے سوار ہوتے ہیں اور جب اُسکو لادکر لیچلو تو گویا ایک کشتی ہے کہ اپنے پاؤں چلی جاتی ہے اور اگر بغیر بوجھ کے لیچلو تو ایک پیک ہے کہ دوڑا جاتا ہے
اور اگر اپنے اہل و عیال کے ساتھ اُسپر سوار ہو جئے اور تمام اسباب اور سامان گھر کا اُسپر لاد دیجئے تو گویا ایک گھر کا گھر چلا جاتا ہے پس دنیا کے جانوروں میں
جانور نہایت عجیب ہے لیکن رات دن کے باہم رہنے سے کچھ تعجب کی چیز معلوم نہیں ہوتی ہے کہتے ہیں کسی جانور میں یہ خوبی نہیں کہ اگر اُسکو لادیں تو تمام
اسباب گھر کا اُٹھالے اور اگر کہیں بھیجنا منظور ہو تو تمام راستے دوڑتا چلا جاوے اور اتنی دور جاتا ہے کہ کوئی جانور اُسکے ساتھ نہیں پہنچ سکتا ہے اور اگر اُسکا
دودھ دوہیں تو سارے گھر کو کفایت کرتا ہے اور اگر اُسکو ذبح کریں تو اُسکا گوشت ایک محلے کو کفایت کرتا ہے اسیواسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ الابل عز
لاهلها والغنم بركة والخيل معقود بنواصيه الخير الى يوم القيمة یعنی اُونٹ عزت کا سبب ہے گھر والوں کی اور بکریاں برکت ہیں اور
گھوڑے کے ساتھ بہتری لگی ہوئی ہے دن قیامت تک اور باوجود اس ڈیل کے سو اونٹوں کی قطار کو ایک بچہ لیے پھرتا ہے اور صابر ایسا ہے کہ دس دن تک پیاسا
رہتا ہے اور محنت اور مشقت میں قصور نہیں کرتا اور عجائبات سے اُسکی ایک یہ ہے کہ رو بقبلہ چلتا ہے اور اگر بالوں کو اُسکے جلاکر خشک کرکے جاری خون پر رکھدیجئے تو بند ہو جاتا
ہے دودھ اور پیشاب اُسکا استسقا والوں کو اور تلی اور بواسیر والوں کو نہایت مفید ہے اور طبیب لوگ اسبات کو خوب جانتے ہیں اور اُونٹ کی کلنی کو اگر عاشق کی
آستین پر باندھیں تو اُسکا عشق جاتا ہے اور اُونٹ سب جانوروں میں باغیرت مشہور ہے کہ اپنی ماں بہن پر البتہ نہیں پھاندتا اور مستی کے وقت میں آثار عشق کے
اور ولولے اور جوش جنون کے کہ اُسمیں نظر آتے ہیں نمونے سچے عاشقوں کے ہیں اُسوقت کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے اور قدیم عادت سے تین حصے زیادہ بوجھ اُٹھاتا ہے اور
خلقت میں اُسکی درازی گردن کی عجائبات سے ہے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی حکیم کے روبرو ذکر کیا کہ جانوروں میں سے ایک جانور ہے کہ اُسکو اُونٹ کہتے ہیں
اسمیں عجیب خاصیت ہے کہ اسکو بٹھاکر من مانتا لادتے ہیں پھر وہ اپنے زور سے کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ خاصہ کسی اور جانور میں نہیں ہے کہ لادنے کے بعد کھڑا ہو جاوے اُس حکیم نے
کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جانور کی گردن دراز ہوگی کہ گردن کے زور سے کھڑا ہو جاتا ہوگا اور اکثر اُسکی خوراک اُونچے اُونچے درختوں کے پتے ہیں اگر اُسکو ایسی لمبی گردن
نہ ملتی تو بڑے درختوں کے پتے کھانے سے محروم رہتا اور یہیں سے معلوم ہوا کہ ہاتھی کو اُس مقام پر مذکور نفرمایا اسواسطے کہ ہاتھی میں نمونے دوزخ اور جنت کے موجود نہیں ہیں
کیونکہ اول تو مکان اُسکی بود و باش کا سرسبز اور آبدار ہوتا ہے اور اکثر خوراک اُسکی کیلے کے پتے ہیں یا اور زراعتیں اور کاروبار میں رنج و مشقت اُٹھا نہیں سکتا اور ذلیل
اور مقہور بھی نہیں ہے بلکہ سرکشی اور تکبر حد سے زیادہ اسمیں پایا جاتا ہے اور اکثر اوقات کمال عزت اور توقیر سے فیلخانوں میں امرا اور سلاطین کے ہوتا ہے اور اُسکو گھاس
کی جائے پر گنے کھلاتے ہیں اور خوب تر تر لیدوں کا راتب پاتا ہے اُسکو دوزخ کے جلے بھنے بھوکے پیاسوں سے کیا مناسبت دوسرے یہ کہ جانور بے منفعت بھی ہے کہ
نہ دودھ ہے نہ پشم اور نہ گوشت اُسکا لائق کھانے کے اور نہ ہر شخص ہر وقت اُسپر سوار ہو سکے اور نہ ہر ایک کا تابعدار اور فرمانبردار پس نمونہ بہشت کا بھی نہیں ہو سکتا اگرچہ
ڈیل اُسکا بڑا ہے تو کس کام کا کیونکہ یہاں بیان اوہی مقصد کا ہے **وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ** اور کیا نظر نہیں کرتے آسمان کی طرف کہ
کس قسم کا بلند کیا گیا ہے تاکہ بلندی کو بہشت کی اور وہاں کے تختوں کی کچھ عجیب جانو اور آسمان باوجود اس بلندی کے بسبب کثرت دوری کے ہر جز اُسکے اجزا
کا دورے میں رات اور دن کے پست بھی ہو جاتا ہے اس طور سے کہ سر کی طرف سے قدموں کی طرف آجاتا ہے اور یہ نمونہ بہشت کے اُونچے تختوں کا بہشتیوں کے
قدموں کے نیچے اُس بلندی اور پستی سے سمجھ لیا چاہیے اور یہ بھی سمجھا چاہیے کہ آسمان میں ستارے کوزوں کی طرح رکھے ہیں اور اس حرکت دوری سے آسمان کے
وہ تارے اپنے مرکز سے جنبش نہیں کرتے اور اوندھے نہیں ہو جاتے جیسے کہ کوزے بہشت کے پینے کی گرم و سرد چیزوں سے بھر دھرے ہیں اسی طرح سے کوزے آسمان
زنگار رنگ شعاعوں سے مثلاً زہرہ کی شعاع مروارید کی سی ہے اور مریخ کی شعاع سرخ اور مشتری میں صرف سفیدی اور زحل میں گدلاپن اور نیلگونی اور
کف الخضیب میں شعاع عباسی اور گرمی اور سردی میں شعاعیں ستاروں کی مختلف اور گوناگوں ہیں پس جو سردی کہ چاند کے نور میں ظاہر ہے اسیطرح حرارت آفتاب

کی اور خشکی زحل کی اور رطوبت زہرہ کی اور اسی قیاس پر اور تاروں کو سمجھا چاہئیے اور یہ بھی ہے کہ چشمہ آفتاب و ماہتاب کا آسمان میں نمونہ ہیں بہشت کی
جاری نہروں کا کہ ایک سے شراب گلگلوں تیز و تند فوارے کی مانند جوش مارتی ہے اور دوسرے سے دودھ سرد نکلتا ہے اور جو تارے برجوں اور منزلوں میں
بکھرے نظر آتے ہیں مانند مخمل کی مسندوں کے اور رنگا رنگ قالینوں کے ہیں کہ بعضوں کو برابر مانند صفوں کے بچھا دیا ہے اور بعضوں کو مانند بکھرے ہوئے
پھولوں کے متفرق چھڑک دیا ہے پس آسمان دنیا میں نمونہ بہشت کا ہے اور وہاں کے رہنیوالے کہ فرشتے ہیں اپنے کاموں سے جو عند اللہ مقبول ہیں نورانی چہروں
کے ساتھ خوش و خرم ہیں اور وہاں بغیر تسبیح اور ذکر الٰہی کے بیہودہ بات نہیں سنتے اور اگر اسی آسمان کو بہ نسبت شیاطین کے اور مفلوکوں بنی آدم کے اور
بدبختوں کے ملاحظہ کریں تو مانند دوزخ کے نظر آتا ہے کہ شیاطین اور بدکاروں کی ارواح کو ہمیشہ مارنا اور ہانکنا تاروں سے برابر جاری ہے اور انکو کمال ذلت اور خواری
وہاں حاصل ہے جیسے جب شیطان استراق سمع کو یعنی آسمان کے احوال جو فرشتے آپس میں ذکر کرتے ہیں انکے سننے کو جاتے ہیں اور انپر آگ کے انگارے اور گرزمارے
جاتے ہیں تو خوف سے ملک الموت کی پکڑ کے ناامید ہو کر وہاں سے بھاگتے ہیں اور رنج بیہودہ اٹھاتے ہیں اور آسمان کے دربانوں کا غصہ اور آفتاب کی گرمی اور غذا کی عوض
مین دربانوں کی مار دھاڑ انکے نصیب ہے یہ دوزخیوں کی مشابہت ہے **وَاِلَی الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ** اور کیا پہاڑوں کی طرف نہیں
دیکھتے ہیں کہ کیسے کھڑے کئے گئے ہیں کہ ہرگز آندھیوں سے اور مینہوں کے برسنے سے اور بھونچالوں کے آنے سے گرتے نہیں ہیں اوندھے ہوتے ہیں اس طرح بہشت کے
آبخوروں کو سمجھ لینا چاہئیے بلکہ اگر فکر کرے تو پہاڑ بلندی اور خوش ہوا ہونے میں بہشت کی مانند ہیں کہ بدبوئیں اور موذی جانور زمین کے اور خراب بخارات وہاں نہیں
پہنچتے ہیں اور بیہودہ گوئی دنیا والوں کی خصوصاً لڑائی جھگڑے ہرگز وہاں سننے نہیں جاتے اور چشمے میٹھے پانی کے وہاں جاری ہیں اور اونچے اونچے پتھر صاف
مانند تختوں کے جابجا دھرے اور خود رو درختوں پر جو میوے لٹکتے ہیں بہشت کے کوزوں کی مانند تیار رکھے ہیں اور سبزہ رنگا رنگ مانند مسندوں اور قالینوں کے
بچھا ہے اور اگر کوئی انہیں پہاڑوں کو بہ نسبت بدبختوں کم نصیبوں کے کہ گرفتار مصیبت اور تباہی کے ہو کر وہاں پڑے ہیں ملاحظہ کرے تو نمونہ دوزخ کا
نظر آتا ہے کہ اترنا چڑھنا وہاں سے بالکل مشقت اور رنج ہے اور وہاں کی ناموافق آب و ہوا خصوصاً پہاڑ کے تلے کی جسکو اول کہتے ہیں دوزخ کے گرم چشمے کی مانند ہے اور
درخت کڑوے اور خاردار مانند ضریع اور زقوم کے ہیں **وَاِلَی الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ** اور کیا نہیں دیکھتے ہیں زمین کو کہ کیسی بچھائی گئی ہے
کسی جگہ برابر مصفا مسند کی طرح سے بچھی ہے اور کسی جگہ پر تختے رنگا رنگ پھولوں کے قائم مقام بکھرے قالینوں کے چھٹکے ہیں بلکہ یہی زمین
ہے کہ بہ نسبت اغنیاء اور امراء کے حکم بہشت کا رکھتی ہے کہ کمال عزت اور تمکنت سے باغوں اور سیرگاہوں میں مکلف فرشوں پر بیٹھے ہوتے ہیں اور کھانے پینے
کی نعمتوں کے برتن طرح طرح کے سامنے دھرے رہتے ہیں اور چشمے زر و جواہر کے معدنوں سے اور خزانوں سے جاری اور تخت بلند سنہرے روپہلے جڑاؤ بیٹھنے اور سواری
کو موجود اور اگر اسی زمین کو بہ نسبت محتاجوں اور مفلسوں کے خیال کریں خصوصاً بہ نسبت ان لوگوں کے کہ گرم ملک میں عین گرمی کے موسم میں بے سامانی کے
ساتھ پیادہ پا بے توقع منفعت کے سفر کی سرگردانی میں گرفتار ہیں حکم دوزخ کا رکھتی ہے کہ تمام اسباب رنج اور محنت کے موجود اور آرام اور راحت بالکل مفقود
پس یہ چاروں چیزیں عاقلوں کو بہشت اور دوزخ کے احوال دریافت کرنے کو کافی ہیں اور ان چاروں چیزوں کو مثل کے واسطے اس سبب سے اختیار کیا کہ اس
کلام اعجاز نظام کے مخاطب اس ملک کے جنگلوں کے رہنیوالے عرب تھے کہ جانوروں میں اکثر اونٹ کو پالتے تھے اور اسکا دودھ بھی پیتے تھے اور گوشت بھی کھاتے
تھے اور اسکے بالوں کے کپڑے پہنتے تھے اور فرش فروش اور خیمے بھی بناتے تھے اور سفر میں اسی پر سوار ہوتے تھے اسیواسطے تجربہ والوں نے کہا ہے کہ تمام کاروبار
عرب کا موقوف اونٹ پر ہے اور اہل ایران کا خچر پر اور اہل توران کا گھوڑے پر اور اہل ہند کا بیل پر اور جو اکثر جنگلوں کے رہنے والے جانور بہت پالتے ہیں تو پانی
اور چارے کی طرف احتیاج بہت ہوتی ہے اسی سے ہمیشہ نظر انکی آسمان کی طرف ہوتی ہے کہ کدھر کی ہوا چلتی ہے اور کونسی ہوا سے مینہ برستا ہے اور اکثر بنیاد
کی جائے اور گریزگاہ انکی بڑے بڑے پہاڑ ہیں جبکہ کوئی غنیم آتا یا زمین میں پانی اور گھاس کا قحط ہوتا تو بھاگ کر پہاڑوں پر چلے جاتے تھے اور وہاں فراغت
سے گزران کرتے تھے چنانچہ کسی شاعر نے بطور فخر کے کہا ہے سے[1] لنا جبل یحتله من نجیره منیع یرد الطرف وهو کلیل پھر احتیاج اس قسم کے لوگوں کو
بلکہ تمام بنی آدم کو بادشاہ سے فقیر تک زمین کی ہوتی ہے کیونکہ محل گھاس اور چارے کا اور مکان زراعت اور میوے کا اور مقام سکونت اور عمارت کا اور زر و جواہر

[1] یعنے ہمارے لئے پہاڑ قلعے ہیں مانع ہو گئے ہیں دشمن کو جو اس سے پناہ لیا کرے انکو ایسے اونچے کہ پھیر دیتے ہیں نگاہ کو اور نگاہ کرنیوالا عاجز ہے

کے معدنوں کا ہے پس یہ چاروں چیزیں ہمیشہ ہانکے رہنیوالوں کے خیال میں رہتی ہیں اور مقصود مثال سے حاضر کرنا خیالیہ صورتوں اور محسوسات کا ہے کہ ان صورتوں
سے کھوج معنوں معقول کا ملے اور جو چیز کہ جلد خیال میں آوے مثال دینا ایسی چیز کی نہایت مفید ہے اور کمال بلاغت کا ایسے مثال کے بیان کرنے میں ہے اور
محققوں نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں اپنی نعمتوں کے یاد دلانے کے مقام پر ذکر دلیلوں وحدت ذات کا اور کمال صفاتوں خودمختاری کا بیان فرمایا ہے تاکہ حرص
اور شہوت میں نہ جا پڑے اور دنیا کی زینتیں مدنظر نہ ہووین الا جو غرض کہ اس تمثیل سے ہے بیفائدہ ہوجاوے اور لوگ بسبب فکر کرنے خواہشوں اور ریجھ کی چیزوں
کے اسی خیال میں جا پڑیں اور مقصود کو نہ پہنچیں اسی طرح سے عجیب غریب چیزیں کہ بنی آدم کی صنعت کے سبب سے ظاہر ہوتی ہیں اور منو دیکری ہیں وہ بھی
قابل استدلال کے نہ تھیں کہ مبادا ان تمام عجائبات کو ارادے اور اختیار سے بنی آدم کے تصور کرنے حکمت اور قدرت پر انکی حوالہ کریں اور مطلب کو پہنچنے سے محروم
رہیں نا چار جو چیز کہ ہر شخص کو حاصل ہے اور ہرگز موجب طمع اور حرص کی نہیں ہوسکتی اور حسن و جمال طبیعی رکھتی ہے اس کلام پاک میں ایسی چیز تمثیل کے واسطے بجا
اختیار کی ہے اسیواسطے کہیں نہیں فرمایا کہ کارخانوں میں بادشاہوں کے اور سامانوں میں امرا کے فکر کرو یا خوبصورت مردوں یا حسین عورتوں کو غور سے
دیکھو اور یہاں ہے یعنے ان چیزوں کے دیکھنے سے صانع کی حکمت کو دریافت کرو اور بعضے علمار نے سُطِحَتْ کے لفظ کو کہ زمین کے حق میں وارد ہوئی ہے استدلال اسبات
کا گردانا ہے کہ زمین کی شکل کروی نہیں لیکن یہ استدلال نہایت ضعیف ہے کیونکہ زمین حقیقت میں شکل کروی رکھتی ہے لیکن بسبب بڑے پن کے معلوم نہیں ہوتی
اور بسبب دریافت نہونے بلندی اور پستی اسکے اجزاے متلاصقہ یعنی باہم چسپیدگی سے مسطح معلوم ہوتی ہے اور کلام وہم اور خیال والوں سے ہے کہ کرویت
اسقدر بڑے جسم کی دریافت نہیں کرسکتے اور جبکہ کافروں کے طعن اور استبعاد کے جواب سے کہ حق میں بہشت اور دوزخ کے اور احوال میں بہشتیوں اور دوزخیوں
کے کرتے تھے فارغ ہوئے تو گویا مقام اسبات کا ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کمال عناد اور سرکشی ان کافروں کی دیکھکر ایسا نہو کہ پند و نصیحت کرنا موقوف
کریں اور تمام وعظ اور نصیحت کو بیفائدہ سمجھیں اسواسطے تاکید اس امر کی منظور ہوئی اور تسلی آپ کی خاطر مبارک کی ضرور پڑی تو ارشاد فرماتے ہیں **فَذَكِّرْ**
إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ پس نصیحت کر نہیں ہے تو مگر نصیحت کرنیوالا یعنی جو ان چاروں چیزوں کو نزدیک ہر ادنے اور اعلے کے انہیں سے حاضر اور موجود
ہیں مانند آخرت کے کاموں کے معلوم کیا تو نے اور دلیل قوی بہشت اور دوزخ کے احوال پر پائی تو انکے طعن اور استبعاد کے لفظوں سے کہ سوا جھگڑے کے کچھ اور
نہیں ہے تنگدل نہو اور اپنا کام کہ تذکیر اور پند ہے کرتا رہ **لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ** نہیں ہے تو انپر اتالیق اور داروغہ کہ ہرگز انکو حق
کی راہ سے بے راہ ہونے دے اور دلوں میں انکے حق بات کو زور سے ڈالدے کیونکہ یہ کام مقلب القلوب کا اور دلوں کے مالک کا ہے بشر کا مقدور نہیں **إِلَّا مَنْ**
تَوَلَّى وَكَفَرَ یعنی سب کو بار بار نصیحت اور پند کر مگر اس شخص کو کہ جس نے منہ پھیرا تیری نصیحت سے اور کفر اختیار کیا اور انکار تیری رسالت کا کیا
اسکو بار بار نصیحت کرنا تجھپر فرض نہیں ایک بار پہنچا دینا احکام الہی کا اور عذاب سرمدی سے ڈرا دینا ضرور تھا سو اس سے تو فارغ ہوچکا اب معاملہ اسکا خدا سے
ہے **فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ** پس عذاب کریگا اسکو اللہ تعالی وہ عذاب کہ بہت بڑا ہے دوسرے گنہگاروں کے عذاب سے جنہوں نے کفر
نہیں کیا اور اسلام سے منہ نہیں پھیرا کیونکہ وہ سدا کا عذاب ہے اور ایماندار ہرچند کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں اور بے توبہ مریں تو بھی اس عذاب دردناک سے یعنی ہمیشگی
کے عذاب سے محفوظ رہینگے اور اگر یہ کافر عناد کریں اپنے عذاب کرنے میں اللہ تعالی کے کہ دریافت سے انکے حواس کے غائب ہے یعنے بشر کی عقل اسکو دریافت نہیں کرسکتی اور
سواے بنی آدم کے مار دھاڑ کے اور عذاب کو نہیں جانتے تردد کریں تو بیجا ہے کیونکہ **إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ** مقرر ہماری ہی طرف ہے پھر آنا انکا کہ بعد
مرنے کے روح ہر شخص کی دریافت سے حواس کے غائب ہوجاتی ہے اور عالم غیب کو پہنچتی ہے یعنی نا چار سب کو ایک عالم کی طرف کہ مالک اس عالم کا سوا جناب باری
کے کوئی نہیں جانا ہے **ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ** پھر تحقیق ہمارے اوپر ہے حساب انکے گناہ صغیرہ اور کبیرہ اور انواع کفر اور عناد کا کہ موافق اسکے
جزا اور سزا دینگے پھر جو شخص کہ روگردانی اور کفر میں سخت ہے اور زیادہ تکلیف اور عذاب بھی اسپر زیادہ ہے والعیاذ باللہ منہ پس إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ
کی آیت میں اشارہ برزخ کے احوال کی طرف ہے کہ بعد موت کے بلا فاصلہ روبرو آنیوالا ہے اور آیت میں ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ کی اشارہ ہے قیامت کے
دن کے معاملہ کی طرف کہ بعد مدت دراز کے ظاہر ہوگا اور اسیواسطے کلمہ ثُمَّ کا کہ دلالت تراخی اور مہلت دراز پر کرتا ہے سر پر اس آیت کے وارد فرمایا

سُوْرَةُ الْفَجْر

یہ سورت مکی ہے اسمیں تیس آیتیں اور ایک سو انتیس کلمے اور پانچسو ستانوے حرف ہیں اور اسکے ربط کی وجہ ھل اتٰک سے یہ ہے کہ اس سورے میں بھی قیامت اور بہشت اور دوزخ اور ثواب اور عذاب کا ذکر ہے اور آدمیوں کے دو قسم ہو جانے کا بہشتی اور دوزخی اور ظاہر ہونا برائی اور بھلائی کی نشانیوں کا چہروں پر اور اس سورے میں بھی اسی مضمون کا بیان ہے اور اس سورے میں لسعیہا راضیۃ بھلائی والوں کے حق میں فرمایا ہے اور اس سورے میں راضیۃ مرضیۃ اور اس سورے میں فیعذبہ اللہ العذاب الاکبر کافروں کے حق میں ارشاد ہوا ہے اور اس سورے میں فیومئذ لا یعذب عذابہ احد ارشاد ہوا اور یہ دونوں مضمون آپسمیں قریب ہیں اور نازل ہونا اس سورے کا دفع کرنے کو ایک شبہ کے ہوا ہے جو اکثر ملحدوں اور زندیقوں کے خیال میں گزرتا ہے اور اس شبہے سے مقابلہ انبیاؤں اور واعظوں سے کرتے ہیں اور حاصل اس شبہے کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو بندوں کے نہ گناہ کی پروا ہے نہ نیکی کی اور یہ جو انبیا اور واعظ کہتے ہیں کہ دنیا کی پیدایش کے بعد از سرنو ایک اور عالم پیدا ہوگا کہ حشر اور نشر اور سوال اور جواب اور بدلا دینا اسمیں ہوگا سو اس بات کی کچھ اصل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بنی آدم کے سب برے بھلے کاموں سے خبردار ہے اور ہر شخص کو اسکے کام کی جزا و سزا دینے پر بھی قادر ہے اگر طاعتوں سے خوش ہوتا اور گناہوں سے ناخوش تو کسواسطے نیکوں کو نعمتوں سے نوازش نہیں کرتا اور بدکاروں کو گناہوں کے بدلے عذاب میں گرفتار نہیں کرتا پس تاخیر کرنا جزا دینے میں اور انتظار کرنا قیامت کے دن کا یا تو اسواسطے ہے کہ اب اسکو آدمیوں کی نیکی بدی کے کاموں پر اطلاع نہیں ہے یا اس سبب سے ہے کہ اسوقت بدلا لینے کی طاقت نہیں رکھتا اور یہ دونوں باتیں اسکی ذات پاک کی طرف متصور نہیں ہو سکتی ہیں پس معلوم ہوا کہ بدلا نیک اور بد کا اسکو منظور نہیں ہے اور جو کچھ کرتا ہے سو اسی دنیا میں کرتا ہے مگر بے پروائی کے طور سے کسی کو دولت دنیا و حشمت دیکر معزز اور مکرم کر دیتا ہے اور کسی کو دکھ درد محنت مشقت میں ڈالکے ذلیل کرتا ہے سو جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ باوجود اپنے کمال علم اور قدرت کے حکیم مطلق بھی ہے اور حکمت اسکی چاہتی ہے کہ ہر شخص کی سزا اور جزا پہنچانے کے واسطے قیامت کا انتظار کیا چاہیے اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آدمی کے تین حال ہیں اول تو دنیا کا حال کہ اسمیں طرح طرح کی حاجتوں میں گرفتار ہے اور قسم قسم کے علاقے قرابت اور دوستی اور ہمسائگی کے مخلوق سے رکھتا ہے اور مکلف طاعت اور بندگی کا بھی ہے اور مشغول ہے آخرت کا توشہ حاصل کرنے میں اور اپنی اصل پونجی کے بڑھانے میں نفعوں اور فائدوں سے دوسرا حال برزخ کا ہے کہ مرنے کے بعد وہاں رہتا ہے اور ان شغلوں سے فارغ ہوتا ہے لیکن جو کچھ کہ بھائی بند یار آشنا شاگرد مرید اپنی طرف سے یا اسکے کہنے سے اسکے واسطے دنیا میں کرتے ہیں اسکا ثواب اسکو ملتا ہے اور اسکے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے تو گویا کہ ابھی وہ خود دار العمل یعنی دنیا میں ہے اور یہ بھی ہے کہ برزخ میں جمع ہونا حقداروں کا کہ دنیا میں آپسمیں طرح طرح کے معاملے نیکی اور بدی کے کئے تھے ممکن نہیں اسواسطے کہ ہر شخص کی موت اپنے وقت پر مقرر ہے پھر انفصال کرنا معاملوں کا بغیر حاضر ہونے حقداروں کے عدالت کے خلاف ہے تیسرا حال آخرت کا کہ ہرگز کسی طرح کا عمل اور کسی طرح کا شغل وہاں نہوگا اور بنی نوع اور اسکے تابعدار اور آشنا سب وہاں حاضر ہونگے اور جو کچھ کہ اس نے خود کیا تھا یا دوسروں نے اسکے واسطے اسکے کہنے سننے سے کیا تھا سب اسکو پہنچ چکا اور جمع ہو گیا اب آئندہ کو کسی اور چیز کے آنے کی امید بسبب منقطع ہونے نوع انسانی کے نرہی پس حکمت ہرگز اس بات کو تقاضا نہیں کرتی ہے کہ اسکو دنیا کے حال میں سزا دی جاوے اسواسطے کہ وہ ابھی کام میں مشغول ہے اور اسکی عمر کی مدت کہ اسکی پونجی کے قائم مقام ہے ہنوز بالکل اسکے ہاتھ میں نہیں آئی ہے اور اپنی گزری ہوئی عمر کے جمع خرچ کو برابر نہیں کیا ہے اگر اسکو اس حالت میں جزا اور سزا میں گرفتار کریں تو وہ جواب میں البتہ کہیگا کہ ابھی مجھکو فرصت دینا چاہیے کہ میں اپنی عمر پوری کر لوں اور جو جو تقصیریں کہ مجھ سے ابتدائے جوانی میں اور ناتجربہ کاری میں ہو گئی ہیں انکا بدلا آخر عمر میں ادا کروں اور تجاروں کا بھی یہی معمول ہے کہ جب کسی گماشتہ کو تجارت کے واسطے کسی طرف بھیجتے ہیں تو اسکو مہلت دیتے ہیں کہ چند مدت اپنی رائے کے موافق لین دین کرے اور اگر ایک معاملہ میں کچھ کھو بیٹھا اور نقصان کیا تو بھی نہیں بولتے کہ شاید دوسرے سودے میں کمالیگا اسیطرح سے عالم برزخ میں بھی جزا دینا حکمت کے خلاف ہے اسواسطے کہ ابھی نیکیاں اور نتیجے ہر آدمی کے عملوں کے اسکے بنی نوع کے باقی رہنے کی سبب سے اسکو چلے آتے ہیں پس گویا کہ ابھی جمع خرچ اسکا برابر نہیں ہوا اور حق کے لینے دینے والے بھی ابھی جمع نہیں ہوئے ہیں کہ معلوم ہووے کہ اسکا حق کسپر ہے

اور اُسپر کس کا حق ہے اور کونسا حقدار اپنا حق معاف کرتا ہے اور کونسا طلب کرتا ہے پس چار و ناچار بدلا لینے کے واسطے قائم ہونا آخرت کا مقرر ہوا اور اُسوقت کے آنے تک حق تعالی بندوں کے خیر و شر کے اعمالوں کو دیکھتا ہے سو یہ ہرگز غضب نہیں ہے اور اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ کے یہی معنی ہیں اور اسی مضمون کو اس سورے میں کئی قسموں کے ساتھ تاکید سے ارشاد کیا ہے اور اس سورے کا نام سورۃ الفجر اسواسطے رکھا ہے کہ اول قسم فجر کی کھائی ہے اور فجر کمال مشابہت رکھتی ہے قیامت کے دن سے کہ تمام رات لوگ اُسکے آنے کا انتظار کرتے ہیں اور جب فجر ہوتی ہے تو گویا ایسا ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد پھر جی اٹھے اور بازار اور رستے اور دربار لوگوں سے بھر جاتے ہیں اور جن کاموں کے انتظار میں تمام شب گزاری تھی وہ کام سرانجام کو پہنچے اور جو ان قسموں میں بیان ہے انتظار کرنے کا کاموں کے واسطے کہ یہ ہر انسان کی عادت ہے اور فجر اسبات کے ثابت کرنے کی اول دلیل ہے تو اس سورے کو اس نام سے موسوم کیا ॥

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ قسم کھاتا ہوں میں فجر کے وقت کی کہ اکثر لوگ اپنے کام کاج کرنیکے واسطے اُسکا انتظار کرتے ہیں اور باوجود کام کی ضرورت کے فجر کے آنیکے واسطے تاخیر کرتے ہیں پرندجانور اپنے گھونسلوں میں رزق کی تلاش کے واسطے بھوکے پیاسے اسکا انتظار کرتے ہیں اور چرنیوالے جانور بھی چرنے جانے کو اُسکے منتظر رہتے ہیں اور درباری لوگ اپنی عرض اور معروض کے واسطے اور محکمہ والے اپنے جھگڑے قصے فیصلہ کرنے کو اور اہل حرفہ اور بازاری لوگ اپنے کاروبار کے واسطے اور کھیتی کرنیوالے جوتنے بونے کو اور مسافر چلنے کے لئے اُسکے منتظر رہتے ہیں اور جو کام کہ روشنی اور اجالے سے متعلق ہیں وہ سب فجر کے ہونے پر موقوف ہیں اور بعضی فجروں کو اور بھی زیادہ خصوصیتیں ہیں کہ بہت سی مخلوق اپنے اوقات اُسکے انتظار میں کاٹتی ہے جیسے عرفہ کے اور نحر کے روز کی فجر حاجیوں کے واسطے کہ تمام سال اس دن کی آرزو میں گزرتے ہیں اور مہینوں اور برسوں کی راہ سے چلکر اسدن کے واسطے اس متبرک مکان میں اپنے تئیں پہنچاتے ہیں اور صبح کی نماز بھی اُسیوقت میں ہے اور جو فرشتے کہ بندوں کی محافظت کے واسطے مقرر ہیں اور صبح و شام اپنی اپنی باری سے آتے جاتے ہیں اُسوقت سے دونوں چوکیاں آنے اور جانے کی جمع ہوتی ہیں اور اُسوقت کی نماز کا انتظار کرتی ہیں اسیواسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ مَنْ صَلَّى صَلٰوةَ الْفَجْرِ فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ یعنی جس شخص نے پڑھی نماز فجر کی تو اُسدن اللہ تعالی کے ذمہ میں داخل ہوا اور سورۂ اسری میں واقع ہوا ہے اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا یعنی فجر کی قرات حضور میں ہوتی ہے اور حدیث شریف میں اُسکی تفسیر فرمائی ہے کہ رات اور دن کے فرشتے اسوقت حاضر ہوتے ہیں اور اُنکی حضوری کے سبب سے زیادتی برکات اور انوار کی ہوتی ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ جو کچھ انتظار مخلوق کو اپنے کاروبار میں فجر کے آنے کا ہوتا ہے سو ظاہر ہے کہ دردمند تمام رات اس اُمید پر کہ درد سے گذارتے ہیں کہ صبح کو طبیب کے پاس جاکر اپنا حال بیان کرینگے اور اُسکی دوا پوچھینگے اور فقیر اور مسکین تمام رات بھوکے پیٹ سے گزارتے ہیں اس توقع پر کہ صبح کو امیروں دنیاداروں کے دروازوں پر جاکر کچھ مانگ لاوینگے اور اپنے بچے بالوں کے ساتھ اوقات بسری کرینگے اسیطرح سارے بنی آدم اپنی حاجتوں کو صبح کے نکلنے پر موقوف رکھتے ہیں پس پرکرنا کاموں میں باوجود ضرورت اور قدرت کے ایک وقت کے انتظار کے واسطے کہ حکمت الہی نے اُسوقت کو اُس کام کے واسطے مقرر کیا ہے انسان کی عادت ہے تو اسی قیاس پر جزا کے مقدمے کی تاخیر کو قیامت کے آنیکے انتظار پر سمجھ لیا چاہیئے وَلَيَالٍ عَشْرٍ اور قسم کھاتا ہوں میں اُن دس راتوں کی کہ بہت بزرگ اور متبرک ہیں کہ لوگ تمام سال اُنکے آنیکے انتظار میں گذارتے ہیں اور کاروبار کو اُنکے آنے پر موقوف رکھتے ہیں اور وہ دس راتیں تین قسم پر ہیں اول تو دس راتیں ذیحجہ کے مہینے کی اول کی کہ سب حاجی لوگ اطراف اور جوانب سے اُن دس راتوں میں مکہ معظمہ کے شہر میں یا اُسکے گرد و نواح میں حج و طواف کے بجالانے کو جمع ہوتے ہیں اور ابتدا جمع ہونے کی شب اول سے ہوتی ہے اور انتہا اُسکی دسویں رات کو ہوتی ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنوں میں سے کوئی دن اِس مرتبے کا نہیں ہے کہ اسمیں عمل صالح بہتر اور افضل ہو ذیحجہ کے دس دنوں سے کہ ہر روزہ اُن دس روز کے روزوں میں سے ایک برس کے روزوں کی برابر ثواب میں اور عبادت ہر رات کی اُن راتوں میں سے شب قدر کی عبادت کے برابر گنی ہے دوسرے رمضان مبارک کے آخر کا دہاکہ عابد لوگ اعتکاف کی سنت ادا کرنیکو اور لیلۃ القدر کی برکات حاصل کرنے کو تمام سال اُسکے انتظار میں کاٹتے ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب دہاکہ داخل ہوتا تھا تو آنحضرت صلعم گھر کے تہ بند کو

کمرہمت باندھکے مسجد میں اعتکاف بیٹھتے تھے اور اپنے اہل وعیال کو شب بیداری میں اپنے ساتھ شریک کرتے تھے اور محنت اور کوشش پرلے درجہ کی کرتے تھے تیسرا محرم کے اول کا دہا کہ شہداء کربلا کی کربت اور غربت کے دن ہیں اور صبر اور رنج کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کھینچا ہے انکا ثواب انکی ارواح مقدس پر اس دہے میں نازل ہوتا ہے اور بدعتی لوگ جہالت کی راہ سے قائم کرنے کو رسومات غم اور الم کے جیسے سینہ زنی اور کتاب خوانی اور تصویر سازی اور نوبت نوازی کے واسطے تمام سال انتظار اسی دہے کا کرتے ہیں اور بعضے مفسروں نے ان دس راتوں کو تمام سال میں سے متفرق لیا ہے کہتے ہیں کہ پانچ راتیں طاق رمضان مبارک کے آخر دہے کی کہ انہیں میں لیلۃ القدر کی برکات کا ہے اور ایک رات عید الفطر کی اور ایک عرفہ کی اور ایک عید النحر کی اور ایک معراج کی رات یعنی ستائیسویں رجب کی اور ایک شب برات کی مراد ہیں واللہ اعلم اور اس جگہ پر سمجھ لیا چاہیئے کہ ہر قسم کو اس سورے میں معرف باللام لائے ہیں اور لیال عشر کو منکر فرمایا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ ان دس راتوں کی تعظیم کا سبب پوشیدہ تھا اسواسطے نکرہ لائے تاکہ یہ تنکیر ان دس راتوں کی تعظیم پر دلالت کرے برخلاف دوسری قسموں کے کہ انکی عظمت کی وجہ ظاہر اور باہر ہے اور یہ بھی ہے کہ لیال عشر کا احتمال چار طور پر ہے چنانچہ مذکور ہوچکا ہے واسطے فائدہ ابہام اور شیوع کے انکو نکرہ فرمایا ہے کہ سب احتمالوں کی گنجایش ہوسکے **وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ** اور قسم ہے جفت اور طاق کی کہ شامل اور محیط ہے تمام عددوں کو اسواسطے کہ کوئی عدد ان دو قسموں سے باہر نہیں ہوسکتا اور تمام معدودات کو بلکہ جمیع موجودات کو شامل ہے اور انسان کو جیسے وقت کا انتظار کرنا اپنے کاروبار کے واسطے جبلی اور پیدایشی ہے اسیطرح سے جفت اور طاق عددوں کا بھی اپنے معاملات اور لین دین میں جبلی اور پیدایشی ہے جیسے کہ حاملہ کو وضع حمل میں نو مہینے کا انتظار کھینچنا چاہیئے کہ طاق ہے اور بچہ کے دودھ چھڑانے میں دو برس کا انتظار کرنا چاہیے کہ جفت ہے اور مکتب میں بٹھانے کو لڑکے کے انتظار چار برس کا اور نماز کے سکھانیکے واسطے سات برس کا اور روزے کی تعلیم کے واسطے دس برس کا اور بلوغ اور نکاح کے واسطے پندرہ برس کا انتظار چاہیئے کرنا اور اسی طرح سے مہینے کی تاریخوں میں کاروبار کے واسطے جفت اور طاق کا انتظار کرتے ہیں اور شمسی سال کے پورا کرنے کو انتظار بارہ برجوں کا اور قمری سال کے واسطے انتظار بارہ مہینوں کا کرتے ہیں اور ہفتہ پورا کرنے کو انتظار سات روز کا اور تمام کرنے میں مہینے کے انتظار تیس یا انتیس روز کا اور دوگانہ اور چہارگانہ نمازوں میں ابتدائے تکبیر سے سلام پھیرنے تک انتظار دو یا چار رکعت کا ہوتا ہے اور سہ گانی نماز میں انتظار تین رکعت کا کرتے ہیں اور اسی طرح سے تمام امور شرعیہ اور عرفیہ میں انتظار جفت اور طاق کا معمول اور مروج ہے اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ مراد جفت سے خلق ہے اسواسطے کہ ہر چیز کو مخلوقات کی دوسری چیز کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور شریک کرتے ہیں جیسے آسمان اور زمین اور دن اور رات اندھیرا اور اجالا نر اور مادہ اور مراد طاق سے حضرت حق کی ذات پاک ہے کہ کوئی چیز اسکے برابر نہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد شفع سے خلق کی صفات ہیں کہ تناقض اور اضداد سے ملی ہوئی ہیں جیسے علم اور جہل اور قدرت اور عجز اور حیات اور موت اور عزت اور ذلت اور قوت اور ضعف اور وتر سے مراد صفات حق کی ہیں کہ وجود ہے بے عدم اور قدرت ہے بغیر عجز کے اور علم ہے بغیر جہل کے اور حیات ہے بغیر موت کے اور عزت ہے بغیر ذلت کے اور قوت ہے بغیر ضعف کے اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ شفع سے مراد دوگانی نماز اور وتر سے مراد سہ گانی نماز ہے اور یہ تفسیر عمران بن حصین کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد جفت سے جنت کے درجے اور آٹھ دروازے ہیں اور طاق سے مراد دوزخ کے ساتوں طبقے اور اسکے دروازے ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ جفت بارہ برج ہیں اور طاق سات ستارے سیارے کہ انکے پھرنے سے ان برجوں میں طرح طرح کی وضعیں اور قسم قسم کی تغییریں عالم میں نمودار ہوتی ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد جفت سے وہ چاند ہے کہ پورا تیس روز میں نکلتا ہے اور طاق سے مراد وہ چاند ہے کہ انتیس روز میں نمود ہوتا ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد جفت سے دو سجدے ہیں ہر رکعت میں اور مراد طاق سے ایک رکوع ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد جفت سے وہ بارہ چشمے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کے مارنے سے ایک پتھر میں سے جاری ہوئے تھے اور مراد طاق سے وہ نو معجزے ہیں کہ فرعون کے مقابلے میں ظاہر کئے گئے تھے اور قرآن مجید میں بھی اشارہ ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ اور ابو سعید خدری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ مراد جفت سے عید قربان کا روز ہے کہ دسویں ذی الحجہ کی ہے اور طاق سے مراد عرفہ کا روز ہے کہ نویں ذی الحجہ کی ہے اور یہ تفسیر لیال عشر سے بہت مناسبت رکھتی ہے **وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝** اور قسم کھاتا ہوں میں رات کی جسوقت کہ اسکی اندھیر سرایت کرتی ہے عالم میں کہ وہ وقت بھی ان لوگوں کے انتظار کا ہے کہ جنکا کاروبار پردہ پوشی سے علاقہ رکھتا ہے خواہ نیک ہو خواہ بد جیسے عبادت شب بیداروں کی اور عقد نکاح اور چوروں کی چوری کرنا اور ناچنے والوں کا ناچنا اور عیاشوں کا عیش کرنا اور جادوگروں کا جادو کرنا اور طلسم کرنا شعبدہ بازوں کا اور تماشا کرنا

پتلیموں کا لیس ان پانچوں قسموں سے ثابت ہوا کہ انتظار وقت اور مدت کا باوجود جمع ہونے اسباب اور ارادوں اور خواہشوں کے کرتے ہیں اور یہ از روے حکمت کے انسان
کی جبلت کے موافق ہے کہ ہر نیک اور بد کام میں وقت کی رعایت کرتے ہیں اور صاحب عقل کو تھوڑی سے فکر کرنے سے ان چیزوں میں معلوم ہوجاتا ہے کہ
جزا کی تاخیر کرنے میں قیامت کے روز کیا کیا حکمتیں اور فائدے ہیں اور اسی واسطے ارشاد ہوتا ہے هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ
کیا ہے ان چیزوں میں جو بیان ہوئیں کوئی قسم کہ کفایت کرے عقل والے کو گویا ہر قسم ان پانچوں قسموں سے عقل والے کو ثابت کرنے میں اس بات کے کافی ہے
کہ حقتعالی قیامت کے وقت کا منتظر ہے ہر نیک و بد کی جزا اور سزا دینے کو اور اگر کم فہموں کو کچھ تعجب آتا ہو تو شاید اس بات پر آتا ہو کہ اس روز اگلے پچھلے سب جمع
ہونگے اور ایک دن میں ہر ہر شخص کو جزا اور سزا دینا ایک مشکل امر ہے کیونکہ اگر ساری حشر کی مخلوق بگڑ کھڑی ہوں اور مقابلہ پر آجاویں تو اسوقت
سزا دینا انکو ہرگز ممکن نہو سکے اسیواسطے بادشاہوں نے انبوہ کثیر کے تنبیہ دینے سے حکمت کی رو سے کنارہ کیا ہے اور حیلوں اور تدبیروں سے اول انکی جمعیت
کو بکھیر دیا ہے جب انکا زور کم ہوگیا ہے تب حسب دلخواہ جو منظور ہوا ہے سو کیا ہے پس اگر کارخانہ مجازات کا بھی ہر ایک گنہگار پر جدا جدا جاری کیا جاتا
تو اس اندیشے کا کھٹکا نہوتا سو حقتعالی نے درمیان میں ان قسموں کے کہ مذکور ہوئی ہیں اور اس مضمون کے جسپر قسمیں کھائی ہیں کہ اِنَّ رَبَّكَ
لَبِالْمِرْصَادِ ہے بطور جملہ معترضہ کے تین قصے اپنے مجازات کے جو دنیا میں واقع ہوئی ہیں کہ انمیں بڑی بڑی مخلوقوں کو جو نہایت قوت اور شوکت رکھتے
تھے ادنی اسباب سے ہلاک کیے نیست اور نابود کر دیا پس اسکی قدرت کے آگے بڑی مخلوقوں اور آور کو سزا دینا کچھ مشکل نہ سمجھنا چاہیے اور حقتعالی کی قدرت کو
ذوی الاقتدار یا بادشاہوں کی قدرت پر قیاس نہ چاہیے کرنا کہ اسے اس سے کچھ نسبت نہیں رکھتے ہیں اور اس مقام پر تین قصوں کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے
کہ اگر ایک کام خلاف قیاس کسی سے ایکبار وقوع میں آوے تو لوگ اسکو اتفاقات سے سمجھتے ہیں اور جو مکرر سہ کرر واقع ہووے تو معلوم کر جاتے ہیں کہ یہ کام اس شخص کے نزدیک
نہایت آسان اور سہل ہے اور یسر اصل میں یسری تھا یا کو حذف کر دیا اور کسرے کو اسپر دلیل رکھا کہتے ہیں کہ ایک شخص نے اخفش نحوی سے اس یے کے
ساقط کرنیکی وجہ پوچھی اخفش نے کہا کہ جبتک کہ برس بھر میری خدمت نکریگا تب تک میں تجھ کو اسکے اسقاط کی وجہ نہ سکھاؤنگا ایک برس کی خدمت کے بعد
یوں بیان کیا کہ یسری مشتق سری سے ہے کہ شب روی کے معنی میں ہے اور شب روی رات کے چلنے والوں کی صفت ہے رات کی صفت نہیں لیکن مجاز کے طور پر
رات کی صفت کر دیا ہے اسواسطے کہ وقت شب روی کا ہے اور عرب کی اصطلاح میں اسناد فعل کی طرف زمان اور مکان کے بطور مجاز کے بہت مستعمل ہے چنانچہ
کہا کرتے ہیں لیلہ قائم و نہارہ صائم اور جو معنی میں یسری کے تغیر واقع ہوا تو چاہا کہ اسکے لفظ میں بھی تغیر کریں کہ لفظ مطابق معنی کے ہو جاوے یہ ہے جو کچھ کہ
اخفش سے اسباب میں منقول ہے لیکن یہ بات موقوف ہے دو مقدموں پر ایک تو یہ کہ یسری سری سے مشتق ہے سو یہ لازم نہیں بلکہ ظاہر یہ بات ہے کہ مشتق سرایت سے
ہے کہ مطابق وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى اور وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى کے ہو جاوے دوسرے یہ کہ اگر مشتق سری سے ہووے تو صفت رات کے چلنے والوں کی ہو نہ رات کی صفت اور یہ
بھی کچھ لازم نہیں ہے بلکہ ظاہر یہ بات ہے کہ شب روی کے معنی چھوڑ کر مطلق چلنا مراد ہو چنانچہ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ میں ہے یا شب روی استعارہ ہے رات کے چلنے سے اسواسطے
کہ رات کا چلنا اور چلنا رات میں دونوں مناسب ہیں آپسمیں یعنی مطلب دونوں کا ایک ہے بلکہ اگر خوب غور اور تامل کرکے دیکھئے تو شب روی یعنی چلنا رات کا بھی صفت
رات کی ہو سکتا ہے اسواسطے کہ حقیقت میں رات نام ہے زمین کے سایے کے عکس کا کہ آفتاب کے مقابلہ میں حرکت کرتا ہے اور بسبب منطبق ہونے اس عکس کے قاعدے کے
کسی افق پر آفاق شب سے واقع آتا ہے اور وہ مخروط ہمیشہ حرکت میں ہے لیکن بہ نسبت افق کے حرکت اسکی رات کو ساتھ اس افق کے ہوتی ہے تو اولی یہی ہے کہ
وجہ اسکے ساقط ہونے کی ساتھ رعایت مشابہت پہلی آیتوں کے ہے نہ سوائے اسکے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ کیا نہیں دیکھا تو نے کیا
کیا تیرے پروردگار نے اور دیکھنا یہاں پر جاننے کے معنوں میں ہے اسواسطے کہ یہ قصہ اسقدر معروف اور مشہور تھا کہ جاننا اسکا گویا دیکھنا ہے اور لفظ رب کا
اس تمام سورے میں اور دوسرے سورتوں میں ذات پاک کے نام کی جاے پر مستعمل ہوا ہے اور اس لفظ کے اختیار کرنے کی وجہ اس مقام پر اور دوسرے مقاموں پر یہ ہے کہ ربوبیت
کہ متوجہ اس پیغمبر جلیل القدر کی طرف ہے جامع ہے اور ربوبیت جامع عدل و انصاف قائم کرنا چاہتی ہے اور عدل و انصاف چاہتا ہے بے انصاف اور سرکشوں
کی ہلاکت اور تباہی کو بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ عاد کے فرقے سے کہ ارم کے رہنیوالے تھے اور وہ ارم بستی لمبے لمبے ستونوں والی تھی اور عاد جمع

عمد کی جیسے جبال اور جبل اور یہاں پر سمجھ لیا چاہئے کہ عاد دو فرقوں کا نام ہے ایک تو عاد اولی کہ انکو عاد قدیمہ بھی کہتے ہیں اور وہ اولاد میں عاد بن عوص بن
ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کے تھے اور انکو عاد ارم بھی کہتے ہیں کہ ارم انکا دادا تھا اور شہر ارم کو بھی اپنے دادا کے نام پر نام رکھا تھا اور وطن انکا عدن
کے متصل تھا اور دوسرے عاد کو اور شخص کی اولاد ہیں کہ اسکا نام بھی عاد تھا اور انھیں عاد اولی میں کا تھا کہ احقاف کی سرزمین میں متصل حضرموت کے وطن
اختیار کیا تھا اور اسکی اولاد اس ملک میں بہت پھیل گئی تھی اور انکا یعنی عاد دوم کا قصہ اپنے پیغمبر کے ساتھ کہ حضرت صالح علیہ السلام تھے قرآن مجید میں مکرر
وارد ہے چنانچہ اپنے مقام پر مذکور ہے اور عاد اولی کا قصہ قرآن مجید میں دو جا سے زیادہ نہیں آیا سو وہ بھی اجمال کے طور پر ایک تو اس جاپے پر اور دوسرے سورۂ
نجم میں کہ اھلک عادا الاولی اسی کی طرف اشارہ ہے الغرض انکا قصہ جسقدر کہ تفسیر میں اس آیت کی کفایت کرے لکھا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس قوم کو
قد و قامت اور قوت بیحساب عنایت فرمائی تھی اور زمانے کے سب لوگوں سے اسبات میں ممتاز تھے کم سے کم قد کا آدمی انمیں بارہ گز کا ہوتا تھا اور ہر شخص انمیں کا
بڑے بڑے پتھروں کو جو بہت لوگ اٹھا نہ سکیں ایک ہاتھ سے اٹھا کر پھینک دیتا تھا اور تمام یمن کے ملک پر اپنے زور اور قوت کے سبب سے قابض اور متصرف تھے یہانتک
کہ انمیں دو بادشاہ عظیم القدر پیدا ہوئے ایک تو شدید اور دوسرا شداد اور یہ دونو بادشاہ تمام روے زمین پر متصرف ہوئے تھے اور لشکر اور خزانے بے نہایت جمع کیے
تھے لیکن شداد نے اپنے بھائی شدید کے مرنے کے بعد سلطنت کو کمال رونق اور عروج بخشا تھا کہ چارسو کئی بادشاہ اسکے مطیع اور فرمانبردار تھے اور کسی روے زمین کے
بادشاہ کو طاقت اسکے مقابلے کی نہ تھی پس اس غرور اور تکبر کے سبب سے دعوی خدائی کا کیا تو واعظوں اور عالموں نے اس زمانے کے کہ علم و عمل نبیاؤں کا بطور میراث کے
رکھتے تھے اس ملعون کو پند اور نصیحت کے طور سے حقتعالیٰ کے خوف اور اسکی عبادت کی طرف رغبت دلانے لگے اسنے کہا کہ دولت اور حکومت اور جاہ اور ثروت جو اب مجھ کو موجود
ہے اس سے زیادہ اللہ کی عبادت میں کیا حاصل ہوگا اور جو کوئی کہ کسی کی خدمت کرتا ہے یا تو منصب کی ترقی کے واسطے یا دولت کے واسطے سو یہ سب میرے پاس موجود ہے
مجھکو کیا پڑا ہے کہ کسی کی خدمتگاری کروں انہوں نے کہا کہ یہ ملک اور دولت دنیا کی فانی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کے ثواب میں بہشت عنایت کریگا کہ تمام دنیا
سے بہتر ہے اسنے پوچھا کہ اسمیں کیا خوبی ہے واعظوں نے جو کچھ تعریف اور خوبی اسکی اگلے انبیاؤں سے منقول تھی اسکے سامنے بیان کی اسنے کہا مجھکو اس بہشت کی
بھی حاجت نہیں ہے کیونکہ میں دنیا میں ویسی بنا سکتا ہوں پس اپنے معتبر سرداروں میں سے سو آدمیوں کو مقرر کیا اور ہر ایک کے ساتھ ہزار ہزار آدمی متعین کیے کہ جیسا
کچھ کہ وہ کہیں انکے حکم کے موافق عمارت کے کام میں مشغول رہیں اور ہر ایک سردار کو اپنا اپنا کام سونپ دیا اور تمام ربع مسکوں میں حکم بھیجا کہ چاندی سونے کے
معدنوں میں سے جہاں کہیں کہ ہوں گنگا جمنی اینٹیں بنوا کر بھیجو اور گڑے ہوئے خزانے نکلوائے اور متصل کوہ عدن کے ایک شہر مربع یعنی چوکھنٹا دس کوس کا لمبا
اور دس کوس کا چوڑا کہ گرد اسکا چالیس کوس کا ہوا بنا کرنے کو حکم دیا اور اسکی نیو اسقدر کھودی کہ پانی کے قریب جا پہنچی اور اسکو سنگ سلیمانی سے بھروایا جب
بھر چکی اور برابر زمین کے پہنچی تب اسپر سونے روپے کی اینٹوں سے دیواریں چننا شروع کیا بلندی ان دیواروں کی اس زمانے کے گز سے پانچسو گز کی مقرر کی جسوقت کہ
آفتاب نکلتا تھا تو اسکی چمک سے دیواروں کی روشنی پر نگاہ ٹھیرتی نہ تھی پھر چہار دیواری کے اندر ہزار محل تیار کیے اور ہر محل ہزار ستون کا اور ہر ستون
جواہرات میں جڑا ہوا اور درمیان میں شہر کے ایک نہر بنائی اور ہر ہر مکان میں حوضیں اور چوبچے تیار کیے اور اس نہر سے ہر ہر مکان کو ایک ایک نہر
دوڑائی تھی کہ ہر مکان میں ہمیشہ فوارے اڑا کرتے تھے اور چادریں چھوٹا کرتی تھیں اور حوضیں اور چوبچے سدا لبالب رہتے تھے اور صحن ان نہروں کے یاقوت اور زمرد
اور مرجان و نیلم سے بھر دیئے تھے اور کناروں پر ان نہروں کے درخت بنائے تھے کہ جڑیں انکی سونے کی اور شاخیں اور پتے زمرد کے اور پھول پھل انکے موتی اور یاقوت
کے اور دوسرے جواہرات کے بنا کر لٹکائے تھے اور دوکانوں اور دیواروں کو مشک اور زعفران اور عنبر کو گلاب سے کہگل کرکے استرکاری کروا کے مطلا اور مذہب
کیا تھا اور خوبصورت خوش آواز جانور یاقوت اور جواہر کے بنوا کر درختوں پر بٹھائے تھے اور گرداگرد شہر کے ہزار منارے سونے روپے کے جڑاو بنائے تھے کہ چوکی
پہرے والے لوگ اپنی اپنی باری سے انمیں بیٹھے چوکی دیا کریں جب اس انداز کا شہر بنکر تیار ہوا تو حکم دیا کہ سارے شہر میں قالین اور فرش ریشمین زردوزی بچھاویں
اور برتن سونے روپے کے سب مکانوں میں ترتیب سے چن دیں اور کسی نہر میں میٹھا پانی اور کسی میں شراب اور کسی میں دودھ اور کسی میں شہد اور شربت جاری
کر دیا اور بازار اور دوکانوں کو بھی کمخواب اور زربفت کے پردوں سے آراستہ کیا اور ہر پیشہ اور ہنر والے کو حکم دیا کہ اپنے اپنے کام میں مشغول ہوں اور حکم دیا کہ انواع

انواع قسم کے میوے اور طرح طرح کے عمدہ کھانے ہمیشہ سب شہر والوں کو پہنچا کریں بارہ برس کے عرصے میں یہ شہر اس سجاوٹ کے ساتھ تیار ہوا بعد اسکے
حکم کیا کہ تمام اُمرا اور ارکان کمال تجمل اور زینت کے ساتھ اس شہر میں جا کر رہیں اور خود بھی اپنی فوج اور لشکر کو ہمراہ لیکر کمال غرور اور تکبر سے کوچ
کیا اور راستے میں بطور چہل اور ٹھٹول کے اُن واعظوں اور نصیحت کرنیوالوں کو کہنے لگا کہ تم اسی بہشت کے واسطے مجھکو کہتے تھے کسی دوسرے کے روبرو سر جھکانے
اور ذلیل ہونے کو اب تم نے میری قدرت اور ثروت دیکھی اور بے پروائی اور بے نیازی کو میری معلوم کیا کہتے ہیں جب قریب اس شہر کے پہنچا تو اُس شہر
کے لوگ غول کے غول استقبال کے واسطے شہر کے دروازے سے باہر آکر زر و جواہر اُسپر نچھاور کرنے لگے اور تحفے تحائف نظر گزراننے اسی طرح سے جب دروازہ پر شہر کے
پہنچا اور ایک قدم اُسکا دروازہ کے باہر اور ایک قدم اندر تھا کہ آسمان کی طرف سے ایک ایسی کڑک اور آواز سخت ہوئی کہ تمام مخلوق ہلاک ہوگئی اور بادشاہ بھی اپنے
دروازہ میں گر پڑا اور مر گیا اور اس شہر کے دیکھنے کی حسرت کہ کس محنت اور مشقت سے اسکو تیار کیا تھا دل میں لیگیا اور بعضی کتابوں میں لکھنے میں آیا ہے
کہ ملک الموت سے حقتعالیٰ نے پوچھا کہ تجکو کسی بندے کی جان نکالنے کے وقت کبھی رحم بھی آیا ہے یا نہیں ملک الموت نے عرض کیا کہ بار خدایا مجکو دو شخصوں
کی جان نکالنے میں کمال رقت ہوئی اگر تیرا حکم نہوتا تو میں ہرگز اُنکی جان نہ نکالتا ایک تو ایک بچہ تھا نیا پیدا ہوا اپنی ماکے ساتھ کشتی کے تختے پر رہگیا تھا
حکم ہوا کہ اسکی ماکی جان قبض کرلے اُسوقت مجکو اس بچے پر نہایت رحم آیا کہ اس بچہ کا اُسکی ماکے سوا کوئی خبر گیر نہ تھا دوسرا ایک بادشاہ تھا کہ اُس نے
ایک شہر کمال آرزو سے بنایا تھا کہ ویسا کہیں دنیا میں نہیں بنا جب تیار ہو چکا اور وہ اُسکے دیکھنے کو آیا جسوقت کہ قدم دروازہ میں رکھا حکم ہوا کہ اسکی
جان قبض کرلے اُسوقت بھی مجھکو نہایت رقت آئی کہ وہ کیا کچھ حسرتیں اپنے دل میں لیگیا ہوگا جناب الٰہی سے ارشاد ہوا کہ یہ بادشاہ وہی لڑکا تھا کہ ہمنے
اُسکو بغیر ماں باپ کے پرورش کیا اور اس حشمت اور ثروت کو پہنچایا جب اس مرتبے کو پہنچا تو ہماری تابعداری سے منہ موڑا اور تکبر کرنے لگا آخر اپنی سزا کو پہنچا۔
کہتے ہیں کہ وہ کشتی کا تختہ کہ یہ بچہ اُسپر رہگیا تھا بہتا بہتا دریا کے کنارے آلگا اُس گانوں کے دھوبی وہاں کپڑے دھوتے تھے جو دیکھا کہ ایک بچہ اپنی ماکی لاش کے پاس
تختے پر پڑا ہے تو اس تختے کو کھینچ لائے اور مُردے کو مدفون کر دیا اور بچہ کو اپنے مہتر پاس لیگئے مہتر اسکا حسن و جمال دیکھکر ہزار جان سے عاشق ہو گیا اور اس مہتر کی
اولاد نہ تھی پس اُس نے بچے کو فرزندی میں لیا اور پرورش کرنے لگا یہانتک کہ سات برس کا ہوا لیکن اُسکی عقل اور دانائی اور چالاکی اُسیوقت سے کچھ اور طرح
کی نظر آتی تھی ایک روز گانوں کے باہر بچوں کے ساتھ کھیلتا تھا کہ ایکبارگی شور ہوا کہ بادشاہ کی سواری آتی ہے اور لوگوں کا گزرنا شروع ہوا سارے لڑکے
ہیبت سے بھاگ گئے اور یہ شخص ایک ٹیکرے پر کھڑا بادشاہ کی سواری کا اور لشکر کا تماشا دیکھتا تھا یہانتک کہ سارا لشکر چلا گیا اور چند ڈولی کے پیادے کہ
گرے پڑے کی خبر گیری کے واسطے لشکر کے پیچھے پیچھے آتے تھے گزرنے شروع ہوئے ایک پیادے نے اُن پیادوں میں سے ایک پوٹلی پائی اُسمیں سُرمہ دانی اور
سلائی تھی اپنے یاروں سے کہنے لگا کہ میں نے سُرمہ پایا ہے اگر تمہاری صلاح ہو تو میں اسکو لگاؤں کہ میری بینائی میں فرق ہو گیا ہے شاید کہ فائدہ کرے
اُنہوں نے کہا کہ اول تو رستے کی پڑی ہوئی چیز اُٹھانا نہ چاہئے خیر اگر تو نے اُٹھالی تو بغیر آزمائے ہوئے آنکھوں میں لگانا ہرگز مناسب نہیں پہلے کسی اور کی
آنکھوں میں لگا جب اسکو فائدہ کرے تو تو بھی استعمال میں لا اس پیادے نے اِدھر اُدھر دیکھا تو کوئی وہاں نہ تھا مگر یہ لڑکا ایک ٹیلے پر کھڑا تھا اُسنے کہا
لڑکے آ ہم تیری آنکھوں میں سُرمہ لگادیں کہ تیری آنکھیں اچھی لگیں یہ لڑکا دوڑتا ہوا اُس پیادے کے پاس گیا اور سُرمہ دانی اور سلائی پیادے سے لیکر
اپنی آنکھ میں لگائی لگانے کے ساتھ ہی تمام زمین کے خزانے اُسکو نظر آنے لگے جیسے صاف پانی میں چیز نظر آتی ہے لڑکا اپنی لیاقت اور دانائی سے چلایا
اور فریاد کرنے لگا کہ اے خانہ خراب ظالموں تمنے میری آنکھیں پھوڑ ڈالیں میں بادشاہ کے پاس فریاد کرونگا اور تمکو سزا دلواؤنگا پیادوں نے جو یہ بات سُنی سُرمہ تو وہیں
چھوڑا اور گرتے پڑتے اپنی جان لیکر بھاگے یہ لڑکا سُرمہ دانی لئے ہوئے اپنے گھر آیا اور یہ حقیقت مہتر سے بیان کی مہتر نے کہا اپنے گدھے خچریں موجود ہیں رات کو جب لوگ
سو جاویں تو پھاوڑے کدالیں لیکر جو جو مزدور کہ اپنے اعتباری ہیں انکو ساتھ لے جس جگہ پر تجکو خزانہ نظر آوے وہاں سے کھود کے انہی گدھوں خچروں پر لاد لا
اس لڑکے نے اسی طور سے کیا آخر لا لا کر بہت سا مال جمع کیا اور سب گانوں والوں کو اپنا رفیق کر لیا اور اُس گانوں کے سردار کو مار ڈالا اور اُسکی جگہ پر آپ ہو بیٹھا
ہوتے ہوتے یہ خبر حاکموں فوجداروں کو پہنچی تو اُنہوں نے ارادہ اُسکے سزا دینے کا کیا اُس لڑکے نے بھی فوج رکھکر مقابلہ کیا اور اُن سب کو مار دیا آخر چند روز کے بعد

وہ بادشاہ مرگیا تو اس لڑکے نے فوج کشی کی آخر ہوتے ہوتے بادشاہ ہوگیا اسی طرح سے بڑھتے بڑھتے تمام روئے زمین کا بادشاہ ہوا اور تمام جہان کے بادشاہ اسکے مطیع اور فرمانبردار ہوئے اب سنا چاہیئے کہ وہ شہر کیا ہوا معتبر معتبر تفسیروں میں لکھا ہے کہ اس بادشاہ اور لشکر کے ہلاک ہونیکے بعد اللہ تعالیٰ نے اُس شہر کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ کر دیا مگر کبھی کبھی رات کو عدن کے گرد نواح کے لوگوں کو اسکی جھلک اور روشنی اُس جا سے معلوم ہوتی ہے کہتے ہیں کہ یہ روشنی اُسی شہر کی دیواروں کی ہے اور عبد اللہ بن قلابہ کہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحابوں میں سے تھے اتفاقاً اُس نواح میں وارد ہوئے کہ ناگاہ ایک اونٹ انکے اونٹوں میں سے چھوٹ کر بھاگ گیا وہ اُسکے ڈھونڈنے کو نکلے جب اُس شہر کے نزدیک پہنچے تو اُن مناروں اور دیواروں کو دیکھکر بیہوش ہوگئے اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ شہر کی توصاف اُسی بہشت کی سی صورت ہے جس کا پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمسے وعدہ فرمایا ہے شاید یہ معاملہ میں خواب میں دیکھتا ہوں جب اُس شہر کے دروازہ پر پہنچے اور اندر گئے تو دیکھا کہ تمام مکانات اور نہریں اور درخت وہاں کے سب بعینہ جنت کے سے ہیں لیکن شہر میں کوئی آدمی نہیں تھوڑے سے جواہر اور یاقوت کہ مکانات کے صحن میں سنگریزوں کی جا سے پر بکھرے پڑے تھے اپنی چادر میں لے لیے اور تنہائی کے خوف سے جلد نکل بھاگے اور دمشق کو گئے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو یہ سارا احوال بیان کیا تو حضرت معاویہ نے اُنسے پوچھا کہ یہ شہر تمنے خواب میں دیکھا ہے یا بیداری میں اُنہوں نے کہا بیداری میں اور نشانیاں اس شہر کی خوب دل میں یاد رکھی ہیں کہ عدن کے پہاڑ سے فلانی جانب کو اسقدر مفاصلہ رکھتا ہے اور دوسری طرف فلانے درخت کی نشانی ہے اور ایک طرف کو فلانا کنواں ہے اور یہ جواہر اور یاقوت کہ وہاں سے لایا ہوں میرے پاس موجود ہیں حضرت معاویہ اسبات کے سننے سے نہایت متعجب ہوئے اور اُسوقت کے عالموں کے پاس آدمی بھیجا کہ دنیا میں کوئی شہر ایسا بھی ہے کہ سونے روپے سے بنا ہوا اور ایسا ایسا ہو اُسوقت کے علماء نے کہا کہ قرآن مجید میں اُسکا مذکور آگیا ہے ارم ذات العماد مگر اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ کر دیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت میں سے ایک شخص اسمیں جاویگا اور وہ شخص کوتاہ قد سرخ رنگ اور ابرو اور گردن پر اُسکے دو خال ہونگے اور اپنے اونٹ کو ڈھونڈتا ڈھونڈتا اُس شہر میں جا پہنچیگا اور وہاں کے عجائبات دیکھیگا جب حضرت معاویہ نے یہ سب نشانیاں اُنمیں دیکھیں تو بے اختیار فرمایا واللہ یہ وہی شخص ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ اس شہر کی اس سے زیادہ کوئی کیا تعریف کریگا کہ خود رب العزت باوجود احاطہ علم کے تمام معلومات پر اُسکے حق میں ارشاد فرماتے ہیں کہ **الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ** وہ شہر کہ ہرگز پیدا نہیں کیا گیا ویسا اور زمین کے شہروں میں **وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ** اور کیا کیا تیرے پروردگار نے ثمود کے فرقے سے کہ بڑے بڑے پتھروں کو تراشتے تھے وادی القریٰ میں اور ثمود قوم عاد کے ہی عم تھے کہ عادیوں کے ہلاک ہونیکے بعد حجاز شریف اور شام مقدس کے درمیان میں اپنا مسکن مقرر کیا تھا اور حجر سے وادی القریٰ تک ایک ہزار سات سو بستیاں اپنے تصرف میں رکھتے تھے اور ہر ہر بستی میں بڑے بڑے محل اور اٹاریاں اور دروازے اور طاق پتھروں کے تراشتے تھے اور تصویریں گل در ریاحین کی اُنمیں بنائی تھیں اور طرح طرح کے اسباب عیش اور عشرت کے جمع کرکے بیٹھے چین کرتے تھے مگر بت پرستی میں مشغول تھے یہانتک کہ حضرت صالح کو اللہ تعالیٰ نے رسول کرکے اُنکی طرف بھیجا اور اُنکا قصہ والشمس کی سورت کی تفسیر میں مذکور ہے اور وادی القریٰ ایک شہر کا نام ہے کہ عرض اور طول میں مکہ معظمہ کے برابر ہے اور نخلستان اور چشمے اُسمیں بہت ہیں اور آنحضرت صلعم خیبر کے فتح کے بعد اُسپر جمیع متعلقات کے ساتھ قابض اور متصرف ہوئے ہر چند کہ بہت سے باغات اور عمارات ثمودیوں کی حجر اور اسکے گرد نواح میں تھیں لیکن بالتخصیص ذکر وادی القریٰ کا اس جہت سے واقع ہوا کہ یہ مکان انکے شہروں کی انتہا کا تھا حجاز کے متصل اور ہنوز آباد تھا برخلاف حجر کے کہ اتصال اُسکا شام کی طرف ہے حجاز سے دور اور حجاز کے لوگ کما حقہ اُسکے احوال پر مطلع بھی نہ تھے اور اُو حر لق و دق پڑا تھا طول حجر کا نجومی ستر درجے اور تیس دقیقے ہے اور وادی القریٰ کا بہتر درجے اور عرض نجومی دونوں کا برابر ہے **وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ** اور کیا کیا فرعون میخوں والے سے جو لوگونکو چومیخا کرکے مارتا تھا چنانچہ کئی مسلمانوں کو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اسی طور سے شہید کیا اُنمیں سے ایک کا نام خربیل کہ اُسکے خزانہ کے داروغہ تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر پوشیدہ ایمان لائے تھے جب فرعون کو خبر ہوئی تو اُنکو چومیخہ کرکے شہید کیا اور ایک خربیل کی بی بی کہ وہ فرعون کی

بیٹی کی مشاطہ تھیں انکے ایمان لانے کی بھی فرعون کو خبر پہنچی تو انکو بلا کر کہا کہ تو اسلام سے باز آ انہوں نے کہا کہ یہ بات تو ممکن نہیں آخر خفا
ہو کر حکم دیا کہ انکو زمین پر ڈالکر چاروں ہاتھ پاؤں پر میخیں ٹھونک کر مارنا شروع کرو آخر اسی حالت میں انکی روح پرواز کر گئی انہی میں سے ایک
حضرت آسیہ فرعون کی بی بی کہ وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تھیں جب فرعون موسیٰ علیہ السلام کی ایذا کا ارادہ کرتا تھا تو وہ سمجھا کے
اسکو روک دیتی تھیں جب تنگ ہو کر یکروز آپ پر غصہ ہو کر حکم کیا کہ انکو چار میخوں سے باندھ کے چکی کے پاٹ انکے سینہ پر رکھدو غرض انکو دھوپ میں گرم زمین پر لٹا کر چکی کا پاٹ انکے سینہ پر رکھا یا
اسوقت حضرت آسیہ نے جناب باری میں دعا کی کہ یا اللہ تو میرے واسطے بہشت میں گھر بنا دے اور ان ظالموں کے ہاتھ سے مجھکو نجات دے اسیوقت جبرئیل علیہ السلام حکم الٰہی سے آئے اور انکی
روح مبارک کو بہشت میں لیجا کر ایک موتی کے محل میں کہ انکے واسطے تیار ہوا تھا داخل کیا فرعون نے جب نزدیک آ کر دیکھا تو تن بیجان پڑا تھا مایوس ہو کر
چلا گیا اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ میخوں سے مراد لشکر کی میخیں ہیں کہ لشکر کا کاروبار سب میخوں پر موقوف ہے کیونکہ گھر انکے تنبو شامیانے بے چوبے
قناتیں ہیں وے سب میخوں پر کھڑے ہوتے ہیں اور جو انکے جانور ہیں جیسے ہاتھی گھوڑے اونٹ خچر بیل یہ سب بھی میخوں ہی سے بندھتے ہیں اسواسطے
لشکری لوگ میخ دینے میں اسقدر بخل کرتے ہیں کہ شہر کے لوگ روپیہ پیسا دینے میں اتنا بخل نہیں کرتے اور فرعون کا لشکر گنتی سے باہر تھا کہتے ہیں کہ
اسکے لشکر کا یہ دستور تھا کہ ایک دوسرے رسالے کی یا ایک دوسری مثل کی پہچان گھوڑوں کے رنگوں سے ہوتی تھی مثلاً کمیت گھوڑوں کی ایک مثل
اور مشکیوں کی ایک مثل اسیطرح سے ابلق گھوڑوں کے سوار کہ یہ رنگ اور رنگوں کی نسبت بہت کم ہوتا ہے ستر ہزار تھے کہ لشکر کے آگے ہراولی میں چلتے
تھے اس جائے سے اسکے لشکر کی تعداد قیاس کر لیا چاہئے جبکہ بیان کر لیے تینوں قصوں کے کہ دلالت کرتے ہیں بدلا لینے پر بڑے بڑے سرکش زور آور
کی جماعت سے آن واحد میں اس دنیا کے اندر کہ جزا کا محل بھی نہیں ہے فارغ ہو چکے تو اب فرماتے ہیں کہ ہلاک کرنا ان تینوں سرکشوں کے گروہوں کا انکے
مال اور ملک کی طمع کے واسطے نتھا جیسے کہ دنیا کے بادشاہوں کو اپنے دشمنوں کے مارنے میں منظور رہتا ہے بلکہ انکی سرکشی اور ظلم کے دفع کرنیکے واسطے
تھا اسواسطے کہ انکا حال یہ تھا **الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ** جنہوں نے سر اٹھایا تھا شہروں میں اور تخصیص شہروں کی اسواسطے ہے
کہ اکثر محل امن و امان کا اور بنی آدم کے ہر قسم کے فرقوں کی سکونت کا مقام شہر ہوتے ہیں اور ہر چند کہ ملک کے مالک ظالم اور ستمگر ہوتے ہیں لیکن اپنے
شہروں میں عدل اور انصاف کا طریقہ جاری رکھتے ہیں اور اگر ظلم اور تعدی کرتے ہیں تو جنگلوں پہاڑوں لشکروں میں کہ خارج اپنی قلمرو سے ہوتے
ہیں اور یہ تینوں فرقے بیباک اپنے لشکروں میں ظلم اور تعدی کرتے تھے **فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ** پھر بہت کرتے تھے ان لشکروں میں
فساد اور بہت کرنا فساد کا یہ ہے کہ شہر والوں کے عقیدے بھی فاسد کرتے تھے اور بری رسمیں اور مار دھاڑ اور پرائے مال زور سے چھین لینا اور گالی گلوچ
کرنا جاری رکھتے تھے پس دین بھی لوگوں کا برباد جاتا تھا اور جان مال عزت آبرو بھی بخلاف اور ظالموں کے کہ اکثر انہوں سے مال اور جان ہی کو ضرر پہنچتا تھا
فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ پھر برسایا اوپر تیرے ربنے کہ ربوبیت اسکی عام اور جامع ہے جیسا کہ مفسدوں کا رب ہے ویسا ہی مظلوموں کا
بھی ہے سو ربوبیت اس ذات پاک کی اسی بات کو چاہتی ہے کہ مظلوموں کا بدلا ظالموں سے پورا پورا لیا جاوے **سَوْطَ عَذَابٍ** ایک کوڑا عذاب کا
اور کوڑے کے لفظ میں اشارہ اسبات کا ہے کہ یہ تمام سخت عذاب کہ مینہ کی طرح سے ان تینوں گروہ پر برسا بہ نسبت ان عذابوں کے کہ آخرت میں انکے واسطے
تیار ہے اور وے اسکے سزاوار ہیں حکم کوڑے کا رکھتا ہے بہ نسبت شمشیر کے اور مجموع لفظ صب اور سوط سے معلوم ہوا کہ عذاب کے واسطے دو استعارے
فرمائے ہیں اول مینہ کہ صب کا لفظ اسکی تشریح ہے دوسرا تازیانہ کہ سوط کا لفظ اسکی تصریح ہے اور ایک عبارت میں دو استعارے جمع فرمانا آئین کلام اللہ
کا ہے بشر کے کلام میں پایا نہیں جاتا چنانچہ اس آیت میں بھی فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ مذکور ہے اور بالتخصیص ان تینوں قصوں کے
لانے میں نکتہ یہ ہے کہ لوگوں کے ذہنوں میں جو بدلا لینا جمع کثیر سے مشکل معلوم ہوتا ہے سو یا تو اس جہت سے ہوتا ہے کہ وہ جماعت کثیر بڑے زور آور اور
قوی ہیکل ہوتے ہیں کہ کوئی انکے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا تو اسکے واسطے قصہ شداد اور عاد کا بیان فرمایا اور یا گڑھی کوٹ کی مضبوطی کے سبب سے
ہوتا ہے تو اس شبہے کے دفع کے واسطے ثمود کا قصہ ارشاد ہوا یا فوج اور لشکر کے باعث سے ہوتا ہے سو اسکے لئے فرعون کا احوال مذکور فرمایا اسلئے اس مضمون کو

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ تحقیق ثابت ہوا کہ تیرا رب البتہ گھات میں ہے جیسے کوئی شخص پوشیدہ سر راہ بیٹھا آنے جانیوالوں کا احوال دیکھتا ہے اور معلوم کرتا ہے کہ فلانا کیونکر گزرا اور کیا کرتا گیا اور فلانا کیا لایا اور کیا لیگیا کہ ملاقات کے وقت اُسکے موافق عمل میں لاوے پس جناب باری کہ دنیا میں انتقام نہیں لیتا محض بنی آدم کی بھلائی برائی پوری ہوجانے کو کہ وہ بغیر فنا ہوجانے نوع انسانی کے ممکن نہیں نہ کہ اُنکے بھلے بُرے کاموں سے غافل ہے یا بے پروائی کی راہ سے بدلا لینا منظور نہیں رکھتا بس یہ سب مہال ہے یعنی ڈھیل دینا ایک مدت تک ہے اہمال نہیں یعنی مہمل چھوڑ دینا نہیں ہے اور اکثر یہ کمینگاہ اور انتظار بندوں کے حق میں مال اور جاہ اور عزت اور نعمت کے دینے اور نہ دینے کے سبب سے ہوتا ہے تاکہ معلوم کرے کہ مال اور جاہ اور نعمت کے دینے سے شکر کرتا ہے اور اپنی حد کے اندازہ سے قدم باہر نہیں رکھتا ہے یا تکبر اور فخر اور سرکشی اختیار کرتا ہے اور مال اور جاہ اور نعمت نہ دینے کی حالت میں بھی دیکھتا ہے کہ کفران نعمت اور جزع اور فزع کرتا ہے یا صبر اختیار کرتا ہے اور رضا بالقضا یعنی اللہ کے حکم پر ثابت رہتا ہے لیکن اس گھات اور انتظار کو سوائے اللہ تعالیٰ اور پیغمبروں اور صدیقوں اور اولیاؤں اور عالموں ربانی کے کوئی نہیں جانتا اور بنی آدم کہ غیب کے معاملے کی کیفیت سے غافل ہیں ہرگز اس بھید کو نہیں جانتے اور ظاہر کی نعمت اور مال پر فریفتہ ہوجاتے ہیں اور ظاہر کے فقر اور تکلیف پر جزع اور فزع کرنے لگتے ہیں اور ناامید ہوجاتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں **فَاَمَّا الْاِنْسَانُ** پس آدمی اس چھپے معاملہ سے غافل ہے اور اسکی غفلت کی دلیل یہ ہے **اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ** جب آزماتا ہے اُسکا پروردگار کہ گھات میں مال دیکر **فَاَكْرَمَهٗ** پس عزت دیتا ہے اسکو بسبب اس رتبے کے کہ مال دینے سے اسکو حاصل ہوا ہے **وَنَعَّمَهٗ** اور نعمت میں رکھتا ہے اسکو کیونکہ مال سے ساری نعمتیں حاصل ہوتی ہیں **فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ** پھر کہتا ہے میرے رب نے مجھکو عزت دی ہے سمجھے تو جھے یہ نہیں جانتا کہ سب آزمایش ہے بکڑا ہے سے نڈر ہونا نہ چاہیئے اور دھوکا نہ کھایئے کہ جو اول بار میں مال اور عزت دی ہے تو آخرت میں بھی اسیطرح سے کرینگے یہ بات ہرگز نہیں ہے بلکہ مقدمہ ابھی تو پردے میں ہے دیکھیئے کیا ہو **وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ** اور مقرر آدمی جب آزماتا ہے اسکو پروردگار اسکا فقر فاقہ سے **فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ** تو تنگ کرتا ہے اسپر رزق اسکا اگرچہ حاجت ضروری کے موافق کہ زندگانی اسپر موقوف ہے میسر ہو **فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ** پھر کہتا ہے میرے پروردگار نے مجھکو ذلیل کیا ہے سمجھے تو جھے اسبات کے کہ یہ سب آزمایش ہے میرے صبر کی اور عزت اور ذلت کا مقدمہ تو پوشیدہ ہے نہیں معلوم کہ کیا ہے کیونکہ بہت ہوتا ہے کہ فقر آخرت کی عزت کا سبب ہوجاتا ہے اور بہت ہوا ہے کہ مال اور دولت آخرت کی ذلت اور وبال کے سبب ہوئے ہیں سو دنیا کے پہلے حال پر مغرور ہونا اور ان دونوں صورتوں میں یعنی نعمت اور بلا میں غیب کے معاملہ کو کہ امتحان اور آزمایش ہے نہ سوچنا بڑی غفلت ہے اِنَّ ربك لبالمرصاد کے مضمون سے باقی رہے یہاں پر چند سوال کہ جواب انکا بہت ضرور ہے اول یہ کہ لفظ ف کا تفریع کے واسطے آیا ہے اور عرب کی لغت میں ف کا کلمہ مجمل کی تفصیل کے واسطے ہوتا ہے وہ مجمل جو سابق کے کلام میں گزرا ہو سو اس کلام میں وہ مجمل کہاں ہے اور تفریع تفصیل کی کس چیز سے علاقہ رکھتی ہے جواب اسکا یہ ہے کہ وہ مجمل کلام مضمون ان ربك لبالمرصاد کا ہے اسواسطے کہ اس مضمون سے معلوم ہوا کہ پروردگار عالم کا آزمایش اور امتحان کے درپے ہے اور بندوں کے احوال سے غافل نہیں اور یہ بات اسکو چاہتی ہے کہ بندے بھی ڈرتے اور ہوشیار رہیں غافل نہ ہوجاویں لیکن آدمی غفلت میں گرفتار ہے اور اسکی غفلت کا بیان دونوں صورت میں عزت یا ذلت دولت ہو یا فقر تفصیل اس مضمون کی ہوئی اور اس تفصیل کو اس اجمال پر ف کے لفظ سے تفریع فرمایا ہے دوسرے یہ کہ دولت کی آزمایش کی جاے پر فاکرمہ ارشاد ہوا اور بندہ کی زبانی بھی فاکرمن نقل فرمایا اور فقر کی آزمایش کی جاے پر فاھانہ نہ فرمایا اور بندہ کی زبانی سے فاھانن فرمایا اسمیں کیا نکتہ ہے جواب اسکا یہ ہے کہ حقیقت میں رزق کی تنگی اہانت کا سبب نہیں ہے پس فقر کو اہانت کہنا غافل بندے کا کام ہے کچھ موافق واقع کے نہیں ہے کیونکہ اکثر ہوتا ہے کہ فقر ظاہری دنیا اور آخرت کی صلاح کا سبب ہوجاتا ہے بلکہ موجب عزت اور جاہ کا بھی ہوجاتا ہے چنانچہ بہت سے اولیاء اللہ کے احوال سے ظاہر اور ہویدا ہے اور دولت اور مال حقیقت میں عزت ظاہری کا سبب ہوتا ہے اکثر حالات میں گو کہ آخرت کی عزت کا سبب نہو بہر صورت فراخی رزق کی دنیا میں بہتر ہے دنیا اور آخرت کے خسران سے سمعاً سو اس نکتے کے واسطے فاکرمہ کے لفظ کو اس جگہ پر بڑھایا

بتیسرے یہ کہ اصل کلام یوں معلوم ہوتا ہے کہ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَاَكْرَمَهٗ وَاَمَّا هُوَ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ
فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ پس لفظ فیقول کا مبتدا کی خبر ہے دونوں جا بے پر و امّا اذا ما ابتلٰہ ظرف ہے یقول کا اور کلام مجید میں اول امّا کو انسان پر
داخل کیا اور دوسری بار اذا ما ابتلٰہ پر کہ ظرف یقول کا ہے لائے اس تغییر میں کیا نکتہ ہے جواب سکا یہ ہے کہ حقیقت میں امّا ظرف پر داخل
ہے اسواسطے کہ امّا کا لفظ لانے سے انسان کی تفصیل منظور نہیں ہے بلکہ اسکی آزمایش کی تفصیل دولت اور فقر سے منظور ہے اور پہلے قرینے میں کہ
انسان کا لفظ متصل امّا کے وارد ہے ضمیروں کے مرجع کی تعیین کے واسطے ہے جو کہ سابق میں مذکور نہیں ہوئے سو باعتبار اصل معنی کے کلام کو یوں
سمجھا چاہیے کہ ان ربك لبالمرصاد والانسان غافل عن ذلك فى كلتا الحالتين فاما اذا ما ابتلٰه ربه فاكرمه ونعمه فيقول ربى
اكرمن واما اذا ما ابتلٰه فقدر عليه رزقه فيقول ربى اهانن بلکہ اگر خوب غور کیجئے تو یہاں دو تفصیلیں منظور ہیں اول یہ کہ اما الانسان فهو
غافل عن كون ربه لبالمرصاد فى كلتا الحالتين اور دوسرے یہ کہ اما فى حالة الابتلاء بالنعمة والمال فلا يتلقى النعمة بالشكر واما فى
حالة الابتلاء بالفقر والضيق فلا يتلقاه بالصبر ولا يدرى ان ربه مترقب لمجازاته على معاملته اور جو تفصیل اول کی مقصود بالذات
نہ تھی تو انسان کے لفظ کو اس تفصیل کے واسطے شروع میں اس تفصیل کے زیادہ کیا تاکہ اشارہ ہو اس تفصیل پر اور دوسری تفصیل کو اشباع کے طور
لائے ہیں اسواسطے کہ یہی تفصیل بالذات مقصود تھی واللہ اعلم چوتھے یہ کہ انکار اور مذمت انسان کی جو اکرمن اور اهانن کے لفظ سے بوجھی جاتی ہے
کس چیز کی طرف متوجہ ہے حالانکہ انسان بیچارہ اس کہنے میں سچا ہے چنانچہ اکرام کے مقام پر اسکے مطابق خود بھی ارشاد فرمایا ہے پھر اگر بندے نے بھی
اسکے موافق کہا تو کیا جائے انکار کی ہے اور اہانت کی جانب پر ہر چند کہ خود نہیں فرمایا ہے لیکن مطابق واقع کے ہے کیونکہ فقر اور معاش کی تنگی اکثر اوقات
میں سبب ذلت اور حقارت کا ظاہر بینوں کی نظروں میں معلوم ہوتی ہے چنانچہ کہا ہے عزة الدنيا بالمال وعزة الاخرة بالاعمال جواب سکا
یہ ہے کہ انکار اور مذمت کہنے پر اکرمن اور اهانن کے نہ اسواسطے ہے کہ موافق واقع کے نہیں ہے بلکہ اس جہت سے ہے کہ بندہ اکرام اور اہانت دنیوی میں
گرفتار ہے اور اس آزمایش سے کہ پردے میں اکرام اور اہانت کے مخفی اور مستور ہے غافل ہو جاتا ہے اور حقیقت کو اکرام اور اہانت کی کہ قیامت کے روز ظاہر
ہوگی نہیں جانتا اور سوا اکرام اور اہانت دنیوی کے کسی طرح کا اکرام اور اہانت تصور نہیں کرتا پس بندہ مانند بے عقل بچے کے ہے کہ زہر شکر آلود کو
مانند شکر کے جانتا ہے اور بدمزے دوا کو کہ سراسر اسکے حق میں نافع ہے زہر جانتا ہے سو یہ انکار اور جھڑکیاں اسکی بیوقوفی پر ہیں کہ حقیقت کو چھوڑ کے ظاہر
پر بھولا رہا ہے پانچویں یہ بات ہے کہ ابتلا کے معنی عرف کے موافق فقر میں تو ظاہر ہیں لیکن دولت اور اکرام میں ابتلا کے کیا معنی ہونگے جواب سکا یہ ہے کہ لغت میں
ابتلا کے معنی امتحان اور آزمایش کے ہیں سو جیسی کہ فقر میں آزمایش منظور ہے یعنی صبر کریگا یا نہیں اسیطرح دولت میں بھی وہی آزمایش منظور ہے کہ شکر کریگا یا نہیں

باده نوشیدن و ہشیار نشستن سہل ست * گر بدولت برسی مست نگردی مردی * پس ابتلا سے اس جاپر لغوی معنی مراد ہیں نہ عرفی اور جب آدمی کے
حال کی تفصیل بیان کر نیسے فقر ہو یا غنا فارغ ہو چکے تو اب اسکو ادا کرنے پر ان حقوں کے جو لوازمات غنا کے ہیں اور ادا کرنے پر اسکے شکر کے زجر اور
توبیخ فرماتے ہیں **كَلَّا** بات یوں نہیں ہے کہ ملنے سے مال اور جاہ کے مغرور اور فریفتہ ہو کر اپنی بزرگی کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک لازم جانو اور اسکی
نعمتوں کو اسکی مرضیات میں صرف نہ کرو جس طرح بیان کرتے ہیں **بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ** بلکہ تم لوگ یتیم کی عزت نہیں کرتے حالا نکہ
اللہ تعالیٰ نے تمکو مرتبہ اور عزت اسواسطے دیا ہے کہ بے عزت لوگوں کی عزت کرو خصوصاً یتیم کی کہ بے عزتی ہر طرف سے اسپر برستی ہے چنانچہ بہت سا
مال اور دولت تمکو اسواسطے دیا گیا ہے کہ فقیروں اور محتاجوں پر خرچ کرو اور انکا پیٹ بھرو اور تم لوگ یہ کام نہیں کرتے **وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ
عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ** اور ایک دوسرے کو تقید نہیں کرتے ہو کھانا کھلانے پر مسکین کے بلکہ اپنے مال کمائے ہوئے سے دینا تو کیا ممکن ہے
غیر کے مال سے بھی جو بے محنت اور بے مشقت تمکو ملتا ہے خرچ نہیں کرتے ہو اور اسکو بھی بیدھڑک چکھ جاتے ہو چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **وَتَاْكُلُوْنَ
التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا** اور کھاتے ہو میراث باپ دادوں کی بے موقع اور بیجا اور فرق نہیں کرتے ہو تم درمیان اپنے حق کے کہ حلال ہے اور اپنے شرکا

شریکوں کے حق کے کہ حرام ہے پس تمہاری سمجھ بوجھ جانوروں کی سمجھ بوجھ سے بھی کمتر ہے کہ اپنی گھاس کو اول سونگھ لیتے ہیں پھر اگر قابل کھانیکے ہوتی ہے تو کھاتے ہیں نہیں تو نہیں اور کوئی یہ کہے کہ نہ تو میرے پاس مال ہے کہ یتیم اور مسکین کو اسمیں سے دوں اور نہ باپ دادے کی میراث ملی ہے کہ اسمیں شریکوں کا حق کھالیا ہوگا اسکے جواب میں فرماتے ہیں **وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا** اور دوستی رکھتے ہو تم مال سے جی بھر کے ہر چند کہ مالدار نہیں ہو لیکن تمہارے دل میں مال کی محبت بھری ہوئی ہے اگر تمہارے ہاتھ میں آوے تو تم بھی وہی کرو جو دوسرے کرتے ہیں اور یہاں پر جمّا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الجملہ محبت مال کی اور تعلق دل کا اسکی طرف اگر موافق حاجت ضروری کے ہو تو معیوب نہیں ہے کیونکہ عالم کے انتظام کی بقا اسی پر موقوف ہے اور وہ محبت جو بد ہے سو اسیقدر ہے کہ زیادہ حاجت سے ہو **كَلَّا** یوں نہ سمجھا چاہیئے کہ حق تعالی نیک اور بد کاموں سے بندوں کے غافل ہے یا بدلا دینا نیک اور بد کاموں پر منظور نہیں ہے بلکہ اللہ تعالی گھات میں ہے اور منتظر ہے ایک وقت کے آنے کا جو اسکی حکمت نے اعمالوں کی جزا اور سزا دینے کے واسطے مقرر کیا ہے اور بیان اس وقت کا یہ ہے **إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا** یعنی جب کوٹی جاویگی زمین جیسا کہ حق ہے کوٹنے کا یہانتک کہ ریزہ ریزہ ہو جاوے۔ اور پہاڑ اور اونچی نیچی زمین سب برابر ہو جاوے اور یہ حالت بھونچال کی شدت کے سبب سے ہوگی جو قیامت کے دن آویگا اور اسی زلزلے کے سبب سے مُردے قبروں سے نکلینگے اور پھونکنے سے صور کے روحیں ان سے ملجاوینگی **وَجَاءَ رَبُّكَ** اور آویگا تیرا پروردگار جلال اور قہر کی صفت سے اور تجلی فرماویگا اور جزا اور سزا دینے کو بندوں کے متوجہ ہوگا **وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا** اور آوینگے فرشتے صفیں کی صفیں یعنی فرشتے ساتوں آسمان کے سات صفیں ہو جاوینگے اور حاملان عرش کی ایک صف دوسری اور علی ہذا القیاس **وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ** اور لائی جاویگی اُس دن دوزخ یعنی ظاہر کی جاویگی چنانچہ دوسری آیت میں فرمایا ہے وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَنْ يَرَى اور بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ ستر ہزار فرشتے دوزخ کو اپنے مقام سے ستر ہزار باگوں سے کھینچتے ہوئے بائیں طرف کو عرش معلے کے لاوینگے اور جب وہ سو برس کی راہ حشر کے میدان سے دور رہیگی تو چنگاریاں اور لپٹیں اسکی اڑینگی اور اسکے جوش و خروش کی آواز اتنی دور سے سب اہل محشر سنینگے اسوقت محشر کے لوگوں پر نہایت خوف غالب ہوگا اور پیغمبر منبروں اور کرسیوں سے اُتر پڑینگے اور ساری مخلوق گھٹنوں کے بل بیٹھ جاویگی اور نفسی نفسی پکار اٹھیگی **يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ** اُس دن سوچیگا اور یاد کریگا آدمی کہ وہ جو پیغمبر اور نصیحت کرنیوالے کہتے تھے کہ بدلا نیک اور بد کاموں کا حق ہے اور قیامت آنیوالی ہے بیشک سچ تھا کیونکہ اسباب جزا اور سزا کے سب موجود دیکھیگا قیدخانہ تو دوزخ سا اور فرشتوں سے مارنے دھاڑنیوالے پیادے اس کثرت کے ساتھ حاضر اور حاکم حقتعالی ایسے قہر اور جلال کے ساتھ متجلی اور زمین کہ اجسام اور ارواح کے رہنے سہنے کی جاے تھی سب ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو گئی نہ تو کوئی ٹھکانا بھاگنے کا اور نہ کوئی پہاڑ قلعہ گڑھی کوٹ اسمیں نظر آتا ہے کہ وہاں جا چھپے لیکن یاد کرنا اور سوچنا اسوقت کا کچھ فائدہ نکریگا چنانچہ فرماتے ہیں **وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ** اور کہاں ملے اسکو سوچنا یعنی سوچنا اور یاد کرنا اسکو کچھ مفید نہوگا کیونکہ وہ دن سوچنے یاد کرنے کا نہیں ہے بلکہ وہ دن تو جزا اور سزا کا ہے ہاں آج اگر سوچے تو اُس روز کام آوے نہیں تو سواے حسرت اور افسوس کے کہ یہ بھی ایک بڑا عذاب ہے کچھ ہاتھ میں نہ آویگا چنانچہ فرماتے ہیں **يَقُولُ يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي** کہنے لگیگا آدمی افسوس اگر میں نے کچھ آگے سے بھیجا ہوتا اس زندگانی کے واسطے مال اور اعمال نیک جیسے ایمان اور طاعت اور یہ حسرت اسکو عذاب جسمانی سے بہت سخت ہوگی **فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ** پس اُس دن نہ ماریگا اسکا سا مارنا کوئی نہ آگ نہ دوزخ کے موکل نہ سانپ نہ بچھو کہ اس آگ میں ہونگے کیونکہ مارنا اور دکھ دینا انکا عذاب جسمانی ہے اور حقتعالی کا عذاب اس طور پر ہوگا کہ تقصیر وار کی روح کو حسرت اور ندامت میں گرفتار کر دیگا اور یہ عذاب روحانی ہے پس عذاب جسمانی کو عذاب روحانی سے کیا نسبت ہے **وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ** اور نہ باندھیگا اسکا سا باندھنا کوئی کیونکہ دوزخ کے پیادے ہر چند کہ دوزخیوں کے گلوں میں طوق ڈالینگے اور زنجیروں سے جکڑینگے اور دوزخ کی دروازوں کو بند کر کے اوپر سے سر پوش بند کرینگے غرضکہ طرح طرح سے عذاب کرینگے لیکن عقل اور خیال کو اُنکے بند نہ کر سکینگے اور عقل و خیال کی عادت ہے کہ بہت سی باتوں کی طرف التفات کرتا ہے اور بعضی باتیں انمیں سے دوسری باتوں کی حجاب ہو جاتی ہیں اسواسطے عین قید میں انسان کو

کمال وسعت عقلی اور خیالی حاصل ہوتی ہے برخلاف اُس شخص کے کہ اللہ تعالیٰ عقل وخیال کو اُسکے اِدھر اُدھر کے جانے سے روک رکھے اور بالکل دُکھ دردہی کے متوجہ رکھے تو ایسی قید ہزاروں درجے بدنی قید سے سخت ہے اسیواسطے سودائیوں اور مجنونوں کو عین سیر میں باغوں اور جنگلوں کی خفگی اور گھبراہٹ وہم وخیال کے سبب سے پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ باغ اور وہ بڑے بڑے جنگل اُسکی نظر میں تنگ معلوم ہوتے ہیں اور بعضے معتبر قاریوں نے لَا یُعَذَّبُ اور لَا یُوْثَقُ مجہول کے صیغہ سے پڑھا ہے اور اس صورت میں معنی ظاہر ہیں کہ نہ عذاب کیا جاویگا اس غافل کی طرح سے کوئی اور نہ بند کیا جاویگا اُس غافل کی طرح سے کوئی کیونکہ دوسرے گنہگاروں نے ہرچند کہ گناہ کئے تھے لیکن اُس دن سے غافل نہ تھے کبھی کبھی اُس دن کا خوف انکے خیال میں گزرا کرتا تھا جب اس دن کو دیکھینگے تو اسقدر خائف اور بیہوش نہو جاوینگے کیونکہ اول سے دہشت اُسکی رکھتے تھے اسواسطے اُنکے حق میں وہ روز بلاے ناگہانی نہوگا اور اُنکے عذاب اور قید میں منکروں کے عذاب اور قید سے تخفیف ہوگی اور اس ہول اور دہشت کے دن میں سب نیکوں اور بدوں کو اول مرتبے میں خوف اور اضطراب غالب ہوجاویگا تو اُسوقت تابعداروں اور نیکوں کو تسلی بخشینگے اور ایک منادی ندا کریگا یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اے جی چین پکڑے ہوئے ساتھ حق کے کہ تو التفات سوا حق کے کسی اور کی طرف نہ رکھتا تھا تجھ کو پس جانے سے زمین کے اور فرشتوں کی صفوں کے دیکھنے سے اور یہ ہول آواز سننے سے دوزخ کے کیا پروا ہے ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ پھر آ اپنے پروردگار کی طرف کہ ہمیشہ تو اُسی کے حضور میں مستغرق رہتا تھا اور اُسکے ماسوا کی طرف التفات نکرتا تھا رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ایسی حالت میں کہ خوشوقت ہونیوالا ہے تو دیکھنے تجلی سے جمال حق کی اور پسند کیا گیا ہے تو ساتھ ظہور آثار جمال جمیل مطلق کے فَادْخُلِي فِي عِبَادِي پھر داخل ہو بیچ مقرب بندوں کے گروہ میں کہ دیدار کے مقام میں بیٹھے ہیں اور یہ تیرا مرتبہ ہے سعادت روحانی کا وَادْخُلِي جَنَّتِي اور داخل ہو میری جنت میں کہ وہ مقام ہے لذت جسمانی کے مزا اُٹھانے کا رزقنا اللہ الفوز بالسعادتین اس جگہ پر سمجھ لیا چاہئے کہ نفس انسانی کو قرآن مجید میں تین صفتوں سے موصوف کیا ہے امّارہ اور لوّامہ اور مطمئنّہ۔ امّارہ کی صفت ہے کافروں اور فاسقوں کے نفس کی کہ کفر اور فسق سے منہ نہیں پھیرتے اور اُنکا نفس اُنکو ہروقت انہی کاموں کی طرف رغبت دلاتا ہے اور لوّاگی اُن گنہگاروں کے نفس کی تعریف ہے کہ وہ اپنی بدی پر ندامت کھینچتے ہیں اور گناہ ہوجانے کے بعد اپنے آپ کو ملامت کرتے ہیں کہ یہ کام میں نے کیوں کیا اور بہت بُرا کیا اور مطمئنہ ہونا انبیا اور اولیا اور اصحاب کے نفسوں کی صفت ہے کہ ایمان اور اطاعت اور ذکر اور فکر میں حق کی اطمینان رکھتے ہیں اور کشمکش سے خواہشوں کے اور خطرات سے گناہوں کے اُنکے احوال پراگندہ اور اُنکی اوقات مکدر نہیں ہوسکتے اور بعضے کہتے ہیں کہ امّارگی ہر نفس کی صفت ذاتی ہے کہ شہوت اور غضب کے وقت اور عقل اور شرع کے حکم پر ظہور کرتی ہے اور لوّاگی بھی ہر نفس کی صفت ہے مگر جس وقت کہ عقل اور شرع کی طرف رجوع کرے اور خیر وشر کو پہچانے اور اطمینان بھی ہر نفس کی صفت ہے مگر جبکہ ذکر کا نور تمام بدن کے اجزا پر غالب ہوجاتا ہے اور حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ساری نفس قیامت کے دن لوّامہ ہونگے اور آپ کو ملامت کرینگے کہ طاعت تو نے زیادہ کیوں نہ کی اور گناہ کیوں کیا ہرچند کہ اصل میں وقت اس ندا اور بشارت کا وقت فزع اکبر کا ہے کہ قیامت کے روز ہوگا لیکن نمونہ اُسکا وقت مرنے ہر مومن کے ظاہر ہوتا ہے چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ جب با ایمان آدمی کو اجل آتی ہے تو سرہانے اُسکے فرشتے خوبصورت خوش لباس معطر آتے ہیں اور کہتے ہیں اے جان بحق آ امید خوشی اور آسانی سے نکل آ کہ تیرا پروردگار تجھ سے خوش ہے یہ بات سنکر مسلمان کی جان کمال خوشی سے نکل آتی ہے اور ایک عالم اُسکی خوشبو سے معطر ہوجاتا ہے اور فرشتے اُسکو ریشمی معطر کپڑوں میں لیجاتے ہیں اور دروازے آسمان کے کھل جاتے ہیں اور وہاں کے دربان مرحبا کہتے ہوئے استقبال کرتے ہیں اور اُسکے واسطے بخشش طلب کرتے ہیں اور اُسکو عرش معلے کے نیچے لے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے اور حضرت میکائیل کو حکم ہوتا ہے کہ اس جان کو مسلمان اور نیکوکاروں کی ارواح کے مقام میں داخل کرو اور اُسکی قبر کو فراخ کرو کہ آرام اور رحمت اُسکو پہنچتی رہے اور اُسکو کہدو کہ آرام سے سو رہے نئی دلہن کی مانند کہ اُسکو کوئی بدخواب نہیں کرتا اور کافروں کے ساتھ اُسکے برعکس معاملہ واقع ہوتا ہے

سورۃ البلد

[illegible] بیس آیتیں اور ایک رکوع [illegible] اور اس سورۃ [illegible] سورۃ البلد موسوم نام رکھا ہے کہ اس سے شروع
میں مکہ معظمہ کے شہر کی قسم کھائی ہے اور بلد عرب کی لغت میں شہر کو کہتے ہیں اور وجہ اس شہر کے ساتھ اس وقت کہ قسم کھانے کا وقت تھا ذیل
صریح ہے اسبات پر کہ آدمی کو دنیا اور آخرت میں اٹھانے سے مشقت اور رنج کے چارہ نہیں ہے کیونکہ جب ایسا شہر بزرگ مجمع ایسی مشقتوں کا ہو تو دوسرے
شہر تو بطریق اولیٰ بڑے بڑے رنج اور مشقتوں سے خالی نہونگے اور انسان جو مدنی الطبع ہے یعنے اسکی طبیعت میں شہر کی محبت لبی ہوئی ہے بغیر شہر کے رہ نہیں
سکتا اور کوئی شہر مقام راحت کا نہیں مصرع ہیچ گنجے بے دد و بے دام نیست ۔ اور شہر مکہ کی عظمت بہت وجہوں سے ثابت ہے انمیں سے یہ ہے کہ حرم
الٰہی کا مکان ہے اور مقام امن کا اور مرجع خلق کا کہ ہر سال میں ہزارہا آدمی دور دور کے ملکوں اور شہروں سے ارادہ وہاں کا کرتے ہیں اور وہ عمدہ نیک کی
جائے ہے کہ حج اور عمرہ ہے اور اول ہے سب بناؤں سے اور قبلہ ہے عالم کا اور مقام حضرت خلیل علیہ السلام کا بھی وہاں ہے اور ان سب سے بڑھکے یہ بات ہے
کہ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے تولد کی جائے ہے اور اُس جناب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہونے کی جگہ ہے اور اس سورت کے ربط کی وجہ سورۃ
والفجر سے یہ ہے کہ اُس سورت میں تاکید عزت اور حرمت کرنے پر یتیم کے اور کھانا کھلانے پر مسکین کے اور مذمت مال کی محبت کی مذکور ہے اور اس سورت میں بھی یہ
مضمون منظور ہیں اور اُس سورت میں ہلاک کرنا بڑے بڑے زبردست سرکشوں کا گناہوں کی شامت کے سبب سے مذکور ہے جیسے عاد اور ثمود اور فرعون
اور اس سورت میں بھی ایسے کافر پر جھڑکی ہے کہ اپنی قوت پر اتراتا تھا اور کسی کو خیال میں نہ لاتا تھا اور سبب اس سورت کے نازل ہونے کا یہ ہے کہ قریش میں
ایک کافر کلدہ بن اسید نام بڑا پہلوان قوی ہیکل زور آور تھا اور ابو الاسد اسکی کنیت مقرر کی تھی اور قوت اسکی اس تبہ کی تھی کہ چمڑا عکاظی گائے کا اپنے
پاؤں تلے دبا لیتا تھا اور لوگوں سے کہتا تھا کہ اس چمڑے کو میرے پاؤں کے نیچے سے کھینچ لو تمام آدمی ملکر زور کرتے تھے یہانتک کہ وہ چمڑا پرزے پرزے ہو جاتا
تھا لیکن اُسکے پاؤں کے نیچے سے جنبش نہیں کرتا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکو اسلام کی طرف دعوت کی تو وہ کافر ایمان نہ لایا اور کلام سخت
کئے کہ تو مجھکو ایک قیدخانے سے ڈراتا ہے جسکے کل انیس پیادے ہیں انکو تو میں ایک بائیں ہاتھ سے بس کرتا ہوں ایسا کون ہے کہ میرا سامنا کرے اور مجھ سے عہدہ برآ
ہووے اور ایک باغ پر مجھکو پھسلاتا ہے کہ میں نے شادیوں میں اور خاطرداریوں میں ڈھیروں مال خرچ کئے ہیں اگر اُن مالوں کو گنئیے تو وہ تیرا باغ سامان اور اسباب
اور درختوں اور نہروں سمیت اُسکے روبرو بے حقیقت ہے بس اُسکی ان باتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورت بھیجی اور مضمون اس سورت کا یہ ہے
کہ آدمی کو اپنی قوت اور زور پر اور مال کی کثرت اور بڑائی پر تمام اور جاہ کی مغرور ہونا نہ چاہئے اور ابتدا کو اپنی پیدایش کی موت کی نہایت تک نظر میں
رکھنا چاہئے کہ کیا کیا سختیاں و رنجشیں ہیں کہ ان قوت آنکے اٹھانے کی بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے ممکن نہیں ہے اور مال کو اس وقت نعمت جاننا چاہئے
کہ آخرت کی سختیوں میں کام آئے نہیں تو مال اور جاہ دنیا کا جیسے سراب کا پانی اور نقش بر آب ہے ❊

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِۙ قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی اور لا اصل میں نفی کے معنوں میں ہے اور یہاں پر قسم کی تاکید کے مقام پر اس لفظ
کو لائے ہیں اور وجہ تاکید کے سمجھانے کی اس لفظ سے یہ ہے کہ قسم اکثر اُسبات پر کھاتے ہیں کہ اُس بات سے کوئی منکر ہو پس اول لا کے کلمے سے منکر کے انکار کو
نفی کرتے ہیں بعد اسکے قسم سے اپنے مطلب کو ثابت کرتے ہیں پس گویا مطلب دو طور سے ثابت ہوتا ہے باطل کرنے سے نقیض کے اور ثابت کرنے سے عین مدعا
کے اور اگر فقط قسم ہی کو ذکر کرتے تو اثبات ایک ہی طور سے ہوتا اسواسطے نفی کے کلمے کو لائے تاکہ تاکید کی زیادتی ہو اور بعضے علما کہتے ہیں کہ قسم کی
نفی مراد ہے یعنی اس مطلب پر قسم کی حاجت نہیں ہے کہ خود ظاہر ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ کلمہ مقسم بہ کی بزرگی پر دلالت کرتا ہے کہ اُس چیز کا شان
اُس سے برتر ہے کہ ایسی چھوٹی سی بات پر اُسکی قسم کھائی جائے اور دونو صورتوں میں اشارہ ہے ثابت ہونے پر مطلب کے دعوی کرنے سے اُسکے ظہور کے
پس اس راہ سے بھی تاکید ثابت ہوئی اور جو مطلب قسم کا یہ ہے کہ حقیقت میں آدمی ابتدا سے انتہا تک مشقت اور رنج میں گرفتار ہے پس قسم اس شہر کی

اس شہر کیسے نہایت مناسب اس مطلب کے واقع ہوئی کیونکہ شہر مکہ اصل تمام زمین کا ہے کہ اول پانی پر یہی نقطہ پیدا ہوا تھا بعد اسکے اس نقطے سے تمام زمین کو پھیلا کر بچھایا اور زمین انسان کے مادے کی اصل ہے پس اصل الاصول اسکا جو محل مشقت اور رنج کا ہووے تو اسکو کہاں سے توقع رکھنا چاہیے کہ مشقت اور رنج سے خلاصی پاویگا اب آئے ہم اسبات پر کہ یہ شہر کس جہت سے مقام مشقت اور رنج کا ہے سو اسکا بیان یہ ہے کہ اول تو کیہ زمین سنگلاخ اور ریگستان واقع ہوئی ہے اصلا قابل زراعت کے نہیں اور پانی بھی کھارا اور زمین کے نیچے بہت دور ہے کہ بسبب سنگلاخی کے کنواں کھودنا اسمیں نہایت دشوار ہے تو قحط والے اور پانی کا سلا دہاں کے رہنے والوں کے واسطے موجود ہے اور اس وضع سے واقع ہوا ہے کہ آفتاب کی گرمی کے موسم پر کہ دو مہینے جوزا اور سرطان کے ہیں متصل سمت الراس انکے ہوتا ہے یعنی انکے سر کے نزدیک دائیں بائیں ہٹتا ہے اور سبب گرمی کی شدت کا ہوتا ہے اور آفتاب کی طپش کے سبب سے رات کو بھی پہاڑوں میں گرمی کی شدت ہوتی ہے اور سموم یعنی گرم ہوا ہلاکت کی چلتی ہے ان سب سے بزرگی اور بینوائی کی جہتوں سے عجائب اور خوش طبعوں کے رہنے کے قابل نہیں ہو سکتا اور اسیواسطے قدیم الایام سے بڑے بڑے بادشاہوں نے ارادہ اس ملک کا نہیں کیا اور اسکو اپنی قلمرو سے خارج رکھا ہے اور جو شخص کہ قصداً اس مکان کا کرتا ہے تو فقط ۔۔ زیارت کی نیت سے کرتا ہے کیونکہ عیش اور خوش گذرانی کے اسباب سے کوئی چیز وہاں نہیں ہے اور اس مقام معظم کی زیارت کے سفر میں بھی جو جو مشقتیں اور رنج کہ بحر اور بر میں کھینچتے ہیں ظاہر اور موجود ہیں اور یہ سب چیزیں جو مذکور ہوئیں مشقت اور رنج دنیاوی کے اسباب ہے اس مکان عالیشان میں قبل پیدا ہونے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے موجود تھیں اور جب وہ جناب پاک مبعوث ہوئے تو ایک اور گل کھلا اور ایک دینی مشقت نہایت بڑی نمود ہوئی کہ ایک گروہ اس شہر والوں میں سے اس جناب کے ساتھ گرویدہ ہوئے اور اپنے باپ دادوں کے باطل مذہبوں کو چھوڑ دیا اور عبادت سے بتوں کی بالکل دست بردار ہوئے تو ہر گھر میں مخالفت اور پھوٹ اور جھگڑا اور لڑائی پیدا ہوئی اور کافروں نے قتل اور ایذا پر اس جماعت کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی پر کمر باندھی اور اوقات اس شہر کے رہنیوالوں کی بسبب اس مہلک واقعہ کے نہایت رنج اور مشقت سے گزرنے لگی اور رات دن و نوطرف والے مار دھاڑ لڑائی بکھیڑے میں مشغول ہوئے تو اب اشارہ اس نئے رنج اور مشقت کی طرف اس عبارت میں فرماتے ہیں **وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ** اور قسم کھانا میرا اس شہر کی اسوقت ہے کہ تو اس شہر میں آیا ہے یعنی وجود میں آیا کیونکہ تیری روح نازل ہونیکے سبب سے اس شہر کی بھی شرف اور بزرگی زیادہ ہوئی کہ شرف المکان بالمکین اور اسباب بھی دینی رنج اور مشقت کے بڑھ گئے اور اس شہر کے لوگ اکبر کبائر میں یعنی بڑے گناہ میں کہ قتل اور ایذا بہترین خلق اللہ کی بھی گرفتار ہوئے اور حرمت کو حرم کی کہ اسکے ملاحظہ کے واسطے موذی جانوروں کو نہ مارتے تھے اور کٹیلے درختوں کو نہ کاٹتے تھے یک قلم صاف جواب دیکر مخالف اس عقیدے کے ہو گئے اسوقت جو ظلم کہ وہاں کے رہنیوالوں سے واقع ہوتے تھے آدم کے وقت سے اس دم تک کسی سے نہوئے ہونگے پس زیادہ کرنے سے اس قید کے یعنی وانت حل بهذا البلد کے اس قسم کو لبستگی مطلب کے ساتھ ہو گئی اور جو اس قسم میں اور مناسبت میں اسکی ساتھ مطلب کے ایک طرح کی پوشیدگی تھی کہ سوائے اذکیا کے اسکو کوئی دریافت نہیں کر سکتا تھا تو ایک دوسری قسم عام فہم بھی مذکور فرمائی **وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ** اور قسم ہے جننے والیکی اور جننے گئے کی کہ دونوں کمال مشقت اور رنج میں گرفتار ہیں کیونکہ جننے والی کو اول تو بوجھ اٹھانا حمل کا اور بد مزا رہنا طبیعت کا اور جننے کا درد اٹھانا چاہیے اور بعد اسکے بچے کے پالنے میں سختیاں اور رنج کھینچنا چاہیے اور جسکو جنتی ہے اسکی مصیبتیں یہ ہیں کہ اول تو اسکو اندھیرے میں بچہ دان کے کمال ناتوانی سے گزران کرنا چاہیے اور بعد اسکے اس محنت سرائے فانی میں یعنی دنیا میں طرح طرح کے دردوں اور رنجوں جسمانی اور روحانی میں مبتلا ہونا چاہیے اسیواسطے کہا ہے کہ بچے کے رونے میں پیدا ہونے کے ساتھ اشارہ اسی بات کی طرف ہے کہ اس جہان میں زندگانی رو دھو کاٹے گا اور کیا اچھا کہا ہے کسی شاعر نے **اشعار** لِمَا تُؤذِنُ الدُّنْيَا مِنْ صُرُوفِهَا　يَكُونُ بُكَاءُ الطِّفْلِ سَاعَةَ يُوْلَدُ　وَاِلَّا فَمَا يُبْكِيْهِ مِنْهَا وَاِنَّهَا لَاَوْسَعُ مِمَّا كَانَ فِيْهِ وَاَرْغَدُ ٭ یعنی اس سبب سے کہ خبر دیتی ہے دنیا تغیر حال اپنے سے ہوتا ہے رونا لڑکے کا وقت پیدا ہونیکے اور اگر ایسا نہوتا تو نہ روتا لڑکا جننے کے وقت اور البتہ وہ فراغت میں آیا ہے اس چیز سے کہ تھا اسمیں اور کشادگی میں اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ مراد

والد سے حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ کس مشقت سے بہشت سے نکالے گئے اور کبھی بھالی کمائی ہی نعمتوں کو اُنسے چھین لیا اور مراد ما ولد سے انکی ذریات
یعنی اولاد ہیں کہ تمام عمر میں اپنے سوا اس دارالمحنت کے کچھ نہیں دیکھا اور وصف اپنے وطن اصلی کے کمال حسرت و افسوس سے سنے اور ان دونوں قسم
قسم ثابت ہوئی کہ آدمی کی اصل ترابی بھی مشقت و رنج ہے اور اصل آبی بھی مورد مشقت و رنج کی ہے اب اس دلیل پر مدلول کو متفرع کر کے فرماتے ہیں
لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ مقرر پیدا کیا ہمنے انسان کو مشقت و رنج میں کیونکہ اصل آدمی کی عالم خاک میں کے کی زمین ہے
اور اصل اسکی عالم آب میں نطفہ آدم علیہ السلام کا ہے اور دونوں مشقت و رنج میں گرفتار ہیں اور کبد کو یہاں پر بے کے زبر سے پڑھنا چاہئے کہ مشقت
کے معنوں میں ہے اور کبد بے کے زیر سے کہ جگر کے معنی میں ہے وہ بھی اسی سے مشتق ہے کیونکہ آدمی کے بدن میں باورچی گری اُسی کا ذمہ ہے غذا کو اپنے اندر لانے
میں اور اُسکے پکانے میں اور اُسکے تقسیم کرنے میں بڑی بڑی مشقتیں اُٹھاتا ہے اور دوسرے اعضا لقمہ پئے دود پر قابض اور متصرف ہوتے ہیں اور اگر مشقت اور
رنج آدمی کے تفصیل کے ساتھ بیان کیئے جاویں تو ایک بڑا دفتر چاہئے لیکن مجمل اسقدر سمجھ لیا چاہئے کہ آدمی کی خلقت چار ضدوں سے ہے حرارت اور برودت
اور رطوبت اور یبوست اور یہ چاروں اسکے مزاج میں اپنا اپنا غلبہ چاہتی ہیں اور اُسکے اعتدال کے خراب کرنے کے پیچھے پڑی رہتی ہیں **مصرع** پیوستہ
در کشاکش ایں چار اژدہاست ✽ پھر کتنے دنوں قید خانے میں بچہ دان کے قید رہتا ہے پھر کتنے دنوں کمال عجز اور ناتوانی سے جھولے میں مُردے
کی مانند پڑا رہتا ہے نہ تو زبان ہے کہ اپنے دل کا حال بیان کرے اور نہ ہاتھ پاؤں ایسے ہیں کہ اپنی خواہش کو اُس سے حاصل کرے پھر دانت نکلنے کے درد میں اور
دودھ چھڑانے کی ایذا میں مبتلا ہوتا ہے پھر مکتب میں اُستاد کی مار دھاڑ کا رنج اُٹھاتا ہے اور جب عقل کے پیچھے میں گرفتار ہوا اور کشاکش میں کن کن کی پڑا
تو طرح طرح کے رنج اور ملال میں گتھ گیا طبیعت اسکو کبھی قوت شہوانی کے زور سے چار پائے کی مانند ذلیل بنا دیتی ہے اور گرفتار حرص کا کرتی ہے اور روپیئے کے
واسطے اُسکے سر پر بھاری بوجھ دسروالی ہے اور تمام دن اُسکو ایک ذلیل مزدوری کے واسطے آگ اور دھوپ میں مقید رکھتی ہے اور چند پیسوں کی محبت کے واسطے
دوکان کا قیدی رکھتی ہے اور آرزو میں مٹھی بھر دانوں کی اُسکو بیل کے پیچھے دوڑاتی ہے اور کبھی اُسکو قوت غضبیہ کے غلبے سے درندے چارپایوں میں ملا دیتی ہے
اور بدگوئی خلق کی اور بیٹھکار عالم کی اُسکے نصیب میں لکھی ہے اور مانند بھیڑیئے اور چیتے کے پنجہ کھولتا ہے اور مخلوق کو ایذا دیتا ہے اور ان سب سے طرفہ ایک اور دشواری
ہے کہ مقید طبع کا بھی ہے اور مامور شرع کا بھی شرع مخالفت طبیعت کے راہ بتاتی ہے اور طبع موافقت نفس کی کرتی ہے اور عبادت سے روکتی ہے اور یہ عبادت کا مامور
ہے بے عبادت کیئے اُسکی نجات نہیں ہے اور باوجود گناہ کے اسباب جود ہونیکے گناہ سے مجبور ہے کوئی رنج عالم میں زیادہ ترجیح ہونے سے ضدوں کے اور رنج
کرنیسے مخالفوں ہمزاد کے نہیں ہے اور یہ تمام مشقتیں اور رنج ہر شخص کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں لیکن جو مشقتیں کہ غیر کے حق سے تعلق رکھتی ہیں پس ان
سب سے زیادہ تر سخت ہیں جیسے رعیت ہمیشہ اطاعت میں بادشاہ کی گرفتار ہے اور بادشاہ رعایت کرنے میں عدل اور احسان کے رعیت پر ناچار اور اولاد
رنج میں ماباپ کی خدمت کے اور ماباپ رنج میں بیٹا بیٹی کی محبت کے اسیطرح سے خاوند کا حال ہے جورو سے اور جورو کا حال ہے خاوند سے اور میاں کا
غلام سے اور غلام کا میاں سے اور پڑوسی کا پڑوسی سے پس کوئی شخص اس طرح کی مشقت سے بھی خالی نہیں اور ان سب دنیا کی مشقتوں کے سوائے جان
کندن کی مشقت اور مال کی مفارقت کا اور اولاد کے فوت ہونے کا رنج اور قبر کی تنگی کا اور لحد کے اندھیرے کا اور اُس مقام میں تنہا پڑے رہنے کا اور
منکر نکیر کے سوال کا اور ہول قیامت کا اور اُٹھنے کے دن کا اور ہیبت صور پھونکنے کی اور اولین اور آخرین کے سامنے فضیحت ہونے کا خوف اور سر برہنہ
ہونے کا حساب کے وقت اور اعمال کے وزن کے وقت کا اور کھڑا ہونا روبرو حضرت رب العزت کے اور اگر معاذ اللہ ساتھ ان مشقتوں کے دوزخ کی مصیبت نصیب
ہوئی تو ذلت اور ہمیشہ کا ٹوٹا اُسکے نصیب ہوا اور مشقت اور رنج اُسکا حد سے گزر گیا اور جو کوئی ابتدائے عمر سے انتہا تک اس قسم کی مشقتوں اور تکلیفوں
میں گرفتار ہوا اُسکو فخر کرنا اپنے زور اور بازو پر اور بہت مال خرچ کرنے پر نہایت بیجا اور نازیبا ہے چنانچہ فرماتے ہیں **اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ**
عَلَیْہِ اَحَدٌ کیا گمان کرتا ہے آدمی ساتھ ان مشقتوں اور رنجوں کے کہ قدرت نہ پاویگا اُسپر کوئی تاکہ جزا اُسکی دے اور بھلے بُرے کاموں سے پوچھے
حالانکہ دمبدم مقہور قہر الٰہی کا　　اور تابعدار اُسکی قدرت نامتناہی کا ہے بلکہ اُسکی ضعیف سے ضعیف مخلوق سے جو مکھی اور مچھر ہے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا

اور جو اکثر فخر اسکا زیادہ مال خرچ کرنے پر تھا اور اس دعوی میں کہ مجھ پر کوئی قدرت نہ پا سکیگا اکثر اعتماد اُسکا اپنی عزت اور جاہ پر تھا کہ بہت سا مال خرچ کر کے
اس عزت اور جاہ کو حاصل کیا تھا کیونکہ جو شخص کہ بہت مال خرچ کرتا ہے سب لوں میں عزیز اور سب کی نظروں میں بڑا مرتبے میں معلوم ہوتا ہے اور
کوئی شخص اُسکی خفگی اور اُسکے برا بھلا کہنے کے سبب حیا کے یا طمع کی جہت سے کہ اس سے رکھتا ہے اُسکا سامنا کرنے پر پیشقدمی نہیں کرتا ہے سو اب حق
میں اسکے اس غرور کے فرماتے ہیں يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا یعنی فخر کے مقام میں اور ثابت کرنے میں اس بات کے کہ مجھپر کوئی
قدرت نہ پاویگا کہتا ہے کہ کھپا دیا میں نے ڈھیروں مال اور اکثر بڑے بڑے عمدہ کاموں میں بہت سا مال خرچ کیا ہے اس سبب سے بڑائی اور عزت میری لوگوں کے
دلوں میں قایم ہو گئی ہے کوئی شخص پیشقدمی میرے مقابلے پر نہیں کر سکتا أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ کیا گمان کرتا ہے کہ نہیں دیکھا
اُسکو کسی نے اُسوقت کہ ماں کے پیٹ سے ننگا بھوکا پیدا ہوا تھا اور کچھ اپنے پاس نہ رکھتا تھا پھر جو مال کمانا شروع کیا تو کس وجہ سے حلال سے یا حرام
سے پھر جو مال کو خرچ کیا تو کس مصرف میں جا بیجا اور کس نیت سے خدا کے واسطے یا فخر اور ریا کے واسطے پس اسکو خرچ کرنے پر اس مال کے کہ اُسکے ہاتھ میں
عاریت محض ہے اور اکثر حرام کی وجہ سے حاصل کیا ہے اور حرام جگہ پر صرف ہوا ہے بُری نیت سے پس ایسی چیز پر فخر اور بڑائی سزاوار نہ تھی اور اگر یہ فخر اور بڑائی
اُس شخص کے روبرو کرتا کہ ابتدا سے اُسکے حال سے اور اُسکی کمائی سے اور اسکی نیت باطنی سے آگاہ نہوتا تو گنجایش تھی یہ تو اُسکی کمال بیحیائی ہے کہ مقابلے
میں رب الارباب کے اور عالم السر والخفیات کے کہ جاننے والا حال و استقبال کا ہے زبان ساتھ فخر کے کھولی ہے اور اگر وہ کفر اور جہل کی راہ سے انکار حقتعالیٰ
کے دیکھنے کا کرتا ہے تو حقتعالیٰ اُسکے جواب میں یوں فرماتا ہے أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ کیا نہیں بنا دیں ہم نے اُسکو دو آنکھیں تاکہ چیزوں
کو دیکھے اور جو کہ غیروں کو بینائی بخشتا ہے اور اسباب بینائی کے درست کر دیتا ہے تو کس طرح سے بینائی میں قصور رکھتا ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ کے
دیکھنے کو مسلم رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ جو میرے دل میں نیتیں ہیں اُنکو تو کوئی نہیں جان سکیگا سو اسکے جواب میں فرماتے ہیں وَلِسَانًا وَ
شَفَتَيْنِ کیا نہیں بنا دیے ہمنے اُسکے واسطے ایک زبان اور دو ہونٹھ اور جس نے کہ قدرت دل کے بھید ظاہر کرنے کی دوسروں کو بخشی ہے وہ کیونکر
دوسرے کے دل کے بھیدوں پر مطلع نہوگا اور فائدہ زبان کا آدمی کے اندر ظاہر ہے کہ سبب ہے بات کرنے کا اور دل کی چھپی باتیں ظاہر کرنے کا بھی وہی سبب ہے اور
دونوں ہونٹوں کے فائدے کئی چیزیں ہیں اول تو چوسنا دودھ کا اور اسیطرح میووں کا چوسنا جیسے آنبہ وغیرہ اور دوسرے چھپانا منہ کا کہ خاک دھول کھی
مچھر بھنگا اسمیں نہ چلا جائے اور تیسرے دانتوں کا چھپانا کہ کھلا رہنا دانتوں کا نہایت بدزیب معلوم ہوتا ہے چوتھے مددگاری کرنا بات میں کیونکہ شفتی حروف
جیسے بے اور واو کہ بغیر ہونٹوں کے نہیں نکلتے اور دوسرے حرفوں میں بھی مدد انکی ضرور ہے پانچواں یہ کہ کھانا کھانے میں اور پانی پینے میں اور چبانے میں اور
حلق سے اتارنے میں اور گٹھلی چھلکے پھینکنے میں منہ سے مدد انکی ضرور ہے چھٹا پھونکنا بانسری کا اور دوسری پھونکنے کی چیزوں میں منفعت انکی ظاہر ہے
اور دقیقہ شناس عالموں نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے آدمی کو دو آنکھیں اور ایک زبان دی ہے تا اشارہ ہو اس بات کی طرف کہ بولنا اُسکا دیکھنے سے کم چاہیے کیونکہ
دیکھنا اسکا شامل ہے خیر اور شر کو اور بولنا سوائے بھلائی کے اچھا نہیں اسیواسطے ایک زبان پر دو نگہبان مقرر فرمائے ہیں کہ دونوں ہونٹ ہیں تاکہ معلوم
کرے کہ زبان کو اپنی لگام رکھنا چاہیے چنانچہ حقتعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ نہیں بولتا آدمی کوئی بات
مگر یہ کہ اُسکے نزدیک مقرر ہیں نگہبان تیار اسی کام کے واسطے اور حدیث صحیح میں ہے کہ جو شخص کہ خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے پس چاہیے کہ نیک
چیز کہے یا خاموشی اختیار کرے اور ترمذی نے عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نجات کس چیز میں ہے فرمایا کہ
اپنی زبان کو بند کر اور گھر میں بیٹھ رہ اور اپنے گناہوں پر رو اور سلف کے لوگ کہہ گئے ہیں کہ آدمی کی زبان ایک مہلک اژدہا ہے کہ سوراخ اُسکا دہن ہے اور کیا
خوب کہا ہے احفظ لسانك ايها الانسان لا يلدغنك انه ثعبان یعنی نگاہ رکھ زبان کو اپنی اے آدمی نہ کاٹ کھائے تجھ کو وہ تو ایک اژدہا ہے
اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جب آدمی چاہے کہ بات کرے تو اول چاہیے کہ فکر کرے اور اپنے دل سے مشورت لے پھر اگر جانے کہ میری بات کرنے میں کچھ
مصلحت ہے اور اسمیں کسی طرح کی دین و دنیا کی کوئی مضرت نہیں تو البتہ کرے اور اگر مضرت کا بھی شک ہو تو ہرگز اسکو بات کرنا روا نہیں ہے پھر اس بات کا کہاں

کھانا تیں میں مصلحت ہو اور حضرت ... تھی ... ہو اور ... ہے کہ جب آدمی صبح کو اٹھتا ہے تو تمام اعضا اور زبان اسکے زبان
آگے عاجزی اور زاری کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ظالم انصاف کر کہ ہم سب تیری اچھائی اور برائی کے ساتھ متعلق ہیں اگر تو سیدھی راہ پر رہیگی تو ہم
بھی نجات پائینگے اور نہیں تو تیرے کیے پر ہم بھی گرفتار ہونگے۔ اور اس آیت میں تخصیص ان تینوں نعمتوں کے بیان کی کہ آنکھ اور زبان اور ہونٹ ہیں
ایک وجہ دوسری بھی ہے وہ یہ ہے کہ جب آدمی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو بھوکا ہوتا ہے اور پہلی چیز کہ اپنی قوت کے واسطے دنیا سے حاصل کرتا ہے وہ دودھ
ہے کہ پستان سے پیتا ہے اور دودھ پینے میں یہ تین عضو ضروری ہیں تاکہ دودھ پلانیوالی کو دیکھے اور پستان کو ہونٹوں سے چوسے اور دودھ کو زبان کی مدد سے
مزا چکھ کر حلق سے اتارے پس جو شخص کہ پہلی کمائی پر اپنی قادر نہ ہو کر بقا اسکی زندگی کی اسپر موقوف ہے تو دوسرے مکسوبات پر اپنی خودی سے کس قسم اکڑنا اترانا
روا ہوگا اور اگر مقابلہ میں وہی کافر کہے کہ ہر چند کہ خدا تعالی سب چیزوں کو ظاہر اور باطن سے دیکھتا ہے اور جانتا ہے لیکن میں نے جس جا پر کہ مال خرچ کیا
ہے اور جس نیت سے کیا ہے معذور تھا کیونکہ مجھ کو وہی محل اور وہی نیت بہتر اور خوب معلوم ہوئی تھی دوسرا محل اور دوسری نیت کو میں جانتا ہی نہ تھا کہ اس
محل اور اس نیت سے مال خرچ کروں اسکے جواب میں فرماتے ہیں **وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ** اور بتادیں اور دکھادیں ہم نے اسکو دو نوراہیں خیر اور
شر کی پس یہ دعوی بے علمی اور بے سمجھی کے جھوٹا ہے کیونکہ اول اسکو ہم نے عقل دی پھر انبیا اور عالموں اور واعظوں کے واسطے سے اسکے کان میں علامتیں
نیک راہ کی اور بد راہ کی پہنچاویں اور دونوں راہوں کو جدا جدا اسکی نظروں میں دکھا دیا اس نے بری راہ کو اختیار کیا اور سیدھے رستے کو چھوڑ دیا
اور ہرگز اپنے مال کو نیک جگہ پر خرچ نہ کیا چنانچہ فرماتے ہیں **فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ** پس اس کافر سے نہ ہو سکا کہ گھستا سخت گھاٹی پر اور
سختی اور دشواری بھی ایک عمدہ علامتوں سے ہے نیک راہ کی کیونکہ بری راہ نفس کی موافقت اور اسکی خواہش کے سبب سے آسان اور سبک معلوم ہوتی
ہے اور خرچ کرنا مال کا خواہشوں میں اور لذتوں میں آسان ہو جاتا ہے مال خرچ کرنا تو وہاں مشکل معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لذت اور توقع منفعت کی اسمیں
اور محض ابتغاء لمرضات الله واقع ہو یعنی واسطے طلب کرنے رضامندی الله تعالی کے ہو چنانچہ فرماتے ہیں **وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ**
اور کیا بوجھتا ہے تو اے آدمی کہ کیا ہے وہ سخت گھاٹی کہ خرچ کرنا مال کا اسمیں طبیعت اور نفس پر شاق تھا اور بھاری معلوم ہوتا ہے **فَكُّ رَقَبَةٍ**
وہ گھاٹی سخت اور دشوار خلاص کرنا گردن کا ہے اور یہ کئی قسم سے ہوتا ہے اول آزاد کرنا غلام یا لونڈی کا اپنی ملک کی قید سے دوسری قسم خلاص کرنا
جان کا ہے قصاص اور خون سے کہ اسکی عوض میں خون بہا دیکر اسکی جان بخشی کرے تیسرے قرضدار کا چھڑا دینا ہے کہ اسکے قرضخواہوں نے اپنے قرض کی بابت
پکڑ کر قید کیا ہو اسکا قرض ادا کرکے قرضخواہوں سے چھڑاوے چوتھے قیدی کا خلاص کرنا ہے کہ کوئی کافر یا ظالم اسکو زور سے پکڑ لیگیا ہو اور بغیر مال
دینے کے نہیں چھوڑتا اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی الله علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی کہ یا رسول الله مجھکو ایک کام بتادو
کہ اسکے سبب سے بہشت میں داخل ہوں فرمایا آزاد کر بردہ اور خلاص کر گردن اس نے عرض کی یا رسول الله کیا یہ دونوں ایک چیز نہیں ہیں فرمایا نہیں
آزاد کرنا بردہ کا یہ ہے کہ فقط اسکو قید سے غلام پنے کی آزاد کردے اور خلاص کرنا گردن کا یہ ہے کہ مدد کرے تاکہ اسکے تاوان سے چھڑانے میں یا خون سے اور
حضرت امام اعظم رحمۃ الله علیہ نے تقدیم سے فَكُّ رَقَبَةٍ کے اطعام مسکین پر کہ اس آیت میں واقع ہوا ہے استدلال کیا ہے اسبات پر کہ یہ خرچ صدقے سے بہتر
ہے اور دوسرے علما اسکے برعکس پر قائل ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ صدقے میں جان کا بچانا ہے ہلاکت سے کیونکہ قوام بدن کا غذا سے ہے اور آزاد کرنا
بردے کا خلاص کرنا قید سے ہے اور قید اسقدر موذی نہیں ہے کہ اس سے خوف ہلاک ہونے کا ہو **أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ**
یا کھانا کھلانا ہے بھوک اور احتیاج کے دن میں جیسے قحط کہ اسمیں کھانا کھلانا ہیرے موتیوں سے عزیز ہو جاتا ہے **يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ** یتیم ناتے والے
کو جیسے بھتیجا یا چچا کا بیٹا اور خالہ کا بیٹا اور سوا اسکے۔ اور یہ قید اسواسطے لائے ہیں کہ کھانا کھلانا ہر وقت میں عبادت ہے کیونکہ کھانیوالا بغیر
بھوک کے کھا نہیں سکتا پس ہر شخص کیا غنی اور کیا فقیر کھانیکے وقت محتاج طعام کا ہوتا ہے اور کھانا کھانے سے اسکی روح تازہ ہو جاتی ہے اسواسطے
جب آنحضرت صلی الله علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے بہتر کام اسلام کا کونسا ہے فرمایا کہ کھانا کھلانا اور جو ملے اس سے السلام علیک کرنا اور نماز پڑھنا رات کو

جب لوگ سوتے ہوں اور جو کھانا کھلانا قحط اور غلہ کی تنگی کے وقت واقع ہو تو اُسکا اجر کتنے درجے بڑھ جاتا ہے کیونکہ دوسرے وقتوں میں اگر کوئی شخص ابتدائے بھوک میں اذیت اُٹھاویگا لیکن بعد ایک دو ساعت کے کہیں نہ کہیں روٹی کے سر جا لگیگا اور خوف جان جانے کا نہوگا بخلاف قحط اور غلّے کی نایابی کے دنوں میں کہ خوف ہلاکت کا ہے اور ان وقتوں میں بھی جو لوگ کہ محنت اور تلاش معاش پر قادر ہیں یا والی وارث رکھتے ہیں انکو ایک دو روز کے بعد کھانے کو مل رہتا ہے اور ذمہ دار اُنکی معاش کے تھوڑی بہت اُنکی خبر گیری کرتے رہتے ہیں اور یتیم کہ ان علاقوں میں سے ایک بھی نہیں کھتا ہے اور خوف اُسکے ہلاکت کا یقین کے درجے کو اور احتیاج اُسکی نہایت کو پہنچتی ہے علی الخصوص ایسا یتیم کہ قرابت کا علاقہ بھی اُس سے رکھتا ہو کہ اُسکے کھلانے میں صدقہ بھی ہے اور صلۂ رحم بھی کہ یہ جُدی ایک عبادت ہے اور یہی ہے کہ کھلانے میں یتیم کے علی الخصوص کہ ناتے والا بھی ہو کوئی نفع حال یا آئندہ کا متوقع نہیں ہے سوائے آخرت کے ثواب کے کیونکہ بسبب بچپن کے کوئی کام اُسکے ہاتھ سے ہو نہیں سکتا اور تعریف اور بڑائی کا اُسکی کوئی اعتبار نہیں کرتا اور اگر اُسکے کھانا کھلانے کے وقت کوئی دیکھے بھی تو دل میں یہی سمجھے کہ رشتہ داری کے سبب سے اسکو کھلاتا ہے پس دروازہ ریا اور بڑائی کا بالکل بند ہو جاویگا اور خلوص نیت کا کماحقہ ثابت ہوگا **اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ** یا کھانا کھلانا اُس مسکین کا جو خاک میں رلا ملا ہے اور یہ قید اسواسطے بڑھائی ہے کہ مسکین کبھی اُس محتاج کو کہتے ہیں کہ خرچ اُسکا اُسکے دخل سے زیادہ ہو چنانچہ سورہ کہف میں واقع ہے واما السفینۃ فکانت لمساکین یعملون فی البحر لیکن وہ مسکین خاکساری اور افتادگی کے مرتبہ کو نہیں پہنچا کہ اُسکی جان جانے کا خوف دمبدم لگا ہوا ہو اور جب بے نوبت فقیر کی اس مرتبے کو پہنچتی ہے تو اُسوقت میں وہ بھی محل کسیطرح کے نفع کی توقع کا حال اور استقبال میں نہیں رہتا اور صرف کرنا مال کا محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے ثابت ہوتا ہے اور جو خرچ کرنا مال کا ان تینوں جہتوں میں کہ مذکور ہوئی ہیں کبھی کبھی کافروں اور بد اعتقادوں کے ہاتھ سے بھی جنسیت کی محبت اور رحم جبلی کے سبب سے واقع ہوتا ہے اور آخرت کے حساب میں رایگاں اور برباد ہے تو ناچار احتراز کے واسطے اس قسم کے مال خرچ کرنے پر تھوڑا سا اور بھی بڑھا کر فرماتے ہیں **ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** پھر ان سب باتوں کے ساتھ اُن لوگوں کی گروہ میں سے ہو کہ ایمان لائے ہیں اور تصدیق دین اور شریعت کی اور اپنے وقت کے پیغمبر کی کی ہے تاکہ یہ عمل خیر اس شخص کا آخرت میں شامت سے کفر کی اور تکذیب سے پیغمبر کی بیفائدہ اور برباد نہ جاوے اور ثم کا لفظ ہر چند کہ ان اعمالوں سے تراخی اور تاخیر پر ایمان کی دلالت کرتا ہے حالانکہ ایمان تمام طاعتوں اور عبادتوں کے قبول ہونے کی شرط ہے اور شرط مقدم ہے مشروط پر لیکن مراد تاخیر اور تراخی بیان میں ہے نہ واقع ہونے میں چنانچہ کہتے ہیں نماز اُسوقت میں مقبول ہوتی ہے کہ ابتدائے ترکیب سے سلام تک اُسکے ارکان ترتیب سے ادا کرے پھر وضو بھی کیا ہو حالانکہ وضو نماز کی شرط ہے پہلے نماز سے کیا چاہیے لیکن بیان میں مرتبہ شرط کا پیچھے مشروط کے مرتبے سے ہے سوا اس تاخیر کی آگاہی کے واسطے ثم کے لفظ کو استعمال فرمایا ہے اور اگر اول سے ایمان کو مذکور فرماتے تو یوں گمان ہوتا کہ ایمان بھی عقبۂ مالی کے ارکان میں داخل ہے اور واقع میں اس طور سے نہیں ہے اور بعضے علماء نے کہا ہے کہ تاخیر وقوع میں مراد ہے کیونکہ کافروں کے عمل توقف میں رہتے ہیں اگر آخر عمر میں ایمان لائے تو وہ سب اگلے اعمال برکت سے ایمان لاحق کی مقبول ہو جاتی ہیں اور آپ ثواب پاتے ہیں چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ حکیم بن حزام نے جو بھتیجا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد اسلام کے سوال کیا کہ یا رسول اللہ میں نے کفر کی حالت میں بہت نیک کام کئے ہیں فرمایا کہ تیرے اسلام نے اُن سب کاموں کو نیک کر دیا اور مقبول ہو گئے۔ پس معنی اس تقدیر پر اس طور سے ہیں کہ اول جس شخص نے خرچ وجوہ مذکورہ میں کیا اور بعد اُسکے توفیق ایمان کی بھی پائی تو سخت اور کٹھن گھاٹی سے گزر گیا اور عربیت کے علماء کو ترکیب میں اس آیت کی ایک اشکال مشہور ہے اُسکا حاصل یہ ہے کہ عرب کے کلام میں نفی فعل ماضی کی لا کے ساتھ نہیں آئی ہے مگر دعا میں چنانچہ دعا میں لا بارک اللہ فی سھیل یا تکرار کے ساتھ چنانچہ فلا صدق ولا صلّٰی میں ہے اور اس آیت میں یعنی فلا اقتحم میں نفی فعل ماضی کی لا کے ساتھ ہے دونوں نوع سے خارج ہے۔ جواب اُسکا یہ ہے کہ جو عقبہ کئی چیزوں کے ساتھ بیان فرمایا تو باعتبار معنوں کے ماضی مکرر پیدا ہو گیا اور کلام میں زیادہ اعتبار معنی کا کرتے ہیں نہ لفظ کا اور اسکے ساتھ بھی قرآن خود حجت کافی ہے گواہ لانے کی حاجت نہیں ہے اور جو بیان میں عقبہ کے اس حد کو پہنچے تو مرتبہ کمال کا خرچ کرنے میں مال کے تمام ہوا اب مرتبہ تکمیل کا اسباب میں ارشاد ہوتا ہے کیونکہ

کمال بغیر تکمیل کے چنداں اعتبار کے قابل نہیں ہوتا **وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ** اور آپس میں وصیت کرتے ہیں صبر کی کہ مجموعہ نیک خلقوں کا ہے اور کتاب اللہ میں تیس اور کئی آیتوں میں اُسپر تاکید واقع ہے اور حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو بھی اُسکا حکم فرمایا ہے کہ فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل اور اسی جائے سے صبر کی بزرگی کو سمجھ لیا چاہیئے کہ قرآن میں اُسکا ذکر نماز پر بھی مقدم رکھا ہے جس جائے پر کہ فرمایا ہے (قولہ تعالیٰ) یا ایہا الذین اٰمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ اور اپنی رفاقت کو بھی صبر والوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے کہ ان اللہ مع الصابرین اور کسی جائے ان اللہ مع المصلین اور مع الصائمین اور مع المتصدقین نہیں فرمایا اور یہ بھی ہے کہ ہر عمل کے واسطے ایک اجر مقرر فرمایا ہے اور صبر کے واسطے بے حساب اجر کا وعدہ دیا ہے قال اللہ انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب اور دین کی پیشوائی کو ساتھ صبر کے متعلق رکھا ہے وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا اور بنی اسرائیل کو صبر کی برکت سے عزت دین و دنیا کی بخشی کہ وتمت کلمۃ ربک الحسنیٰ علیٰ بنی اسرائیل بما صبروا فرمایا اب حقیقت کو صبر کی سمجھ لیا چاہیئے تاکہ معلوم ہو جاوے کہ صبر کی وصیت کرنا گویا سب کے کمالوں کی وصیت کرنا ہے اور حقیقت صبر کی یہ ہے کہ آدمی اپنے دین پر طمع اور نفس کی کشاکش کے وقت ثابت رہے اور بے پروائی کرے اور یہ استقلال اور اثبات کبھی تو جسم سے ہوتا ہے اور وہ دو قسم ہے ایک تو عبادات شاقہ سے تکاسل اور سستی نکرنا اور دل نہ چرانا اور تکلیف اور ایذا کے آجانے سے ہراساں نہونا اور وضع دینی کو اپنی نہ چھوڑنا اور کبھی ساتھ نفس کے ہوتا ہے پس اگر دونوں شہوتوں سے کہ شہوت بطن کی اور شہوت فرج کی ہے نفس اُسکا نہ بھٹکا اور خلاف دین کے کوئی حرکت اور خواہش اُس سے صادر نہوئی تو اُسکو عفت کہتے ہیں اور مقابل اُسکے مجانت اور فجور ہے اور اگر پرہیز کرنے میں مکروہات سے اور طبیعت اور نفس کی ناخوشیوں پر تحمل اور استقلال کرے تو اُسکو صبر مطلق کہتے ہیں اور ضد اُسکی اضطرار اور بیتابی ہے اور اگر مالداری اور دولتمندی کی حالت میں اپنے نفس کو حکم شرع کے ضبط میں رکھے اور تکبر اور خود پسندی کو دخل نہ دے اور بڑائی اور فخر نکرے تو اُسکو حوصلے کی وسعت کہتے ہیں اور اسکی ضد تنگی حوصلہ کی ہے اور اگر لڑائی میں بھاگنے سے اور سستی کرنے سے اپنے کو بچاوے تو اُسکو شجاعت کہتے ہیں اور ضد اسکی جبن ہے یعنی نامردی اور اگر غصہ پی جانے کے وقت استقلال کرے تو اُسکو حلم کہتے ہیں اور ضد اسکی طیش ہے اور اگر سرانجام مہموں کے تنگدل نہووے تو اُسکو کشادگی سینے اور حوصلہ کی کہتے ہیں اور ضد اسکی تنگدلی ہے اور اگر رازداری میں اور چھپانے میں بھیدوں کے بیتاب نہو جاوے تو اُسکو کتمان کہتے ہیں اور ضد اُسکی اظہار ہے اور اگر نگاہ رکھنے میں حقوق کے جیسے امانت اور قرض میں احتیاط کرے تو اُسکو امانت کہتے ہیں اور ضد اسکی خیانت ہے اور اگر لذتوں پر دنیا کی رغبت نکرے اور ضروریات پر اکتفا کرے تو اُسکو زہد اور قناعت کہتے ہیں اور ضد اُسکی حرص ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ اکثر اخلاق ایمان کے صبر میں داخل ہیں اسیواسطے حدیث صحیح میں وارد ہے کہ الصبر نصف الایمان اور صبر حرام سے فرض ہے اور مکروہ سے نفل اور دین میں صبر سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے اسواسطے کہ بنا عبادت کی صبر پر ہے کیونکہ داخل ہونا عبادت میں نفس کی مرضی کے مخالف ہے اور تمام کرنا عبادت کا زیادہ تر نفس کے مخالف پڑتا ہے اگر صبر نہو تو کوئی عبادت سرانجام نہو یعنی تمامی کو نہ پہنچے اور یہ بھی ہے کہ دنیا محنت اور بلا کا گھر ہے اور جزع اور فزع روکنے والے طاعتوں سے اگر صبر نہو تو دنیا کی محنتیں ہمیشہ آدمی کو جزع اور فزع میں گرفتار رکھیں اور کبھی اُسکو فراغت عبادت کے واسطے میسر نہو اور یہاں سے وجہ صبر کی تقدیم کی نماز پر واضح ہو گئی اور صبر کے درجے مختلف اور گوناگوں ہیں اور شرع میں ہر رنگ سے مطلوب ہے پس جو صبر کہ مقابلہ میں لذتوں اور بیہودہ کاموں کے چاہیئے وہ یہ ہے کہ میل اور التفات اس جانب کو نکرے اور رعایت حقتعالیٰ کی منظور رکھے اور جو صبر کہ طاعتوں میں چاہیئے سو اسمیں اول نیت کو بچانا ہے ریا سے اور دوسری چیزوں سے کہ اخلاص کی منافی ہیں پھر اس عبادت کے ادا کرنے کی محافظت فساد اور ابطال سے پھر محافظت اُسکے ثواب کی ضائع ہونے سے اور محافظت عبادت کی تکاسل سے اور وقتوں اور شرطوں کی رعایت معدوم ہونے سے اور جو صبر کہ گناہوں کے مقابلے میں چاہیئے سو یہ ہے کہ ریاضت سے نفس کو اُن گناہوں کی طرف رغبت کرنے سے روکے اور ورع کا قصد کرے اور ورع کہتے ہیں گناہ کے اسباب اور وسیلوں سے پرہیز کرنے کو اور جو صبر کہ مصیبت میں ہوتا ہے وہ دو قسم پر ہے اسواسطے کہ مصیبت دو قسم کی ہے اول مصیبت کہ انتقام اور بدلا لینا اُسکا بندے کی قدرت میں ہے تو اس قسم کی مصیبت پر صبر یہ ہے کہ تحمل کرے اور اُسکا بدلا نہ لے نہ زبان سے نہ ہاتھ سے اور اس مقدمہ میں سلف کے صالح لوگوں نے خارق

بددعا کرنے سے بھی احتراز کیا ہے اور اسکو موجب صبر کے نقصان کا جانا ہے چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک چور کو کہ انکا اسباب
چرا لیگیا تھا بددعا کرتی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے سنکر ارشاد فرمایا کہ کیا تو چاہتی ہے کہ اُس چور کا عذاب کم ہوجاوے اور بوجھ اور وبال
اُسکا خفیف ہوجاوے اور تیرا اجر بھی گھٹ جاوے اُسکو بددعا نہ کر تاکہ وبال اُسکا سخت اور اجر تیرا زیادہ ہو۔ دوسری وہ مصیبت کہ تدارک اسکا بندے کے ہاتھ
میں نہو اور صبر اس قسم کی مصیبت پر وہ ہے کہ فریاد نکرے اور شکایت اصلاً قولاً و فعلاً نہ کرے **وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ** اور وصیت کرتے ہیں ایک
دوسرے کو مہربانی اور شفقت کی خلق اللہ پر کیونکہ یہ خلق حضرت اُلوہیت کے اخلاق سے ہے جسپر الرحمن الرحیم دلالت کرتا ہے اور عمدہ صفات سے حضرت نبوت کے
ہے کہ بالمؤمنین رؤف رحیم اُنکے حق میں ارشاد ہوا ہے اور بہت سے اخلاق محمودہ کا منبع ہے اور عفو اور کرم اور لطف اور حلم اسی خلق سے پیدا ہوتے ہیں
اسیواسطے حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ الراحمون یرحمہم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء یعنی رحم کرنیوالے اپر رحمت کرتا ہے
رحمٰن رحم کرو اُنپر جو زمین میں ہیں رحم کرے تمپر جو آسمان پر ہے اور ابو یعلی طبرانی نے روایت کی ہے انس بن مالک سے کہ ایکروز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ اپنی رحمت کو نازل نہیں کرتا مگر رحیموں پر صحابہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ ہر شخص ہم میں سے رحمت رکھتا ہے فرمایا کہ رحیم
وہ نہیں کہ اپنی جان پر اور اپنے خویش اور اقربا پر رحمت کرے۔ رحیم وہ ہے کہ سب مسلمانوں پر مہربان ہو بڑے کو باپ اور برابر کو بھائی اور چھوٹے کو بیٹا جانے
اور ابن عدی نے کامل میں حضرت امیرالمومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت حق جل شانہٗ
فرماتا ہے کہ اگر تم میری رحمت چاہتے ہو تو میری خلق پر رحمت کرو اور طبرانی نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کو
چاہیئے کہ شفقت اور دوستی اور حسن سلوک آپس میں کیا کریں اور مانند ایک تن کے ہوں کہ اگر ایک عضو بدن میں درد کرتا ہے تو تمام بدن اسکی رفاقت میں
بے چین رہتا ہے اور تپ میں گرفتار ہوجاتا ہے اور طبرانی نے اس حدیث کے روایت کرنیکے بعد کہا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایکروز خواب میں
دیکھا اور اس حدیث کو پوچھا آپنے اپنے دست مبارک سے اشارہ کرکے فرمایا صحیح صحیح صحیح اور ایکدن ایک عامل عاملوں سے حضرت امیرالمومنین عمر بن الخطاب
کے انکی ملاقات کے واسطے آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ لمبے چت لیٹے ہیں اور غریبوں کے بچے اُنکے پیٹ پر چڑھتے ہیں اور کھیلتے ہیں عرض کی کہ یہ حرکت
خلافت کی شوکت کے لایق نہیں ہے فرمایا کہ کیا تو اپنی رعیت کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتا اُس نے عرض کی کہ میں جسوقت دربار میں بیٹھتا ہوں تو
بڑے بڑے گردنکش اس جگہ میری ہیبت سے دم نہیں مار سکتے ہیں نہ یہ کہ فقیروں غریبوں کے بچے میرے پیٹ پر کھیلیں فرمایا کہ تو ہمارے کام کا نہیں معزول ہے
کہ ہمکو محبت اور شفقت اپنے پیغمبر کی اُمت پر منظور ہے ریاست کی ہیبت اور شوکت دکھانا منظور نہیں اور بعضی حدیثوں میں بھی مذکور ہے کہ میری اُمت کے
ابدالوں کو یہ منصب اعمالوں کے زور سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ نفس کی سخاوت اور سینے کی صفائی سے اور مہربانی کرنے سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اس مرتبے
کو پہنچتے ہیں اب سمجھ لیا چاہیئے کہ حق تعالیٰ نے عبادت مالی کے کامل کرنیکے حق میں ان دونو وصفوں کو کہ صبر اور مرحمت ہے کسواسطے تخصیص فرمایا ہے
وجہ اسکی یہ ہے کہ خرچ کرنا مال کا وجہوں میں خیرات اور مبرات کے بغیر ان دونو چیزوں کے متصور نہیں اول چاہیئے کہ حرام مال سے صبر کرے اور نفسانی
لذتوں سے بھی اگرچہ حلال ہوں اپنے نفس کو باز رکھے اور بعد اسکے بسبب مرحمت اور شفقت کے اس مال کو محتاجوں اور مسکینوں اور یتیموں پر صرف کرے پس
یہاں پر صبر بجاے دور کرنیوالے مانع کے ہے اسواسطے کہ وہ حرص جو مال خرچ کرنے کو مانع ہے بسبب صبر کے زائل ہوجاتی ہے اور مرحمت اور شفقت مانند وجود
مقتضی کے ہے اسواسطے کہ یہ صفت اخلاق سے حضرت ربوبیت کے ہے اور ربوبیت احسان اور پرورش کو تقاضا کرتی ہے اور وجود رفع مانع کا وجود مقتضی پر
مقدم ہے تو ذکر میں بھی صبر کو مرحمت کے اُوپر فرمایا اور یہ بھی یہاں پر سمجھ لیا چاہیئے کہ جاہلوں کے ذہنوں میں اکثر وقتوں میں قسوت قلب اور سختی دل کی ساتھ
صبر کے مشتبہ ہوجاتی ہے اور جانتے ہیں کہ خلق اللہ کی مصیبت اور سختی میں بیتاب ہونا اور قلق کرنا صبر کے خلاف ہے اور اسی خیال فاسد سے اقربا کی اور
دوسری مخلوقات الٰہی کی مدد کرنے سے محروم رہتے ہیں سو حق تعالیٰ نے دفع کرنے کو اس وہم کے مرحمت کی وصیت کو صبر کی وصیت کے ساتھ قرین
کیا ہے تاکہ اشارہ ہو اسبات کی طرف کہ استقلال اور ثابت رہنا اس جاے پر محمود ہے کہ لاحق ہونا ضرر کا کسی بندے کو خدا کے بندوں سے مظنون نہو

والا موجب اس بیت کے **بیت** اگر بینم کہ نابینا و چاہ است ✣ وگر خاموش بنشینم گناہ است ✣ محمود نہیں ہے اور اسیواسطے عرب کے بزرگ اپنی مثالوں میں کہہ گئے ہیں کہ صبرك فی مصیبتك خیر من جزعك وجزعك فی مصیبة اخیك خیر من صبرك یعنی صبر کرنا تیرا اپنی مصیبت میں بہتر ہے جزع اور فزع سے اور بیقراری اپنے بھائی کی مصیبت میں بہتر ہے صبر سے **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ** وے لوگ کہ آپسمیں یے وصیتیں کرتے ہیں اور اُسکے موافق عمل میں لاتے ہیں وہی لوگ یمن اور برکت والے ہیں کیونکہ معنی یمن اور برکت کے یے ہیں کہ کسی چیز سے بہت سا نفع علی سبیل الدوام حاصل ہوتا رہے اور اُنسے بسبب وصیتوں کے کہ خلق اُسپر قیامت تک عمل کرینگے اور احسان فقرا اور مساکین پر اور یتیموں خاکساروں پر قیامت کے قائم ہونے تک مروج اور مرسوم ہوا ہے اور بہت سا نفع ہمیشہ خلق اللہ کو پہنچا ہے اور اُنکے واسطے ثواب اُن سب احسانوں کا اُنکے نامۂ اعمال کے دفتر میں لکھا گیا ہے اور بعضے مفسروں نے میمنہ کو سیدھی جانب پر قیاس کیا ہے کیونکہ عرب کے عرف میں سیدھی جانب کو میمون اور مبارک جانتے تھے اور اسیواسطے سانح سے تبرک لیتے تھے اور اُلٹی جانب کو شوم اور منحوس جانتے اور اسیواسطے بارح سے بدشگونی پکڑتے تھے اور اہل نجات کو یمثاق کے دن حضرت آدمؑ کی پیٹھ کی سیدھی طرف سے نکالا ہے اور قیامت کے دن اعمالنامے اُنکے سیدھے ہاتھ میں دینگے اور بہشت میں کہ اُس عرش عظیم کے سیدھی جانب ہوگی اُنکو داخل کرینگے پس ان معنوں سے بھی اصحاب المیمنہ یہی بزرگ لوگ ہیں **وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا** اور جن لوگوں نے کہ انکار کیا ہمارے حکموں کا ہر چند کہ واسطے نیتوں فاسدہ اور اپنی دنیوی غرضوں کے واسطے یا اپنے بتوں اور معبودوں کی خوشنودی کو گردنیں خلاص کی ہونگی اور یتیموں مسکینوں کو کھایا یا کھلایا ہوگا اور آپسمیں صبر اور مرحمت کی وصیت کی ہوگی لیکن بسبب کفر کی شومی کے کوئی چیز اُنکے کام میں نہ آویگی بلکہ **هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ** وہی ہیں شامت اور بدبختی والے کہ ایک ضرر عظیم دائمی ایک کفر کا کلمہ کہنے سے انکے نصیب ہوا اور تمام خیرات اور مبرات اُنکے برباد ہوگئے پس کفر کے ذکر سے سب عبادتوں مالی کے مقابلے میں معلوم ہوا کہ وہ سب خیرات جو کفر کے ساتھ ملی ہوتی ہیں محض رایگاں اور بیہودہ ہیں فخر اور بڑائی کی جاے نہیں ہے اور کافر جیسے کہ شامتی اور بدبخت ہیں اسیطرح سے یمثاق کے دن حضرت آدمؑ کی پیٹھ کی بائیں طرف سے پیدا ہوئے ہیں اور قیامت کے دن اعمالنامے بائیں ہاتھوں میں دینگے اور بائیں طرف کو عرش عظیم کے کہ دوزخ کی راہ ہے چلینگے پھر اگر مشأمہ کو بائیں کے معنوں میں لیجئے تو بھی درست ہے اور جو اسقدر بیان فرمایا کہ کافر کو کسی عمل پر فخر نہیں ہے کیونکہ اُسکی اہانت اور تذلیل کے واسطے اُسکا کفر کافی ہے اب بیان فرماتے ہیں کہ اُنکے حق میں اسیقدر تذلیل اور اہانت پر اکتفا نہوگی بلکہ **عَلَیْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ** اُنپر مسلط ہوگی ایک آگ کہ سرپوش کی گئی ہے اور دروازے اُسکے بند کرد یے ہیں تاکہ اُسکی گرمی سے گرم بھاپ باہر نہ نکلے اور باہر کی سردی سے ٹھنڈی ہوا اندر نہ جاوے تاکہ فی الجملہ کچھ تخفیف حاصل ہو اور اُسوقت مشقت اور رنج اُنکا نہایت کو پہنچے نعوذ باللہ من اھل النار ✣

سُوْرَةُ الشَّمْس

یہ سورت مکی ہے اسمیں پندرہ آیتیں اور چون کلمے اور دو سو چھیالیس حرف ہیں اور اس سورے کا ربط سورۂ لااقسم کے ساتھ اس جہت سے ہے کہ اُس سورے میں بھی ہدایت خیر و شر کی راہ کی مذکور ہے جیسے وھدیناہ النجدین ویسے اس سورے میں فجور اور تقوی کے الہام کا یعنی دلمیں ڈال دینے کا بیان ہے اور اُس سورے میں بیان اصحاب میمنہ اور اصحاب مشأمہ کا ہے اور اس سورے میں بیان نفس کے پاک کرنیوالوں کا اور نفس کے ذلیل کرنیوالوں کا ہے اور یے دونو مضمون ایک دوسرے کے قریب ہیں اور اس سورے کو سورۂ والشمس اس جہت سے نام رکھا ہے کہ عمدہ سے عمدہ چیز جو اللہ کی راہ کے چلنے والے کو درکار ہے سو آفتاب نبوت کا نور ہے کہ اس نور کے سبب سے اسکی نگاہ ایسی روشن ہوجاتی ہے کہ نجات کی راہ اور ہلاکت کی راہ میں تمیز کرلیتا ہے اور دوست اور دشمن کو جدا جدا پہچان لیتا ہے اور موافق اور مخالف میں فرق کرتا ہے اور نبوت کے آفتاب کو انوار حسیہ کے عالم میں کمال مناسبت اور بہت مشابہت آفتاب ظاہری کے ساتھ ہے کہ عرب کی لغت میں اسکو شمس کہتے ہیں اور توضیح اس ابہام کی یہ ہے کہ نفس انسانی دنیا میں کہ مزرعۂ آخرت کا ہے مانند ایک

تمہید

کسان کے ہے کہ اُسکو معرفت الٰہی کا بیج دیکر اور اسباب اُس تخم کے بونے کے کہ قویٰ اور اعضا ہیں عنایت فرماکے اِس مزرعہ میں بھیجا ہے اور ہر مزارع کو
چھ چیزیں ضروری ہیں کہ بغیر اُن چیزوں کے عمل زراعت کا ممکن نہیں ہے اول اُن سب میں سے آفتاب ہے کہ اُسکی شعاع سے زمین صلاحیت کھیتی
کی قبول کرتی ہے اور زمین کے اندر گرمی پیدا ہوتی ہے اور اس گرمی کے سبب سے قوت نامیہ زور کرتی ہے اور اگر خوب غور کیجئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ
آفتاب کھیتی کے حق میں ایسا ہے جیسے حرارت غریزی حیوانوں کے حق میں کیونکہ جب بیج کو زمین میں ڈالتے ہیں تو خاک اور ہوا اور پانی تینوں ملکر
استعداد حیات نباتی پیدا کرتے ہیں لیکن پکانے کو اور عفونت کے دفع کرنے کو ایک حرارت درکار ہے۔ پھر اگر اس حرارت کو آگ کے عنصر سے لیویں تو
تخم جل جاوے ناچار حکمت الٰہی نے چاہا کہ آفتاب کی حرارت کو اُسپر مسلط فرماویں تاکہ منفعت آگ کی حاصل ہو اور نقصان اُٹھ جائے اور یہ بھی ہے
کہ بدلنا فصلوں کا اور آنا ربیع اور خریف کا آفتاب کی حرکت کے سبب سے ہے اور آنا فصلوں کا اور بدلنا موسم کا کھیتی کے واسطے ضروریات سے ہے
حاصل کلام کا یہ ہے کہ فائدے آفتاب کے کھیتی کی ابتدا سے انتہا تک علم فلاحت والوں پر پوشیدہ نہیں ہیں دوسرا چاند کہ دانے پڑنے کے وقت اور پھل
لگنے کے وقت اور اُسکے اُبھرنے کے وقت زمین کے پانی کی رطوبت کفایت نہیں کرتی پس ایک دوسری رطوبت اوپر کی بھی چاہیئے تاکہ میوہ اور دانہ
پرمغز اور بڑا پیدا ہو۔ اور میوہ اور دانہ لگنے کے وقت چاندنی کی تاثیر ضرور ہے چنانچہ یہ بات بھی فلاحت کے علم والوں پر ظاہر اور روشن ہے تیسرا دن کہ
وقت تلاش اور محنت کا اور ہل چلانے کا اور پانی سینچنے کا اور دوسرے مشکل کاموں کا ہے۔ چوتھی رات کہ اگر رات نہ آوے تو آدمی اور بیل آرام پاویں
اور آٹھوں پہر کی دھوپ میوہ دار درختوں اور کھیتی کو جلا دینے کی نوبت کو پہنچادے اور شبنم کہ سرسبزی اور تازگی کا باعث ہے بند ہو جاوے پانچواں
آسمان کہ مینہ کا برسنا اور ہوا کا چلنا موافق حاجت کے ہر وقت اُسی جہت سے ہے چھٹی زمین وسیع اور کشادہ نہ کھاری نہ پتھریلی اور کسان کی حاجت
اِن دونوں چیزوں کی طرف ظاہر ہے اور جو نفس انسانی کو دنیا کے کھیت میں کسان بناکر بھیجا ہے تو اُسکو بھی یہ چھ چیزیں لازم ہیں ایک تو آفتاب کہ
اُسکے کام آوے سو اُسکے زمانے کے نبی کے دل کا آفتاب ہے کہ اُسکی شعاعیں دور اور نزدیک سے پہنچتی ہیں اور چاند کہ اُسکے کام آوے وہ نور ولایت ہے اپنے
صاحب طریقہ کا اور جس طرح سے کہ ماہتاب ظاہری خلیفہ آفتاب ظاہری کا ہے اسی طرح سے نور ولایت کا قائم مقام نور نبوت کے ہے بلکہ حقیقت میں
وہی نور ہے کہ اُس نے دوسری کیفیت پیدا کی ہے اور اگر فرق درمیان دونو فرقوں کے کسی کو سُننا مرغوب ہو تو سُن لے کہ نور نبوت کا ملا ہوا قہر اور سیاست
سے ہے اسیواسطے انبیا اپنی اُمت پر ایسا حکم رکھتے ہیں جیسے بادشاہ اپنی رعیت پر اور اطاعت اُنکی اُن سب لوگوں پر جنکی طرف بھیجے گئے ہیں واجب اور
فرض ہے اور مخالفت کرنا اِن سے سبب خرابی دنیا اور آخرت کا ہے اور معجزوں قاہرہ کا دکھانا اور جہاد زبانی یا سیفی یا سنانی اُنپر لازم اور واجب ہے
اور ولایت کا نور ملا ہوا ہے جمال اور تالیف قلوب سے اور کشش اور الفت سے اسیواسطے یہ چیزیں وہاں یعنی نبوت میں ضروری نہیں اور کیا اچھا کہا ہے کسی
شاعر نے **شعر** آں بادۂ شعلہ گوں کہ دارد خورشید ٭ در کاسۂ ماہ چوں رسد شیر شود ٭ اور ایک فرق یہ بھی ہے کہ ایک نور اُنمیں اصل ہے اور دوسرا عکس
اُسکا جیسے نور آفتاب کا کہ اُسکی ذات کو لازم ہے اور چاند کا نور کہ اُسکی صفائی کے سبب سے اور آفتاب کی روشنی قبول کرنے سے ہے اسیواسطے مقابلے اور
نزدیکی اور تربیع کی حالت میں مختلف اور متبدل ہو جاتا ہے اسی طرح سے نبوت کا نور اصل ہے اور ولایت کا نور عکس اُسکا ہے اور اُسکے واسطے بجائے دن کے
ریاضت کا وقت ہے کہ سالک طریقت کو اور آخرت کی کھیتی کرنیوالے کو وہی زمانہ حصول مطلب کا ہے کہ نور نبوت اور نور ولایت کو اسی ریاضت کے وقت
میں سعی اور کوشش اور رنج اور محنت سے اپنے کام میں لگاتا ہے یعنی اُس سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور بجائے رات کے زمانہ پیدائش اور راحت کا ہے اور نفس کی
احتیاج میں مشغول ہونے کا اور اہل و عیال اور تمام مخلوق کے حق ادا کرنے کا زمانہ ہے کہ اُسکے حق میں رات کی مانند ہے اور اگر یہ رات اُسکے واسطے نہ ہوتی
تو ہمیشگی نور نبوت اور نور ولایت کی اُسکے دل پر قرار پکڑ کے دنیا کے کاموں سے اُسکو بیکار کر دیتے　اور انسانیت کے مرتبہ سے نکالکر کہاں سے کہاں پہنچ
جاتا اور آسمان کی جگہ پر اُسکے واسطے شریعت کا آسمان ہے کہ تمام اعمال اور اخلاق اور احوال اور مقامات اور عقائد اور مذاہب سے اُسکو گھیرے ہوئے
ہے اور اُسی آسمان شریعت سے رحمت الٰہی کا فیض مینہ کی طرح اُسپر برستا ہے اور جذب اور کشش کی بادیں بہتی ہیں اور اسکو نئی نئی حالتوں اور تجلیوں کی

[illegible] ہیں تاکہ اپنے کمال کو پہنچیں اور اسکے [illegible] کی [illegible]
اسکو میسر ہوتی ہے یعنی مرتبے باطنی اسکے بڑھتے ہیں اور جو عمدہ انکے سموں کا اور اصل اس پوشیدہ کی جز نبوت کا نور ہے اور آفتاب روشنی میں اس نور سے مناسبت
رکھتا ہے اسیواسطے اس سورت کو کہ سلوک طریقت کے لوازم اور کمال معرفت کے وسیلے کے بیان میں ہے آفتاب ہی کے نام سے شروع کیا اور اسی آفتاب کے نام پر اسکا نام رکھا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالشَّمْسِ قسم کھاتا ہوں میں آفتاب کی [illegible] وَضُحٰهَا اور قسم کھاتا ہوں اسکی روشنی کی [illegible]
نور کی روشنی کی مانند ہے سب مخلوقات پر وَالْقَمَرِ اور قسم کھاتا ہوں میں چاند کی کہ مرشد طریقے والے اور استاد تعلیم کرنیوالے کی مانند ہے اور
پیغمبر کے خلیفہ کے قائم مقام ہے بعد پیغمبر کے یعنے بعد مرنے یا دور ہونے پیغمبر کے اِذَا تَلٰىهَا جب پیچھے چلے اسکے یعنی ماہتاب آفتاب کے اور اس شرط کو
یعنی پیروی کو اسواسطے لائے ہیں کہ مرشد کی حرمت مشروط ہے نور نبوت کی پیروی پر اور کمال پیروی کے سبب سے اسکو خلافت کا منصب نصیب ہوا
اور ماہتاب کا پیروی کرنا آفتاب کو کئی وجہوں سے ہے اول استفادے میں یعنی فائدہ روشنی کا حاصل کرنے میں اور دوسری اسکی پیروی غروب میں کرنا
اور پہلی مہینے میں ہوتی ہے تیسرے طلوع میں اسکی پیروی کرنا اور بیچ مہینے میں ہوتی ہے چوتھے جثہ یعنی جسم کی بزرگی میں موجب ظاہر حس کے کہ
کوئی تارہ آفتاب کے ساتھ [illegible] برابری نہیں کرسکتا سوائے ماہتاب کے اگرچہ ابعاد اور اجرام کی دلیلوں کے موافق بزرگ اور بڑا دوسرا بھی ہو پانچویں یہ کہ
دنیا کی مصلحتیں انھیں دونوں کی حرکتوں پر موقوف ہیں اسواسطے کہ سال کی فصلوں کا بدلنا اور جو حساب کہ سال سے تعلق رکھتے ہیں اور بڑے بڑے کام
سب آفتاب کی حرکت سے تعلق رکھتے ہیں اور بدلنا ہر مہینے کی شکلوں کا اور جو حساب کہ مہینے سے تعلق رکھتے ہیں یہ سب ماہتاب کی حرکت سے ہیں
اور عادہ بیماریوں کا بڑھنا جیسے خارشت اور جاندار کی آنتوں میں رطوبت کا زیادہ ہونا اور ہڈیوں میں مغز پیدا ہونا اور دودھ جانوروں میں دودھ
کا زیادہ ہونا اور خون کا جوش کرنا بدن میں اور بڑھنا گھٹنا سمندر کا یہ سب چیزیں ماہتاب کے نور کی زیادتی سے متعلق ہیں وَالنَّهَارِ
اِذَا جَلّٰىهَا اور قسم کھاتا ہوں میں دن کی جب روشن کرے وہ آفتاب کو کہ سالک کی ریاضت کے وقت کی مانند ہے اس جگہ پر بھی ایک
شرط زیادہ کی ہے تاکہ اشارہ ہو ساعت کی طرف کہ وقت ریاضت کا وہی وقت ہے حرمت اور بزرگی پیدا کرتا ہے کہ اس ریاضت کے سبب سے نبوت کا نور
سالک کے دل پر متجلی ہو جاوے اور حجاب کٹ جاوے والا باطل ریاضتیں جیسے جوگیوں کی اور باطل مذہب والوں کی کہ نبوت کے نور سے متجلی نہیں ہوتی
ہیں اور حجاب کو درمیان سے نہیں اٹھاتی ہیں ایسی ریاضتوں سے کچھ حرمت اور بزرگی حاصل نہیں ہوتی اور اس جگہ اکثر تفسیر والے شبہ لاتے ہیں کہ روشن
کرنا دن کو آفتاب کا کام ہے نہ یہ کہ دن آفتاب کو روشن کرتا ہے ایسی الٹی عبارت یہاں کسواسطے لائے ہیں یہاں تک کہ بعضے مفسروں نے اس شبہ
کو قوی جانکر ضمیر کو آفتاب کی طرف سے پھیر کر زمین اور دنیا کی طرف عاید کیا ہے اور تاکہ اضمار قبل الذکر لازم نہ آوے ایک قرینہ جو مرجع پر دلالت
کرے ذکر کرکے اس الزام سے اپنا بچاؤ کیا ہے اور حق بات یہ ہے کہ اسمیں ضمیروں کی جدائی لازم آتی ہے اور ضمیروں کی تفریق خوب نہیں ہے
اسواسطے کہ ضُحٰهَا اور تَلٰىهَا میں بلاشبہ ضمیر آفتاب کی طرف راجع ہے اور باوجود ذکر مرجع کے مرجع کو مقدر ٹھیرانا اچھا نہیں ہے لیکن اس
ترکیب کی وجہ کو کہ ظاہر میں الٹی معلوم ہوتی ہے سن لیا چاہیئے کہ عادت وہم کی یہ ہے کہ جب کسی چیز کو ایک مقرر وقت میں کئی بار دیکھتا ہے تو اس وقت
کے آنے کو سبب اس چیز کا جانتا ہے اور عقلی قاعدے کے موافق بھی یہ ہے کہ وجود اثر کا دلیل موثر کے وجود کی ہے چنانچہ مبحث میں برہان انی کے مقرر
ہے اور جو دن کا وقت ہے دونوں جہتوں کی عقلی اور وہمی سے آفتاب کو روشن کرتا ہے یعنے جب دن ہوتا ہے تبھی آفتاب روشن ہوتا ہے تو نسبت
اسکی طرف کی گئی اور اس مجاز کو کہ اس جگہ پر استعمال کیا ہے سو شاید کہ حقیقت کے لحاظ سے کہ وقت ریاضت کا ہے اور موجب روشن ہونے نور کا
کا تو استعمال سے حقیقت کے بہتر ہوا اور یہ بھی احتمال ہے کہ معنی اِذَا جَلّٰىهَا کے یہ ہوں کہ اس وزارہ اور غبار حائل نہو اس صورت میں روشنی کی

نسبت دن کی طرف بے تکلف درست ہوجاتی ہے وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا اور قسم کھاتا ہوں میں رات کی جب چھپا لیتی ہے آفتاب کو
ما نند وقت راحت کے اور توجہ طرف ادا کرنے حقوق اہل و عیال کے اور زمانہ غفلت اور حجاب کے ہے نور نبوت سے آورؔ یہ بھی آخرت کی کھیتی اپنے والے کو
اور سالک طریقت کو ضروری ہے تا کار خانہ دنیا کا درہم برہم ہوجاوے اور اُن عبادتوں سے کہ خلق اللہ کے حق سے متعلق ہیں جیسے عیادت
مریضوں کی اور ملاقات اقربا کی اور روزی کمانا اہل و عیال کے واسطے یا اور جو اُسکے سوا ہیں محروم رہے اور آخرت کی زراعت کے نقصان کا سبب
پڑے اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک روز مجلس مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اٹھکر اپنے
گھر کو تشریف لیجاتے تھے کہ ناگاہ ایک شخص صحابہ کرام سے کہ نام اُنکا حنظلہ تھا راستے میں ملے اور پکار کر بولے کہ حنظلہ منافق ہوگیا حضرت ابو بکر
صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا حال ہے کہنے لگے کہ جس وقت حضور پر نور میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حاضر ہوتا ہوں تو مجھ کو غیب کا عالم
ایسا منکشف ہوجاتا ہے کہ گویا ان آنکھوں سے دیکھتا ہوں اور جب اس مجلس مقدس سے اٹھکر گھر کو آتا ہوں اور جورو بچوں کے ساتھ مشغول
ہوجاتا ہوں تو وہ کیفیت باقی نہیں رہتی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ سب کا یہی حال ہے آؤ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کے حضور میں جاکر عرض کریں دونوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے پھر حنظلہ نے اسیطور سے پکار کر کہا کہ حنظلہ منافق
ہوگیا آنحضرت صلعم نے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے اُنہوں نے سارا احوال اپنا عرض کیا فرمایا کہ اگر تمکو ہمیشہ یہی حالت رہے جو میرے حضور میں یا ذکر اللہ کی
مجلس میں ہوتی ہے تو ہرگز تم لوگ اپنی عورتوں سے حظ نہ اٹھاؤ اور نعرے مارتے ہوئے اور فریاد کرتے ہوئے جنگلوں کو چلے جاؤ اور فرشتے
تم سے مصافحہ کریں لیکن یہ حالت کسیکو ہمیشہ نہیں رہتی بلکہ ایک ساعت اس حالت میں گزرتی ہے اور ایک ساعت غفلت میں تا توجہ بحق اور
توجہ بخلق ملی ہوئی رہیں یہیں سے معلوم ہوا کہ غفلت اور راحت کے وقت بھی بزرگی رکھتے ہیں کہ آئندہ کی ریاضتوں کو مددگار ہوتے ہیں اور
اِن عبادتوں کے ثوابوں کے حاصل ہونے کا باعث ہوتے ہیں جو تعلق مخلوق کے حق سے رکھتے ہیں چنانچہ معاذ بن جبل رضؓ نے فرمایا ہے کہ انی لاحتسب
نومتی کما احتسب قومتی یعنی میں اپنے خواب میں بھی متوقع اجر اور ثواب کا رہتا ہوں جیسا کہ اپنے تہجد میں اسواسطے کہ اگر تہجد میں اللہ تعالی کا حق ادا
ہوتا ہے تو سونے میں نفس کا حق ادا ہوتا ہے اور یہ دونوں حق اللہ تعالی کے واجب کرنے سے واجب ہوئے ہیں مگر جو غفلت کہ مددگار طاعت کی نہ ہو
اور موافق حکم شرع اور فرمان الٰہی کے ادا کرنے کی نیت سے نہو تو ایسی غفلت کی کچھ حرمت اور بزرگی نہیں ہے بلکہ حرام مطلق ہے اور یہیں سے معلوم ہوا کہ
یہ چاروں قسمیں حقیقت میں آفتاب سے متعلق ہیں اسیواسطے اس سورے کا آفتاب کے نام پر نام رکھا گیا وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا اور قسم کھاتا
ہوں میں آسمان کی اور اس حکمت الٰہی کی کہ اس آسمان کو محیط بنایا ہے اُن چیزوں پر جو اُسکے درمیان میں ہیں اور یہی مثال شریعت کی ہے
کہ مانند آسمان کے محیط ہے مکلفوں کے تمام عملوں پر اور ہر عمل کا حکم اُسمیں موجود ہے اور مانند آسمان کے بارہ برج رکھتی ہے ضمن میں چار مثلثہ کے پہلا
مثلثہ کہ مثلثہ اعتقاد کا ہے شامل ہے تین برجوں کو ایک برج ذات اور صفات کا اور دوسرا برج انبیا اور ملائکہ اور کتابوں کا اور تیسرا برج معاد کا اور مثلثہ دوسرا
کہ مثلثہ عبادت کا ہے بنایا گیا ہے تین برجوں سے ایک برج تو عبادتوں بدنی کا ہے جیسے نماز اور روزہ اور تلاوت قرآن مجید کی اور ذکر اور دعا اور درود اور اسکے سوا
اور دوسرا عبادتوں مالی کا جیسے زکوۃ اور صدقہ اور وقف اور مسجدیں اور مسافر خانے اور خانقاہیں اور مدرسے اور کوئے اور پل اور مہمانسرائیں اور
تیسرا عبادتوں مرکب کا بدنی اور مالی سے جیسے حج اور عمرہ اور جہاد اور نماز عیدین تیسرا مثلثہ معاملات کا ہے وہ بھی مرکب ہے تین برجوں سے پہلا برج اسمیں وہ
معاملے ہیں کہ ایک وجہ عبادت کی بھی رکھتے ہیں جیسے نکاح اور خدمت ماباپ کی اور پرورش اولاد کی اور لونڈی اور غلام کی اور پڑوسی کے حق اور ہمنشین
کے حق کی اور مہمان کے حق کی اور سوائے اسکے دوسرے ناتے والوں کے حق کی رعایت اور دوسرا برج اسمیں وہ معاملے ہیں کہ کوئی وجہ عبادت سے نہیں
رکھتے جیسے خرید اور فروخت اور اجارہ اور گرو اور شرکت اور وکالت اور ضامنی اور سوا اسکے اور تیسرا برج اسمیں وہ معاملہ ہیں کہ ایک وجہ تبرع اور احسان
کی بھی اسمیں ملی ہوئی ہے جیسے ہبہ اور قرض اور اقراض اور مضاربت چوتھا مثلثہ کہ سیاست کا مثلثہ ہے وہ بھی ملا ہوا تین برجوں سے ہے پہلا کفارات میں

کہ سیاست کے ساتھ ایک وجہ عبادت کی بھی رکھتی ہے جیسے کفارہ سوگند کا اور کفارہ نفس کے قتل کا اور کفارہ روزہ توڑنے کا اور ظہار کرنے کا اور حیض کی حالت میں جماع کرنے کا اور دوسرا سوا اسکے اور دوسرا حدوں اور تعزیروں اور قصاص کا کہ سیاست محض ہیں جیسے شراب پینے کی حد اور زنا کی حد اور چوری کی حد اور شمار و اور سرہزنوں کی حد اور گالی کی حد سوا اسکے اور تیسرا دیتوں اور ضمانوں کا کہ ہمراہ سیاست کے ایک شبہ معاملہ کی بھی رکھتے ہیں اور وہی آسمان شریعت کا ستارے بھی رکھتا ہے کہ حکموں کی دلیلیں ہیں ان سب میں سے سات ستارے سیارے ہیں کہ احکام کے فنون میں دورا اور سیر کرتے ہیں کتاب و سنت اور اجماع اور قیاس اور استصحاب اور تعامل اور اباحت اصلیہ اور باقی ستارے ثابت ہیں کہ اپنی اپنی جگہ اور مکانوں میں ٹھیرے ہوئے ہیں جیسے مصالح جزئیہ کہ ہر ہر فرد میں پائے جاتے ہیں اور بنا اس آسمان کی کہ عبارت شریعت سے ہے اس طور سے واقع ہوئی ہے کہ جسوقت مکلفین مقیدا سکی خواہش کی ہوجاویں تو عمل نیک انکی قبولیت کے مقام پر چڑھ جاویں اور اس طرف سے وہ قبولیت صورت رحمت ہدایت کی پکڑ کر مینہ کی مانند برس پڑے جیسے بخارات کہ زمین سے اٹھتے ہیں اور آسمان کی طرف جاکر پانی کی صورت پکڑ کر پھر لوٹتے ہیں اور زراعت کی سرسبزی اور شادابی کا موجب ہوتے ہیں **وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا** - اور قسم کھاتا ہوں میں زمین کی اور اس حکمت الٰہی کی جس نے اسکو ایسا چوڑا اور فراخ بچھایا ہے اور وہ نفس انسانی کی استعداد کی مانند ہے کہ بسبب فراخی کے معرفت کا تخم بونے کے قابل ہے اور چونکہ نفس انسانی کو عالم جس میں کوئی مشابہ اور نظیر کہ قابل تعظیم کے ہو اور اسکی قسم کھائی جاوے پایا نہیں جاتا تو اسی نفس کی قسم کھاکے فرماتے ہیں **وَنَفْسٍ** اور قسم کھاتا ہوں میں نفس کی کہ دو چیز رکھتا ہے اول قابلیت کمال حاصل کرنے کی دوسرے نقد اس کمال کا بالفعل کہ بسبب ان دو چیزوں کے بونا معرفت کے تخم کا اسکو میسر ہوتا ہے اور وہ نفس انسانی ہے کیونکہ نفوس ملائکہ اپنے کمالوں کو بالفعل حاصل رکھتے ہیں انکو کمالات طلب کرنے کی حاجت نہیں ہے اور نفوس حیوانی کمالات حاصل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے ہیں پس بونا معرفت کے تخم کا انسے ممکن نہیں اور اسی نکتہ کے واسطے نفس کو نکرہ لائے ہیں تاکہ دلالت کرے ایک نوع پر نوعوں سے نفس کے برخلاف دوسری قسموں کے کہ معرفہ لائے ہیں کیونکہ وہ سب چیزیں ایک رنگ رکھتی ہیں تعدد نوعی انمیں متصور نہیں ہے جیسے آفتاب اور ماہتاب اور آسمان اور زمین یہ سب کلیات منحصر فرد واحد ہیں اور دن اور رات ہرچند کہ موافق نظر عقلی کے جدے جدے معلوم ہوتے ہیں لیکن نظر عرفی اعادہ اور تکرار پر یعنی بار بار اور لوٹ لوٹ آنے پر انکے حکم کرتی ہے اور تعدد اور جدا جدا ہونے پر انکے یقین نہیں رکھتی **وَمَا سَوّٰىهَا** اور قسم اس حکمت الٰہی کی کہ درست کیا ہے اس نفس کو اور اعتدال مزاج کا اور حواس ظاہری اور باطنی اور قوای طبعیہ اور حیوانیہ اور نفسانیہ سب اسکو دیئے تاکہ قابل تعلیم اور سمجھ کے ہوجاوے اور اٹھانیوالا مشکل کاموں کا اور صبر کرنیوالا اور ثابت رہنے والا ہو اور معرفت کے تخم کو ان اسبابوں سے بوسکے اور بعضے مفسروں نے وجہہ ان چھ قسموں کے خاص ہونے کی سوائے نفس انسانی کے یوں ذکر کی ہے کہ حق تعالیٰ کو اس سورے میں حال بیان کرنا نفس انسانی کا منظور ہے اور مختلف ہونا اسکا الہام قبول کرنے میں فجور اور تقوی کے اور مذکور کرنا اسکی وسعت اور فراخی کا تاکہ موافق قوت علمیہ کے نمونہ تمام جہان کا ہووے اور تمام عالم اپنے وجود ظلی سے اسمیں سما جاوے اور موافق قوت علمیہ کے خلیفہ حضرت ربوبیت کا ہو کہ ہر چیز کو مخلوقات میں سے ایک کام میں صرف کرے اور کمال حاصل کرنا صنعتوں میں اور پورا بھر لینا منفعتوں اور مصلحتوں کا جو ہر ہر ذرے میں عالم کے ودیعت ہیں ارادہ کرے پس ابتدا اس کلام کے چھ چیزوں کو بطور قسم کے یاد فرمایا کہ وہ چھ چیزیں عموم اطلاق اور وسعت میں نمونہ حضرت الوہیت کا ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے دو چیز کو عالم میں ایسی وسعت اور کشادگی بخشی ہے کہ کسی چیز کو حاصل نہیں ہے اول تو زمان اور دوسرا مکان لیکن وسعت مکان کی ایک رنگ رکھتی ہے اور وسعت زمان کی دوسرا رنگ مکان نے عرش سے فرش تک ایک آن واحد میں بیشمار مخلوقات کو گھیر لیا ہے اور سب کو اپنے اندر جگہ دی ہے اور آپ ایک طور پر ثابت ہے اور اسکے اندر کی چیزیں گزرنیوالی ہیں ع یکے میرود دیگرے آید بجا اور عام ہونا زمانہ کا اس طور سے ہے کہ آپ گذرنیوالا ہے اور اسکے درمیان کی چیزیں اپنے مکان پر ثابت ہیں اور وہ کوئی لحظہ اور کوئی لمحہ انکے ساتھ قرار پکڑنیوالا نہیں ہے اس بے ثباتی کے ساتھ محیط اور گھیرنیوالا اپنے اندر بے انتہا اور بیشمار چیزوں کا ہے سو یاد دلانے کو ان دونوں عام قسموں کے آسمان اور زمین کو عمدہ مکانوں سے ہیں ذکر فرمایا اور رات اور دن کو کہ اجزا سے زمانے کے ہیں اور اختلاف ظاہر اور اعتبار باہر رکھتے ہیں اور باوجود تھوڑی دیر گذرنے کے تغیر اور تبدل قبول کرتے ہیں لائے ہیں اور اس جگہ پر ایک قسم اور ہے کہ اسکے نور کا فیض سب کو شامل ہے بدون

فرق کے درمیان میں وضیع اور شریف اور غنی اور فقیر اور مسلمان اور کافر اور صالح اور فاسق کے اور کمال مشابہت رکھتی ہے حضرت الوہیت سے فیضان وجود اور لوازم صور نوعیہ میں اور یاد کرنے سے آفتاب اور ماہتاب کے تو اس قسم کی دماغ میں اذکیا کے پہنچائی ہے باقی رہی یہ بات کہ ان تینوں عام قسموں میں کس واسطے دو چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں جواب اسکا یہ ہے کہ باوجود عام فائدہ دینے کے اختلاف کمال اور نقصان اور نورانیت اور ظلمانیت اور اصالت اور تبعیت کا بھی منظور ہے تاکہ آگاہی اختلاف پر نفوس انسانی کے باوجود عام ہونے تصرف کے ان صفتوں میں کی جاوے پس اسبات کے واسطے ضرور ہوا کہ ان تینوں قسموں میں دو دو چیزیں یاد کی جاویں سو اسکا بیان یہ ہے کہ آفتاب عالم انوار میں اصل ہے اور ماہتاب عکس اسکا ہے اور دن اجزاؤں میں زمانے کے نورانی ہے اور رات اندھیری اور اور آسمان بلند اور محیط ہے اور زمین پست اور محاط یعنی گھیرے ہوئے ہے اور جو عام ہونے کو نفس انسانی کے عام ہونے پر ان چیزوں کے قیاس کریں تو اسکی دو رنگی بھی ظاہر ہو جاوے چنانچہ فرماتے ہیں **فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا** پس الہام کر دی یعنی دل میں ڈالدی اس نفس کو بدکاری اسکی اور الہام لغت میں کہتے ہیں کھانا ڈالنے کو کسی شخص کے حلق میں اسطور سے کہ اس شخص کو دانت اور ہونٹ نہ ہلانے پڑیں اور قرآن کے عرف میں عبارت ہے ڈالنے سے کام کے داعیہ کے دل میں بغیر واسطے پہلی فکر کے اور جو اعمال بنی آدم کے خواہ خیر ہوں خواہ شر سب تابع داعیہ اور ارادہ کے ہیں پس سررشتہ نیک اور بد کا بندھا ہوا اسی داعیہ اور ارادے سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سررشتہ کو اپنے دست قدرت میں رکھا ہے اور کسی دوسرے کو نفس اور شیطان اور شریروں اور صفاؤں کو نہیں سونپا ہاں یہ چیزیں مددگار اور سبب نیک اور بد داعیہ کے فیضان کے عالم غیب سے ہوتے ہیں اور اسی سبب سے محل عتاب اور ملامت کا ہوتے ہیں اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ان قلوب بنی آدم بین اصبعین من اصابع الرحمن یقلبہا کیف یشاء یعنی بنی آدم کے دل دو انگلیوں میں ہیں اللہ تعالیٰ کی انگلیوں سے پھراتا ہے ان دلوں کو جس طرف چاہتا ہے اور اگر اس جا پر کسی کے دل میں شبہ گذرے کہ جب دل میں انسان کے ڈالنا بدی اور نیکی کے داعیہ کا اس جانب سے ہے تو پس جبر لازم آیا اور بے اختیاری ثابت ہوئی اور کارخانہ جزا دینے کا اور نصیحت کرنے کا اور خوف اور رغبت دلانے کا سب برباد ہو گیا اور بھیجنا پیغمبروں کا اور نازل کرنا کتابوں کا اور قائم کرنا قیامت اور حشر اور نشر اور سوال اور جواب اور حساب اور کتاب کا سب بے فائدہ اور بیکار ہو گیا جواب اسکا یہ ہے کہ جبر اس صورت میں لازم آتا ہے کہ ارادہ اور اختیار درمیان میں نہو اور جب یہ بات ثابت ہوئی کہ جو کچھ کہ کرتے ہیں سو اس شخص کے ارادے اور اختیار سے کرتے ہیں پھر جبر کس واسطے لازم آویگا اور ہر شخص اپنے نیک اور بد کاموں کو اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے اور حرکتیں اختیاری اور جمادات کی میں جیسے پانی کا بہنا اور پتھر کا پڑا رہنا انمیں فرق ظاہر ہے پس جبر اسکو کہتے ہیں نہ اسکو اور جزا دینے کے واسطے اور سوائے اسکے اور جو ایسا امر ہے اسکے واسطے وجود اختیار کا کافی ہے نہ یہ کہ اختیار بھی اپنے ہاتھ میں ہو اور جو بندے کی ذات سے توام اور وجود دوسری جا سے پیدا کیا ہے تو اختیار اسکا کیونکر اپنی ذات سے ہوگا یہ مرتبہ صفت کا موصوف سے ادنیٰ ہے اور فجور کے معنی کی تحقیق یہ ہے کہ آدمی کو حق تعالےٰ نے تین قوتیں عنایت کی ہیں ایک قوت عقلی ہے جسکے سبب سے نیک اور بد کو دریافت کرتا ہے اور دوسری قوت شہوی یعنی خواہش کی ہے جسکے سبب سے چیزوں کی خواہش کرتا ہے اور اپنی لذتوں کو حاصل کرتا ہے اور تیسری قوت غضبی ہے کہ اسکے سبب سے اپنے مخالف اور مزاحم کو دفع اور دور کرتا ہے سو آدمی کی جب یہ دونوں قوتیں یعنی شہوی اور غضبی اسکی عقلی قوت کے تابعدار ہو جاویں اور بے اسکی صلاح کے کوئی کام نکریں جس چیز کو حکم کرے وہی کام کریں اور جس سے منع کرے اس سے دور رہیں اور جس سے کہے لڑنے کو تو لڑ بیٹھیں اور جسکو منع کرے اسکو روک دیں اور وہ شخص اپنی قوت عقلیہ کو شریعت کے نور سے روشن کرے اور انبیا کے طریقے پر چلاوے اور نیک کو نیک اور بد کو بد پہچان کے ان دونوں قوتوں کو کام میں لگاوے تب مرتبہ تقویٰ کا حاصل ہوتا ہے اور اگر خدانخواستہ قوت عقلیہ اسکی نور شرع سے منور نہووے اور نیک کو برا اور بد کو نیک جانا یا باوجود منور ہونے کے شریعت کے نور سے حکم قوت عقلیہ کا ان دونوں قوتوں پر جاری نہو اور یہ دونوں قوتیں اسکے کہنے پر نہ چلیں بلکہ اس قوت عقلیہ کو بھی اپنا تابعدار کر لیا اور جس طرف چاہا خواہش کی اور جس سے چاہا لڑ بیٹھیں اسوقت مرتبہ فجور کا حاصل ہوتا ہے پس حقیقت فجور کی غالب ہو جانا قوت شہویہ کا اور غضبیہ کا ہے قوت عقلیہ پر **وَتَقْوٰىهَا** اور الہام کیا اسی نفس کو تقویٰ اسکا اور تقوے کی حقیقت قوت عقلیہ کو قوت شہویہ اور غضبیہ پر غالب کرنا ہے اور جو قسم کھانے سے فراغت پائی تو اب وہ مضمون جسپر قسم کھائی ہے یاد فرماتے ہیں **قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا** تحقیق خلاصی پائی جس شخص نے پاک کیا اس نفس کو اور نفس کے پاک کرنے کا

طریقہ یہ ہے کہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو عقل کا تابع کرے اور عقل کو تابعدار شریعت کا تاکہ روح اور دل دونو تجلی الٰہی کی روشنی سے روشن ہو جاویں اور مرتبہ اُسکا فرشتے کے مرتبے سے بھی بڑھ جاوے اسواسطے کہ فرشتے صرف قوت عقلیہ کھتے ہیں قوت شہویہ اور قوت غضبیہ سے پاک ہیں اور اس شخص نے قوت شہویہ اور غضبیہ کو لپست کرکے قوت عقلیہ کا تابع اور فرمانبردار کر دیا ہے اور اپنی عقل کو خادم شرع شریف کا کیا ہے اور یہ مرتبہ بڑی کوشش اور مجاہدے سے حاصل ہوتا ہے کہ فرشتوں کو یہ بات ہرگز میسر نہیں ہوسکتی اور یہ بھی ہے کہ شہوت اور خشم اُسکے شرع کے فرمانبردار ہوکے عجیب اور غریب حالتیں شوق اور ذوق اور غیرت الٰہی کی اور مقابلہ دین کے دشمنوں سے کرتے رہتے ہیں کہ فرشتوں کو یہ باتیں اور یہ مرتبے ہرگز نصیب نہیں ہیں اور نفس کے پاک کرنیکے واسطے طریقت والے بزرگوں نے رسالے اور کتابیں تالیف اور جمع کی ہیں جیسے قوت القلوب اور احیاء العلوم اور تعرلیف اور عوارف اور سوائے انکے بہت سی کتابیں ہیں اس فن میں لیکن جو قرآن مجید سے دریافت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بیس آیتوں ہیں قرآن شریف کی فلاح کے لفظ کو بعضے نیک عمل پر لائے ہیں اور اس آیت میں فلاح کو تزکیہ نفس سے مربوط کیا ہے تو اُن عملوں کو بجالانا موجب اس اشارہ کے نفس کے تزکیہ اور پاکی کے واسطے کافی ہوگا اور حقیقت میں وہ رسالے اور کتابیں جو طریقت کے بزرگوں نے جمع کیے ہیں انھیں بیس آیتوں کی شرح ہے عمدہ اُن آیتوں میں وہیں جو سورہ بقر کے اول میں ہیں جیسے ھُدًی للمتقین الذین یومنون بالغیب اولٰئک ھم المفلحون تک اور اول سورہ مومنون میں ہیں جیسے قد افلح المومنون ھم فیہا خالدون تک اور اسی طرح سورہ روم میں اور سورہ توبہ میں اور سوائے انکے دوسری سورتوں میں آیتیں متفرق مذکور ہیں **وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا** اور تحقیق نامراد ہوا اور اپنا نقصان کیا جس نے گمنام کیا اس نفس کو اور خاک میں ملایا اور نفس کے گمنام کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اُسپر تجلی الٰہی کے نور کی روشنی نہ پڑے اور یہ بات بسبب حج اور غالب نے شہوت اور غضب کے مقتضیات کے اس عقل کے مقتضیات پر جو شرع کے تابع ہے حاصل ہوتی ہے اور جب اس نور سے محروم رہا تو اُسکا مرتبہ حیوان کے مرتبہ سے بھی کمتر ہوگیا اسواسطے کہ حیوان کو اُس نور کے تحصیل کے اسباب دیے نہیں گئے ہیں اور اس شخص نے باوجود موجود ہونے ان اسباب کے اِس نور کو حاصل نہ کیا بلکہ ان اسباب کو مغلوب کر کے ایک پردہ اپنے دل پر ڈال لیا کہ اُٹھانا اُسکا دشوار ہے اور جو غالب کرنا شہوت اور غضب کا عقل اور شرع کے مقتضیات پر نزدیک عوام الناس کے نقصان اور محرومی کا سبب نہیں ہے بلکہ اس قسم کے کاموں پر جرأت کر بیٹھنے کو بڑی دانائی جانتے ہیں اور نام اور مرتبے دنیاوی کے حاصل کرنے میں اس جرأت کو سبب قوی جانتے ہیں اسیواسطے عاقلوں نے کہا ہے ؎
من راقب الناس مات ھمًّا ۔ وفاز باللذات الجسور یعنی جس نے خوف کیا لوگوں سے تو مرا جل جلکر اور پہنچا مراد کو جس نے دلیری کی اور بعضوں نے اسی مضمون کو اس طور سے بھی کہا ہے الرزق یخطی باب عاقل قومہٖ ویبیت بالباب الاحمق یعنی رزق چوک جاتا ہے قوم میں عاقل کے دروازہ کو اور رہتا ہے نگہبان بن کے احمق کے دروازہ پر اسیواسطے ضرور ہوا کہ قد خاب من دسّٰھا کے مضمون پر تمثیل اور شاہدی کے طور پر ایک قصہ کو بیان کریں تاکہ اس قصے کے مضمون سے خود بخود ظاہر ہوجاوے کہ شہوت اور غضب کے حکم کو عقل اور شرع کے حکم پر غالب کرنا اور عقل اور شرع کو محکوم شہوت اور غضب کا بنانا رفتہ رفتہ دین کے انکار اور تکذیب کا سبب پڑتا ہے اور ہمیشگی کی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے بلکہ بعضے وقت دنیا میں بھی سوائے خرابی اور رسوائی کے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا آپ اس قصے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں **كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰهَا** انکار کی پیغمبر اور حق تعالےٰ کے حکم کی ثمود کی قوم نے اپنی سرکشی کے سبب سے یعنے اپنی شہوت اور غضب کی خواہشوں کو شرع اور عقل کے حکموں پر غالب اور حاکم کیا اور یہ غلبہ انکار اور تکذیب کا سبب ہوگیا انکے حق میں اور طغویٰ کی لفظ میں ایک اشکال ہے مشہور اسواسطے کہ یہ طغیان سے مشتق ہے تو موافق قاعدے کے چاہیے تھا کہ طغیاً ہوتا یے کو واو سے کسواسطے بدل کیا تو صرف کے عالموں نے اس اشکال کے جواب میں یوں لکھا ہے کہ فعلیٰ کبھی اسم ہوتا ہے اور کبھی صفت تو واسطے فرق کے درمیان اسم اور صفت کے اسم میں یا کو واو سے بدل کرتے ہیں اور صفت میں اپنی اصل پر رہنے دیتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں امرأۃ صدیا و خزیا یعنی ایک عورت ہے پیاسی اور رسوا اور ثمود نام ہے ایک شخص کا حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے یعنی بیٹا عامر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کا ہے کہ چوتھی پشت میں حضرت نوح سے ملتا ہے سو اس شخص کی اولاد بعد ہلاک ہونے عاد کی قوم کے عرب کے ملکوں میں پھیل گئی تھی اور اُن ملکوں کی مالک ہوگئی تھی اور انکا ملک اصل

حضرت صالح کی اونٹنی کا قصہ

یعنی وطن شام اور حجاز کے درمیان میں تھا اور اُنکے شہروں میں سے جو شہر شام کے قریب تھا نام اُسکا حجر تھا اور جو شہر حجاز سے ملا ہوا تھا نام اُسکا وادی القریٰ تھا اور ان دونوں کے درمیان میں ایکہزار سات سو لبستیاں چھوٹی بڑی بلا کے یعنی گاؤں اور قصبے اور شہر اُنکے تصرف میں تھے اور بستی میں سنگین عمارتیں بنائی تھیں اور کھیتی کرتے تھے اور کنوئیں اور تالاب کھودتے تھے لیکن اُس زمین میں پانی کم تھا اور پتھر کے سبب سے کنوا اور تالاب دشواری سے کھودا جاتا تھا اور اکثر مال انکا عمارت کے بنانے میں اور باغوں کے لگانے میں اور پتھر تراش کے مکان بنانے میں اور کنوا اور تالاب پہاڑوں کے اندر کھودوانے میں خرچ ہوتا تھا یہانتک کہ بڑے بڑے سنگتراش کاریگر پہاڑوں پر عمارتیں منقش تراشتے تھے آخر کو ہوتے ہوتے پتھروں کی صورتیں عجیب اور غریب تراشنے لگے اور انکو پوجنا شروع کیا اور یہ رسم انمیں رائج ہوئی یہانتک کہ بالکل بت پرستی انمیں پھیل گئی اور حق تعالیٰ سے بالکل غافل اور بیخبر ہوگئے تب حق تعالیٰ نے حضرت صالح بن عبید علیہ السلام کو کہ صورت اور شکل میں سب سے بہتر تھے حسب و نسب میں بھی سب سے اعلیٰ اور خوبتر اور لڑکپن سے نیک بختی اور صلاحیت کی نشانیاں اُنمیں پائی جاتی تھیں مرتبہ رسالت کا عنایت فرماکے وحی نازل فرمائی اور حکم الٰہی انکو ہوا کہ اپنی قوم کو سمجھا کے بتوں کی عبادت سے باز رکھو اور منع کرو اور عبادت رب الارباب کی طرف انکو رغبت دلاؤ اور مشغول کرو اور یہ حکم الٰہی انکو پہنچاؤ اور خوب اچھی طرح سے سمجھاؤ کہ یہ نعمتیں کہ تمکو حاصل ہیں اللہ تعالیٰ کی عنایت کی ہوئی ہیں ان نعمتوں کا شکر ادا کرو اور ان نعمتوں کو غیر خدا کی طرف منسوب کرو اور سرکشی اور تکبر کو چھوڑو حضرت صالح علیہ السلام نے بموجب حکم الٰہی کے تبلیغ احکام اور دعوت اسلام اپنی قوم کو کرنا شروع کی اور قوم نے انکار پر اصرار کیا اور حضرت صالح سے معجزہ طلب کیا آپنے فرمایا کہ اگر میں بموجب تمہاری خواہش کے معجزہ تمکو دکھلاؤں اور پھر تم نے میرا کہا نہ مانا اور ایمان نہ لائے تو تم سب عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگے اُن لوگوں نے اِسبات کو یقین نہ کیا اور کہا کہ ہم سب فلانی تاریخ ہر سال شہر کے باہر جاتے ہیں اور بتوں کو پوشاک اور زیور سے آراستہ کرکے باہر نکالتے ہیں اور حاجتیں تمام سال کی اُن بتوں سے اُسدن مانگتے ہیں اور وے ہم کو دیتے ہیں تو بھی اُسدن ہمارے ساتھ چل اور اپنے خدا سے اپنا مطلب طلب کر دیکھیں تو تیرا خدا کیا دیتا ہے حضرت صالح علیہ السلام نے اسبات کو قبول کیا اور اُسدن جسکا وعدہ ہوا تھا اُن سب کے ساتھ باہر نکلے اور تھوڑے سے لوگ جو ایمان اُنپر لائے تھے وے بھی اُنکے ساتھ ہولئے اور جب عیدگاہ کو پہنچے دیکھا کہ بتوں کو نہایت زیب و زینت سے آراستہ کرکے اپنے سامنے تختوں پر بٹھایا ہے اور نہایت ادب اور ملاحظہ سے سب قوم اُنکے سامنے کھڑی ہوئی اپنی اپنی حاجتیں مانگ رہی ہیں حضرت صالح نے فرمایا کہ تم اپنے بتوں سے کوئی چیز انوکھی مانگو تاکہ ہم بھی دیکھیں کہ یہ تمہارے بت کیسی قدرت رکھتے ہیں اُن لوگوں نے کہا اچھا پھر اُن بتوں سے ایک چیز انوکھی مانگنا شروع کیا اور نالہ و فریاد اور عاجزی اور چاپلوسی حد سے زیادہ کی لیکن سوائے محنت بیفائدہ کے کچھ بھی حاصل نہوا آخر کو عاجز ہوکر بیٹھ رہے تب حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اب جو تم کہو میں بھی اپنے اُس مالک الملک اور قادر علی الاطلاق کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مانگوں اور اُسکی قدرت کو بھی دیکھو کہ کیسا اپنے بندۂ خاص کی فریادرسی کو پہنچتا ہے اور جو مانگو سو دیتا ہے جندع بن عمر کہ اُنکے سرداروں میں بڑا سردار تھا دوسروں سے کہا کہ اُس سے ایسی چیز طلب کیا چاہیے کہ عقل کے نزدیک محال ہو تاکہ اُن سے لا نہ سکیں اور ہمارے بتوں کی بھی عزت اور آبرو باقی رہجاوے ورنہ ہم خفیف اور ذلیل ہوجائینگے سب نے کہا کہ تو ہمارا سردار ہے اور عقل اور دانائی میں بھی سب سے زیادہ ہوشیار تو کوئی ایسی چیز تجویز کرکے کہہ کہ یہ عاجز ہوجاویں اور لا نہ سکیں تب جندع نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ اس پہاڑ کے پشتے سے کہ عیدگاہ کے سامنے ہے اور اس پشتے کو اُنکے عرف میں کاثبہ کہتے تھے ایک اونٹنی ہمارے واسطے نکال کہ اُسکی پیشانی سیاہ ہو اور سارا بدن اُسکا سفید اور بال اُسکے بڑے ہوں اور نرم اور اُسکے دس مہینے کا حمل بھی ہو اور ڈیل اُسکا بہت بڑا ہو کہ ہم سب کو اس ٹیکرے کے برابر معلوم ہووے اور اس پتھر سے نکلنے کے بعد ہمارے سامنے بچہ جنے اور وہ بچہ بھی اُسی کی مانند ہو شکل اور رنگ اور ڈیل میں حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں اسیطرح کی اونٹنی اس پتھر سے نکالوں تو تم ایمان لاؤ گے اور حق تعالیٰ کے دین اور حکم کے فرمانبردار ہوگے سب نے اقرار کیا کہ اگر یہ امر ظہور میں آویگا تو ہم سب ایمان لاوینگے حضرت صالح علیہ السلام نے اسبات پر عہد اور پیمان کیا اور قول اور اقرار اُنسے مضبوط لیا پھر اُن لوگوں کو جو آپ پر ایمان لائے تھے اپنے ساتھ لیکر اُس پتھر کے نزدیک تشریف لیگئے اور دو رکعت نماز ادا کی اور درگاہ میں جناب الٰہی کے دعا میں مشغول ہوئے اور اُن مسلمانوں کو کہا کہ تم سب میرے پیچھے کھڑے ہوکر آمین کہو اور اس قوم ثمود کے سردار مع فوج اور لشکر گرداگرد اُنکے گھیر کے کھڑے

ہوئے اور تماشا دیکھنے لگے کہ کیا ہوتا ہے کہ یکایک قدرت سے اُس قادر توانا کی اس پہاڑ کے پشتے سے آواز جانور کے چلانے کی آنے لگی جس طرح اونٹنی جننے کے وقت
آواز کرتا ہے یہاں تک کہ وہ پشتہ پھٹا اور ایک اونٹنی جیسی اُس نے طلب کی تھی ویسی ہی نکلی اور جنگل میں چگنے لگی اور بعد ایک ساعت کے اُسکے بھی دردِ زہ شروع ہوا
اور وہ بھی ایک بچہ جنی اپنے برابر قد و قامت میں اور صورت اور شکل میں اس ماجرے کو دیکھکر لوگ ایک آواز کر اُٹھے اور سب اس بات کے قائل ہوئے کہ حضرت صالح کا
معبود بڑی قدرت رکھتا ہے اُسی پر ایمان لایا چاہئے اور جندع بن عمرو چھ ہزار آدمیوں سے ایمان لایا اور اسلام سے مشرف ہوا اور حضرت صالح علیہ السلام
کے قدموں پر گر پڑا اور پچھلی تقصیروں سے نادم اور شرمندہ ہوا اور اُسکی بخشش طلب کی اور دوسرے سردار اپنے نفس کی شامت سے اُسی انکار پر قائم رہے اور اپنے
تابعداروں کو بھی اپنا اور بھڑکانا شروع کیا کہ ایسے جادو پر فریفتہ مت ہو اور اپنے دین اور مذہب کو مت چھوڑو اور اسی پر مضبوط رہو کہ یہ وقت آزمائش اور امتحان
کا ہے بدبخت اپنے رئیسوں کے بھڑکانے سے کفر کے کلمے کہنا شروع کئے اور حضرت صالح کو جادوگر قرار دیکر پھر گئے تب حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا
کہ یہ تمنے خلاف عہد کے کیا اور مجھپر ایمان نہ لائے اب تمہارے بچاؤ کی عذاب الٰہی سے یہ صورت ہے کہ اس اونٹنی اور اُسکے بچے کو نہایت تعظیم سے اپنے ملک میں
رکھو اور کسی طرح سے اُسکو رنج مت دو اور بُری طرح سے مت چھیڑو کہ تمہارے امن اور بچاؤ کی سبب ہے اور جبتک یہ اونٹنی اور اُسکا بچہ تم میں ہیگا عذاب
الٰہی تم پر نہ آویگا اور جو کسی طور سے تمنے اُسکو برائی پہنچائی تو عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگے اب اس جگہ پر جاننا چاہئے کہ اس معجزے کے خاص ہونے میں
اس قوم کے واسطے بھید یہ تھا کہ اُنکو پتھر تراشنے اور تصویر بنانے میں بڑا دخل تھا اور اس کام میں بڑی بڑی باریکیاں اور کاریگریاں کرتے تھے تو اس معجزے
کے خاص کرنے میں اس گروہ کے واسطے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ہر چند کہ تم لوگ پتھر کی تصویریں عجیب و غریب بناتے ہو لیکن جان اسمیں نہیں ڈال سکتے
اور ہم پتھر سے ایک جاندار جانور اس ملک کے جانوروں سے بڑا ہو نکال سکتے ہیں ؎ کافراں از بت بیجاں چہ تمتع دارید ۔ باری آں بت
بپرستید کہ جانے دارد ۔ اور اسمیں اشارہ اس بات کی طرف بھی ہوا کہ حق تعالیٰ کی ہدایت پتھر کے دلوں کو نرم کر سکتی ہے اور اس سے روح کے وصف ظاہر
کر سکتی ہے اب آگے ہم باقی ہے قصے کے بیان پر کہ اونٹنی قد اور قامت اور ڈیل اور ڈول میں بہت بڑی تھی چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ
کہ بڑے جلیل القدر صحابیوں میں سے ہیں وے فرماتے ہیں کہ میں ثمود کے شہر میں جسکا حجر نام ہے گیا تھا اُس اونٹنی کے بیٹھنے کی جگہ کہ مشہور ہے اور لوگ اسکی
زیارت کرتے ہیں اپنے ہاتھ سے میں نے ناپی تھی تو ساٹھ گز دور اُسکا ہوا تھا اور اُس اونٹنی کی خاصیت تھی کہ سب جانور اہلی اور جنگلی اُسکے دیکھنے سے
خوف کھا کر بھاگتے تھے اور جس جنگل میں وہ چرتی تھی کوئی دوسرا جانور قدم نہیں رکھ سکتا تھا اور جس کنوئے اور تالاب اور ندی پر وہ پانی پینے کو جاتی
تھی تو سب پانی اُسکا پی لیتی تھی اور جس چراگاہ میں وہ چرتی تھی اُسمیں گھاس کا نام بھی نہیں رہتا تھا اور شام کے وقت جو شہر میں آتی تھی
شہر والے اپنے اپنے برتن لاکے اُسکے دودھ سے بھر لیتے تھے اور تمام شہر والوں کو اُسکا دودھ کفایت کرتا تھا جب ایک مدت اسی طور سے گزری تو مواشی
اور جانوروں والے اُسکے پھرنے اور سیر کرنے سے عاجز ہوئے اور حضرت صالح علیہ السلام سے فریاد کی آپنے مصالحہ کے طور پر ایسا ٹھہرایا کہ ایک دن
تم سب اپنے جانور چرایا کرو اُسدن اونٹنی کو ہم اپنے گھر میں بند رکھینگے اور دوسرے روز ہم اس اونٹنی کو چھوڑ دینگے اُسدن تم اپنے جانوروں کو بند رکھو
اس قول اور اقرار پر ایک مدت تک گزران کرتے رہے لیکن اکثر شہر والوں پر جو جانوروں کی پرورش کا ذوق اور شوق رکھتے تھے یہ قسمت بھی گراں
گذری اور اپنے دلوں میں کہتے تھے کہ کسی حیلہ اور تدبیر سے اس اونٹنی کو یہاں سے دور کیا چاہئے تاکہ ہمارے جانور اچھی طرح فراغت سے پانی اور چارہ کھایا کریں
لیکن عہد کے ٹوٹنے اور قول و اقرار کے خلاف ہونے سے خوف کھاتے تھے اس درمیان میں ایک نوجوان اسی قوم کا کہ نہایت شوریدہ پشت اور
ڈنگی تھا اور اسکا نام قدار بن سالف تھا کوتہ گردن چار شانہ ماں باپ کو آزار دینیوالا زبان دراز بہت چھٹ پیدا ہوا اور وہ ایک عورت فاحشہ پر عاشق
ہوا اور اس عورت کا نام عنیزہ تھا کہ خوبصورتی اور خوش سلوبی اور لطیفہ گوئی اور نزاکت طبع میں وہاں مشہور تھی اور اس فاحشہ کے گھر میں آٹھ شخص اور
سے جو اُسکے ہم مشرب اور ہم وضع تھے اور انمیں سے ایک کا نام مصدع بن دہر تھا کہ اُسکے چچا کا بیٹا تھا جایا کرتا تھا اور اُس سے حظ نفسانی حاصل کرکے
روسیاہی دونوں جہان کی کمایا کرتا تھا اور اُسکے یار اور ہمنشین شراب خوری کرکے اُسکے گھر کی لونڈیوں باندیوں سے اپنا منہ کالا کیا کرتے تھے

ایک روز اس جوان نے یعنی قدار نے اُس فاحشہ سے کہا کہ کب تک یہ آشنائی چوری چھپی کی رہیگی کھلکے مجھ سے نکاح کیوں نہیں کر لیتی ہے کہ عمر بھر ہنسی خوشی سے گزران کریں اُس قحبہ نے کہا کہ اگر اس بات کا تجھ کو خیال ہے تو ایک فرمایش میری ہے اگر اُسکو تو بجا لاوے تو میں مع مال و اسباب اور لونڈیوں کے تیری تابعدار ہو کر رہوں اور وہ کام یہ ہے کہ اس اونٹنی کو جس نے مجھ کو اور تمام شہر کو ایک تنگ اور بلا میں ڈال رکھا ہے اور تمام جانوروں بے زبان کو بھوک اور پیاس کے عذاب میں گرفتار کر رکھا ہے کسی طرح مار ڈال اور اُسکی کونچیں کاٹ کہ ہم سب اس بلا سے نجات پاویں اور اس قحبہ کے جو جانور بہت تھے اس سبب سے اور لوگوں سے زیادہ اُسکو اس اونٹنی سے دشمنی تھی غرضکہ قدار نابکار نے اس ادنیٰ اور خسیس کام کے واسطے ایسے بڑے گناہ کے کرنے کا اقرار کیا اور اس اونٹنی کے مارنے کی تدبیر میں پڑا اور اپنے یاروں اور آشناؤں کو بھی اس کام میں اپنا رفیق کیا اور ایک روز ایک تنگ گلی میں جو اس اونٹنی کے آنے جانے کی راہ تھی اُسکی راہ روک کے گھات میں بیٹھا اور اپنے یاروں کو بھی اس کوچے میں گھات کی جگہوں میں بٹھایا جسوقت وہ اونٹنی چراگاہ سے پھری اور اُس کوچے میں پہنچی تو پہلے مصدع نے تیر اُسکی پیشانی پر مارا اور دوسرے ساتوں شخص تلواریں کھینچ کے غل مچاتے ہوئے اونٹنی تک پہنچے لیکن وہ اونٹنی باوجود زخمی ہونے کے کسی کو اپنے پاس آنے نہیں دیتی تھی اور جس طرف حملہ کرتی تھی سب کو بھگا دیتی تھی آخر کو قدار نابکار نے اُسکے پیچھے پہنچکر ایک تلوار اُسکی کونچوں میں ماری کونچوں کے کٹتے ہی وہ اونٹنی زمین پر گری زمین پر گرتے ہی سب اُسکے یار گرد سے پہنچے اور تلواروں سے اُسکو پرزے پرزے کر ڈالا۔ اس بات کو سنکر شہر والے سب خوش ہوئے اور اُسکے گوشت کو تقسیم کر کے سب شہر والے اپنے اپنے گھر کو لیگئے اسکا بچہ جو پیچھے سے آیا اور اپنی ماں کا یہ حال دیکھا تو وہاں سے بھاگ کر اُسی پہاڑ کے پشتے پر جا کھڑا ہوا۔ جو یہ خبر حضرت صالح علیہ السلام کو پہنچی تو افسوس کرتے ہوئے باہر نکلے اور شہر کے لوگوں سے فرمایا کہ تم نے اچھی بات نہ کی بلکہ خدا کے عذاب کو قصد کر کے اپنے واسطے منگوایا اب بھی ایک بچاؤ کی صورت ہے کہ میرے ساتھ آؤ اور اُسکے بچے کو اپنے شہر میں لاؤ تاکہ اُسکے سبب سے حقتعالیٰ کے عذاب سے بچ جاؤ قدار نابکار اور دوسرے کافروں نے اس بات کو نہ سنا اور اس بات کی کچھ حقیقت نہ جانی تب تو حضرت صالح علیہ السلام سب مسلمانوں کے ساتھ اس بچے کے لانے کو جنگل کی طرف گئے جو ہیں بچے نے حضرت صالح کو دیکھا تین مرتبہ آواز کی اور وہ پشتہ پہاڑ کا پھٹا اور وہ بچہ اُسکے اندر گھس گیا تب حضرت صالح اس حال کو دیکھکر افسوس کرتے ہوئے پھر آئے اور شہر والوں سے کہا کہ تم نے اپنی خرابی اپنے ہاتھ سے کی اور اس بچے کی تین مرتبے آواز کرنے کی تعبیر یہ ہے کہ تمکو تین دن کی مہلت ہے عذاب الٰہی سے پہلے دن منہ تمہارے زرد ہو جاوینگے اور دوسرے دن سرخ ہو جاوینگے اور تیسرے دن سیاہ اور یہ ماجرا تھوڑا دن رہے بدھ کو ہوا تھا جمعرات کی صبح کو شہر والے جو سوکے اُٹھے تو دیکھا کہ سب کے منہ زرد ہو گئے ہیں تب سب کو یقین ہوا کہ جو کچھ حضرت صالح علیہ السلام نے کہا تھا سب سچ اور واقع ہونیوالا ہے لیکن اُسوقت اُنکی قوت غضبیہ نے جوش کیا اور قوت عقلیہ بالکل معزول ہو گئی یعنی قدار نے اپنے آٹھوں یاروں سے قسمیہ ہو کر یہ بات ٹھہرائی کہ قتل آنے تیسرے دن کے حضرت صالح کا کام تمام کیجیئے یہ ارادہ دل میں ٹھانکر اُسی رات کو یہ نو آدمی حضرت صالح علیہ السلام سے بے ادبی کرنے کو چلے اُسوقت حضرت صالح علیہ السلام اپنی مسجد میں تھے ایک درخت اُس مسجد میں تھا وہ بلند آواز سے بولا کہ قدار اپنے یاروں کے ساتھ آپکے مارنے کو آتا ہے سو آپ اپنے گھر میں تشریف لیجائیے اور دروازہ بند کر لیجئے حضرت صالح علیہ السلام نے اُسکے کہنے کے بموجب عمل کیا اور گھر میں دروازہ بند کرکے جا بیٹھے جب قدار نابکار اپنے یاروں کے ساتھ مسجد میں آیا اور حضرت صالح علیہ السلام کو وہاں نہ پایا تو ارادہ کیا کہ آپکے مکان کا دروازہ توڑکر اندر گھس کے آپ سے بے ادبی کریں وے اسی سوچ میں تھے کہ یکایک فرشتے بموجب حکم الٰہی کے آپکی حمایت اور مدد کو پہنچے اور اپنے پروں کو اُن بدبختوں کے منہ پر مارا بجرد اس مارنے کے وہ سب اندھے ہو گئے اور حیران اور پریشان گرتے پڑتے بے تحاشا وہاں سے بھاگے اور اُس بھاگنے میں کسی کا سر دیوار میں لگ کر پھٹ گیا اور کوئی کنوئیں میں گر کر مر گیا یہانتک کہ سب کے سب مر گئے اور خسر الدنیا والاٰخرۃ ہوئے دوسرے دن شہر والے جو اُٹھے تو سب کے منہ سرخ پائے اور قدار وغیرہ کے وارثوں نے جو اُنکی تلاش کی تو حضرت صالح علیہ السلام کے گھر کے قریب اُن سب کو مرا پایا پھر اُس حال کو شہر کے رئیسوں اور سرداروں سے جو کافر تھے ظاہر کیا تو سردار اور سب شہر والے حضرت صالح کے گھر پر چڑھ آئے اور گھر کو گھیر لیا اور کہا کہ تم نے اُس اونٹنی کے عوض میں ہمارے نو آدمی رات کو مار ڈالے ہیں ہم ان آدمیوں کے عوض میں تمکو اور تمہارے گھر والوں کو مار ڈالینگے حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم ان لوگوں کے گھر میں مارنے کو نہیں گئے تھے یہ خود ہمارے گھر پر رات کو چڑھکے آئے تھے اللہ تعالیٰ نے غیب سے

انکو سزا دی وہ سب اسی جواب و رسوال میں تھے کہ جندع بن عمرو اس شہر کا بڑا رئیس کہ مع اپنی فوج کے اسلام سے مشرف ہوا تھا اور بڑا معتقد اور دوست حضرت صالح علیہ السلام کا تھا اس حال کی خبر پاکے مع اپنی فوج کے حضرت صالح علیہ السلام کی مدد کو پہنچا اور ان رئیسوں اور شہر والوں سے مقابلہ کیا آخر کو چند آدمی درمیان میں آکے اسبات پر صلح ٹھیرائی کہ حضرت صالح علیہ السلام اس شہر سے باہر جاویں حضرت صالح علیہ السلام نے اسبات کو غنیمت جانا اور جندع بن عمرو اور دوسرے مسلمانوں کو اپنے ساتھ لیکر شہر سے باہر چلے گئے تیسرے دن کہ سنیچر کا دن تھا صبح کو شہر کے لوگ جو اٹھے سب کے منہ کالے پائے اُس دن پھر نہایت تشویش میں رہے کہ کیا ہونیوالا ہے آخر یہ بات سوچی کہ سنگین مکانات خالی کیجیئے اور خدا کا عذاب جب آویگا تو ان مکانوں میں چھپ رہینگے کیونکہ عذاب الٰہی یا آسمان سے آویگا جیسے پانی یا پتھر کا برسنا یا زمین سے ہوگا جیسے زلزلہ اور ان سب چیزوں سے ان مکانوں میں بچاؤ ہی اسواسطے کہ یہ مکان پہاڑ کو تراش کے بنائے ہیں ایسی چیزوں سے ان مکانوں میں کچھ دہشت نہیں ہے یہ نہ سمجھے کہ حق تعالیٰ کے غضب سے کوئی چیز بچا نہیں سکتی حاصل کلام کا پنجشنبہ کی صبح کو حضرت جبرئیل علیہ السلام بموجب حکم الٰہی کے درمیان میں آسمان اور زمین کے ایک بڑی صورت دہشتناک سے ظاہر ہوئے اور ایک ایسی سخت آواز کی کہ اُسکے سبب سے پہاڑ جنبش میں آگئے اور تند ہوا آندھی کے طور سے چلنا شروع ہوئی سب شہر والے دہشت کھاکے انہیں سنگین مکانوں میں گھسے پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک آواز پہلے سے بھی زیادہ سخت کی کہ اُسکے سبب سے سب شہر والے اوندھے اپنے اپنے زانوں پر گر پڑے اور انکے پتے پھٹ گئے اور سب جہنم واصل ہوئے ایک بھی آنمیں سے باقی نرہا حضرت صالح علیہ السلام نے جو یہ خبر سنا تو مسلمانوں سے فرمایا کہ یہ شہر غضب الٰہی کے نازل ہونے کی جگہ ہوئی یہاں پر رہنا ہرگز مناسب نہیں ہے اسکو چھوڑو اور مکہ معظمہ کے حرم کا احرام باندھو اور وہیں چلکر رہو چنانچہ وہ سب حضرت صالح کے فرمانے کے بموجب عمل میں لائے اور نجات دارین کی حاصل کی اللّٰھمّ ارزقنا اتباع نبیہ محمد صلے اللہ علیہ سلم اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جب آنحضرت صلعم غزوۂ تبوک کے سفر میں شہر حجر کے دروازے پر پہنچے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس شہر میں نہ پیٹھے اور پانی نہ پیے مگر یہ کہ روتا ہوا اور ڈرتا ہوا اسواسطے کہ یہ وہیں اُن کافروں کی اسی شہر میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہیں اور جس جگہ پر عذاب الٰہی نازل ہوا ہے وہاں سے دور رہنا خوب ہے اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ ثمود کی قوم کے کافروں سے کوئی آدمی نہیں بچا مگر ایک شخص جسکا ابو رغال نام تھا کسی کام کے واسطے مکہ معظمہ میں آیا تھا سو جبتک حرم شریف کے اندر رہا تب تک عذاب الٰہی سے محفوظ رہا جوہیں حرم سے باہر نکلا اور طائف کی طرف چلا راستے میں اسی عذاب میں جسمیں اُسکی قوم ہلاک ہوگئی تھی یہ بھی ہلاک ہوا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی مہم پر جانے کے وقت جب اُسکی قبر پر پہنچے اور عادت وہاں کے لوگوں کی یہ تھی کہ جب اُس قبر کے نزدیک پہنچتے تو اُسکو سنگسار کرتے تھے تب آپنے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ یہ قبر کسکی ہے صحابہ نے جواب میں عرض کیا کہ اللہ اور اُسکا رسول خوب جانتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب قصہ اُسکا مفصل اپنی زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا اور کہا اس میری بات کی سچائی کی نشانی یہ ہے کہ اُس شخص کی چھڑی سونے کی اُسکے ساتھ ہی دفن ہوئی ہے صحابہ نے جو یہ کلام سنا دوڑے اور اُسکی قبر کو تلواروں سے کھودا اور وہ سونے کی چھڑی اُس سے نکال لائے اور اُسکی قبر کو پھر اُسی طرح بند کر دیا یہ ہی ثمود کا قصہ جو بیان ہوا چنانچہ یہ قصہ بعضی بعضی سورتوں میں زیادہ تفصیل سے مذکور ہے مگر اس مقام پر حقتعالیٰ نے تھوڑا اس قصہ سے جتنا یہاں پر مناسب تھا بیان فرمایا کہ ثمود کی قوم سرکشی سے اور شہوت اور غضب کی خواہشوں کے غالب کرنے سے عقل اور شرع کے حکموں پر حکم الٰہی کا انکار کیا اور پیغمبر کو اور اُسکی لائی ہوئی چیز کو جھوٹا جانا **اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا** جب کہ اٹھا اتراتا ہوا بدبخت اُس قوم کا یعنی قدار بن سالف اور عقل اور شرع کے برعکس شہوت اور غضب کی تابعداری کی یعنی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں اور حضرت صالح علیہ السلام کے قتل پر مستعد ہوا **فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ** پھر کہا اُنکو اللہ کے رسول نے یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے۔ اور اس جگہ پر رسول اللہ فرمایا اُنکا نام یعنی صالح نہ فرمایا تا کہ اسبات کی طرف اشارہ ہو کہ یہ کہنا حضرت صالح علیہ السلام کا گویا خدا کا کہنا تھا اور اُنکا ڈرانا بعینہ خدا کا ڈرانا تھا اسواسطے کہ رسول جسکا ہوتا ہے اُسی کا پیغام پہنچاتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے اُسی کی زبانی کہتا ہے گویا رسول کا حکم مالک کا حکم ہے اور اگر حضرت صالح علیہ السلام کا ارشاد ہوتا تو یہ فائدہ نہ پوچھا جاتا **نَاقَةَ اللّٰهِ** یعنی چھوڑ دو

اور یہ نکومت اللہ کی اونٹنی کو تاکہ جہاں چاہے چرے اور جس پانی کو چاہے پیوے اور کسی طرح کی رنج اور اذیت مت دو اور اسکی ہلاکت کے پیچھے مت پڑو اسواسطے کہ گنوار اور زمیندار بھی اپنی ناقص عقل اور شعور سے اتنا جانتے ہیں اور بوجھتے ہیں کہ زور آور حکومت والے کے جانور کو چارے پانی پر سے ہانکنا نہ چاہیئے بلکہ کسی طرح چھیڑا نہ چاہیئے تو خدا کے جانور کو جو سب حاکموں کا حاکم ہے اور سب زبردستوں کا زبردست اور ہر وقت سزا دیسکتا ہے اور جو چاہے سو کر سکتا ہے بطریق اولی نہ چھیڑا چاہیئے اور اسکے قتل کے پیچھے نہ پڑیئے کہ یہ بات بالکل عقل کے خلاف ہے پھر گنواروں اور زمینداروں اور بکریوں کے چرانے والوں کے برابر بھی نہ سمجھنا کمال نادانی اور بیوقوفی ہے اور یہ بلا عقل کے مغلوب کرنے سے اور شہوت کے غالب کیے نیسے سر پر پڑتی ہے اور اس اونٹنی کی نسبت خدا کی طرف اسواسطے ہوئی کہ وہ کسی کی ملک میں سوا خدا کے نہ تھی اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بے ماں باپ کے پتھر سے پیدا ہوئی تھی اور حق تعالی کی قدرت کا ظہور تھا اور دلیل تھی قیامت کے قائم ہونے پر اور مردوں کے زندہ ہونے پر گو رسے ان سب باتوں کے جمع ہونیکے سبب سے اسکو ایک رتبہ ایسا حاصل ہوا تھا کہ دوسرے جانوروں میں وہ بات پائی نہیں جاتی ہے جس طرح سب دنیا کے مکانوں میں بیت اللہ کا مرتبہ ہے **وَسُقْيٰهَا** اور چھوڑ دو پانی اسکے پینے کا تاکہ تمہارے جانور اسکے پانی کے حصہ میں شریک نہونے پاویں اسواسطے کہ تم نے عہد باندھا ہے اور قول اور اقرار کیا ہے راضی ہو کر ایک روز یہ اونٹنی پانی پیئے اور دوسرے روز تمہارے جانور پھر عہد و پیمان کا توڑنا اور قول اور اقرار کے خلاف کرنا سب شریعتوں میں اور سب دینوں میں حرام ہے اور منع اور شہوت اور غضب کا عقل پر غالب کے عہد کو توڑنا کمال لیے دیتی ہے **فَكَذَّبُوْهُ** پھر جھٹلایا اس سبب سے انہوں نے حضرت صالح کو اس ڈرانے اور سمجھانے میں اور انکی نصیحت کو کہ اس آیت کا مضمون تھا لا تمسوها بسوء فیاخذکم عذاب الیم قبول نہ کیا **فَعَقَرُوْهَا** پھر کاٹیں اس اونٹنی کی کوچیں ہر چند کہ کوچیں کاٹنیوالا وہی قدار بن سالف تھا اور اسکے آٹھوں یار جو اسکے مددگار تھے لیکن جو سب شہر والوں کی مرضی کے موافق یہ کام تھا اور سب اُس کے خوش ہوئے تھے تو گویا سب اسمیں شریک تھے اسیواسطے گروہ میں سے ایک شخص کا کام جو سب کے مشورہ اور صلاح سے ہوتا ہے تو سب گروہ کی طرف نسبت کرتے ہیں بموجب مضمون اس شعر کے شعر چو از قومے یکے بیدانشی کرد ٭ نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را ٭ اور سورۂ قمر میں فتعاطی فعقر جو واقع ہے تو اس سے مراد فقط اس فعل کا کرنیوالا ہے اور بس تو ان دونوں میں تعارض لازم نہوا **فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ** پھر الٹ مارا اُنپر زمانے کو انکے پروردگار نے جیسا کہ ان لوگوں نے اللہ تعالی کی اچھی ترتیب کو الٹ ڈالا تھا یعنی اللہ تعالی نے انکو قوت شہویہ و غضبیہ اسواسطے دی تھی کہ ان دونوں کو عقل کا تابعدار کریں اور عقل کو اسواسطے دیا کہ شرع کا فرمانبردار کریں اور ان لوگوں نے اسکا عکس کیا یعنی شرع کو تابع عقل کا اور عقل کو تابع شہوت اور غضب کے کیا **بِذَنْۢبِهِمْ** انکے گناہ کے سبب سے اور گناہ حکمت الہی کی ترتیب کو بدل ڈالنا اور اسکی ضد پر عمل کرنا تھا جیسے کوئی شخص اپنے غلام کو تلوار دے کہ میرے دشمن کو جا کے قتل کر وہ غلام جا کے اُسکے لڑکوں کو مار ڈالے **فَسَوّٰىهَا** پھر برابر کر دیا اُس فرقے کو اور خاک میں ملا دیا اسواسطے کہ اس اونٹنی کے قتل میں سب شریک تھے باطن میں اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جسوقت زمین پر کوئی گناہ ہوتا ہے پھر جو کوئی اُس مجلس میں حاضر ہو لیکن دل سے بیزار ہو اور اسکو برا جانتا ہو تو وہ شخص گویا اس گناہ سے منزلوں دور ہے کچھ گناہ کی برائی اسکو نہ لگیگی اور جو اس مجلس سے دور ہو اور دل سے راضی اور خوش ہو اس گناہ کے کرنیسے وہ ایسا ہے کہ گویا اس مجلس میں موجود ہے اور اس گناہ میں شریک **وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا** اور نہیں ڈرتا ہے اللہ تعالی اس قوم کی ہلاکی کے انجام سے اسواسطے کہ انجام کار سے وہ شخص ڈرتا ہے جسکو یہ معلوم نہو کہ انجام اسکا اچھا ہے یا برا اور نادانستہ وہ کام کر بیٹھے یا وہ شخص ڈرے جسکو اسکے انجام کا سنبھالنا مشکل ہو اور جو مفسدہ اس کام کے پیچھے اٹھے اس کام کا تدارک قرار واقعی نکر سکے سو اللہ تعالی ان سب باتوں سے کہ موجب نقصان کے ہیں پاک ہے وہ تو علام الغیوب ہے اور بڑے درجہ کی قدرت اور اختیار رکھتا ہے اسکو کیا پروا ہے جو ایک فرقہ اسکی مخلوقات سے کم ہو جاویگا اور اسکا کچھ افسوس بھی نہیں ہے کہ میں نے مدتوں سے اس فرقہ کو پالا ہے سب محنت پرورش میری کارت گئی اور جس کام کے واسطے پرورش کیا تھا وہ کام نہوا یہاں پر جان لیا چاہیئے کہ حدیث صحیح میں جو مسند امام احمد وغیرہ معتبر کتابوں میں پائی جاتی ہے وارد ہے کہ آنحضرت صلعم نے بارہا حضرت علی سے ارشاد فرمایا کہ کچھ تمکو معلوم ہے کہ سب سے زیادہ بدبخت پہلی امتوں کا کون شخص ہے اور اس امت میں زیادہ بدبخت کون ہے حضرت علی نے عرض کی کہ مجھکو معلوم نہیں ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ بڑا بدبخت اگلی امتوں کا ایک سرخ رنگ ثمود کی قوم سے تھا

یعنی قذار بن سالف کہ حق تعالیٰ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں اور اس امت کا بڑا بدبخت وہ شخص ہے جو تیرے سر پر تلوار ماریگا اور تیری ڈاڑھی اُس خون سے
رنگین ہوگی اور اُسی تلوار سے تو شہید ہوگا اب یہاں پر ضرور ہوا کہ اگلی امتوں سے قذار کے زیادہ بدبخت ہونے کی وجہ اور اس اُمت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ
کے قاتل کی زیادہ بدبخت ہونے کی وجہ بیان کی جاوے اور اُسکا بیان موقوف ہے کئی مقدموں کی تمہید پر پہلا مقدمہ یہ ہے کہ فرج کی شہوت سب شہوتوں سے
خسیس اور بدتر ہے اسواسطے کہ اس حالت میں آدمی عقل سے بہت دور ہو جاتا ہے اور جانور کی سی حرکتیں آدمی سے اُسوقت ظاہر ہوتی ہیں اور اس شہوت کی
جائے بھی نجاست اور ناپاکیوں سے بھری ہوئی ہے اور عورت کی جگہ کا کھلنا اس شہوت کو لازم ہے جسکا تمام بنی آدم کے نزدیک چھپانا واجب ہے اسیواسطے
عادت پیدایشی آدمی کی ہے کہ اس شہوت کے نکالنے کے وقت بہت پردہ کرتا ہے اور سب سے چھپاتا ہے اور اُسکا نام مجلس اور محفل میں کھولکر نہیں لیتا سوائے
اشارے اور کنائے کے اور جو گالی دنیا میں بنی جاوے سو اسی شہوت سے کچھ کمتی زیادتی کرکے نکلی ہوگی دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ شہوت کسی طرح کی ہو اس قسم مذکور کی ہو
خواہ دوسری قسم کی جیسے کھانے کی ہو یا پینے کی پہننے کی ہو یا مکانات کی سواری کی ہو یا سیر باغ اور بہار کی گانے بجانے کے سننے کی ہو یا خوشبوؤں کے
سونگھنے کی اور جو سوائے اسکے ہیں یہ سب کمتر اور خسیس غضب اور غیرت سے ہیں اسیواسطے عرف میں اُن لوگوں کو جو ان شہوتوں کے مغلوب ہوتے ہیں بدتر جانتے
ہیں ان لوگوں سے جو غضب اور غیرت کی شہوت سے مغلوب ہوتے ہیں جیسے بادشاہ عیاش اور تماشبین کو بُرا جانتے ہیں۔ بادشاہ سفاک خونریز سے اور
اُسکا بھید یہ ہے کہ غضبیہ قوت سبب ہے غلبے اور قہر اور سیاست کی اور شہویہ قوت باعث ہے تملق اور چاپلوسی اور خوشامد کی اور سب لوگوں کے نزدیک فاعلیہ قوت
بہتر ہے اسواسطے کہ یہ زبردست ہے منفعلہ قوت سے اسواسطے کہ یہ زیردست ہے تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب شہوت اور غضب کے سبب سے واجب حق تلف ہونے لگیں تو
سب لوگوں کے نزدیک وہ شخص معیوب اور مطعون ہو جاتا ہے اور جسقدر وہ حق بزرگ ہوگا اسیقدر طعن یا تشنیع زیادہ لاحق ہوگی تو اول بدبخت وہ شخص ہے
جو اپنے نفس کے حق پر شہوت اور غضب کو مقدم رکھے اور اپنے نفس کے حق کو تلف کرے اُس سے بدبخت وہ شخص ہے کہ اپنی لذت شہوی اور غضبی کے سبب سے
دوسرے کا حق تلف کرے اور اس سے بھی زیادہ بدبخت وہ شخص ہے کہ ان دونوں لذتوں کے سبب سے بہت آدمیوں کے حقوں کو تلف کرے پھر حق بھی
آپسمیں مختلف ہیں جیسے دنیا کا حق کہ اُسکا تلف ہونا سہل اور آسان ہے آخرت کے حق کے تلف ہونے سے کہ اُسکا دفعیہ بہت مشکل ہوتا ہے چوتھا مقدمہ یہ ہے
کہ آدمی پر تین حق بڑے اور عمدہ ثابت ہیں پہلا حق تعالیٰ کا حق ہے کہ اُسکا پیدا کرنیوالا اور نعمت دینیوالا اور سب کام کا درست کرنیوالا وہی ہے اور
کسی وقت اور کسی کام آدمی اُسکے احسان سے باہر نہیں ہوسکتا اور ہر کام میں آدمی اُسکی مدد اور مہربانی کا محتاج ہے اسیواسطے کوئی حق اور کسی کا حق اس حق
کی برابری نہیں کرسکتا دوسرا حق اپنی قوم اور برادری کا ہے کہ اپنی زندگی اور موت میں اُنکا محتاج ہے اور ہر طرح کی مدد کا اُنسے اُمیدوار تیسرا حق اپنے نفس کا
اور اس حق کی حقیقت خود ظاہر ہے کچھ حاجت بیان کی نہیں ہے پس سب بدبختوں سے بدبخت وہ شخص ہے کہ ان تینوں حقوں کو ایک خسیس شہوت کی عوض
میں تلف کرے سو یہ صفت اگلی امتوں میں سے قذار بن سالف میں تھا کہ اوّل اُس خسیس کام کے واسطے ان تینوں حقوں کو تلف کر ڈالا اوّل اپنے نفس کے حق کو تلف
کیا کہ کافر مرا اور دوزخ کا کندہ ہوا اور اپنی زندگی کو برباد کیا دوسرے اپنی قوم کے حق کو تلف کیا کہ اُسکے سبب سے سب حقتعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہوئے اور کسی کا
نشان بھی باقی نرہا تیسرے حق تعالیٰ کا حق تلف کیا یعنی اُس اونٹنی کو جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی صورت تھی اور رحمت
اور عنایت الٰہی کے نزول کا سبب تھی اور بیت اللہ کی سی بزرگی پیدا کی تھی اُسکی کونچیں کاٹیں اور ہلاک کیا اور اس اُمت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
قاتل یعنی ابن ملجم ویسا ہی بدبخت ہے توضیح اس ابہام کی اور تشریح اس مقام کی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی جس طرح حضرت صالح علیہ السلام کے کمال کی
صورت تھی اور اُنکی نبوت پر گواہ صادق تھی اور قوم ثمود کی ہدایت کے واسطے جو حق تعالیٰ کی عنایت متوجہ ہوئی تھی اور حضرت صالح علیہ السلام کو مرتبہ رسالت کا
مرحمت کرکے اس قوم کی طرف مبعوث کیا تھا اور وہی ہدایت اُنکے رسول کے بموجب ناقہ کی شکل ہوکے اُنمیں ٹھیری تھی اور قرار پکڑا تھا یہانتک کہ اس ناقہ
کی تعظیم اور اُسکے حق کو ادا کرنا گویا حضرت صالح علیہ السلام کی شریعت کا قبول کرنا تھا اور عذاب الٰہی کے دفع کرنیکے واسطے اُنکے دین قبول کرنیکے قائم مقام تھی
گویا حضرت صالح علیہ السلام کی ولایت کا نور اس راہ سے جلوہ گر اور ظاہر ہوتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُنکے مرتبے کی بزرگی اور اُنکی دعا کی قبولیت اس طرح سے

سے ظاہر ہوئی تھی اسیطرح سے وجود جسمانی حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا کہ ختم کیے ہوئے خلافت حقہ کے تھے اور جناب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی
ولایت کے کمال کی صورت تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کا نور اس راہ سے جلوہ گر تھا اور اس جناب کے قرب معنوی کی روشنی اسی راہ سے
ظاہر تھی اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی خلافت اور نیابت اسوقت میں اسی ذات قابل الصفات میں منحصر تھی اسیواسطے حدیث شریف میں جس طرح بیت اللہ کے
حق میں وارد ہے کہ النظر الی الکعبۃ عبادۃ یعنی دیکھنا بیت اللہ کا عبادت ہے اور قرآن شریف کے حق میں وارد ہے کہ النظر الی المصحف عبادۃ یعنی دیکھنا
قرآن کے حرفوں کی طرف عبادت ہے اسی طرح حضرت علی رضی کے حق میں آپنے فرمایا ہے کہ النظر الی وجہ علیؓ عبادۃ یعنی دیکھنا حضرت علیؓ کے منہ کی طرف
عبادت ہے سو اسوقت میں وجود شریف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مثل وجود شریف حضرت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھا اسواسطے کہ اسوقت میں تشنگان
امت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی چشمۂ خاص سے سیراب ہوتے تھے اور ہر حاجت ظاہری اور باطنی کو اسوقت میں بسبب جمع ہونے تمام صفات کمال بشری کے
وہ ذات مبارک کفایت کرتی تھی ایسے وقت میں اس وجود باجود کو اس بدبخت ترین بدبختوں نے شہید کیا تو گویا ہدایت کی شمع کو گل کردیا اور اللہ تعالی کے حق کو
تلف کیا اور تمام امت کے حق کو بھی تلف کیا یعنی ایسی ذات کو کہ اسوقت میں اپنا ثانی اور قائم مقام فضیلت اور بزرگی میں نرکھتے تھے ہلاک کرکے تمام امت کو
جھاڑو بے رتی کی مانند منتشر اور فوج بے سردار کی طرح پریشان کردیا اور اپنے نفس کے حق کو بھی تلف کیا اور کندۂ دوزخ کا ہوا اور اپنی زندگانی کو برباد کیا اور یہ سب برائی
اس بدبخت کو اسی شہوت کے سبب سے حاصل ہوئی تھی چنانچہ روایات صحیحہ میں وارد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل عبدالرحمن بن ملجم مرادی تھا خارجی مذہب
کوفے میں آیا اور ناگہاں اسکی نظر ایک عورت خوبصورت پر جس کا نام قطام تھا پڑی اور دل و جان سے اسپر فریفتہ ہوا اور وہ عورت بھی یہی مذہب باطل رکھتی
تھی اور باپ اور بھائی اسکا نہروان کی لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ مبارک سے جہنم واصل ہوگئے تھے جب ابن ملجم کو اسکی ملاقات کا خیال دل میں پڑا
اور خط کتابت اس مقدمہ میں اس سے شروع کی اور آدمیوں کو درمیان میں ڈالا تب اس عورت نے جواب میں یہ کہا کہ ایک میرا کام ہے اگر وہ تجھ سے ہوسکے اور تو اسکے کرنے
کا اقرار کرے تو البتہ میں تجھ کو قبول کروں اور اپنے تئیں تیرے نکاح میں دوں اور وہ کام یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو شہید کر اس ملعون نے کہ مغلوب شہوت کا تھا
اس بات کو اس ملعونہ کی قبول کیا اور اس کام کی تدبیر میں پڑا ایک تلوار ہزار درم کو خریدی اور اسکو زہر کے پانی سے بجھایا اور اپنے یاروں سے اس کام کی تدبیر پوچھی اسکے
یاروں نے کہا کہ یہ کام کچھ مشکل نہیں ہے بہت آسان ہے اسواسطے کہ وے کوئی نگہبان اپنے ساتھ نہیں رکھتے ہیں اور اکیلے رات کو اندھیرے میں مسجد کو جاتے ہیں کسی دن
مسجد میں اندھیرے میں چھپ رہ اور اپنے کام کو انجام کو پہنچا انیسویں رمضان مبارک کی صبح صادق کے وقت کہ ہنوز تاریکی باقی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر سے
تشریف مسجد شریف میں لائے اور یہ ملعون ایک ستون کی آڑ میں مستعد اسی کام پر کھڑا تھا اور آپ کی عادت شریف ایسی تھی کہ مسجد میں سوئے ہوئے آدمیوں کو تکبیر
کی آواز سے بیدار کرتے تھے تاکہ وے سب اٹھکے طہارت کریں اسی ارادے سے جو نہیں آپنے مسجد شریف میں قدم مبارک رکھا وہیں اس ملعون نے پیچھے سے غفلت
میں ایک تلوار کا ضربہ آپکے سر مبارک پر مارا اور بھاگا آدمی ہر طرف سے دوڑے اور اسکو پکڑکے قید کیا ہرچند کہ زخم چنداں کاری نتھا لیکن زہر کی تاثیر سے آپکا کام
تمام ہوا اور اس خاکدان ظلمانی سے فردوس بریں کو انتقال فرمایا اکیسویں رات کو رمضان کی جسد مبارک کو آپ کے نجف الحیرت میں کہ ایک جگہ کا نام ہے کوفے سے
نزدیک مسجد جامع سے ایک فرسنگ پر حیرۃ النعمان کی راہ میں وہاں مدفون کیا اور آپ کی قبر کو بلند نکیا بلکہ بالکل بےنشان رکھا تا خارجی کہ اس زمانہ میں کثرت کی
خوارج میں بہت منتشر تھے کچھ بےادبی آپکے جسد مبارک سے نکریں اور یہ قصہ سال چالیس ہجری میں واقع ہوا اور آپ کی شہادت سے نبوت کی خلافت منقطع ہوگئی
اور کوئی قائم مقام اس رتبہ کا نرہا یہی بات صحابہ نے سمجھ کے نہایت افسوس کیا چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب خبر شہادت
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنی تو فرمایا کہ اب عرب جو چاہیں سو کریں ایسا کوئی نرہا کہ انکو کسی بدکام سے منع کریگا۔ اب جاننا چاہیئے کہ صحابہ میں بعد وفات
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علماء اور واعظ بہت موجود تھے اور آدمیوں کو بدکاموں سے بےمحابا یعنی بے دہشت منع کرتے تھے اور کسی کا بنی امیہ کے پادشاہوں سے یا
دوسرے سرداروں سے لحاظ اور خاطرداری سچی بات کہدینے میں نہیں کرتے تھے لیکن آنکے امر و نہی مانند سمجھانے علما کے اور رہنمائی اولیا کے تھی نہ پیغمبروں کے
حکم کی مانند کہ وہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ختم ہوگئی اسیواسطے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ کلمہ ارشاد فرمایا اسی جگہ سے قاتل حضرت علیؓ کے

اشقی ہونے کی وجہ ظاہر ہوگئی کہ اسوقت میں تمام کمالات اس ولایت کے جو قائم مقام نبوت کے ہے اسی ذات مبارک میں منحصر تھے دوسرا کوئی اسوقت میں ایسا نہ تھا بخلاف خلفاء سابقین کے کہ انکے زمانہ میں دوسرے بھی جو لیاقت اس امر کی رکھتے تھے موجود تھے کہ انکے معدوم ہونیکے بعد اس امر کو سنبھال لیا اور انکے قتل ہونے سے دین میں خلل نہ پایا گیا بخلاف قتل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کہ خاتم الخلفاء تھے تو انکا قتل گویا اللہ تعالی کے نور کو بالکل بجھا دینا تھا اور ہدایت کی شمع کو گل کر دینا اسیواسطے انکے قتل سے خرابی دین میں ہوئی کہ پھر تدارک اسکا نہو سکا اور اگر کسی کو یہ شبہ خاطر میں گزرے کہ اس بدبخت ترین کی حرکت سے ثمود کی قوم سب ہلاک ہوئی اور اس امت کے بدبخت ترین کی حرکت سے باقیماندہ کو کچھ آسیب بھی نہ پہنچا اسکا کیا سبب ہے اسکا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق دو وجہ سے ہے اور اول وجہ یہ ہے کہ اونٹنی کے مارے جانے سے تمام ثمود کی قوم راضی اور خوش ہوئی تھی اور اس امت میں اکثر لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے سے راضی نہوئے تھے بلکہ اس حرکت کرنیوالے پر لعنت اور نفرین کرتے رہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اونٹنی کے مارے جانے کے بعد اسکا بچہ بھی غائب ہوگیا تھا اور بالکل اسکا نام اور نشان نرہا تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد امجاد باقی رہی اور آپکا نام اور نشان قائم رہا اور نور اس ولایت کا جسکے آپ حامل تھے نسلاً بعد نسل ایک حامل آپ کی اولاد میں پیدا ہوتا رہا اور امام اپنے وقت کا ہوتا رہا ہرچند کہ وہ ہیئت اجتماعی مٹ گئی تھی لیکن وہ نور متفرق اور منتشر ہوکے موافق استعداد کے ہر ایک فرقے میں اہل تیر سے قائم رہا ان سببوں سے یہ امت اس طرح کے عذاب سے بچ رہی اور ایک واقعہ عجیبہ آپکے شہادت کی یہ ہے کہ اس دن بیت المقدس میں کوئی پتھر نہ تھا جسکے نیچے سے خون جوش نمارتا تھا واللہ اعلم +

سورۃ اللیل

تمہید

یہ سورت مکی ہے اکیس آیتیں اور اکہتر کلمے اور تین سو دس حرف ہیں اور اس سورے کا ربط والشمس کی سورت سے یہ ہے کہ دونوں کو قسم سے شروع کیا اور اس امر میں یہ دونوں سورتیں مناسبت تمام رکھتی ہیں اور اس سورت میں انسان کے نفسوں کا اختلاف مذکور ہے کہ بعضوں کے دل میں بدکاری ڈالی جاتی ہے اور بعضوں کے دل میں پرہیزگاری اور ان لوگوں کا حال مذکور ہے جو اپنے نفس کی پاکی میں مشغول ہیں اور دوسرے ان لوگوں کا حال ہے جو اپنے نفس کی ذلت اور خواری کے پیچھے پڑے ہیں شہوت اور غضب کی تابعداری کے سبب سے اور اس سورے میں بھی بنی آدم کے عملوں کا اختلاف بیان ہے نیک بختی اور بدبختی میں اور بعضوں کو اچھی راہ چلنے پر توفیق دی ہے اور بعضوں کو بری راہ بدبختی میں ڈالکے شرمندہ کر رکھا ہے اور یہ بھی ہے کہ دونوں سورتوں میں بدبختوں کا حال بیان ہے چنانچہ اس سورت میں ثمود کی قوم کے بڑے بدبخت کا حال بیان ہے جسکا نام قدار تھا اور اس سورت میں اس بڑے بدبخت کا حال بیان ہے جو اس امت کے شروع میں تھا جسکا نام امیہ تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے شخص کی ایذا دینے میں پڑا تھا اور بلال رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلعم کی خدمتگاری اور صحبت سے ایک بڑا رتبہ حاصل کیا تھا کہ حضرت صالح علیہ السلام کے ناقہ سے مشابہت بہم پہنچائی تھی اور اس سورے کا نام واللیل اس سبب سے رکھا ہے کہ عرب کی زبان میں لیل رات کو کہتے ہیں اور اس سورے میں آدمیوں کے عملوں کے اختلاف کا بیان منظور ہے نیکی اور بدی میں اور بڑا عمدہ وقت اس اختلاف کا رات ہے کہ عابد لوگ عبادت میں مشغول ہوتے ہیں اور چور چوری میں اور عیاش لوگ حرامکاری اور شرابخوری میں اور آزاری اور مصیبت میں بعضے محبوبوں کی جدائی میں تڑپ تڑپ کے رات کاٹتے ہیں اور بعضے باغ وصال سے اور ہم آغوشی سے اپنے آرزو کے دامن کو مراد کے پھولوں سے پر کرتے ہیں ع شب تنور گذشت و شب سمور گذشت **بیت** فرق است میان آنکہ یارش در بر + با آنکہ دو چشم انتظارش بر در + ہرچند کہ دن میں بھی اسی قسم کے اختلاف اور رنگ برنگی معاملے ہوتے رہتے ہیں لیکن جو وقت ظہور اور روشنی کا ہے تو ہر شخص تکلف اور بناوٹ کرتا ہے چور عابد بن کے نکلتا ہے اور فاسق صالح کے لباس میں اپنے تئیں ظاہر کرتا ہے بخلاف رات کے کہ تاریکی کے سبب سے حجاب کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور شرم اور حیا بالکل جاتی رہتی ہے اور ہر شخص اپنے نفس کی خواہش کے موافق بے تکلف اور بے پردہ ہوکے اپنے اپنے کام میں مشغول ہوتا ہے اور ظاہر کا تکلف اور بناوٹ بالکل جاتا رہتا ہے اور سبب نزول اس سورت کا یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں دو شخص مکیوں میں بڑے مالدار تھے ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرا امیہ بن خلف اور ان دونوں کا

معاملہ مال کے صرف کرنے میں مختلف ہوا۔ امیہ مال بہت رکھتا تھا اور بارہ غلاموں کو تربیت کر کے ہر ایک کو ایک ایک کام سپرد کیا تھا چنانچہ ایک غلام کو کھیتی کا
داروغہ کیا تھا اور ایک کو میووں کے باغ کا اور ایک غلام کو قیمتی کپڑوں کی تجارت کے واسطے یمن اور شام کی طرف بھیجتا تھا اور ایک کو جانوروں پر مقرر کیا تھا کہ
دودھ اور دہی اور نسل کی خبرداری کرکے اُسکے حاصل کو جمع کیا کرے اور اسیطرح ہر غلام کو ایک کام سپرد کیا تھا اور اس تدبیر سے مال بہت جمع کیا تھا اور باوجود
اس ثروت اور مالداری کے ایک کوڑی فقیر کو نہیں دیتا اور اگر کوئی غلام کسی محتاج کو ادھی دمڑی کبھی دیتا تو اُسپر خفا ہوتا بلکہ اُسکو اس کام سے موقوف کرتا تھا
اور اگر کوئی شخص اس کمبخت کو بطور نصیحت کے کچھ سمجھاتا تھا کہ باوجود اس کثرت مال کے اللہ تعالی کی راہ پر محتاجوں اور مسکینوں کو کسواسطے نہیں دیتا ہے اور
آخرت کا ذخیرہ کیوں نہیں کرتا ہے تو وہ بدبخت اُسکے جواب میں کہتا تھا کہ اول تو آخرت ہے کہاں اور اگر بالفرض ہوئی بھی تو اسقدر مال اور اسباب اور اولاد
میں نے جمع کیا ہے کہ مجھ کو کچھ احتیاج بہشت کی نعمتوں کی نہیں ہے اور اُن چیزوں سے جنکی طمع اور لالچ محمد صلے اللہ علیہ وسلم فقیروں اور محتاجوں کو دیتے ہیں اور
اس سبب سے اُن لوگوں کو اپنا گرویدہ کرتے ہیں مجھ کو کچھ پروا نہیں ہے اور اُسی کے غلاموں میں سے ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے کہ آنحضرت صلعم کے
خاص خادم تھے اور بزرگی میں اُنکا مرتبہ اس حد کو پہنچا تھا کہ آنحضرت صلعم اُنکو عالم معاملے میں اپنے آگے آگے بہشت میں دیکھا اور اُنکے حق میں رسول اللہ صلعم
نے فرمایا ہے کہ بہشت بلال کی مشتاق ہے۔ سو حضرت بلال جسوقت میں کہ مملوک اُس بدبخت کے تھے تو پوشیدہ اسلام لائے تھے آخر کو رفتہ رفتہ اُنکے اسلام
لانے کی خبر اُسکو پہنچی تو اُنکو معزول کیا اور نقرانے اور تحفانے کی دار وغگی جو اُنسے تعلق رکھتی تھی دوسرے غلام کو سپرد کی پھر اُنکو اپنے سامنے بلوا کے پوچھا کہ تو
کسکو پوجتا ہے حضرت بلال رضہ نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کو اُس ملعون نے کہا کہ اس دین کو چھوڑ دے نہیں تو میں تجھ کو بُری طرح سے پیش آؤنگا اور
مارتے مارتے ہی مار ڈالونگا حضرت بلال نے کہا کہ میں تو اس دین سے پھر نہیں سکتا تیرا جو جی چاہے سو کر میں تیرا غلام ہوں اُس شقی ازلی نے اپنے غلاموں سے ایسا
حکم کیا کہ دن چڑھتے انکے بدن میں ببول کے کانٹے چبھویا کرو اور جب آفتاب خوب گرم ہو تب دھوپ میں اُنکو چت لٹا کر سر سے پیر تک پُر گرم پتھر رکھ دیا کرو تا
ہل نہ سکیں اور گرد انکے آگ جلا دیا کرو اور جب شام ہو تب ہاتھ پیر باندھ کے اندھیرے مکان میں قید رکھو اور باری باری سے رات بھر کوڑے مارا کرو اور صبح
یہ مار موقوف نکرو اسیطرح سے کتنے دنوں تک حضرت بلال اس مصیبت میں گرفتار رہے اور پکار پکار کر احد احد کہا کئے یعنی معبود میرا ایک ہے معبود میرا ایک ہے
ایک روز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رات کے وقت اُس طرف سے گزرے اور اُس ملعون کے گھر سے آواز نالہ وزاری کی آپکے کان میں پڑی پوچھا کہ اس گھر
میں کیا ہوتا ہے اور یہ آواز کیسی ہے لوگوں نے کہا کہ بلال نام ایک غلام ہے اُسکو مارتا ہے یہ آواز اس غلام کے رونے کی ہے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ بات
سنکے نہایت رنج ہوا اور صبح کے وقت اُسکے گھر میں آپ تشریف لیگئے اور اُس مردود کو نصیحت کرنا شروع کیا کہ خدا سے ڈر اور اس غلام پر اتنا ظلم ناحق مت کر
اسواسطے کہ اُس نے سچے دین کو قبول کیا ہے اور اللہ تعالی کی دوستی اور رضامندی کو اختیار کیا ہے تجھ کو چاہیے کہ اس غلام کو غنیمت جان اور اُسکے ساتھ
احسان کر کہ آخرت میں تیرے کام آویگا اور تجھکو اُسکی سختی سے بچاویگا اُس ملعون نے کہا کہ آخرت ہے کہاں اور یہ دین کہاں سے معلوم ہوا کہ سچا ہے اور اگر
بالفرض آخرت ہوئی بھی تو مجھ کو دنیا میں کس چیز کی کمی ہے کہ آخرت کی نعمتوں پر جو فقط وہم اور خیال ہے فریفتہ ہوں میرے پاس اس دنیا میں بھی بہشت موجود
ہے چنانچہ تم بھی جانتے ہو کہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو میرے کارخانے میں کثرت سے موجود نہیں ہے اور مضمون ان بیتوں کا ادا کرتا تھا ۵ صبح تو جام سے
گزرتی ہے + شب دلارام سے گزرتی ہے + عاقبت کی خبر کسے معلوم + یاں تو آرام سے گزرتی ہے + حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پھر اُسکو سمجھایا
اور نصیحت کی کہ میرا کہا مان اور اس بیچارے مسکین پر ظلم کرنے سے باز آ۔ اُس بدبخت نے کہا کہ اگر تمہارا دل اُسپر ترس کھاتا ہے تو تم بھی لادار ہو اور آخرت
کا اعتقاد بھی رکھتے ہو تم ہی ثواب کماؤ اور اُس غلام کو مجھ سے خرید لو حضرت ابوبکر صدیق رضی کہ اسبات کی آرزو رکھتے تھے فرمایا کہ اس سے کیا بہتر ہے اسکے عوض
میں جو تو طلب کرے میں دونگا اور اسکو خرید کرونگا اُس کافر نے عاجز کرنے کو کہا کہ تم اسکو نہ خرید سکوگے اور اگر یوں ہی تمہیں منظور ہے اور تمہیں اسکے خریدنے
کا بڑا شوق ہے تو اپنا غلام نسطاس رومی کہ وہ آپکے غلاموں میں بڑی ہی۔۔ لیاقت اور قابلیت تجارت کی رکھتا تھا اور دس ہزار دینار کے قریب پونجی
جمع کی تھی مجھ کو دو اور اس غلام کو یعنی بلال کو مجھ سے لو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے کہ اللہ تعالی کی رضامندی کے واسطے جان تک دینے میں عذر

رکھتے تھے اِس بات کو دل اور زبان سے قبول کیا بلکہ چالیس اوقیہ اور اُسپر زیادہ کرکے اُس کافر کو دیئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو قید خانے سے باہر نکال کر اپنے
ساتھ لیکر چلے وہ کافر آپ کو دیکھتا تھا اور ہنستا تھا اور اپنے مصاحبوں سے کہتا تھا کہ یہ شخص باوجود اِس عقل اور دانائی کے اِس معاملے میں کسقدر دھوکا
کھایا ہے اور اپنا نقصان کیا ہے کہ ایسے غلام قابل کو جو دو ہزار دینار کی پونجی بھی رکھتا تھا ایسے نکمے غلام کے عوض میں جو کسی کام کا نہیں ہے اور ایک کوڑی
بھی پونجی نہیں رکھتا ہے دیا ہے اور میں ایسے غلام کو یعنی بلال رضی اللہ عنہ کی مانند کو ایک دانق کے عوض میں کہ درم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے نہ خرید کروں بلکہ مفت بھی
نہ لوں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ بات سُنی تو فرمایا کہ اِس غلام کا مرتبہ یعنی بلال رضی اللہ عنہ کا اِسقدر میرے نزدیک ہے کہ اگر تمام یمن کی بادشاہت
کے عوض میں تو بیچتا تو بھی میں لے لیتے نہ چھوڑتا پھر بلال رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں حاضر کیا اور سب حال جو گزرا تھا عرض کیا
کہ اِس طرح سے میں نے اِنکو خرید کیا ہے اور آپ گواہ رہئے کہ اللہ کی رضامندی کے واسطے انکو میں نے آزاد کیا جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم اِس بات سے
بہت خوش ہوئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اُس روز سے فارغ البال ہو کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں رہنے لگے اور نیکبختی دونوں جہان
کی حاصل کی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ابتدائے اسلام سے کہ مسلمانوں کی نہایت ضعیفی اور عاجزی کا وقت تھا اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی
کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصارف اور حاجتوں میں اور کافروں کے ہاتھ سے مسلمانوں کو چھڑا لینے میں اور سوائے اُسکے دوسرے اچھے کاموں میں
صرف کرکے ذخیرۂ آخرت کا جمع کیا تھا چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے خرید کرنے میں جو کچھ خرچ کیا سو ابھی معلوم ہو چکا اِسی طرح سے سات شخص
غلام اور لونڈی قریش کے کہ دین اسلام کو دل سے قبول کیا تھا اور اُنکے مالک اِس سبب سے انکو ایذا دیتے تھے خرید کرکے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے
آزاد کر دیا تھا چنانچہ انہیں سے ایک عامر بن فہیرہ ہیں کہ بنی جدعان کے غلام تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انکو اُنکے مالکوں سے ایک حلہ بھر سونے
کے عوض میں خرید کرکے آزاد کیا تھا اور وے ہجرت کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں مشرف تھے اور بیر معونہ کے دن شہید ہوئے اور وے بڑے
اولیاء اللہ میں سے تھے اور انہیں سے ایک زنیرہ ہیں کہ کمال کی نہایت کو پہنچی تھیں اور بڑا ایمان کامل انکو نصیب ہوا تھا انکو بھی اُنکے مالکوں سے لیکر آزاد کر دیا تھا
لیکن قضاء کردگار سے بعد آزاد ہونے کے اُنکی آنکھوں میں درد ہوا اور بینائی انکی آنکھوں کی جاتی رہی اُنکے مالکوں نے یہ سنکر اُنکو طعن کے طور سے کہا کہ دیکھا
لات اور عزی کی مار نے تجھ کو کیسا اندھا کر دیا اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ بات تمہاری جھوٹی ہے لات اور عزی کو ہرگز یہ قدرت نہیں ہے کہ کسی کا کچھ اچھا یا بُرا
کر سکیں سوا اللہ تعالیٰ کے وہ مالک ہے جو چاہتا ہے سو کرتا ہے یہ بات انکی اللہ تعالیٰ کی جناب میں پسند ہوئی اور اسیوقت انکی آنکھیں اچھی ہو گئیں اور جیسی
بینائی تھی ویسی ہی ہو گئی اور انہی میں سے نہدیہ اور اُنکی بیٹی ہے کہ یہ دونوں ایک عورت یعنی عبد الدار کی لونڈیاں تھیں اور وہ عورت انکو نہایت ایذا
پہنچاتی تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اُنکے حال سے خبر پاکے اُس عورت کے گھر تشریف لیگئے اور اُسکو نصیحت کی کہ انکو ایذا مت دے اور جو کچھ انکی قیمت ہو مجھسے لے
اُس عورت نے قیمت بہت مانگی آپ نے بلا تکرار اُنکی قیمت موافق اُسکی خواہش کے اُسکو ادا کی اور اُن دونوں سے کہ اُس عورت کے آٹا پیسنے میں مشغول تھیں کہا کہ
خوشخبری ہو جیو تمکو کہ میں نے تم دونوں کو مول لیکر اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے آزاد کر دیا اب اُٹھو اور آٹے کو چھوڑ دو اور میرے ساتھ آؤ اُن دونوں نے عرض کی
کہ یا ابابکر صدیق رضی اللہ عنک بہت برسوں سے ہم نے اُسکے گھر میں پرورش پائی ہے اور اسکا نمک کھایا ہے اب اُسکا کام ادھورا چھوڑنا مناسب نہیں ہے
اِس آٹے کو پیسکے اسکو دیکر ہم آتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اِس بات کو سنکر آفرین کہی اور انکو انہی کے کہنے کے بموجب اجازت دی اور انہی
میں سے ایک عورت وہ ہے کہ بنی مول کی مملوک تھی اور بنی مول ایک فرقہ ہے بنی عدی سے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُسوقت تک ایمان سے مشرف نہ ہوئے تھے
اِس لونڈی کو اسلام لانے کے سبب سے سخت تعذیر اور تادیب کیا یہانتک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُسکو خرید کرکے آزاد کر دیا اور اسی طرح سے اُم عبیس
بھی خرید کرکے آزاد کیا تھا اور سوائے اِنکے جو مذکور ہوئے اور بہت بردوں کو آزاد کیا ہے اور بعد اس تمام خرچ کے چالیس ہزار درم کہ سرمایہ اُنکے پاس باقی رہا تھا آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم پر اور موجب آپ کے فرمانے کے دوسرے مسلمانوں پر تیرہ برس کے عرصہ میں صرف کیا اور چھ ہزار درم کہ باقی رہے تھے کچھ ہجرت کے سفر میں اور کچھ مسجد
نبوی کی زمین کے خرید کرنے میں اور کچھ دوسرے نیک کاموں میں خرچ کئے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا اپنی زبان فیض ترجمان سے اِس کلمہ کو ارشاد فرمایا کہ

مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ یعنی کسی کے مال سے مجھکو اسقدر فائدہ نہیں پہنچا جسقدر ابو بکرؓ کے مال سے مجھکو فائدہ ہوا اسواسطے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال اور ابو طالب اور عبدالمطلب کا مال آپکے کھانے اور لباس میں اور صلۂ رحم میں یعنی خویش و اقربا کے دینے لینے میں اور مہمانوں کی ضیافت میں اور محتاجوں کی خبرگیری میں صرف ہوا تھا اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مال اسلام کی شوکت اور دبدبے کی زیادتی میں اور مسلمانوں کی خلاصی میں کافروں کے پنجے سے اور ضعیف مسلمانوں کی مدد اور دستگیری میں صرف ہوا تھا اور دونوں مصرفوں میں آسمان اور زمین کا تفاوت ہے حاصل کلام کا جسوقت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سب مال تمام ہوا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ ہو چکا اور بالکل فقیر اور محتاج ہو گئے ایک روز ایک کملی کو کرتے کی طرح گلے میں ڈالکر اسکو کانٹے سے گوندھکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے تھے اسوقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ابو بکر تو بڑے مالدار اور تونگر تھے یہ کیا ہوا کہ فقیروں کے سے کپڑے پہنے بیٹھے ہیں جناب سالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُنہوں نے اپنا سب مال مجھپر اور میرے واسطے خرچ کر ڈالا اور اپنے پاس کچھ نہ رکھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ حق تعالیٰ نے ابو بکر کو سلام فرمایا ہے اور پوچھا ہے کہ اس فقیری میں بھی مجھ سے راضی ہے یا کچھ رنج دل میں رکھتا ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کلام کے سننے سے ایک عجیب حالت پیدا ہوئی اور اصحاب حال کی مانند بیخود ہوکے کہا میں کیونکر اپنے پروردگار سے کدورت رکھونگا اور اس کلمہ کو بار بار اپنی زبان پر لاتے تھے انا عن ربی راض انا عن ربی راض یعنی میں اپنے پروردگار سے راضی ہوں سو حق تعالیٰ نے اس سورے میں ان دونوں معاملوں کو ذکر فرمایا ہے یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اور اُمیہ بن خلف کا اب سب اچھائی اور بُرائی کو اور آدمیوں کی ہمت اور کوشش نیکی اور بدی کی تحصیل میں مختلف ہونے کو انہی دونوں معاملوں پر قیاس کر لیا چاہیئے +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى قسم کھاتا ہوں میں رات کی جب چھپا لیوے اور چھا جاوے یعنی آفتاب کے نور کو چھپا لے اور سب دنیا کو تاریک کر دے اور وہ ایک نمونہ ہے بدعمل کا یعنی اسی طرح بُرے کام کی سیاہی روح اور دل کی روشنی کو چھپا لیتی ہے اور رات چھپاؤ اور پردہ پوشی کا وقت بھی ہے اور جو کام کہ حیا اور پردے سے تعلق رکھتے ہیں اُسوقت بہت ہوتے ہیں جیسے کوئی بھید کہنا یا بھاگنا چھپکے اور چوری کرنا یا زنا کرنا یا مکر کرنا یا دغا کرنا اور اکثر شیطانوں کے تصرف اُسیوقت ہوتے ہیں وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى اور قسم کھاتا ہوں میں دن کی جب روشن ہو جاوے آفتاب کے نکلنے سے اور نہ ہونا بدلی اور غبار کا نمونہ ہے نیک عمل کا روح اور دل کے روشن کرنے میں اور جو کام روشنی اور بےپردگی سے علاقہ رکھتے ہیں وہ اکثر اسیوقت واقع ہوتے ہیں جیسے روزی طلب کرنا اور آدمیوں کا کمائی کو اور آپسمیں ملاقات کے واسطے اِدھر اُدھر جانا اور فائدہ دینا لینا جیسے پڑھنا یا پڑھانا اور سیکھنا یا سکھانا وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى اور قسم کھاتا ہوں میں اس حکمت الٰہی کی کہ پیدا کیا ہے نر اور مادہ کو اور ہر قسم کے جاندار کو تاکہ آپسمیں جمع ہوں یعنی جفتی کریں اور نسل بڑھے اور دودھ اور دہی اور گھی پیدا ہوا اور یہ پیدا کرنا نر اور مادہ کا خیر اور شر کے اختلاط کا نمونہ ہے اور کمال اور نقصان کے ملنے کا نشان ہے سب کاموں میں اور بنی آدم اور سب جانداروں کی اولاد کی زیادتی کا سبب ہے اور اس اولاد کی کثرت سے بہتیرے فائدے متصور ہیں جو ہر ہر واحد میں یعنی فقط نر یا فقط مادہ میں یہ اچھائی اور بُرائی اور کمال کو پہنچنا اور ناقص و نکمّا رہنا ہو سکتا تھا اور وہ مضمون جسپر یہ تینوں قسمیں کھائی ہیں وہ یہ ہے اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى تحقیق کوشش تمہارے عملوں اور شغلوں کی بہت مختلف اور رنگارنگ ہے جیسے ایمان اور کفر صلاح اور فسق سخاوت اور بخل اسیطرح دوسرے عمل ہیں اور آدمیوں کے نیک اور بد کاموں کا مختلف ہونا اسقدر کثرت سے ہے کہ اسکا شمار کوئی نہیں کر سکتا مگر اصل اور جڑ انکی تین قسم سے باہر نہیں ہے پہلی نری خیر کہ کچھ بھی ملاوٹ شر کا نہیں رکھتی دوسرے نری شر جسمیں کبھی بھلائی کی نہو تیسرے خیر اور شر ملے ہوئے چنانچہ تینوں قسموں مذکورہ میں انہی تین قسم کی طرف اشارہ فرمایا ہے اب جاننا چاہیئے کہ عملوں

میں خیر محض وہ ہیں جو ظاہر اور باطن میں نیک ہوں اور انکے واسطے تین شرطیں ضروری ہیں اول یہ کہ صورت انکی شرع کے موافق ہو دوسرے یہ کہ نیت خالص ہو تیسرے یہ کہ اعتقاد صحیح اور یقین کامل سے کیا ہو اور شر محض وہ ہیں کہ تینوں شرطیں مذکورہ اسمیں پائی نہ جاویں یعنی صورت اسکی خلاف شرع کے ہو اور نیت بھی بری ہو اور بد اعتقادی سے اسکو کیا ہو اور جسمیں خیر اور شر ملی ہو تو اسکی بھی کئی قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ صورت اسکی موافق شرع کے ہو مگر نیت فاسد ہو جیسے نماز کسی کے دکھلانے کے واسطے پڑھنا دوسری قسم یہ ہے کہ صورت اسکی شرع کے خلاف ہووے مگر نیت نیک ہو جیسے رونا پیٹنا کربلا کے شہیدوں کے واسطے یا باجوں کا سننا تاکہ ذوق شوق حقتعالی کا زیادہ ہووے تیسرے یہ کہ صورت اور نیت دونوں درست ہوں لیکن اعتقاد کی درستی سے نہ کیا ہو جیسے کافروں کا للہ خیرات کرنا اور ہر ایک میں ان تینوں قسموں کے بہت سی قسمیں ہو سکتی ہیں اور بڑا لمبا چوڑا پھیلاؤ ہو سکتا ہے چنانچہ فکر کرنیوالے اور سوچنے والے پر یہ بات چھپی نہیں ہے لیکن ان سب قسموں کا مرجع انہی تین قسموں کی طرف پھرتا ہے اور یہی تینوں قسمیں جزا اور سزا کے اختلاف کا سبب پڑتی ہیں اور ہر ایک انمیں سے علیحدہ علیحدہ یا ملکے ثواب کو یا عذاب کو چاہتی ہے چنانچہ اس اختلاف کی تفصیل مال کے خرچ کرنیکے بیان میں کہ بیان اسی اختلاف کا اس سورت میں منظور ہے ارشاد ہوتا ہے **فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى** پھر جس کسی نے دیا اپنا مال **وَ اتَّقٰى** اور ڈرا دکھلانے اور سنانے سے خلقت کے اور بچا گناہوں میں اور نفس کی خواہشوں میں اور بدعتوں اور گنہگاروں کی مدد کرنے میں خرچ کرنے سے اور بعد دینے کے بھی بچا احسان رکھنے اور بدلا چاہنے سے **وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى** اور سچا جانا پیغمبرؐ کی شریعت کو اور نیک جزا کو جسکا بعد مرنے کے امیدوار ہے تو اس شخص نے ایسا کام کیا کہ سب طرح سے اچھا ہے اور برائی کا لگاؤ بھی نہیں ہے یعنی اسکا ظاہر عمل مال کا خرچ کرنا ہے کہ سب دینوں اور شریعتوں میں بہتر ہے اور اسکا باطن کا عمل اتقا ہے یعنے بچنا ریا اور سمعہ سے کہ نیت کی درستی میں اور فائدہ کے باقی رہنے میں کافی ہے اور اسکا اعتقاد بھی درست ہے یعنی پیغمبر کی شریعت کو سچا جانتا ہے اور نیک کام کے ثواب کا آخرت میں امیدوار ہے اور اسی امید پر اپنے مال کو خرچ کر رہا ہے تو نیک جزا کے لایق بھی ہوا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى** پھر جلدی آسان کر دینگے ہم اسپر راہ آسانی کی یعنی اسکو دنیا کے سب اچھے کاموں کی توفیق دینگے اور ان سب عبادتوں کی توفیق دینگے جو آخرت میں اسکے کام آویں تاکہ اس توفیق کے سبب سے اسپر عبادتوں کا کرنا آسان ہو جاوے اور دل اور جان سے اسمیں مشغول رہے اسواسطے کہ نیک کام کا خاصہ ہے کہ جو کوئی اسکو ہمیشہ کرتا ہے تو اسکے نفس میں ایک قوت نورانی پیدا ہوتی ہے کہ اسکے سبب سے اچھی راہ چلنا اور نیک بات کو اختیار کرنا اسپر آسان ہو جاتا ہے بلکہ وہ ظاہر کی تکلیف اسکی عادت ہو جاتی ہے اور بموجب حکیموں کے قول کے کہ العادۃ طبیعۃ ثانیۃ یعنے عادت ایک دوسری طبیعت ہے کچھ رنج اور مشقت اسکو اس کام کے کرنے میں نہیں ہوتا ہے بلکہ اسکے نکرنے سے اسکے دل کو رنج ہوتا ہے پھر جب موت اسکی آتی ہے اور اس عالم سے جدا ہونے کا وقت پہنچتا ہے تو اسکو بڑی آسانی نصیب ہوتی ہے کہ گویا قید سے چھوٹتا ہے اور بعد مرنے کے بھی منکر نکیر کا جواب اور حشر اور نشر کا ہول اور حساب کا خوف اور میزان کا دغدغہ اور پل صراط کے اترنے کی سختی سب اسپر آسان اور سہج ہو جاتی ہیں اور کچھ بھی رنج اور مصیبت ان سختیوں کی اسکو معلوم نہیں ہوتی **وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى** اور جس کسی نے بخل کیا اپنے مال دینے میں اور بے پروائی کی آخرت کی نعمتوں سے اور اس مال کو سبب جانا بے پروائی کا **وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى** اور جھٹلایا پیغمبر کی شریعت کو اور آخرت کی نیک جزا کو تو اس آدمی نے ایسا کام کیا کہ نرا برا ہے اسواسطے کہ بخل سب دینوں اور مذہبوں میں برا ہے اور معیوب اور بے پروائی آخرت کے ثواب سے مال کے گھمنڈ پر خیر کی نیت کو بالکل برہم کر دیتی ہے اور پیغمبر کی شریعت کو جھٹلانے کے سبب سے اسکا اعتقاد فاسد ہو گیا تو کسی وجہ سے اسکے عمل میں بہتری پائی نہ گئی اسواسطے کہ ظاہر عمل اسکا بخل ہے اور باطن عمل اسکا بے پروائی ہے مال کے گھمنڈ پر آخرت کے ثواب سے اور اعتقاد اسکا شریعت کو جھوٹا جاننا ہے اور یہ سب باتیں بد ہیں تو سزا بھی اسکی بری ہوگی چنانچہ فرماتے ہیں **فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى** پھر شتابی آسان کرینگے ہم اسپر سختی اور دشواری کی راہ کو تاکہ باطل راہوں میں اور بد عملوں میں محنتیں اور مشقتیں کھینچے اور رنج اٹھاوے اور نماز کی دو رکعتیں پڑھنے میں سستی کرے اور دل چراوے چنانچہ دوسری جگہ ایسے شخصوں کے حق میں

ارشاد ہوا ہے واذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی اور دوسری جگہ پر فرمایا ہے وانها لکبیرۃ الا علی الخاشعین اور جب تک ایسے لوگوں کو پہنچی ہے تو نہایت سختی اور رنج سے اس جہان سے جاتا ہے گویا باغ سے نکل کے قیدخانے میں پڑا اور منکر نکیر کے سوال میں اور حشر اور نشر میں اور حساب اور میزان میں طرح طرح کی سختیاں اور عذاب دیکھتا ہے اور بعد ان سب کے دوزخ میں پڑنا سب سے زیادہ عذاب ہے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْهَا اور جس مال کو جوڑ جوڑ کے رکھا تھا اس امید پر کہ سختی اور مصیبت کے وقت کام آویگا اور اسکے سبب سے مصیبت آئی ہوئی ٹل جاویگی سو ایسے وقت میں اس سے جدا ہوگیا اور وارثوں کے ہاتھ میں پڑا اور انہوں نے بموجب اس مثل کے کہ مال مفت دلِ بے رحم لٹا کے برابر کر دیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدّٰى** اور کچھ کام نہ آویگا مال اسکا اس سے جب ہلاک ہوگا اور قبر میں جائیگا اور سوائے دو ہاتھ کفن کے کچھ ساتھ نہ لیجائیگا اب یہاں پر جاننا چاہئے کہ بنی آدم کے عمل جیسا کہ قسم کے ذکر میں اشارہ ہوا ہے تین قسم کے ہیں اور جزا کے بیان میں وہی قسمیں ذکر ہوئیں یعنی نری خیر اور نری شر اور جزا اس عمل کی جو خیر اور شر سے ملا ہوا ہے کچھ بیان نہوئی اسکی وجہ یہ ہے کہ عاقل بعد دریافت کرنیکے ان دونوں قسموں کے حکم کو اسکے حکم کو بھی دریافت کریگا اسواسطے کہ جب خیر اور شر یعنی اچھا اور برا ملجاتا ہے تو بموجب اس قول کے النتیجۃ تتبع الاخس الارذل یعنی بچہ خسیس اور رذیل کے تابع ہوتا ہے ماں باپ سے یعنے ماں اور باپ میں جو کمینہ اور بدخصلت ہوتا ہے بچہ اسی کی عادت سیکھتا ہے تو معلوم ہوا کہ شر کا حکم غالب ہوتا ہے اور خیر کا حکم مغلوب جس طرح شریعت میں مقرر ہے کہ جو بچہ حلال اور حرام جانور سے ملکے پیدا ہووے تو وہ حرام ہوتا ہے جیسے خچر کہ گھوڑی اور گدھے سے ملکے پیدا ہوتا ہے اور اسکا کھانا حرام ہے اور اسی طرح سے جو مال حلال کہ حرام مال میں ملکر ایکساں ہوگیا جیسے اپنا دودھ غصب کے دودھ میں مل گیا یا اپنی مٹھائی غصب کے پانی میں ملکر شربت ہوگئی تو یہ سب قسمیں حرام ہیں اسکا کھانا کسی طرح درست نہیں ہے تو اسی قیاس پر بوجھ لیا چاہئے کہ جس عمل میں خیر اور شر جمع ہو جائینگے وہ عمل شر کا حکم پیدا کریگا اور بہتری اسکی مغلوب ہو جائیگی واللہ اعلم اور بعضے مفسروں نے ان تینوں قسموں کی تخصیص کی وجہ میں ایسا ذکر کیا ہے کہ جو یہاں پر بنی آدم کے عملوں کے اختلاف کا بیان کرنا منظور ہے تو پہلے قسم دن اور رات کی لائے کہ یہ عملوں کے مختلف ہونے کا زمانہ ہے جیسے رات چوروں کی اور رات عابدوں کی اور رات زانیوں کی اور رات نیکبختوں کی جو اختلاف اور فرق رکھتی ہے ظاہر ہے کچھ حاجت بیان کی نہیں ہے اسی طرح دن کے کاموں کا حال ہے کہ صالحوں اور فاسقوں کے کاموں میں تفاوت زمین اور آسمان کا ہوتا ہے اسکے پیچھے جڑ اور بنیاد بنی آدم کی نر اور مادہ ہے کہ آپسمیں بڑا اختلاف رکھتے ہیں مردوں کے باطنی عمل اور ظاہری فعل اور ہمت اور رغبت اور طرح کی ہے یعنی بہت بلند ہے اور عورتوں کی دوسری طرح کی یعنی پست ہے چنانچہ مردوں کی رغبت نام اور جاہ کے حاصل کرنے میں مصروف ہے اور عورتوں کی رغبت پوشاک اور زیور سے آراستہ ہونے میں تو قسم ان دونوں اصل کی بھی یاد فرمائی یعنی نر اور مادہ کے اختلاف کی تاکہ بنی آدم کے عملوں اور ارادوں کے اختلاف کی دلیل ہو اسواسطے کہ اصل کا حکم فرع پر جاری ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ الولد سر لابیہ یعنی بیٹا بھید ہے اپنے باپ کا اور حضرت امیر خسرو قدس سرہ فرماتے ہیں **شعر** در جوانمردی و مردی ہر کہ کارے پیش برد ✤ ناجوانمردی بود کہ بر زبان آرد سخن ✤ آنکہ او کرد و نگفت او را شمر مردِ تمام ✤ وانکہ او کرد و بگفت او زن بود بے ہیچ ظن ✤ آنکہ نے کرد و بگفت آنرا مداں جز نیم مرد ✤ وانکہ ناکردہ بگفت او را مخواں جز نیم زن ✤ یعنی اگر کسی نے کوئی کام اچھا جوانمردی کا کیا اسکا زبان پر لانا نامردی ہے پھر جس نے کیا اور نہ کہا وہ تو پورا مرد ہے اور جس نے کیا اور کہا وہ بے شبہ عورت ہے اور جس نے نہ کیا اور نہ کہا وہ آدھا مرد ہے اور جس نے نہ کیا اور کہا وہ آدھی عورت ہے اور زمانے کا حکم بھی اکثر زمانے والوں پر جاری ہوتا ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ الناس بزمانهم اشبه منهم بابائهم یعنی اکثر آدمی اپنے زمانے میں آپسمیں ایک دوسرے کے بہت مشابہ ہوتے ہیں بھائیوں سے باوجود ایک باپ سے پیدا ہونیکے یا یہ معنی ہوں کہ آدمی اپنے زمانے کے آدمیوں سے بہت مشابہ ہوتے ہیں چال ڈھال میں اپنے باپ دادوں سے اور حدیث شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وارد ہے کہ آپ نے کہا ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک شخص کے جنازہ کے ساتھ گئے تھے اور آنحضرت صلعم قبر کے تیار ہونیکے انتظار میں بیٹھ گئے اور ہم سب آپ کے گرداگرد بیٹھے آنحضرت صلعم نے بزبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص نہیں ہے مگر اسکا مکان اللہ تعالیٰ کے علم میں مقرر ہے بہشت میں یا

یا دوزخ میں اور لوح محفوظ میں لکھا [illegible] نے کہا یا رسول اللہ اگر یہی بات ہے تو تقدیر پر
بھروسا کر کے کیوں نہ بیٹھ رہیں اور عمل کو کیوں نہ چھوڑ دیں اسواسطے کہ جب ایسی بات ہوئی کہ جو لکھا ہے وہی ہوتا ہے اُسکا خلاف کسی طرح سے ممکن نہیں ہے
تو عمل کرنا بیفائدہ ہے جو کچھ ہونا ہے سو ہوگا آنحضرت صلعم نے فرمایا عمل کیے جاؤ اسواسطے کہ ہر شخص کو توفیق اُسی کام کی دی جاتی ہے جسکے واسطے وہ پیدا
کیا گیا ہے سو اگر اُسکو نیکبخت پیدا کیا ہے تو کام بھی نیکبختوں کے اُس سے کراتے ہیں اور اگر بدبخت پیدا کیا ہے تو کام بھی بدبختوں کے اُس سے کراتے ہیں سو جس
طرح سے کہ مکان ہر شخص کا بہشت میں مقرر ہے یا دوزخ میں اسی طرح سے عمل بھی نیک اور بد ہر شخص کے واسطے مقرر ہو رہے ہیں پھر اس آیت کو آخر تک آپنے
پڑھا کہ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی لیکن اس مقام پر پڑھنے سے اس آیت کے معنی دوسرے بوجھے جاتے ہیں یعنی اللہ تعالی کے علم میں تمہارے کام مختلف اور
رنگا رنگ ہیں کیونکہ کسی کو بھلا اور کسی کو بُرا تقدیر میں لکھا ہے اور اُسی سرنوشت کے موافق ہر ایک سے بھلائی اور برائی دنیا میں ہوتی ہے تو مراد اعطی و
اتقی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی سے یہ ہے کہ اللہ تعالی کے علم میں یے عمل اُسکے مقدر ہیں خواہ مخواہ کریگا اور مراد فسنیسرہ للیسرٰی سے یہ ہے کہ ان کاموں کی
توفیق دنیا میں ضرور پاویگا حاصل کلام کا یہ ہے کہ عملوں کو جس مرتبے میں لحاظ کیجیے خواہ علم الہی میں خواہ دنیا کے پائے جانے میں ہر طرح سے ایک ثمر رکھتے
ہیں اسواسطے کہ عمل خیر اور شر کے علم الہی میں مقدر رہیں اور ثمرہ اُنکا حاصل ہونا توفیق کا ہے خیر میں اور حاصل ہونا خذلان اور رسوائی کا ہے شر میں دنیا
کے پائے جانے میں سو اسطے کہ دنیا سایہ ہے تقدیر کے عالم کا اور دنیا کی نسبت تقدیر کے عالم سے ایسی ہے جیسے ڈھلی ہوئی چیز کی نسبت اُسکے سانچے سے
ہوتی ہے کہ اس سانچے سے وہ چیز کم اور زیادہ نہیں ہو سکتی اور اگر انہی عملوں کو صادر ہونے اور کرنیکے بعد ملاحظہ کیجیے تو اُسکا پھل جزا ہے آخرت کی
اسواسطے کہ آخرت اُس کھیتی کے کاٹنے کا وقت ہے جو دنیا میں بو گئے تھے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے شعر از مکافات عمل غافل مشو + گندم از گندم بروید جو ز جو
اینچنین گفتہ است پیر معنوی + کاے برادر ہرچہ کاری بدروی + یعنی عمل کے بدلے سے غافل نہو گیہوں بونے سے گیہوں پیدا ہوتے ہیں اور جو سے جو ایسا کہا
ہے پیر معنوی نے کہ اے بھائی جو کچھ بوؤگے وہی کاٹوگے اور جو اس مسئلہ میں اسبات کا شبہ ہے اگر نیکی اور بدی کی توفیق جناب الہی کی طرف سے ہے تو کسواسطے
سب کو توفیق نیکی کی نہیں دیتے ہیں اور بدی سے زبردستی کیوں نہیں روکتے ہیں تا کہ سب آدمی آسانی کی اچھی راہ چلیں اور کوئی شخص سختی اور برائی
نہ دیکھے تو اُس شبہ کے جواب میں دو مقدمے ارشاد ہوتے ہیں پہلا یہ ہے کہ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی بیشک ہمارے ذمہ پر ہے راہ دکھلانا اور پہنچانا نیکی
یا بدی کی طرف اور اس ہدایت کو سب کے ساتھ مصروف کیا ہے ہمنے کئی واسطوں سے پہلے تو حواس خمسہ ظاہری کہ سمع اور بصر اور شم اور ذوق اور لمس ہیں
اور حواس خمسہ باطنی کہ حس مشترک اور خیال اور وہم اور حافظہ اور متصرفہ ہیں اور قوت عقلیہ کہ جسکے سبب سے اچھائی اور برائی میں فرق اور تمیز کرتے ہیں
ہر شخص کو دیے ہیں پھر بعد اُسکے رسولوں کے بھیجنے سے اور کتابوں کے اُتارنے سے اور شریعتوں اور حکموں کے بیان کرنے سے اور بہشت کی نعمتیں اور
دوزخ کی سختیاں ذکر کرنے سے اور مرشدوں اور نصیحت کرنیوالوں کو مقرر کرنے سے اور ہوشیاری اور سمجھ کے اسباب پیدا کرنے سے سب کو سیدھی اور ٹیڑھی راہ
میں جدائی اور فرق بتلا دیا ہمنے اب بعد ان سب باتوں کے نیک راہ پر زبردستی چلانا اور بد راہ سے زور سے روکنا ہمارا ذمہ نہیں ہے بلکہ اُن دونوں راہوں میں
سے ایک راہ کو اختیار کرنا اور اُسپر چلنا بنی آدم مکلف یعنی عاقل بالغ کے ارادے اور قصد پر وابستہ اور حوالہ کیا ہے ہمنے کہ ان دونوں میں سے جو چاہے اختیار
کرے اور اگر ایسا نہو تو آزمائش اور اختیار ثابت نہووے اور فرمانبردار اور گنہگار میں کچھ فرق اور جدائی نرہے اسواسطے کہ اس صورت میں سیدھی راہ چلنے میں
سب مجبور اور بے اختیار ہو جاتے اور نیکبخت کی بدبخت اور گمراہ پر کچھ زیادتی اور بہتری نہوتی بلکہ ہدایت اور گمراہی کے معنی بوجھے نجاتے اور آدمی بھی
آسمان اور ستاروں اور ہوا اور خاک اور پانی اور آگ کی طرح چار اور ناچار قید اور بے بسی میں رہتا اور انسان کی پیدائش کے خاصے جو ایسی چیزوں میں
بالکل جدائی اور امتیاز سب مخلوقات سے چاہتے ہیں سب معطل اور بیکار ہو جاتے اور کیا نہ کیا برابر ہو جاتا اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ وَاِنَّ لَنَا
لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی اور بیشک ہمارے واسطے ہے اور ہمارے ہی تصرف میں ہے آخرت کا عالم اور دنیا کا عالم سو جو کوئی ہم سے آخرت
چاہتا ہے اُسکو ہم آخرت دیتے ہیں اور جو کوئی دنیا مانگتا ہے اُسکو ہم دنیا دیتے ہیں اور جو کوئی اِن دونوں کو طلب کرتا ہے تو ہم دونوں دیکر اُسکو سرفراز

کرتے ہیں اور اگر سب کو زبردستی اور زور سے آخرت کی راہ میں چلاتے تو دنیا کا کارخانہ خراب اور بیقدر ہو جاتا اور زیبائشیں اور بناوٹیں دنیا کی سب نیست اور نابود رہتیں اور کوئی شخص دنیا کے حاصل کرنے کی خواہش نکرتا سو دونوں جہان کے آباد کرنے کے واسطے خواہشیں اور ارادے بنی آدم کے بھانت بھانت کے کئے ہمنے اور ہر شخص کے دل میں محبت اور خواہش ایک کام کی جو کسی ایک کے دونوں جہانوں کی آبادی میں درکار اور مطلوب ہے ڈالی ہمنے ولنعم ما قیل یعنی کیا اچھی بات کہی ہے کسی شاعر نے ؎ ہر کسے را بہر کارے ساختند ٭ میل او را در دلش انداختند ٭ یعنی ہر کسیکو ایک کام کے لئے پیدا کیا ہے اور اُس کام کی رغبت اُسکے دل میں ڈالدی ہے اور جو فسنیسرہ للعسرٰی کی لفظ میں اُن سختیوں کا بیان جو بدکاروں کو پیش ہیں مجمل یعنے گول گول مذکور ہو چکا تھا اب اُن سختیوں میں سے جو بہت سخت اور بری ہے اُسکو ذکر کرکے ڈراتے ہیں **فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى** پھر ڈر سناتے ہیں ہم تمکو بھڑکتی آگ سے جسکی لپٹ دو سو برس کی راہ سے کافر کو اپنے اندر کھینچ لیگی اور وہ آگ خاص ہے کافروں کے واسطے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى** نہ پیٹھیگا اُسمیں مگر بڑا بدبخت کہ وہ کافر ہے اب یہاں پر جاننا چاہئے کہ بدبختی کئی قسم کی ہوتی ہے کسی کو دنیا کے ظاہر کاموں میں بدبخت کرتے ہیں کہ بدن اُسکا سخت بیماریوں میں گرفتار رہتا ہے اور ہر کسب اور دھندے میں مال پیدا کرنے سے محروم رہتا ہے یہانتک کہ آدمیوں کے نظروں سے گر پڑتا ہے اور سب کے نزدیک ذلیل اور بیقدر ہو جاتا ہے اور کسی کو آخرت کے کاموں میں بدبخت اور بے نصیب کرتے ہیں اور اُسکے بہت مرتبے ہیں کسی کو گناہ صغیرہ کے اصرار پر اور عبادت میں سستی کرنے پر مبتلا کرتے ہیں اور کسی کو گناہ کبیرہ کا مرتکب کرکے توبہ کی توفیق سے دور رکھتے ہیں اور کسی کو شرک اور کفر میں کہ بڑے درجے کی بدبختی کے مرتبے ہیں گرفتار کرتے ہیں پھر جو دنیا کے کام ایک دن نیست اور نابود ہونیوالے ہیں تو یہاں کی بدبختی چنداں اعتبار نہیں رکھتی ہے حقیقت میں بدبخت عند اللہ وہ شخص ہے جو آخرت کے کاموں میں بدبخت ہے اسمیں بھی دو قسم ہیں ایک اس قسم کے بدبخت ہیں کہ سختیوں کے دیکھنے اور عذاب کے چکھنے سے عالم برزخ میں اور حشر اور نشر کا ہول اور حساب اور میزان کا رنج اور مشقت کھینچنے سے قیامت کے میدان میں اور انبیاء اور اولیاء کی شفاعت سے اُنکی بدبختی بالکل جاتی رہیگی جیسے گنہگار صغیرہ پر اصرار کرنیوالے اور کبیرہ کرکے بے توبہ مرنیوالے اور دوسری قسم کے وہ بدبخت ہیں جنکی بدبختی ہرگز اُنسے جدا ہونیوالی نہیں ہے جیسے کافر اور مشرک کہ کسی کی شفاعت اُنکے حق میں کام نہ آویگی اور قبول نہوگی سو جو پہلی قسم میں مبتلا ہیں وے شقی ہیں اور جو دوسری قسم کے گرفتار ہیں وے اشقٰی ہیں اسیواسطے اشقی کی تفسیر میں یہ ارشاد ہوا **الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى** یعنی سب بدبختوں سے بڑا بدبخت وہ ہے جس نے دین کو جھٹلایا اور اللہ تعالی کے حکم سے منہ کو موڑا اور یہ تفسیر مطابق نہیں ہوتی مگر کافر پر اسواسطے کہ مسلمان کتنا ہی بڑا گناہ کرے لیکن دین کی تصدیق میں اُسکی کچھ فرق نہیں آتا یعنی دین اسلام کو ہرگز جھوٹا نہیں جانتا اور اللہ تعالی کے حکم کے قبول کرنے سے کبھی منہ نہیں موڑتا یعنی یہ نہیں کہتا ہے کہ یے حکم جھوٹے ہیں بلکہ یہی کہتا ہے کہ یے حکم برحق ہیں مگر نفس کی شامت سے مجھ سے ہو نہیں سکتے اب یہاں پر باقی رہا ایک سوال اور وہ سوال یہ ہے کہ جب اشقی سے مراد کافر ہوا تو آگ میں جانے کا انحصار کافر ہی کے واسطے ہوا اسکے کیا معنی ہونگے اسواسطے کہ گنہگار ایماندار کا آگ میں جانا اُسکے گناہ کی قدر ثابت ہے اسکا جواب یہ ہے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہاں وہ آگ مراد ہے جسکی لپٹ دو سو برس کی راہ سے کافروں کو کھینچ لیگی اور یہ آگ خاص ہے کافروں کے واسطے اور مومن گنہگار اگرچہ بقدر گناہ کے آگ میں رہیگا لیکن وہ آگ اور ہے یہ آگ نہیں ہے جو کافروں کے واسطے خاص ہے تو اس صورت میں حصر درست ہو گیا اور بعضے مفسروں نے اس شبہ کے جواب میں ایسا کہا ہے جو کہ مسلمان گنہگار کا دوزخ میں جانا چشم نمائی یعنی گھُرکی اور ادب دینے کے طور پر ہوگا تو گویا آگ میں جانا نہوا آگ میں جانا وہ ہے جسکے بعد کبھی نکلنا نہو ایسا جانا خاص ہے کافروں کے واسطے تو حصر ہے اس طرح کا داخل ہونا مراد ہے نہ مطلق داخل ہونا چنانچہ بولتے ہیں کہ کوئی نہ آیا مگر زید اور غنیمت نہ پائی مگر عمرو نے یعنی اترا جیسا چاہئے ویسا کوئی نہ اترا مگر زید اور غنیمت کا مال بہت کسی نے نہ پایا مگر عمرو نے اور جو اگلی آیت میں سیجنبہا الاتقی کی لفظ وارد ہے حصر کا حرف مذکور نہیں ہے تو وہاں یہ شبہ بھی نہیں وارد ہوتا ہے اور وہ جو بعضوں نے کہا ہے کہ جب نارًا تلظی کی لفظ سے خاص آگ مراد ہوئی جو کافروں کے نصیب ہے تو اُس آگ سے دور رہنے میں سب ایماندار شریک ہیں خاص اتقی کی تعریف کیونکر نہ کی گئی اُسکے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس آگ سے دور رہنا

بھی بہت طرحوں سے ہوتا ہے سوانتہا درجے کی اتقی کے واسطے ہے اور دوسرے مومنوں کو وہ دوری حاصل نہیں ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یجنبہا کی ضمیر آگ مطلق کی طرف پھرتی ہو اک مقید مذکور کے قرینے سے یعنی جب اُس آگ کا جو کافروں کے واسطے خاص ہے ذکر ہوا تو مطلق آگ بھی اسمیں پائی گئی تو اِس مطلق کی طرف ضمیر پھر سکتی ہے اور اُس صورت میں متقیوں کی تعریف بھی نکل آئی یعنی اس آگ سے بالکل بچ جاوینگے **وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى** اور نزدیک ہے کہ دور رکھا جاویگا اُس آگ سے جو بڑا متقی ہے اور اہل شرع کی اصطلاح میں تقویٰ اُسے کہتے ہیں جو کفر سے اور گناہ کبیرہ اور صغیرہ سے بچا رہے اور اگر کبھی کوئی گناہ اُس سے ہو جاوے تو اُس سے اُسیوقت نادم ہوکے توبہ اور استغفار کرے تاکہ اس گناہ کا اثر اور نشان دل پر باقی نہ رہے اور گناہ دل میں گھر کرنے نہ پاوے اور اتقی کا مرتبہ اس سے بھی بڑھکر ہے یعنی شریعت اور طریقت کے آداب کو بھی نہ چھوڑے اور گناہ کا خطرہ اور بری نیت کا خیال بھی دل میں نہ آنے دے اور اپنے ظاہر اور باطن کو ایکساں رکھے سو یہ باتیں بہت نادر اور کمیاب ہیں اللہ تعالیٰ جسکو اپنے کرم اور فضل سے یہ رتبہ نصیب کرے اُسکو ملتا ہے اور اس جگہ پر اتقی سے سب مفسروں کے نزدیک مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور یہ سورت انہیں کی شان میں نازل ہوئی ہے جیسے اشقی سے امیہ بن خلف مراد ہے کہ کفر کی شقاوت اور بدبختی اور بخل اور دوسرے گناہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ایذا کے ساتھ جمع کرکے اشقی کے مرتبے کو پہنچا تھا اور اہل سنت اور جماعت نے حضرت ابوبکر صدیق کی فضیلت اور بزرگی سب امت پر بعد پیغمبروں صلی اللہ علیہم کے سب باتوں میں سب مسلمانوں سے علیحدہ ہوتے ہیں نکالی ہے اور یہی آیت اسکی دلیل ہے اور تقریر اس دلیل کی اس طرح پر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حق تعالیٰ نے اتقی فرمایا ہے اور دوسری آیت میں فرمایا ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ یعنی بیشک بڑا بزرگ تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو بڑا متقی ہے تو ان دونوں آیتوں میں توفیق دینے سے ایسا ثابت ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آدمیوں میں بڑے بزرگ ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور یہی معنی ہیں افضلیت کے اور تفضیلی لوگ کہتے ہیں کہ یہاں پر اتقی سے مراد متقی ہے نہ یہ کہ جو سب سے زیادہ ہو تقویٰ میں وہ مراد ہو اسواسطے کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاشبہ کمتر تھے تو ان معنوں سے ان پر اتقی ہونا ثابت نہوا بلکہ یہ لفظ جناب رسالتماب صلے اللہ علیہ وسلم پر ... البتہ صادق ہوتی ہے اور جب اتقی تقی کے معنوں میں ہوا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا افضل ہونا سب امت پر ثابت نہوا اور اہل سنت انکے جواب میں کہتے ہیں کہ اتقی کو تقی کے معنوں میں کہنا عربی لغت کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو کہ ٹھیٹ عربی ہے ایسے معنوں پر ڈھالنا جو عرب کے محاورے کے خلاف ہو درست نہیں ہے اور جو ضرورت کہ ان معنوں کے مراد لینے میں بیان کرتے ہیں وہ مردود ہے کیونکہ کلام دوسرے آدمیوں میں ہے نہ پیغمبروں میں اسواسطے کہ شریعت کے قاعدوں سے معلوم ہوچکا ہے کہ سب پیغمبر بزرگی اور مرتبے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑے ہیں پیغمبروں کو دوسرے آدمیوں پر اور دوسرے آدمیوں کو پیغمبروں پر کسی امر میں قیاس نہ کیا چاہیے اسواسطے کہ ایسے لفظوں کے بولنے سے بزرگی اور بڑائی کے مقام پر عرف شرعی میں اُمت ہی مراد ہوتے ہیں پیغمبر ہرگز اس سے مراد نہیں ہوتے اور عرف کی تخصیص ذکر کی تخصیص سے قوی ہوتی ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص کہے کہ گیہوں کی روٹی دوسری روٹیوں سے اچھی ہوتی ہے تو اس کلام سے یہ نہ بوجھا جائیگا کہ بادام کی روٹی سے بھی بہتر ہوتی ہے باوجود اسبات کے کہ بادام کی بھی روٹی ہوتی ہے لیکن وہ اس کلام سے عرف میں خارج ہے اسواسطے کہ اس کلام کے بولنے سے وہ روٹی مراد ہے جو غلے سے ہو نہ وہ روٹی جو میوے سے بنی ہو اور بعضے اہل سنت و جماعت کے بزرگوں سے سنا گیا ہے کہ فرماتے تھے کہ اتقی یہاں اپنے اصل معنی تفضیل پر ہے یعنی وہ شخص کہ تقویٰ میں زیادہ ہو اپنے سوائے کل پر خواہ پیغمبر ہوں خواہ اُمت لیکن یہ خاص اُن لوگوں کی نسبت سے ہے جو زندہ ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آخر عمر میں بعد رحلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ اُنکی خلافت کا زمانہ تھا اس کلمہ کے مصداق ہوسکتے ہیں یعنی اتقی کا لفظ اُسوقت میں اُنپر صادق آتا ہے اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو زمین پر نہیں ہیں بلکہ آسمان پر ہیں تو دنیا والوں کے نزدیک مرے کا حکم رکھتے ہیں اور اتقی کو یہ لازم نہیں ہے کہ ہر وقت اور ہر شخص کی نسبت سے زندہ ہو یا مردہ تقویٰ میں زیادہ ہو اور اگر ایسا ہو کسیکو متقی کہنا بھی درست نہو اسواسطے کہ لڑکپن میں تقویٰ ہو نہیں سکتا ہے اور ہر منصب اور ہر مرتبے کو جو شرع میں محمود ہیں ان سب میں آخر عمر کا اعتبار ہے جیسے صالح ہونا یا غوث ہونا یا قطب ہونا یا ولی ہونا یا نبی ہونا اسیواسطے جو شخص کہ اپنی عمر میں ان مرتبوں کو پہنچے ہیں انکو بھی انہیں لقبوں سے ذکر کرتے

ہیں اگرچہ لڑکپن میں اور جوانی میں انکو یہ مرتبہ حاصل نہوا تھا تو معلوم ہوا کہ اتقی اُسی کو کہتے ہیں جو اپنی آخر عمر میں کہ وہی عملوں کے اعتبار کا وقت ہے اپنے زمانے کے لوگوں سے جو زندہ ہیں افضل ہو اور تقویٰ میں زیادہ پس اس تقریر سے اپنا مطلب ثابت ہوا بغیر تکلف اور تاویل کے اور جو دوزخ کی آگ سے دور رکھنے میں ابوبکرؓ کو اتقی فرمایا ہے تو اُسکے عمل اُنکے جو اس سورت کے اترنیکے وقت درگاہ الٰہی میں مقبول ہوئے تھے یاد فرماتے ہیں کہ **الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ** یعنی وہ تقویٰ والا اور ڈرنیوالا کہ اپنے مال کو دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں چنانچہ بلالؓ سے شخص کو اور سوائے اسکے دوسرے غلام اور لونڈیوں کو کہ اسلام لائے تھے اور اس اسلام لانیکے سبب سے انکے مالک انکو ایذا دیتے تھے اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے تھے ان سب کو اُن کافروں سے مول لیکر آزاد کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں میں اور ہجرت کے سفر کے سامان میں اور مسجد نبوی کی زمین کے خرید کرنے میں اپنے مال کو خرچ کیا اور غرض اسکی اُس مال خرچ کرنے سے یہی کہ **يَتَزَكَّى** اپنے تئیں پاک کرے اور مدام مال کے دینے میں اس نیت سے ترقی کرتا ہے اور اُسکا کمال نئے پودے کی طرح سے کہ پانی اور ہوا کے پہنچنے سے بڑھتا ہے روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے اسواسطے کہ زکوۃ کے لفظ میں دو معنی پائے جاتے ہیں ایک طہارت اور دوسرے زیادتی اور یہ دونوں باتیں اُسکو حاصل ہیں **وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى** اور نہیں ہے اُسپر کسیکا احسان کہ اس مال کے دینے سے اسکا عوض اور بدلا کیا جاوے ہرچند کہ مال کا دینا احسان اور سلوک کے بدلے میں بھی نیک ہے لیکن جو اُسمیں اپنا نام بھی منظور ہوتا ہے تو کمال اخلاص کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا ہے اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ کسی کا سلوک اور احسان مجھ پر ایسا نہیں ہے جس کا عوض اور بدلا دنیا میں میں نے اُسکے ساتھ نکیا ہو سوائے ابوبکرؓ کے کہ اُسکے احسان اور سلوک کا عوض میں نے نہیں کیا اسکا عوض اللہ تعالیٰ اُسکو قیامت کے دن عنایت فرماویگا اسی جگہ سے ثواب کا اندازہ اور مرتبہ کا کمال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بوجھا چاہئے کہ کسقدر ہے **ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ** اسپر بھی اگر کسی کو انکے مرتبے میں شک اور شبہ باقی رہے تو یہ سمجھ لے کہ ایمان کے آفتاب کا پرتو بلکہ پرچھانوا بھی اُسکے دل پر نہیں پڑتا **شعر** گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ❊ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ❊ اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دن پہلے اپنی وفات سے خطبہ پڑھا اور اُسمیں تعریف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہت ارشاد فرمائی اُسمیں سے یہ بھی فرمایا کہ کسی کا احسان مال کا اور سلوک اور حق الخدمت بدن کا اور جان کا مجھپر اسقدر نہیں ہے جسقدر ابوبکر کا ہے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دی اور مجھ سے مہر نہ لیا اور بلال کو اپنے خالص مال سے مول لیکر آزاد کیا اور مکے سے مدینے کو ہجرت کے سفر میں سب اسباب اور زاد راحلہ کا درست کرکے مجھکو پہنچایا اور اپنی جان اور مال سے ہمیشہ میری غمخواری کرتا رہا سو اب سب کے دروازے مسجد کی طرف سے بند کردو سوائے ابوبکرؓ کے دروازہ کے کہ اُسکو کھلا رہنے دو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کمال کا مرتبہ اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ علام الغیوب خود اُنکے دل کے اخلاص پر گواہی دیتا ہے اور اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ وہ یہ کام نہیں کرتا **إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ** مگر واسطے چاہنے رضامندی اپنے پروردگار کے جو سب بڑوں سے بڑا اور بزرگ ہے اور کسی طرح کی نفسانیت اس خرچ کرنے میں اُسکو منظور نہیں ہے بلکہ ثواب کا لالچ اور عذاب سے دوری بھی اُس دینے میں اسکے مقصود نہیں ہے چنانچہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غلاموں اور لونڈیوں کو جو اسلام لائے تھے بڑی بڑی قیمتوں سے خرید کرکے آزاد کیا ابو قحافہ جو آپکے باپ تھے اسبات پر نصیحت کرنا شروع کیا کہ اگر تمکو لونڈی غلاموں کا آزاد کرنا ہی منظور تھا تو اچھے چست اور چالاک جو سب کام کے قابل ہوتے اور تمہارے ہر کام میں مدد کرتے انکو لیکر آزاد کیا ہوتا تو کچھ فائدہ بھی تھا ایسے لونڈی غلاموں کو جو کسی کام کے نہیں ہیں مول لیکر آزاد کرنا اور پھر آزاد کرنے کے بعد اُنکے کھانے کپڑے کا بھی ذمہ دار ہونا اس سے کیا فائدہ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے جواب میں یہی کہا کہ اس کام سے مجھکو صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی منظور ہے اسکے سوائے کوئی دوسری چیز منظور نہیں ہے اور جامع عبد الرزاق میں صحیح طریق سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کا مال مسلمانوں میں سے میرے ایسا کام نہیں آیا جیسا ابوبکرؓ کا مال میری ضرورت پر کام آیا راوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلعم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال کو اس طرح سے صرف کرتے تھے جیسے کوئی اپنا مال خرچ کرتا ہے اور کسی طرح کی جدائی اور فرق اپنے اور ابوبکر کے مال میں نہیں جانتے تھے اور ابن ماجہ کی سنن میں مذکور ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے مال سے مجھکو اسقدر نفع نہیں ہوا جسقدر ابوبکر کے مال سے مجھکو نفع ہوا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں پر حاضر تھے گریہ و زاری کرکے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں بھی

آپ کا ہوں اور میرا مال بھی آپ کا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قصہ کو روایت کیا ہے اور بڑے کمال کے مرتبے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
کی یہ بات دلالت کرتی ہے کہ حق تعالیٰ نے جس طرح سے اپنے پیغمبر کی دلجوئی اور خاطر داری کے واسطے والضحیٰ کی سورت میں وعدہ فرمایا ہے کہ ولسوف
یعطیك ربك فترضیٰ اسی طرح سے اس سورت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واسطے وعدہ فرمایا ہے کہ **وَلَسَوْفَ يَرْضٰى** اور یقین ہے کہ
ابوبکر راضی ہوگا حق تعالیٰ سے یا حق تعالیٰ جل شانہ ابوبکر سے راضی ہوگا اسواسطے کہ یرضیٰ میں جو ضمیر ہے وہ دو احتمال رکھتی ہے ایک احتمال یہ ہے کہ
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف پھرے دوسرا احتمال یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف پھرے لیکن دونوں صورتوں میں اپنا مطلب حاصل ہے
ولنعم ما قیل یعنی کیا اچھی بات کہی ہے کسی شاعر نے شعر۔ بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف + گر بکشم زہے طرب ور بکشد زہے شرف
یعنی اگر اپنے نصیب کی مدد سے معشوق کا دامن ہاتھ میں آئے پھر اگر میں اسکو کھینچوں تو زہے نصیب میرے اور اگر وہ کھینچے تو زہے بزرگی اپنی اور حضرت
جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ کہا ہے انہوں نے کہ ہیں ور بہت سے مہاجر اور انصار ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے پاس حاضر تھے اور
لوگوں کی فضیلت اور بزرگیاں آپسمیں بیان کر رہے تھے کہ فلانا اس رتبہ کا ہے او فلانا اس رتبہ کا اسی گفتگو میں آوازیں ہماری بلند ہوئیں جناب رسالتمآب
صلی اللہ علیہ وسلم دولتخانہ مبارک سے تشریف شریف باہر لائے اور ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کس شغل میں مشغول ہو ہمنے عرض کیا کہ بعضے
لوگوں کی بزرگیاں بیان کرتے ہیں تب آپنے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اگر اس طرح کا ذکر ہے تو خبردار ابوبکر پر کسی کو بزرگ مت جانیو اسواسطے
کہ وہ افضل ہے تم سب کا دنیا اور آخرت میں اور ابو درداء سے دارقطنی میں صحیح سند سے روایت آئی ہے کہ کہا ابو درداء نے ایک روز میں آگے آگے حضرت ابوبکر صدیق
رضی اللہ عنہ کے راستے میں جاتا تھا کہ یکایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راستے میں مل گئے اور فرمایا کہ کیا تو اس شخص کے آگے آگے چلتا ہے جو دنیا اور آخرت میں
تجھسے بہتر ہے قسم ہے خدا کی کہ آفتاب طلوع اور غروب نہیں کیا ہے کسی پر بعد انبیاء اور مرسلین کے کہ وہ بہتر ہو ابوبکر سے اور ابن السمان کتاب الموافقہ میں
حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے روایت کرتا ہے کہ وے اپنے والد بزرگوار امام باقر سے اور وے اپنے والد بزرگوار امام زین العابدین سے اور وے اپنے والد
ماجد جناب سید الشہدا حضرت امام حسین سے اور وے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلعم سے
سنا ہے کہ آفتاب طلوع اور غروب نہیں کیا ہے کسی پر بعد پیغمبروں اور رسولوں کے کہ بہتر ہو ابوبکر سے اور حافظ بغداد کا خطیب جابر رضی اللہ عنہ سے روایت
کرتا ہے کہ میں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپنے ارشاد فرمایا کہ اسوقت ایک شخص ایسا آتا ہے کہ حق تعالیٰ نے میرے بعد
اس سے بہتر کسی کو پیدا نہیں کیا اور اسکی شفاعت قیامت کے دن پیغمبروں کی شفاعت کی مانند ہوگی جابر کہتے ہیں کہ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ حضرت ابوبکر
رضی اللہ عنہ تشریف لائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور انکی پیشانی پر بوسہ دیا اور بغلگیر ہو کر ایک ساعت انست حاصل کی اسبات سے معلوم
ہوا کہ جس طرح سے رضامندی حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی شفاعت میں منحصر ہے اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بھی رضامندی
امت کی شفاعت میں ہے اسواسطے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رضا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا میں فانی تھی اور بس واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

سُورَۃُ الضُّحیٰ

تمہید

والضحیٰ کی سورت مکی ہے اسمیں گیارہ آیتیں اور چالیس کلمے اور ایک سو بانوے حرف ہیں اور اسکو سورۂ والضحیٰ اسواسطے کہتے ہیں کہ اس سورت میں اول
قسم ضحیٰ کی کھائی ہے اور ضحیٰ کے معنی دن چڑھے کا وقت اور آفتاب بلند ہونے کا وقت ہے اور اسوقت کا ہر روز میں رات کے اندھیرے کے بعد آنا وحی بار بار
آنے کی دلیل ہے اور اس سورت کے نازل ہونے سے یہی مقصود ہے کہ وحی اکثر اوقات آیا کرے اسواسطے کہ اسکے نازل ہونے کا سبب ایسا کہتے ہیں کہ جب رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں اسلام کی دعوت شروع کی اور لوگوں کو مسلمانی کی راہ پر بلانے لگے تب مکہ والوں نے مدینے کے یہودیوں کے پاس آدمی
بھیجے کہ ہم میں سے ایک شخص ایسا پیدا ہوا ہے جو نبوت اور پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے اسکے دعوے کی سچائی آزمانے کے واسطے کچھ نشانی بتلاؤ کہ تم اہل کتاب ہو

اور پیغمبروں کی نشانیوں سے خوب واقف ہوتا کہ اُس نشانی سے ہم اُسے امتحان کریں یہودیوں نے کہا کہ تم اُس سے تین چیزیں پوچھو سکندر ذوالقرنین
کا احوال اور اصحاب کہف کا قصہ اور روح کی حقیقت مکے کے کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اُن تین چیزوں کا سوال کیا آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں ان تینوں چیزوں کی خبر تمکو کل دونگا اور اسوقت انشاء اللہ تعالیٰ کہنا آپ کی زبان مبارک پر نہ آیا تو کئی دن تک وحی
کا آنا بند رہا بعضے کہتے ہیں دس دن تک اور بعضے پندرہ دن تک اور بعضوں نے اس سے بھی زیادہ کہا ہے یعنی چالیس دن تک وحی نہ آئی اس سبب سے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا غم ہوا دشمن اسکی خوشی سے طعنے اور بدگوئی کرنے لگے یہانتک کہ ابولہب سر مجلس کہتا تھا کہ ان محمدا ودعہ ربہ وقلی
یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسکے خدا نے چھوڑ دیا اور ناخوش ہوا اور ابولہب کی دو جورؤوں سے ایک جورو بڑی بے شرمی اور ہنسی ٹھٹھولی سے
کہ عورتوں کی طبیعت میں ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور شریف میں آکر بولی کہ ما اری شیطانک الا قد ترکک یعنی تیرا شیطان
جو تیرے پاس آتا تھا تجھ کو چھوڑ کر چلا گیا ایسی وحشت ناک باتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ غم ہوا اور بی بی خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا
کے پاس جاکر یہ بات کہنے لگے اُسی حالت میں یہ سورت نازل ہوئی اور اُسکے شروع میں دن رات کا آنا جانا اور عالم میں روشنی اندھیرے کے ہیر پھیر
کا بیان فرمایا تا اس امر کو سمجھیں کہ دنیا کی چال ڈھال ایک حال پر نہیں کبھی روز روشن سارے جہان کو روشن کرتا ہے اور کبھی اندھیری رات اندھیرا
کر دیتی ہے جیسا نور ہمیشہ قیام نہیں کرتا ویسا اندھیرا بھی سدا نہیں ٹھیرتا اندھیرے کے بعد اُجالا آتا ہے اور اُجالے کے بعد اندھیرا ہو جاتا ہے اسی موجب
وحی کا آنا اور اُسکا بند ہونا سمجھا چاہیے اگر کبھی روز اٹک جاوے تو دلتنگ نہوا چاہیے کہ اُسمیں بھی حکمتیں ہیں جس طرح رات کے آنے میں حکمتیں ہیں +

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالضُّحٰی قسم کھاتا ہوں میں ضحیٰ کے وقت کی یعنے پہر دن چڑھے کی کہ آفتاب بلند ہونے کا اور اُسکی بادشاہی ظاہر ہونے کا وقت ہے اسلیے کہ
آفتاب رات میں دو چالیں چلتا ہے ایک چال چڑھنے کی کہ آدھی رات ہونے سے شروع ہوتی ہے اور دوپہر دن تک رہتی ہے اور یہ ضحیٰ کا وقت آفتاب کی
اس پہلی چال کی انتہا کا وقت ہے تو یہ وقت نزول وحی کے وقت سے کہ ربانی اور امکانی حقیقتوں کے پورے ظاہر ہونے کا وقت ہے نہایت مشابہت رکھتا
ہے اور یہ وقت اور بھی خصوصیتیں رکھتا ہے ایک یہ کہ روزی کی تلاش کا اور علم و ہنر حاصل کرنے کا اکثر یہی وقت ہے دوسرے یہ کہ یہ وقت فرض نماز سے خالی ہے اور اس کا
نفل عبادت کے واسطے فراغت تیسرے یہ کہ اسیوقت میں خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کیا تھا چوتھے یہ کہ اسیوقت میں فرعون کے جادوگر موسیٰ
معجزہ دیکھکر ایمان لائے تھے اور سجدہ کیا پس یہ وقت نور حق کے کمال ظاہر ہونے کا وقت ہے باطل کے اندھیرے پر کہ اسکا اثر اگلی امتوں پر ہو گیا تھا پانچویں یہ
کہ ضحیٰ کی نماز جسکی ادنیٰ چار رکعتیں اور اعلیٰ بارہ رکعتیں ہیں اور اُس نماز کی بہت سی فضیلتیں جو حدیث شریف میں آئی ہیں اسیوقت میں مقرر ہے
اور تجربہ والوں نے کہا ہے کہ جو فقر و فاقہ سے ڈرتا ہو تو اُسے چاہیئے کہ ضحیٰ کی نماز پڑھا کرے اور جو قبر کی اندھیری سے ڈرتا ہو تو چاہیئے کہ تہجد کی نماز پڑھتا رہے
اور مشایخوں کے اوراد میں مقرر ہے کہ ضحیٰ کی نماز کی چار رکعتوں میں یہ چار سورتیں سورۂ والشمس اور سورۂ واللیل اور سورۂ والضحیٰ اور سورۂ الم نشرح پڑھتے
ہیں **وَاللَّیۡلِ اِذَا سَجٰی** یعنی میں سوگند کھاتا ہوں رات کی اُسوقت کہ اپنی اندھیری سے چیزوں کو خلایق کی نظروں سے ڈھانک لیوے
اور ڈھانک لینا رات کا جب ہوتا ہے کہ اُس رات میں چاند اور مشعل و شمع اور چراغ کی روشنی نہووے اس طور کی رات جاہلیت کے زمانہ کا نمونہ ہے
اور ضحیٰ کا وقت کہ نور کے کمال کا وقت ہے سو وحی کے نازل ہونیکے وقت کا نمونہ ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد وحی
منقطع ہونے سے اور اُنکے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے باقی رہنے سے گویا کہ رات آئی لیکن ایسی رات کہ اُس رات میں شروع سے آخر تک چاند کی
چاندنی موجود ہے اور جیسا کہ چاند آفتاب کا خلیفہ ہے کہ اُسکی روشنی اپنی ذات میں سمٹ کر عالم کے روشن کرنے کو اُس آفتاب کی جگہ پر بیٹھا ہے ویسا ہی
خلفاے راشدین رضی اللہ عنہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے نور حاصل کرکے اپنے نور سے روشن کیا ہے اور خلافت کا زمانہ گزر جانے

روز کے ذکر سے شروع کیا کہ نور ایمان کی مانند ہے اور اس جگہ ایک لطیفہ اور ہے کہ اگر شروع میں رات کو ذکر کریں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مناسب ہے پھر اس سے اوپر چڑھیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملیں کہ دن کی مانند ہیں جیسا کہ رات کے بعد دن آتا ہے اور اگر روز کو شروع میں ذکر کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے بعد ازاں اُتریں بلا فاصلہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پاویں کہ رات کی مانند ہیں کیونکہ روز کے پیچھے بلا فاصلہ رات آتی ہے اور اس لطیفے سے اُن دونوں بزرگواروں کی رفاقت ایک تن ایک من کی بہت اچھی طرح سے جلوہ گر ہوتی ہے چنانچہ اِس رفاقت کا اثر غار کے قصے سے اور ایک جگہ مدفون ہونے سے اور دوسری صحبتوں سے ظاہر ہوا ہے حاصل کلام اس سورت کے شروع میں دن اور رات کی قسم آئی ہے سو گویا اسمیں یہ اشارہ ہے کہ ہم کبھی دن کی ساعتیں گھٹاتے ہیں اور رات کی ساعتیں بڑھاتے ہیں اور کبھی اُسکے برعکس یعنی دن کی گھڑیاں زیادہ کرتے ہیں اور رات کی گھڑیاں کم کرتے ہیں اور یہ گھٹانا بڑھانا کم زیادہ کرنا کچھ محبت اور عداوت کی راہ سے نہیں ہے بلکہ حکمت کے طور سے ہے اِسیطرح رسالت اور وحی نازل ہونیکے مقدمے کو سمجھا چاہئے کہ کبھی حبس ہے یعنی بند اور کبھی فیضان یعنی جاری اور یہاں ایک لطیفہ یہ ہے کہ جب کافروں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان کیا کہ تجھکو تیرے پروردگار نے چھوڑ دیا اور رخصت کیا اور مدعی ہوئے تب مدعی پر شاہد لانا اور منکر پر قسم کھانا ضرور پڑا تو پہلے انکو کہا کہ تم اس دعوی کے شاہد لاؤ جب شاہد لانے سے عاجز ہوئے تب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قسم کھانا لازم ہوا تو دن اور رات کی قسم کھا کر اُنھوں کے مدعا کا انکار کیا اور اس قسم میں اشارہ ہے کہ دن رات بھی بڑھنے اور گھٹنے سے نہیں بچتے تجھ کو کہاں سے طمع رکھنی چاہئے جو خلق کی زبان سے بچے اور یہ بھی ہے کہ رات تنہائی اور وحشت کا وقت ہے اور دن ملنے جلنے کام دھندے کا وقت ہے پس گویا ایسا فرمایا کہ خوش رہا کرو کہ وحی بند ہونے کی وحشت کے بعد تجھے فرشتوں کے ساتھ مل بیٹھنا میسر ہوگا اور یہ بھی ہے کہ دن عیش و عشرت کا وقت ہے اور رات کلفت اور وحشت کا وقت ہے اور دن سے ضحی کا وقت پسند کیا اور اسکی قسم کھائی اور رات کی قسم کھانے میں ساری رات لایا اسمیں اسبات کا اشارہ ہے کہ دنیا کے غم اُسکی خوشی سے بہت زیادہ ہیں اور بعضے مفسروں نے یوں کہا ہے کہ ضحی سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن ہے اور لیل سے مراد معراج کی رات اور بعضے کہتے ہیں کہ ضحی سے مراد رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا چہرۂ مبارک ہے اور لیل سے مراد آں سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے بال کہ سیاہی میں رات کی مانند ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ ضحی سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دن اور لیل سے مراد آں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت میں مشغول ہونے کی رات اور بعضے کہتے ہیں ضحی سے مراد اس علم کا نور ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا اور اُسکے سبب سے عالم غیب کے اسرار روشن اور منکشف ہوئے اور لیل سے مراد عفو اور بخشش کا خلق ہے جس سے اُمت کے عیبوں کو ڈھانک لیا اور بعضے کہتے ہیں کہ ضحی سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہری احوال ہے جو خلق اللہ اس سے آگاہ ہوئی اور لیل سے مراد اُنکا باطنی احوال کہ حق تعالی کے سوا کسی کو اُسکی خبر نہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ ضحی سے مراد اسلام کا اقبال ہے اور لیل سے مراد اسلام کے غریب و درست ہونے کا زمانہ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے ان الاسلام سیعود غریبًا یعنی تحقیق اسلام نزدیک ہے کہ غریب و درست ہو جائیگا اور بعضے کہتے ہیں کہ ضحی سے مراد زندگانی کا وقت ہے اور لیل سے مراد قبر میں جانے کا وقت اور یہ سب باتیں ہو سکتی ہیں

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ یعنی تیرے پروردگار نے تجھ کو جدا نکیا اور ناخوش نہ رکھا یعنی وحی بند ہونے کی مدت جو دراز ہوئی سو اسواسطے نہیں کہ اللہ تعالی کی تربیت کرنے میں کچھ قصور ہے یا تمہارے کمال کی صفاتوں میں کچھ نقصان اور فتور بلکہ کسی حکمت کے واسطے ہے اور عنقریب پھر وحی کا آنا ہوگا جیسے دن جلدی سے رات کے بعد پھر آتا ہے اگر بعضے اوقات بشریت کے اندھیرے کے آجانیکے باعث وحی کا بند ہونا ہو تو کچھ اندیشہ نہ کر آخر نور حق کا غالب آویگا اور ظلمت بشریت کو بالکل مٹا دیویگا اور وصال بے فراق حاصل ہوویگا چنانچہ فرماتے ہیں

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝

اور بیشک پچھلی ہر حالت بہتر ہے تیرے واسطے اگلی معاملت سے یہاں تک کہ تیری بشریت اصلا نرہیگی اور نور حق کا غلبہ ہمیشہ تجھپر رہا کریگا اور اگر آخرت کو بعد الموت کے احوال پر خیال کریں تو بھی بجا ہے آخرت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سرداری کا مرتبہ اور اُنکی طرف سارے عالم کا

رجوع لانا اور انکی مبارک ذات کے چشمے سے بخشش اور فیض الٰہی کا جاری ہونا نہایت زور شور اور اوج پر ہوگا یہانتک کہ قیامت کے دن سب اگلے
پچھلے لوگ انکی شفاعت کے محتاج ہونگے اور انکے جھنڈے کے تلے چھاؤں میں آرام پاوینگے اور انکے حوض کوثر کے پانی سے سیراب ہونگے اور مراتب اور مکانات
بانٹ دینا انہیں سے ہوگا یعنی جسکو جس لائق دیکھینگے ویسے اسکو مرتبے اور منزلیں تقسیم کردینگے اور ربّک کے لفظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی
تسلی ہے یعنی کہاں ہوسکتا ہے کہ جس خاوند نے تمکو اس مرتبے سے پرورش کیا ہو اور ایسی طرح بطرح کی تربیتیں تمہارے حق میں عنایت فرمائی ہوں اس
حدتک کہ اپنے نور کی تجلی بیواسطہ اور بیوسیلہ کسی مرشد اور پیغمبر کے تمہاری مبارک روح پر نازل کی ہو وہ تمکو چھوڑے اور جدا کرے یہ بات مجازی خاوندوں
سے بھی بعید ہے چنانچہ مشہور ہے کہ اپنے نوازے اور سرفراز کئے ہوئے کو گرایا نہ چاہیئے تو اس حقیقی خاوند کی کیا بات کہ جو ہر چیز کے پیدا ہونیکے پیشتر اسکے
حوصلے اور اسکے عمل سمجھ بوجھکر ہرایک کو کسی مرتبے اور منصب سے ممتاز اور مخصوص کرتا ہے اور بیشک کیا خوب کہا ہوا ہے **رباعی** چوں بعلم ازل مرا
دیدی + دیدی انگہ بعیب بگزیدی + من بعیب آن و تو بعلم ہماں + ردمکن انچہ خود پسندیدی + (ترجمہ) جس گھڑی تو نے مجھے علم ازل سے دیکھا دیکھا
اور عیب کے ساتھ اس گھڑی برگزیدہ کیا + میں ہوں وہ عیب سے اور علم سے ہے تو بھی وہی۔ ردنکر تو نے جو کچھ آپ پسندیدہ کیا + یہاں سمجھا چاہیئے کہ جب کوئی صاحب
مہربان قدردان اپنے نوکروں سے ایک نوکر کو کسی خدمت پر مامور اور مقرر کرتا ہے اور وہ نوکر بڑی کوشش و بکمال استقلال سے اس خدمت میں مشغول رہتا
ہے تب حاسد بہتانی اور غیبتی اس نوکر کی دل شکنی کے درپے ہوکر جھوٹی باتیں بے اصل مشہور کرتے ہیں کہ فلانا اپنے خاوند کی نظر سے گرا اور اس خدمت سے کہ
مشغول تھا معزول ہوا تو ایسے وقت اس خاوند کو نہایت الطاف اور اشفاق کی رو سے اس نوکر کی دلداری کرنا اور تسلی دینا لازم ہوتا ہے اور ان جھوٹی
باتوں کے سننے سے جو اسکے دل پر گرانی اور آزردگی کا اثر پہنچا ہے سو دفع کرنیکے واسطے خلعت اور انعام اور اسکے منصب کی ترقی کا وعدہ دینے سے اسکو
ممتاز اور مخصوص کرتا ہے سو اسی نوع کا یہ کلام ہے **وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ** یعنی اور بیشک دیویگا تجھکو پروردگار تیرا
اسقدر کہ تو راضی ہوگا اور اس سے تیرے استعداد اور حوصلے کا جام بھرپور ہوجاویگا اور کچھ آرزو اور خواہش باقی نرہیگی اور یہ وعدہ نہایت وسعت اور
فراخی رکھتا ہے خصوصاً وہ مخاطب یعنی وہ پیغمبر جنکو یہ وعدہ دیا ہے ایسے پیغمبر عالیشان ہیں انکے حوصلے اور استعداد پر نظر کرکے دیکھا چاہیئے کہ کسقدر اور کیا
الٰہی بخششیں اور عنایتیں انکو دی جاوینگی تا محظوظ اور خوشنود ہوویں اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جسوقت یہ آیت نازل ہوئی اسوقت رسول کرم
صلی اللہ علیہ وسلم اصحابوں سے بولے کہ میں ہرگز راضی نہیں ہونے کا جبتک کہ اپنی امت سے ایک ایک آدمی کو بہشت میں داخل نکرونگا اور اس جناب
رسالت مآب کے حق میں انکی روح مبارک پیدا ہونے کی ابتدا سے بہشت میں داخل ہونے تک جو جو الٰہی بخششیں اور عنایتیں عطا ہوئی ہیں اور ہوتی جو
اور ہووینگی سو قیاس کے احاطے سے اور بیان کرنے کی حد سے باہر ہیں انمیں سے کچھ مجمل اور خلاصہ بیان کرنے میں آتا ہے سمجھا چاہیئے کہ جب کوئی کسی کو اپنے
وسیلے رکھنے والوں سے اپنا پیارا اور محبوب کرتا ہے تو اسکو بہت چیزوں سے پوشاک میں سواری میں بیٹھنے کی جگہ میں اور اس سوا اور احوالوں میں
ممتاز فرماتا ہے تا اسکا پیارا پنا اور محبوبیت خاص و عام کی نظر میں جلوہ گر ہوجائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خصوصیتیں جناب قدس الٰہی
سے حاصل ہوئی ہیں سو دو قسم کی ہیں پہلی قسم وہ ہے جسمیں اور پیغمبر بھی شریک ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ نعمت سب سے آگے اور ان سب
سے زیادہ دی ہے اور اس سبب سے انکو ان سب سے ممتاز فرمایا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو انھیں کو مخصوص ہے اور خاصہ انہی کا ہے دوسرے
کسی کو اسمیں شراکت اور بہرہ نہیں اور یہاں مختصر کرنیکے سبب ان دونوں قسموں سے باہم ملاکے کچھ تھوڑا سا بیان کرتا ہوں تاکہ اس آیت کے معنی
بہت اچھی طرح سے سننے والوں کے ذہن میں گذریں اور دلنشین ہوویں ان خصوصیتوں سے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں
تھیں ایک یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیٹھ کے پیچھے ایسا دیکھتے تھے جیسے روبرو اور رات کے وقت اور اندھیرے میں ایسا دیکھتے تھے جیسا دن
کو اور روشنی میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک کا لعاب کھاری پانی کو میٹھا کرتا تھا اور شیرخورے بچوں کو اپنے منہ کے لعاب سے ایک قطرہ
چکھاتے تھے تو وہ بچے سارا دن پیٹ بھرے رہتے تھے دن بھر دودھ طلب نکرتے تھے چنانچہ عاشورے کے دن اہل بیت کے بچوں سے تجربہ ہوا ہے اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین سفید رنگ اُجلی شفاف تھیں اُنہیں اصلا بال کا نام نہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اتنی دور جاتی تھی جو
اوروں کی آواز اُسکے دسویں حصے تک نہ جاتی تھی اور آپ کی آواز اتنی دور سے سنتے تھے جو اوروں کی آواز اُس پلے سے سُن نہ سکتے تھے اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سو جاتی تھیں اور دل جاگتا رہتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری عمر میں جمھائی نہ آئی اور کبھی احتلام
نہوا اور اُنکے بدن مبارک کا پسینا مشک سے بہت خوشبودار تھا یہاں تک کہ اگر کسی رستے سے تشریف لیجاتے تو لوگ اُنکے پسینے کی خوشبو کے سبب سے
جو اس ہوا میں پھیل رہتی تھی معلوم کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس رستے سے تشریف لیگئے ہیں اور کسی آدمی نے اُنکے جھاڑے کو
زمین پر نہ دیکھا زمین پھٹ کر نگل لیتی تھی اور اُس جگہ سے مشک کی خوشبو نکلتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تولد کے وقت ختنہ کئے ہوئے ناف
کٹے ہوئے اور پاک صاف کہ اصلا اُنکے بدن مبارک پر پلیدی کا اثر نہ تھا پیدا ہوئے اور زمین پر سجدہ کرتے ہوئے اور اپنی شہادت کی اُنگلی آسمان
کی طرف اُٹھائے ہوئے آئے اور اُنکے تولد کے وقت ایک نور چمکا اور ایسی روشنی ہوئی جو اُنکی ماکو اُس روشنی کے سبب سے شام کے شہر نظر آئے اور فرشتے
اُنکا جھولا جھلاتے تھے اور چاند اُنکے ساتھ بچپن کے وقت جھولے میں باتیں کرتا تھا اور جب آپ اُسکو اشارہ کرتے تو اُنکی طرف جھکتا تھا اور بارہا جھولے میں
جھولتے کلام کیا ہے اور بادل اُنپر ہمیشہ دھوپ کے وقت سایہ کرتا تھا اور اگر جھاڑ کے تلے آتے جھاڑ کا سایہ اُنکی طرف متوجہ ہوتا تھا اور اُنکا سایہ زمین پر گرتا نتھا
اور اُنکی پوشاک پر کبھی مکھی بیٹھتی نہ تھی اور اگر آپ کسی جانور پر سوار ہوتے تو وہ جانور آپ کی سواری کی مدت تک لید اور پیشاب نکرتا تھا اور عالم ارواح میں
جو اول پیدا ہوا سو آپ تھے اور پہلے جس نے الست بربکم کے جواب میں بلیٰ کہا سو بھی آپ تھے اور معراج اور براق کی سواری بھی مخصوص
آپکو تھی اور آسمان پر جانا اور قاب قوسین تک پہنچنا اور دیدار الٰہی سے مشرف ہونا اور فرشتوں کو اُنکی فوج اور سپاہ بنانا کہ لشکر کی طرح اُنکے ہمراہ
ہو کر لڑے یہ بھی خاص اُنھیں کا ہے اور چاند کا دو ٹکڑے کرنا اور دوسرے عجائب معجزے بھی اُنہیں کے ساتھ مخصوص ہیں اور قیامت کے دن جتنا کچھ اُنکو
ملیگا اُتنا کسی اور کو نہ ملیگا اور جو پہلے قبر سے اُٹھیگا سو آپ ہونگے اور جو پہلے بیہوشی سے ہوشیار ہوگا سو بھی آپ ہونگے اور اُنھیں کو حشر میں براق پر
لاوینگے اور ستر ہزار فرشتے اُنکے چوگرد ہونگے اور اُنھیں کو عرش عظیم کے داہنی طرف کرسی پر بٹھاوینگے اور مقام محمود سے مشرف کرینگے اور لواء الحمد یعنی الحمد کا
جھنڈا اُنکے ہاتھ دیوینگے کہ حضرت آدم اور اُنکی تمام اولاد اُسی جھنڈے کے تلے ہونگے اور سارے انبیا اپنی اُمتوں سمیت اُنہی کے پیچھے چلینگے اور پروردگار
کا دیدار دیکھنا پہلے اُنہی سے شروع ہوگا اور اُنھیں کو شفاعت عظمیٰ سے مخصوص کرینگے اور پل صراط پر جو پہلے گذر کریگا سو آپ ہی ہونگے اور محشر کی
ساری خلایق کو حکم ہوگا کہ اپنی آنکھیں بند کر لو تا اُنکی بیٹی حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پل صراط پر سے تشریف لیجاویں اور پہلے جو بہشت کا
دروازہ کھولیگا سو آپ ہونگے اور اُنھیں کو قیامت کے وسیلے کے مرتبے سے مشرف کرینگے اور وہ وسیلہ ایک ایسا نہایت بلند مرتبہ ہے جو مخلوقات سے کسیکو
میسر نہوا اور اُسکی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن جناب الٰہی سے قرب منزلت میں ایسے ہونگے جیسا وزیر بادشاہ سے اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریعتوں میں جن چیزوں سے مخصوص ہیں سو بہت ہیں اُنکی گنتی طول طویل ہے اُنمیں سے ایک یہ ہے کہ اُنکو کافروں
کی غنیمت کا مال حلال کیا اور اُنکے واسطے زمین کو مسجد بنا دی یعنی جس جگہ چاہیں نماز پڑھیں اور اُنکے واسطے زمین کی مٹی کو پاک اور پاک کرنیوالی
کیا اور پانچ وقتوں کی نماز اور وضو اس طریق سے اور اذان اور اقامت اور سورۂ الحمد اور آمین اور جمعہ کا روز اور قبولیت کی ساعت جو جمعہ کے روز میں ہے
اور رمضان شریف اور شب قدر کی برکتیں کہ یہ سب اُنہی کے واسطے مخصوص ہیں اور یہ خصوصیتیں دریافت کرنے کو تھا ہر نظر پہنچتی ہے اور آپ کی وے
خصوصیتیں جو باطنی مراتب کے بموجب ہیں اور وہ انوار اور وہ تجلیات جو روز بروز بڑھتے اور زیادہ ہوتے جاتے ہیں اور وہ احوالات اور مقامات جو اُنکے تابعوں
کو اُنکی پیروی اور تابعداری کرنیکے طفیل سے حاصل ہوئے اور ہوتے ہیں اور قیامت تک حاصل ہونگے اور وہ علوم اور عرفان جو اُنکو عطا ہوئے ہیں سو بے نہایت
ہیں اور اس ولسوف کی آیت میں ان سب چیزوں کا اشارہ ہے یعنی یہ سب تمھیں ملینگے اسواسطے عطا کو خاص نہ کیا یعنی یہ کچھ اور اتنا کچھ نہ فرمایا اور
جس وقت کسی کو کچھ نعمت زمان مستقبل میں دینے کا وعدہ کرتے ہیں تو جو نعمت زمان ماضی میں دی ہوئی تھی اس نعمت کے شاہدوں اور علامتوں

اپنے اس وعدے کو مکمل اور مضبوط کرتے ہیں تا پچھلے وعدے کو اگلے وعدے پر قیاس کرے اور اُمید اُسکی قوی ہوجاوے اسیواسطے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وعدے کے بعد اُن اگلی خدمت کے اور بدون درخواست کرنیکے ملی تھیں اور کبھی کسی کے خیال میں نہیں آتا کہ وہ نعمتیں کسی خدمت اور ثواب کے عوض میں ملی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں **اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَاٰوٰى** کیا نہیں پایا تجھ کو یتیم پھر جگہ دی اس نعمت کا بیان یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ماں کے پیٹ میں تھے آپکے والد عبد اللہ نے وفات پائی اور جب تولد ہوئے اور قریب چھ برس کے تھے کہ آپ کی والدہ نے انتقال کیا پھر اُسکے دو برس کے بعد آپکے دادا عبد المطلب نے بھی رحلت کی اور آپ کو تین طرح کی یتیمی باپ ماں اور دادا کے گذر جانے سے حاصل ہوئی اور اس طور کی حالت میں اندیشہ وہ تھا کہ لڑکا ضائع ہوجاوے اور بخوبی پرورش نہ پاوے اللہ تعالیٰ نے ابتدا سے آپ کی پرورش ہونے کی صورت اس طرح پر ظاہر فرمائی کہ والد کے انتقال کے بعد انکی ماں کے اور دادا عبد المطلب کے دل میں آنحضرت کی محبت ایسی بڑھائی کہ اشفاق پدری کے قائم مقام ہوئی اور دن اور رات آنحضرت کی محبوبی اور دلبری کے کرشمے اُنکی ماں اور دادا کو دکھلاتا تھا تا عاشق ہوکر عاشقوں کی طور پر انکے پالنے اور سنبھالنے میں بڑی کوشش کرتے تھے اور اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے پھر جب عبد المطلب کی وفات کا وقت آیا تب انھوں نے آنحضرت کو اپنے بیٹے ابوطالب کو جو آپ کے حقیقی چچا تھے سپرد کیا اور نہایت تاکید سے آپ کی خدمت اور خبرگیری کی ترغیب دی ابوطالب انکی تاکید اور وصیت کے موافق حضرت کی خبرداری اور خدمتگاری میں نہایت سرگرم رہتے تھے اور اس بیچ میں باطنی تربیت اور تعلیم الٰہی مخفی نیک اخلاق اور پسندیدہ آداب پر لانے میں اپنا کام کرتی تھی یعنی اُنکی چال چلن اور سارے لچھن سب کو من بھاونے لگتے تھے یہانتک کہ حد بلوغ کو پہنچے اور بالغ ہوئے اور کمالات کی خوبیاں جمع کرکے اپنی قوم کے عزت بخش اور فخر خاندان ہوئے **وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى** اور پایا تجھ کو راہ بھولا ہوا پھر راہ بتائی تجھے اس ہدایت اور ضلال کا بیان وہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بالغ ہونیکے بعد کمال عقل اور دانائی کے سبب سے اسقدر معلوم ہوا کہ بتوں کی پوجا اور کفر و جاہلیت کی رسمیں سب بے اصل اور پوچ ہیں تو حق دین کے کھوج اور تلاش کے درپے ہوئے اور بڑے بوڑھوں کی زبان سے سُنا کہ ہمارا اصل دین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال بندھا اور یہ تدبیر سوجھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خدا کی طرف پورا رجوع ہوجاؤں اور اُسکی عبادت بندگی کروں لیکن جب دین ابراہیمی نہ کسیکو یاد رہا تھا اور نہ کسی کتاب میں لکھا ہوا اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتاب پڑھ سکتے تھے بالضرور اس دین کے احکام کی کھوج اور تلاش کرنے میں بیقرار ہوکر تسبیح تہلیل تکبیر اعتکاف جنابت کا غسل حج کے مناسک ادا کرنے اور خلوت اور گوشہ نشینی سے اور اسی نوع کے اور دوسرے امورات سے جسقدر معلوم ہوا اسقدر مشغول رہتے تھے اُسوقت تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی سے آنکو پاک دین کے اصول پر مطلع فرمایا اور آگاہ کیا اور اس پاک دین کے فروع بھی بہت اچھی طرح سے انکے لئے معین و مقرر فرمائے اسدم وہ اُنکی بیقراری جو حق دین نہ پانے کے سبب سے تھی جاتی رہی گو یا اپنی کھوئی ہوئی چیز پائی اور جس راہ سے چلا چاہتے تھے اور وہ راہ سوجھ پڑتی نہ تھی سو راہ آپکو دکھلائی اس باعث اس راہ کے نہ پانے کی بیقراری کو راہ بھولنے سے نسبت دی یعنی ضالاً فرمایا اور تفسیر والے جنہوں نے یہ بات جیسی چاہیئے ویسی پوری نہ سمجھی سو اس بھولنے کی تفسیر میں بہت دور جا پڑے بعضے کہتے ہیں ضلال سے مراد ظاہر کی راہ بھولنی ہے جو لڑکپن کی حالت میں مکے کے پہاڑوں کے بعضے دروں میں گھر کی راہ بھولکر حیران بھٹکتے پھرتے تھے کہ ابوجہل اونٹنی پر سوار اچانک اُدھر جا نکلا اور آپ کو اُٹھا لے اونٹنی پر سوار کر عبد المطلب کے پاس لے آیا اور کہنے لگا ہم نہیں جانتے کہ اس تیرے بیٹے سے ہمکو کیا پہنچیگا عبد المطلب نے پوچھا کیوں ابوجہل بولا کہ میں نے اس لڑکے کو فلانے درے میں رستا بھولا ہوا بھٹکتا پایا سو اسکو اُٹھا کر پہلے اپنی بیٹھ کے پیچھے سوار کر لیا تو اونٹنی ہرگز نہ چلی بیٹھ بیٹھ جاتی تھی جب اسکو میں نے اپنے آگے بٹھلایا تب یہ اونٹنی اٹھکر چلنے لگی اس قصہ میں حضرت موسیٰ کے قصہ سے وہ مشابہت ہے کہ جیسا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اُنکے دشمن کے ہاتھ سے جو فرعون تھا پرورش کروایا ویسا آنحضرت صلعم کو اُنکے دشمن کے ہاتھ سے جو ابوجہل تھا اُنکے دادا عبد المطلب کے پاس پہنچوایا اور بعضے کہتے ہیں کہ بی بی حلیمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

دائی آپ کو اپنے گھر سے عبد المطلب کے یہاں پہنچانے کو لائیں اور مکہ معظمہ کے دروازے پر آپ کو گنوایا تو بیقرار ہو کر ہبل کے پاس گئیں کہ وہ ایک بڑا بت تھا
اور وہاں جا کر بلند آواز سے رونے لگیں جو ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا وہیں سارے بت اوندھے منہ گر پڑے اور بتوں کے اندر
ایک آواز نکلی کہ یہ ہے یہ کیا نام لیتی ہے کہ اسی لڑکے کے ہاتھ میں ہماری ہلاکی اور خرابی ہے اس عرصہ میں جبرئیل علیہ السلام نے آ کر آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکے انکے دادا عبد المطلب کے پاس پہنچا دیا آپ کی دائی بی حلیمہ بت خانے سے بے آس ہو کر اس ارادے سے نکلی کہ عبد المطلب
کو آپ کے گم ہو جانے کی خبر دوں تا آپ کو ڈھونڈیں وہاں گئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ آپ عبد المطلب کے پاس ہیں یہ دیکھکر بہت اچنبھے میں پڑیں اور دنگ
ہو گئیں پس اس ووجدک ضالا فہدیٰ کی آیت میں اس قصے کی طرف اشارہ ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ ضلال سے مراد ہجرت کے رخ کا بھولنا ہے کہ
کس طرف جانا چاہئے یا تو قبلہ کا گم کرنا یا تو جبرئیل علیہ السلام کا پہلے پہل نہ پہچاننا یا تو دنیا کے کاروبار کی راہ بھولنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبادت
میں نہایت مشغول ہونیکے سبب سے دنیا کے کام کاج اور لین دین کے دستور سے خبردار نہ تھے اور سروکار نہ رکھتے تھے یا تو آسمانی رستوں کا گم کرنا کہ وہ
رستے معراج کی رات معلوم ہوئے اور بعضے کہتے ہیں کہ ضلال اس جگہ ملجانے کے معنی میں ہے چنانچہ عرب کہتے ہیں ضل الماء فی اللبن یعنی مل گیا پانی
دودھ میں ایسا کہ فرق تمیز نہیں کر سکتے سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہو گئے آگے کافروں میں رلے ملے تھے کوئی آپ کو ممتاز کر پہچانتا نہ تھا اور
بعضوں نے کہا ہے کہ ضلال کے معنی محبت اور عشق کا مرتبہ ہے چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اپنے باپ کی کمال عاشقی اور محبت کو
جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ رکھتے تھے اس لفظ سے کہا ہے کہ انک لفی ضلالک القدیم اسکے یہ معنی کہ بیشک تو اپنے قدیم ضلال
میں یعنی تو اسی اپنے اگلے عشق اور محبت میں ہے اور ہدایت سے مراد وہ ہے کہ ہم نے تجھے اپنے محبوب مطلوب سے ملنے کی راہ بتلا دی الغرض تفسیر والوں کی
باتیں اسی طرح کی ہیں یہاں اسقدر سمجھنا چاہئے کہ تمام انبیاء علیہم السلام پیغمبری پانے کے آگے بھی اور پیغمبری پانے کے بعد بھی اصلی اور طبعی کفر اور
گمراہی سے پاک اور معصوم اور محفوظ ہیں بلکہ جان بوجھکر گناہ کرنے سے بھی پاک ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ میں نے کبھی کوئی کام ان کاموں میں سے
جو جاہلیت والے کرتے تھے نہ چاہا کہ میں بھی کروں مگر دو وقت اور ان دونوں وقت میں لطف الٰہی نے مجھے وہ کام کرنے نہ دیا اور اللہ تعالیٰ کا تھامنا
اور نگاہ رکھنا میرے اور اس کام کے بیچ میں حائل اور مانع ہوا اور وہ دو کام یہ تھے کہ ایک دن قریش کے ایک نوجوان کو جو مکہ شہر کے باہر میرے
ساتھ بکریاں اور بھیڑیاں چراتا تھا میں نے کہا میری بکریوں اور بھیڑیوں کی خبرداری کرتا کہ میں مکے شہر میں جا کر جو کہ ایک نوجوان گھر مل بیٹھے
کہانیاں کہتے ہیں سو سنوں جب اس عزم سے کہ شہر میں داخل ہوا تو پہلے ہی گھر میں سے جو میرے سر راہ تھا گانے بجانے کی آواز سنی اور پوچھا کہ یہاں
کیا ہے بولے کہ فلانے شخص کی فلانی عورت سے آج شادی ہوتی ہے یہ سنکر بیٹھ گیا اور چاہا کہ بیٹھکر تماشا دیکھوں بیٹھتے ہی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نیند ایسی
غالب کر دی کہ دن نکلنے تک جاگا جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ مجلس برخاست ہو گئی اسی طرح پھر بھی دوسری مرتبہ قصد کیا تو پھر بھی میرے اور باجے
گاجے کھیل تماشے اور قصے سننے کے درمیان نیند حائل ہوئی اور خدا تعالیٰ کے تھامنے اور نگاہ رکھنے کے سبب سے میں بچ رہا پھر اس دن سے کبھی میرے
خیال میں نہ گزرا یہاں تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور پیغمبری سے سرفراز فرمایا اور اس پاکی پرہیزگاری کو دوچنداں کیا لیکن شریعتوں
کے احکام نہ جاننے اور انکی سمجھ نہ پڑنے کی بیقراری پیغمبروں کو بھی پیغمبری پانے کے آگے ہوتی ہے اور حق دین کی تلاش میں رہتے ہیں اور لفظ ضلال
کے معنی کے لئے اسقدر بس ہے جیسا اوپر بیان کرنے میں آیا **ووجدک عائلا فاغنیٰ** اور تجھکو پایا عیال دار بے مایہ پھر غنی اور
بے پروا کیا تجھے یہ نعمت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے انکے دادا عبد المطلب کے مال سے مستغنی کیا کہ انکو اپنے سب بیٹوں سے بہتر اور عزیز
جانکر پرورش کرتے تھے انکے بعد ابو طالب کے مال سے کہ چچا تھے پناہ لیا کہ وہ بھی انکو اپنے والد عبد المطلب کی وصیت کے موجب اپنے فرزندوں پر مقدم کر
سبھوں سے زیادہ چاہتے تھے تیسرے جب آپ پچیس برس کے ہوئے تب حضرت بی بی خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کو کہ نہایت مالدار تھیں اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اسقدر انکی محبت اور خدمت پر لبھایا کہ اپنا سارا مال نقد اور جنس انکے آگے لا رکھا اور قریشوں کے رئیسوں کو بلا کر شا

کیا کہ اب یہ سب مال اُس شخص کا ہے چاہے لُٹا دیوے چاہے رکھ لیوے جب بی بی خدیجۂ کبریٰ رضی اللہ عنہا خلد بریں کو سدھاریں تب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال سے فارغ البال کیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل میں اسقدر آں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی اور دلبری کی محبت آپڑی کہ اپنی پونجی کے چالیس ہزار درم اُنکے کاروبار میں خرچ کر بیٹھے پھر بعد ہجرت کے مدینہ کے رہنے والے انصار کے مال سے غنی کیا اُس پیچھے کفار نابکار کی فتوح غنیمتوں کے مال سے نہال کر دیا اگرچہ انمیں سے بعضے معاملے اس سورت کے نازل ہونیکے بعد ظہور میں آئے ہیں پر جو کچھ کہ علم الٰہی میں ہے سو گویا ظہور میں آئے سر چکا ہے اسواسطے انکو بھی منت رکھنے کے مقام میں فرمایا اور باوجود ان سنظاہری بے پروائیوں کے باطنی بے پروائی جسے قناعت کہتے ہیں اس نہایت تک عنایت فرمائی تھی جو آپکے نزدیک سونا اور پتھر برابر تھا سو تواریخ والے خوب بیان کرتے ہیں اور تحقیق والے صاحب کمالوں نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سببسے یتیم کیا تا لوگ یتیموں کی حقارت نکریں اور جب کسی یتیم کو دیکھیں تو یاد کریں کہ ہمارے پیغمبر صلعم بھی کسی وقت میں یتیم تھے اور یتیم کو مان (یتیم) ہوویں کم سے کم اتنا مان جتنا جاہل لوگ آنحضرت صلعم کی تصویر کو مان دیتے ہیں اور اس سببسے بھی ہے تا آنحضرت صلعم یتیموں کی قدر بوجھیں اور یتیموں پر مہربانی رکھیں اور یاد کریں کہ یتیمی کا دُکھ کتنا کچھ بھاری ہے اور اس باعثسے بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منظور یہ تھا کہ اپنی عمر کے شروع سے آخر عمر تک خدا یتعالیٰ کے سوائے کسی اور پر بھروسا نرکھیں اور سبسے عالی توکل کا مرتبہ اُنہی کو ملے اور یہ بات یتیمی کے سوا نہیں ملتی اور اس باعثسے بھی ہے کہ یتیم ہونا سو عادتکے بموجب بچوں کے اوقات ضائع ہونے اور اُنکے بے ادب ہوجانے کا سببہے اور جب کوئی شخص یتیمی کی حالت میں پورے ستھرے لچھن اور بھلی چال سے سُدھر جاوے تو بلاشک معجزے کے طورسے ملتے ہیں اور اُسکو نبوت کی نشانی جانتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و مسکینی میں اور دادا چچا زوجہ محترمہ یارِ غار اور انصار جان نثار کے مال سے مستغنی ہونے میں یہ بھید ہے کہ اگر آپ مالدار ہوتے تو مالداروں کے اخلاق کہ فی الجملہ بڑائی خود پسندی خود بینی اور خودنمائی کو چاہتے ہیں سنت اللہ جاری ہونیکے بموجب آپ میں اثر کرتے اور آپکی نشست برخاست اُٹھ بیٹھ مالداروں کے ساتھ ہوتی اور آپ کو تواضع اور ملنساری اور آشنا پروری اور اللہ کی طرف دھیان اور التجا کرنی اور مسکینی کی لذت معلوم نہوتی اور یہ بھی ایک سببہے کہ جس صورت میں آپ کو آپ ہی کے مال سے مستغنی کرتے تو آپ کے تابعداروں پر بدگمانی دھرتے کہ شاید لوگ اس شخص عالیشان کی شانداری اور مال کی خواہش کی طمع کے سببسے اُس شخص کے تابعدار ہوگئے ہیں اور خالص اخلاص اور صرف ایمان اور حق کی پاسداری سمجھی نجاتی اِن باتوں کے واسطے آپ کو فقیر بے مایہ پیدا کرکے لوگوں کو آپ کی صحبت کی کشش سے گرویدہ کیا تا خود بخود اپنی جان اور مال کو آپ پر نثار کریں اور یہ بات آپ کے کمال پر پہلی دلیل ہے کہ لوگ ظاہری اسبابکے بغیر اسقدر آپ پر گرویدہ ہوتے ہیں اور یہاں ایک نکتہ ہے سمجھا چاہئے کہ ہر آدمی کیا فقیر کیا غنی ابتدا میں بے مایہ اور تہی دست پیدا ہوتا ہے اور دوسروں کے مال سے جمعیت پاتا ہے لیکن اگر وہ آدمی اپنی طرفسے ہوس اور لالچ کرکے مال زیادہ کرنے کی تلاش میں سرگردان رہتا ہے تو سب کی نظروں میں ذلیل اور خوار ہوجاتا ہے اور اگر وہ آدمی اوروں کو ظرافت اور دانائی کی تدبیروں سے اپنا تابع اور فرمانبردار کرکے اُنکے مال سے فائدہ لیتا ہے تو اُسکی عزت اور شوکت کا باعث ہو پڑتا ہے اور یہی باعث ہے کہ بادشاہ عزیز ہے باوجود اسبابکے کہ رعیتکے مال سے مستغنی ہے اُنکے پاسسے ایک تدبیر کے ساتھ باج خراج اور محصول کے پیسے لیتا ہے اور فقیر طمع رکھکے آدمیوں سے طلب کرتا ہے بلکہ اُس سے بہت کم مانگتا ہے مگر وہ ذلیل ہے پس معلوم ہوا کہ مال کا ہونا عزت کا سبب نہیں ہوتا اور اُسکا نہونا ذلت اور حقارت کا واسطہ نہیں ہاں سچ ہے جو مال کہ قناعت بے پروائی اور لالچ ترک کرنے سے ہاتھ آوے سو عزت کا باعث ہے اور جو فقیر کہ طمع اور تلاش کے سبب دوڑ دھوپ میں لگا رہے سو ذلت اور خواری کا موجبہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اوروں کے مال سے عزت اور حرمت اور غلبے کے طور پر استقلال حاصل ہو تب آپ کا جاہ و جلال زیادہ اور کامل ہوا اور کبھی کوئی ننگ اور عار کا کلنک نہ لگا اور جب اللہ تعالیٰ اِن تینوں نعمتوں کا بیان پورا کرچکا تب انکے شکر کی درخواست کیلئے فرمایا کہ **فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ** یعنی پھر یتیم کو کبھی مت دبا اور قہر مت کر یعنی یتیم کا مال اور حق تلف مت کر اور اُسکے ساتھ بات کرنے میں تندی اور سختی مت کر کیونکہ تو بھی یتیم تھا اور یتیم کی لاچاری اور ناتوانی تجھے خوب معلوم ہے کہ ذرا سی باتسے دل شکستہ

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ کی نعمت کے بدل ور مقابلے میں ہے جو اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۰ کی نعمت کے بدل ور مقابلے میں ہے اور یہ شکر وہ ہے جو اور آزردہ خاطر ہوجاتا ہے
یعنی اور مانگنے کو نہ جھڑک کیونکہ تو بھی عیالدار اور مسکین تھا اور تو مسکینی کا دکھ درد خوب جانتا ہے اور یہ وہ شکر ہے جو وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی کی نعمت کے
عوض اور مقابلے میں ہے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ یعنی اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کو بیان کر کیونکہ تجھے بہت نعمتیں دی ہیں
اور بہت علوم اور عرفان بے پایان تیرے دل پر نازل فرمائے اور اس نعمت کا شکر وہ ہے جو اوروں کو بھی انکے پانے کی راہ بتادیں اور حصہ
عنایت فرماویں اور یہاں ایک لطیفہ ہے سو یہ ہے کہ منت گزاری کے مقام میں دین کی نعمت کو جو ہدایت ہے دنیا کی نعمت پر کہ تو انگری ہے مقدم کیا
اور جو دین کی نعمت کی عوض اور مقابل تھا اسکو اسواسطے پیچھے لائے کہ دنیا کی نعمت کے بدل ور مقابلے میں خلق اللہ پر شفقت منظور ہے اور دنیا
کی نعمت کے مقابلے میں باطنی نعمتوں کے حاصل کرنے کی راہ دکھلانی ضرور ہے اور خلق اللہ پر شفقت اور مہربانی کرنا انکے ہدایت کرنے پر مقدم رکھا ہے
اسواسطے کہ جب تلک قوت اور گذران کے کام انتظام نہ پاویں تب تلک شرعی احکام عمل میں لانے اور عاقبت کے سرانجام کی تلاش میں رہنے
کی خاطر جمعی میسر نہیں ہوتی اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سائل کو یتیم کے ساتھ پوری برابری ہے اسلئے کہ جو شکر گزاری کہ سائل کے حق سے نسبت
رکھتی تھی سو یتیم کے بیان سے لگادی اور نعمتوں کی گنتی میں ہدایت کی نعمت کو تونگری کی نعمت پر مقدم کیا اسواسطے کہ تونگری اسوقت نعمت ہوتی
ہے کہ جب مال میں تصرف کرنے کی چال معلوم ہو اور تصرف کی چال ہدایت بن خیال میں آتی نہیں اور ان تینوں شکر گزاریوں کی مناسبت تینوں
نعمتوں کے ساتھ ظاہر ہے جیسا کہ بیان ہوا اور ایک مخفی مناسبت اور ہے کہ یہ تینوں شکر گزاریاں قیامت کے دن آنحضرت صلعم کو امت کے واسطے
شفاعت کرنے پر دلیل ہوسکتی ہیں کیونکہ یتیم سب ناتوانوں سے بہت ناتوان ہے اسکی مدد کرنے میں کوشش کرنا کمال شفقت اور لطف اور رحمت
کی دلیل ہے اور سائل اکثر اوقات بے محل چاپلوسی اور منت اور زاری کے ساتھ سوال کرنے سے ستاتا ہے پس باوجود اس اذیت کے اسکے ستانے پر صبر
کرکے اسکے ساتھ احسان کرنا امت کے گناہوں سے درگذر کرنے اور کئے ہوئے کو نہ کیا ہوا خیال کرنے کی دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان کرنا
ایک مشقت چاہتا ہے اور امت کے فائدے کے لئے اس مشقت کی برداشت کرنی جناب الٰہی میں عرض معروض کرنے کی مشقتیں اٹھانے کی اور انکو
عذاب سے چھڑانے کی دلیل ہے اور یہ آیت وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اسبات کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو جو اپنے اوپر اور اپنے دوستوں پر ہوں
سو ظاہر کرنا کہنا سننا سنت ہے لیکن اسوقت کہ نیت خالص ہو جیسا پروردگار کے شکر کرنے کا زبان سے رواج دینے پر یا یہ پیروی اور لوگوں کو حاصل ہونے کا
ارادہ کرے اور جو کوئی ان نعمتوں کے ظاہر کرنے سے اپنے جی میں شیخی اور خود پسندی کا خوف رکھتا ہو تو اسکے حق میں چھپا رکھنا اور کسی سے نہ کہنا بہتر ہے
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ہر روز اپنی شب بیداری کا احوال لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ میں نے آج رات اسقدر نماز پڑھی اور اسقدر
قرآن مجید کی تلاوت کی بعضے نافہموں نے انپر اعتراض کیا کہ یہ ظاہر کرتا ریا کا طور ہے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ
اور میرے نزدیک کوئی نعمت اس نعمت کے برابر نہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی عبادت بندگی کی توفیق عنایت فرمائی میں کسواسطے اس نعمت کو ظاہر
نکروں اور اسکی شکر گزاری سے محروم رہوں سمجھ لیا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں آنحضرت صلعم کو تین چیزوں کی بہت تاکید فرمائی ہے
ایک یتیم کے حق کی رعایت رکھنا دوسرے سائل کے حق کا لحاظ اور دھیان دھرنا اور تیسرے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان کرنا اور آنحضرت صلعم آخر تک اپنے
بموجب تینوں چیزوں میں نہایت کوشش کرتے تھے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اخلاق اور اطوار کے واقفکاروں کو خوب معلوم ہے
حدیث صحیح میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یتیم کا پالنے والا خواہ وہ یتیم اسکا قرابت والا اسکا ہو خواہ بیگانہ کہیں کا ہو قیامت کے
دن بہشت میں میرے ساتھ ایسا ملا رہیگا جیسے یہ دو انگلیاں میرے ہاتھ کی ملی ہوئی ہیں اور اپنی انگلیوں سے بتایا اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا
ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ صلعم میرا دل بہت سخت ہے کچھ علاج فرمائیے آپنے ارشاد کیا کہ یتیموں پر
شفقت کیا کر اور انکے سر پر ہاتھ پھیرا کر تیرے دل کی سختی فرو ہوجاویگی اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی پیار سے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیریگا

تو اسکے واسطے جتنے اس یتیم کے سر پر بال ہونگے اُتنے ہر ہر بال کے حساب سے ایک ایک نیکی لکھی جاویگی اور زبان ملفت کے بزرگوں سے کہا ہے کہ جب یتیم روتا ہے تو عرش ہلنے لگتا ہے پھر جو یتیم کو دلبری اور خاطر داری کے ساتھ رونے سے خاموش کرے تو گویا عرش کو ہلنے سے ٹھیرایا اور آنحضرت صلعم کی بخشش اور داد و دہش مانگنے والوں پر یہانتک تھی کہ کبھی لا یعنی نہیں آپ کی زبان مبارک سے نہیں نکلی چنانچہ صحیح بخاری میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی نے کبھی کوئی چیز کا سوال نہ کیا کہ آپنے اُسکے جواب میں لا فرمایا ہو جیسا کہ فرزدق شاعر اِس مضمون کو مبالغہ کے طور پر اس شعر میں نظم کرکے کہتا ہے **شعر** ماقال لا قط الا فی تشهده　لولا التشهد کانت لاؤہ نعم (ترجمہ) نہ بولے لا کبھی ہرگز اپنے تشہد میں۔ تشہد گر نہوتا تو وہ لا انکا نعم ہوتا + اور صحیح ترمذی میں روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم کے پاس بحرین کے ملک سے نوّے ہزار درم آئے آپنے اُنکو اپنی مسجد کے حصیروں پر ڈھیر کروا کے صبح کی نماز پڑھکے بانٹنے لگے پھر ظہر تک اُنمیں سے ایک درم بھی باقی نرہا اور اس بیچ میں جو مانگنے والا آیا اُسکو دیا بانٹنے سے فارغ ہونیکے بعد اتفاقاً ایک مانگنے والا آنکلا اُس سے آپنے فرمایا کہ اب تو میرے پاس کچھ باقی نرہا جو تجھے دوں پر تو بازار کو جا اور بیوپاریوں سے میرے نام پر جو کچھ چاہئے سو خرید کر اور میرے ذمہ پر لکھوا دے جب کچھ میرے ہاتھ آویگا تب میں ادا کردونگا اُسے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقتعالی نے آپکو مقدور سے زیادہ تکلیف فرمائی نہیں پھر کاہیکو اسقدر اپنے اُوپر قرض کا بوجھ اُٹھاتے ہو آنحضرت صلعم کو یہ بات خوش نہ آئی اور آپکے چہرۂ مبارک پر خفگی کے آثار ظاہر ہوئے ایک انصاری نے جو وہاں حاضر تھا عرض کیا کہ انفق ولا تخش من ذی العرش اقلالا (ترجمہ) دیئے جا اور عرش کے مالک سے محتاج ہونے کا خوف مت کر یہ سخن سنتے ہی آنحضرت صلعم تبسم اور آپکے چہرۂ مبارک پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے اور فرمانے لگے کہ اسی طور سے مجھے حکم ہے اور مامور ہوں حاصل کلام یہ ہے کہ آں سرور انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بخششیں اور انعام نہایت عام اور ازبس تام تھیں کہ اللہ تعالی نے اُنکو میانہ روی سے مامور کیا اور بہت دینے اور زیادہ خرچ کرنے پر یہی آیت نازل ہوئی چنانچہ سورۂ اسریٰ کی تفسیر میں مذکور ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک لڑکے نے آکر گزارش کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں عرض کرتی ہے کہ میرے پاس کوئی کُرتہ نہیں جو پہنوں ایک کُرتہ مجھے عطا کیجئے آپنے فرمایا کہ گھڑی بھر آ میں دونگا وہ لڑکا گیا اور پھر آکر عرض کرنے لگا کہ میری ماں عرض کرتی ہے کہ یہی کُرتہ جو آپ پہنے بیٹھے ہیں مجھے عنایت فرمائیے آنحضرت صلعم اُسی دم دولتخانہ کو تشریف فرما ہوئے اور اُس کُرتے کو اپنے بدن مبارک سے اُتار اور تہ کر اُس لڑکے کے پاس بھجوا دیا کہ لیجا اپنی ماں کو دے اور آپ ننگے بدن بیٹھے رہے اصحاب کہ آپکے آنیکے انتظار میں بیٹھے تھے یہ تنگ ہوکر اُٹھکر چلے گئے حق تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی ولا تبسطها کل البسط یعنی اسقدر اپنا ہاتھ کشادہ مت کر کہ برہنہ ہوکر گھر میں بیٹھ رہے اور اپنے مخلص یاروں مصاحبوں سے جو دین کے فائدے حاصل کرنے کو تیری خدمت میں آتے ہیں صحبت چھوٹ جاوے اور صحیح بخاری میں آیا ہے کہ ایک وقت کسی عورت نے ایک چادر اپنے ہاتھ سے بنکر اور درست کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزرانی اور التجا کی کہ میری آرزو یہی ہے کہ اسے آپ ہی اوڑھیں کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے بنی ہے اور کنارے بہت ستھرے لگائے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُسوقت چادر کی درکار تھی لیکر اوڑھی اتنے میں ایک شخص آیا اور التماس کرنے لگا کہ یہ چادر کیا خوب ہے اور اسکے کنارے بہت خاصے خوش اسلوب دلچسپ و مرغوب ہیں یا رسول اللہ صلعم یہ چادر مجھے عنایت کرو آپنے فرمایا بہت خوب وونہیں وہ چادر اُسے بخشی جب آنحضرت صلعم نے مجلس مبارک سے برخاست فرمائی تب اصحابوں نے اس شخص کو ملامت کی اور کہا کہ تونے اچھا نکیا کیونکہ وہ چادر آنحضرت صلعم نے کمال ضرورت اور رغبت سے اوڑھی تھی اور تو جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سائل کو رد نہیں کرتے پھر تونے کسواسطے سوال کیا اُسنے کہا کہ میں نے یہ چادر اس دنیا میں اوڑھنے کے لئے نہیں مانگی بلکہ اپنے کفن کے واسطے مانگ لی ہے کہ آنحضرت صلعم کے مبارک دل کی مقبول اور محبوب ہوئی تھی اور بہت مطلوب و مرغوب تھی اور اللہ تعالی کی نعمتوں کا بیان کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جناب قدس آلہی سے دنیا اور آخرت میں برسات کی مانند برستی تھیں سو آنحضرت صلعم سے رات دن ظہور پاتی تھیں اور شکرگزاری کے مقام میں یکسر دفتر کے دفتر ان سب کا بیان فرمایا

چنانچہ حدیث شریف کی کتابوں کے واقفوں پر ظاہر اور باہر ہے اور اس مبارک سورت کی ایک مجرب خاصیت یہ ہے کہ گم کئے ہوئے کے واسطے اس سورت
کو سات مرتبہ پڑھکر شہادت کی انگلی اپنے سر کے چوگرد پھراوے پھر تمام ہوئے پر اصبحت فی امان اللہ فامسیت فی جوار اللہ امسیت فی امان
اللہ واصبحت فی جوار اللہ سات مرتبے پڑھکر دستک دیوے تو وہ گیا ہوا مال پھر ہاتھ آویگا واللہ اعلم بالصواب +

سورۂ الم نشرح

یہ سورت مکی ہے اسمیں آٹھ آیتیں اور اٹھائیس کلمے اور ایکسو تیس حرف ہیں اور اس سورت کا ربط والضحیٰ کی سورت سے پورا ہے وہ یہ ہے کہ ان دونو سورتوں
میں اللہ تعالیٰ کو اپنی نعمتوں کی گنتی اپنے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم پر منظور ہے اور دونو سورتوں کی عبارت کا انداز اور طور بہت ملتا ہوا ہے اسواسطے
بعضے اسلام کے فرقوں میں سے یعنے رافضیوں نے ان دونو سورتوں کو ایک ہی سورت گنا ہے اور دونو کو بدون بیچ میں بسم اللہ لانے کے نماز کی ایک
رکعت میں ملا کر پڑھنا مقرر کیا ہے لیکن اگر خوب تامل سے ان دونو سورتوں میں غور کریں تو البتہ انکو معلوم ہووے کہ اسمیں ایک باریک بات ہے کہ اس سبب سے
ان دونو کو ایک کہنا درست نہیں ہے نہ لفظ میں نہ معنوں میں سو لفظوں کے اعتبار سے ایک کہنا اسواسطے نہیں درست ہے کہ والضحیٰ کی سورت میں
استفہام غائب کے صیغے سے ہے جیسے الم یجدک یتیما فاوی آخر تک اور اس سورت میں متکلم کے صیغے سے ہے اور یہ بڑا فرق ہے کہ اسکے سبب سے
دونو کا ایک ہونا درست نہیں ہے کیونکہ یہ بات جدائی پر دلالت کرتی ہے اور اگر اسبات کی نظر کرنے سے کہ ان دونوں سورتوں میں شمار نعمتوں کا پیغمبر پر
منظور ہے تو دونوں ایک ہوئیں بیچ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا لانا نہ چاہئے تو یہ بات غلط ہے کیونکہ ایسی مناسبت بہت سورتوں میں پائی جاتی ہے
بلکہ اگر سچ پوچھو تو تمام قرآن شریف ایک ہی کلام ہے تو اس سورت میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا نکال ڈالنا اکثر سورتوں سے بلکہ تمام قرآن مجید سے لازم
آتا ہے اور یہ بات غلط ہے اور معنوں کے اعتبار سے بھی ان دونوں سورتوں کو ایک کہنا درست نہیں ہے اسواسطے کہ جو جو نعمتیں کہ حق تعالیٰ نے
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عنایت فرمائی ہیں دو قسم کی ہیں ایک قسم کی وہ نعمتیں ہیں جو ظاہر آپ میں پائی جاتی تھیں اور سب عام و خاص
انکو جانتے تھے اور دیکھتے تھے اور دوسری قسم کی نعمتیں ایسی تھیں کہ عوام کی نظر سے بلکہ خواص کی نظر سے بھی پوشیدہ تھیں سو ان دونوں
قسموں کی نعمتوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنا ضرور تھا اسیواسطے حق تعالیٰ نے اول قسم کو والضحیٰ میں اور دوسری قسم کو اس سورت میں
بیان فرمایا تاکہ کسی طرح کا اسبات میں شبہ اور دھوکا باقی نرہے اور یہ بھی ہے کہ وے نعمتیں کہ آنحضرت صلعم کے واسطے خاص تھیں انکی دو قسمیں
تھیں پہلی وہ قسم جو آپ کے ظاہر سے تعلق رکھتی تھی اور دوسری قسم وہ جو آپکے باطن سے علاقہ رکھتی تھی سو سورۂ والضحیٰ میں پہلی قسم کا بیان
منظور ہوا اور اس سورت میں دوسری قسم کا تو گویا ایک سورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصیات ظاہری کے بیان میں ہے اور دوسری
سورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات باطنی کے شمار میں ہے اور ظاہر اور باطن میں جو فرق ہے سو اظہر من الشمس ہے اور اس سورت کے
نازل ہونے کا سبب بعضے مفسروں نے ایسا بیان کیا ہے کہ ایکدن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درگاہ الہی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار
تونے حضرت ابراہیم کو خلت کا مرتبہ بخشا اور حضرت موسیٰ کو کلیمی کے خلعت سے نوازا اور حضرت داؤد کو لوہا اور پہاڑ انکے تابعدار کرکے ممتاز کیا اور حضرت
سلیمان کو جنوں اور آدمیوں کی سلطنت دیکر اور آگ اور ہوا کو انکا فرمانبردار کرکے سرفراز کیا میرے واسطے کونسی چیز خاص کی تونے اس سوال کے
جواب میں حق تعالیٰ نے سورت نازل کی اور ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال معراج کے ہونے سے پہلے ہوا ہوا سواسطے کہ بعد معراج کے ایسی
نعمتیں مخصوص جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوئیں کہ کسی نبی کو انبیاؤں سے عشر عشیر اسکا حاصل نہوا تھا اور سورۂ الم نشرح کی نکتوں
سے ایک یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے یہ مرتبہ یعنی شرح صدر کا بدون طلب کے عنایت فرمایا اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ
والسلام کو باوجود طلب کرنیکے جناب الہی سے کہ رب اشرح لی صدری تو بھی یہ مرتبہ حاصل نہوا بموجب ہندی مصرع کے ۵ بن مانگے موتی ملیں

مانگے ملے نہ بھیک ۔ چنانچہ اُس قصے سے جو اُنسے اور اُنکے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے واقع ہوا تھا یعنی ڈاڑھی کا کھینچنا بڑے بھائی کی یہ بات ظاہر ہے اور اپنے مقام پر مفصل بیان ہوگا تاکہ اسبات کی طرف اشارہ ہو کہ جو کام حق تعالیٰ کی عنایت سے بے چاہے اور بے درخواست آدمی کے ہوتا ہے اُسکا مرتبہ بڑا ہوتا ہے اس کام سے جو آدمی کے طلب کرنے سے ہوتا ہے اور اس سورت کا نام سورۂ الم نشرح اسواسطے رکھا ہے کہ اس سورت کا مضمون کمال محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی اصل و جڑ پر قرار واقعی دلالت کرتا ہے اسواسطے کہ اس کمال کی حقیقت یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدر معنوی جسکی تفصیل آگے آتی ہے کشادہ اور وسیع ہو کے تجلیات الٰہی کی روشنیوں سے پر ہو جاوے سو یہی مضمون اس سورت میں بیان ہے اور اس سورت کی خاصیتوں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو شخص اس سورت کو سونے کے وقت ستره مرتبے پڑھکے اپنی چھاتی پر پھونک لے تو اُسکو وسوسے اور خطرے شیطانی کبھی حیران و پریشان نکریں و معاملہ کی تدبیروں میں خطا اور بھول چوک نہونے پاوے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَمْ نَشْرَحْ کیا ہمیں کھولدیا ہمنے **لَکَ صَدْرَکَ** تیری بہتری کے واسطے سینہ تیرا تاکہ وحی کا بوجھ سنبھالے اور حق تعالیٰ کے بھیدوں کا وہ سینہ گنجینہ ہووے اور دعوت کا یعنی اُمت کو اسلام کی طرف بلانے کا اور احکام الٰہی کے پہنچانے کا غم اور اُمت و دین کا غم اور دنیا اور آخرت کا غم سب اُسمیں سما جاوے یعنی تحمل و بردباری حاصل ہووے اور میل و کدورت اور دشمنی اور بدخواہی اور سب بری خصلتیں اس سے نکل جاویں اور روشنی علم اور ایمان اور حکمت کی اُسمیں بھر جاوے اور لک کی لفظ کو اسواسطے لائے ہیں کہ تیرے سینے کو کشادہ کرنا تیرے ہی نفع کے واسطے ہے تاکہ بڑا کمال حاصل کرے تو اور اگر یہ لفظ لک کی نہوتی تو یہ معنی ٹوجھے نہ جاتے اور صدر عرب کی زبان میں سینے کو کہتے ہیں اور طریقت والوں کی اصطلاح میں ایسا مقرر ہے کہ قلب کے دو دروازے ہیں ایک دروازہ نفس کی طرف ہے اُسی کا نام صدر ہے اور دوسرا دروازہ روح کی طرف ہے وہ بہت کشادہ و وسیع ہے صدر کی نسبت سے اور صدر اُسکی نسبت سے بہت تنگ واقع ہوا ہے پھر جب صدر کو کشادہ کیا تو ظاہر ہے کہ وہ دوسرا دروازہ اس سے زیادہ کشادہ ہوجائیگا اسیواسطے اس جگہ صدر کی لفظ کو لائے اور قلب کو مذکور نہ کیا اسواسطے کہ صدر بجائے قلعہ کے ہے قلب کے واسطے اور اکثر دنیا کی فکروں کی اور اُسکے ظاہری اسباب کی حرص اور خواہشوں کے سبب سے شیطان قلب پر اسی صدر کی طرف سے وسوسہ ڈالتا ہے اور تنگ کرتا ہے اور اُسکی تنگی سے قلب بھی تنگ ہوجاتا ہے اور عبادت کی لذت اور ایمان کا مزا دل کی تنگی کے سبب سے کم ہوجاتا ہے اور جب قلب کی یہ طرف یعنی صدر کی کشادہ ہوگئی تو عبادت کا ادا ہونا بخوبی دل کی خوشی سے میسر ہوا اور مطلب حاصل ہوا اس جگہ پر جاننا چاہیئے کہ شرح صدر عبارت ہے حوصلے کی فراخی سے اور حوصلہ کی فراخی ہر شخص کی اُسکی استعداد کی قدر اور اُسکے کمال اور مرتبے کے اندازے اور قدر کے ہوتی ہے اور ہر مرتبے کے حوصلے کی فراخی اور ہر کمال کی جبتک کہ اس مرتبے اور اس کمال کو نہ پہنچے ہرگز دریافت نہیں کرسکتا یہی سبب ہے کہ اکثر عوام الناس چاہتے ہیں کہ بادشاہوں کے حوصلے کی فراخی کو پہنچیں اور اُسکو دریافت کرلیں بات چیت سے لیکن ہرگز دریافت نہیں کرسکتے اسیواسطے کہا ہے ؎ لا یعرف الولی الا الولی ولا یعرف النبی الا النبی یعنی ولی کو ولی پہچانتا ہے اور نبی کو نبی ۔ اور اسی مضمون کی ایک مثل بھی فارسی بولی میں مشہور ہے یعنی ولی را ولی میشناسد ۔ علی الخصوص شرح صدر مصطفوی کو کہ کسی بشر کو ممکن نہیں ہے کہ قرار واقعی اُسکو دریافت کرسکے اسواسطے کہ آپکے کمال کا مرتبہ کہ نبوت کا خاتمہ ہے کسیکو حاصل نہیں ہے تو آپکے مرتبے کی پہچان بھی کسیکو حاصل نہوگی ولنعم ما قیل یعنی کیا اچھی بات کہی ہے کسی شاعر نے ؎ یا صاحب الجمال و یا سید البشر ＊ من وجھک المنیر لقد نور القمر ＊ لا یمکن الثناء کما کان حقہ ۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ＊ یعنی اے صاحب جمال کے اور اے سردار آدمیوں کے تیرے چہرۂ روشن سے تحقیق روشن ہوا ہے چاند نہیں ممکن ہے تعریف کرنا جیسا کہ لایق ہے انکے بعد خدا کے بزرگ تو ہی ہے قصہ کوتاہ لیکن وہ شرح صدر یعنی حوصلہ کی فراخی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظاہر اور باطن میں حاصل ہوئی ہے تمثیل کے طور پر تھوڑا سا مجمل یعنی گول گول

بیان کرنا ضرور ہے سو شرح صدر معنوی یعنی حوصلہ کی باطنی فراخی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح پر سمجھا چاہیے کہ آپکے سینے میں ایک بڑا میدان لق اور دق واقع ہے اور اس میدان میں ایک بڑی عمارت عظیم الشان بنی ہے اور اس عمارت میں بارہ مجلسیں ہیں کہ بعضی اُنمیں دنیا سے تعلق رکھتی ہیں اور آخرت سے اور بعضی دین اور دنیا سے اُوپر سو ایک مجلس میں یہ خیال کیا چاہیے کہ ایک بڑا بادشاہ عظیم القدر اُسمیں بیٹھا ہے اور سب روئے زمین کے بادشاہ اُسکی حضوری میں حاضر ہیں اور سلطنت کے دستور اور ملک گیری کے آئین پوچھتے ہیں اور توقیعات کسریٰ اور تزک تیموری اور کلمات طیبات عالمگیری اور واقعات بابری اور آئین اکبری ان سب کتابوں کے مضمون کو جانچتے ہیں کہ یہ آئین اور قاعدے جو ان کتابوں میں لکھے ہیں ٹھیک ہیں یا نہیں اور ملکوں کے انتظام کی تدبیریں اور صلح اور لڑائی کی گھاتیں ہر ہر اقلیموں اور ہر ہر شہروں کی اس بادشاہ عالیجاہ سے پوچھتے ہیں اور سیکھتے ہیں اور دوسری مجلس میں ایک بڑا حکیم حاذق بیٹھا ہوا تدبیریں خانگی اور اخلاق کا سنوارنا اور آداب کا درست کرنا موافق قاعدے کے جیسا کہ چاہیے بیان فرما رہا ہے اور بڑے بڑے زمانہ کے حکیم اور جہان کے دانا یہ قاعدے اس سے سیکھ رہے ہیں اور جو قاعدے کہ وہ ارشاد فرماتا ہے ارسطو اور نصیر طوسی اور ابن مسکویہ اور ابن سینا اور سوا انکے جو بڑے بڑے دانا ہیں بہت سے علم اس سے نکالتے ہیں اور اپنے اپنے فنون میں برتتے ہیں اور تیسری مجلس میں ایک قاضی عدالت کی مسند پر بیٹھا ہوا جھگڑے اور قصے لوگوں کے چکا رہا ہے اور دونوں جھگڑنے والوں کو راضی کر رہا ہے اور تمام جہان کے قاضی اُسکے حکموں اور فیصل ناموں کو دستور العمل جانکر بڑی احتیاط سے لکھ رہے ہیں اور چوتھی مجلس میں ایک مفتی علامہ ہر فتوے کی مسند پر بیٹھا ہے اور ایک فتووں کا دریا اسکی زبان سے جوش مار رہا ہے اور ہر ایک نئے معاملہ کا حکم موافق اصول کے قاعدوں کے کتاب اور سنت سے نکال کر بیان کر رہا ہے اور روایتوں کے لکھنے والے اور فرائض کے کھینچنے والے جہان کے اُسکے گرد بیٹھے ہوئے ہر ہر لفظ کو اُسکی نقل کر کے اپنی اپنی حاجتوں کے وقت اسپر عمل کرتے ہیں اور پانچویں مجلس میں ایک محتسب حکومت پر بیٹھا ہے اور جلاد اُسکے سامنے کھڑے ہیں اور گنہ گاروں کو اور فاسقوں کو اسکے سامنے لاکر ہر ایک کو موافق اُسکے گناہ کے سزا دیتے ہیں کسی پر حد جاری ہے اور کسی پر تعزیر اور کوئی قید خانہ میں اور کسیکو فقط چشم نمائی ہو رہی ہے اور احتساب کے قاعدے یعنی کوتوالی کے حکم اور حدوں اور تعزیروں کی اقامت اور بدعتیوں کی تنبیہ اس کام کے لوگ اُس سے سیکھ رہے ہیں اور وہ بُرائیوں کے بند کرنے کی گھاتوں میں اور شہوت اور غضب اور ظلم کے راستوں سے روک دینے کی باتوں میں خوب کوشش کر رہا ہے اور چھٹی مجلس میں ایک قاری خوشخوان اور خوش الحان ساتوں قرأتیں وجوہ اور روایات سے یاد کیے ہوئے سب کے سامنے پڑھ رہا ہے اور جہان کے قاری وہاں حاضر ہیں اور ہر وجہ اور ہر روایت کی تحقیق اس سے کر رہے ہیں اور وہ کسی سے ادغام کا قاعدہ ارشاد فرما رہا ہے اور کسی سے ہمزہ کی تخفیف کی بحث اور کسی سے یرملون کا قاعدہ اور کسی سے اظہار اور اخفا اور اسی طرح سے ہر ایک کی تعلیم ہو رہی ہے اور ساتویں مجلس میں ایک عابد مرتاض اوراد و وظائف اور نوافل میں ایسا مشغول ہے کہ دنیا اور ما فیہا سے کچھ خبر نہیں رکھتا اور صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک تلاوت قرآن مجید میں اور اذکار امام نووی اور حصن حصین جزری اور حزب اعظم ملا علی قاری اور اوراد شیخ الشیوخ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مطالعے میں مشغول ہے اور انوار اذکار کی کثرت سے فرشتے آسمان اور زمین کے اُسکی مجلس سے اُنست حاصل کر کے گروہ کے گروہ گرداگرد اُسکے آتے ہیں اور اُسکو اُنکی حضوری میں نہایت اُنس اور بڑی لذت حاصل ہوتی ہے کہ دنیا اور ما فیہا کو فراموش کر دیا ہے اور اس کام کے تلاشی لوگ وہاں حاضر ہوکے اس سے اس بحث میں پوچھ پاچھ کرتے ہیں اور وہ کسی کو دن اور رات میں نفلوں کے ادا کرنے کی کیفیت تعلیم کر رہا ہے اور کسیکو کپڑا پہننے کی اور پانی پینے کی اور کھانا کھانے کی اور نئے چاند دیکھنے کی اور سوا اُسکے دعائیں بتا رہا ہے اور سب لوگ اُسکی ہدایت کے سبب سے ذکر اور ورد سے اپنے اپنے عمر کے وقتوں کو معمور رکھتے ہیں اور آٹھویں مجلس میں ایک عارف کامل سب ذات اور صفات اور افعال الٰہی کے اسرار جو سب جہان میں پھیل رہے ہیں اور اُنکے سوا دوسرے علوم بے نہایت اپنی زبان سے اس طرح بیان کر رہا ہے کہ گویا موتی جھڑ رہے ہیں اور اس علم کے شوقین لوگ فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کے مضمون اور عبارت کو اُسکی زبانی لکھ رہے ہیں اور اُسکی لذتیں حاصل کر رہے ہیں اور نویں مجلس میں ایک واعظ منبر پر بیٹھا ہوا کلمات وعظ اور نصیحت کے نہایت توضیح اور تشریح سے بیان کر رہا ہے اور ایک مجلس عام جمع ہے اور اُسکے کلمات پند آمیز کی تاثیر سے دل جنبش میں

اور روحیں حرکت میں ہیں کسیکو بڑے ثواب کی رغبت دلاکر راہ پر لاتا ہے اور کسیکو بڑے عذاب دردناک سے خوف دلاکر توبہ کراتا ہے اور قبر کے احوال اور حشر نشر کی تکلیفیں اور حساب اور میزان کی کیفیتیں اور پل صراط پر چلنے کی مشقتیں اور دوزخ کے طرح طرح کے رنج اور عذاب اور بہشت کے بڑے بڑے مزے اور ثواب اور وہ عمل جو ایسے مقام پر نفع کریں یا نقصان پہنچاویں ان سب کا احوال خوب شرح اور بسط سے بیان کرکے خاطر نشان کر رہا ہے تاکہ کسی طرح کا شبہ انکے دلوں میں باقی نہ رہے سو اسکی مجلس میں کافر زنار یعنی جنیو کو توڑتے ہیں اور گنہگار فاسق فاجر توبہ کرتے ہیں اور سخت دل نرم ہوجاتے ہیں اور حق ناشناس حق شناس ہوجاتے ہیں اور دسویں مجلس میں ایک رسول اولوالعزم بیٹھا ہوا امت کو راہ پر لانے اور سمجھانے کے واسطے ہزاروں تدبیریں اور حیلے سوچ رہا اور کر رہا ہے اور جن لوگوں کو اس کام کی تدبیر کے واسطے اپنا رفیق کر رکھا ہے انمیں سے ہر ایک کو انکے حوصلے کے موافق احکام الٰہی پہنچانے کے واسطے اور لوگوں کو اسلام . . کی طرف بلانیکے واسطے چاروں طرف بھیج رہا ہے اور ہر قوم کا معاملہ اپنے رسول سے سنکر اس معاملہ کے بندوبست کے واسطے تدبیریں کارگر اپنی عقل اور فکر سے خوب سوچ کر ان رسولوں کو تعلیم کر رہا ہے اور گیارھویں مجلس میں ایک مرشد کامل طریقہ والا بیٹھا ہے اور ہزاروں مرید خدا کے طالب اسکی خدمت میں حاضر ہیں اور اپنی اپنی مشکلیں اس سے حل کر رہے ہیں اور وہ ہر ایک کے استعداد اور حوصلے کے موافق بیگانگی کے پردے کے دور کرنے میں کوشش کر رہا ہے اور مطلب کے پہنچنے کی راہ کا پتا بتلا رہا ہے اور ہر ایک حالوں اور مقاموں اور مرتبوں اور منصبوں کی راہنمائی کر رہا ہے اور مریدوں اور فائدہ لینے والوں کے باطنوں میں طرح طرح کی تاثیریں اپنی توجہ باطنی سے پہنچا رہا ہے اور ہدایت اور نفس کی پاکی کے کارخانے کو رونق دے رہا ہے اور بارھویں مجلس میں ایک محبوب رنگین چاند کا سا ٹکڑا ایک کعبہ کی مانند بیٹھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جمال کی تجلی نے اس کلبدات کے بدن کو اپنا گھر پاک ٹھیرا رہا ہے اور طور کی طرح کی ایک شکل ہے کہ حسن ازلی کے انواروں نے اسکو روشن کرکے خدائی محبوبیت کی شان اسمیں جلوہ گر رکھی ہے اور اپنی محبت کی کشش سے لوگوں کے دلوں کو شکار کر رکھا ہے اور لاکھوں اس ازلی حسن کے عاشق بڑی بڑی دور سے بغیر امید کسی منفعت کے اور بدون خواہش کسی کمال کے حاصل کرنیکے فقط دیدار کے شوق کے دیوانے کی طرح دوڑے چلے آتے ہیں اور اپنی اپنی پیشانیاں اسکے فیض کے آستانے پر گھستے ہیں اور اسکے جمال کی ایک جھلک کے مشتاق ہیں اور یہ مرتبہ ان مرتبوں سے ہے کہ کسی بشر کو حاصل نہیں ہوا مگر اسی محبوب مقبول کے طفیل سے اور اسکی امت کے بعضے اولیاؤں کو تھوڑا حصہ اس محبوبیت الٰہی سے نصیب ہوا ہے اپنی حیثیت وہ اولیا جو اس مرتبے سے بہرہ مند ہوئے ہیں تو سب لوگوں کے محبوب اور خلایق کا مرجع ہوگئے ہیں اور تمام مخلوقات کا جھکاؤ انکی طرف ہوا ہے جیسے حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا قدس اللہ تعالیٰ سرہما اور اگر کسیکو ان بارہ مجلسوں میں یا ان مجلسوں کے مضمونوں میں کسی طرح کا شک یا شبہ خاطر میں آوے تو اسکو چاہیے کہ ان مضامین میں جو ان بارہ مجلسوں میں بیان ہوئے ہیں تامل کرے اور خوب غور کرکے دیکھے کہ ان سب کاموں کی اصل کہاں ہے تو بیشک اسکو یقین ہوجاویگا کہ یہ سب کارخانہ ایک جھلک ہے کمال محمدی صلعم کے انواروں سے جیسے درخت کی جڑ کی تانگی سے شاخ شاخ اور پتا پتا ہرا رہتا ہے اور جیسے دریا سے نہریں نکلکے چاروں طرف جاری ہوتی ہیں اسی طرح سے حقیقت میں سینہ بے کینہ آنحضرت صلعم کا حوض کے خزانے کی مانند تمام کمالات ظاہری اور باطنی سے بھرا تھا اور ہر ملت اور مذہب اور طریقے میں دن اور رات وہی نور محمدی صلعم فوارے کی مانند اسی خزانے سے جوش مار رہا ہے اور ان گروہوں کو اپنے مجلسوں سے ممتاز کر دیا ہے چنانچہ تاریخ کے جاننے والوں پر جو آنحضرت صلعم کے حالات مطالعہ کیا کرتے ہیں یہ بات چھپی نہیں ہے اور یہ حکمت کا قاعدہ ہے کہ ہمیشہ ایک طرح پر کاموں کا ہونا بغیر شامل ہونے ان کاموں کے ملکہ کے نہیں ہوتا اور وہ کام کمال کے مرتبے میں جسقدر منتظم ہونگے اسیقدر اس ملکہ کے کمالات پر دلالت کرینگے اور ظاہری شرح صدر آنحضرت صلعم کا بغیر بیان کرنے ایک مقدمہ کے سمجھنا بہت مشکل ہے سو وہ مقدمہ یہ ہے کہ غیب کے عالم کی نسبت ظاہر کے عالم سے ایسی ہے جیسے اصل کی نسبت فرع سے ہوتی ہے اور جیسے آدمی کی نسبت اسکے سائے سے سو جو چیز کہ عالم ظاہری میں پائی جاتی ہے اگر عالم غیب میں اسکی کچھ اصل ہے تو بہتر ہے اور جو نہیں ہے تو جیسے دھوکا کہ ایک دم میں مٹ جاتا ہے اور جیسے جھوٹا خیال کہ کچھ اصل نہیں رکھتا اسی طرح سے جو چیز کہ عالم غیب میں پائی جاتی ہے اگر اسکی کوئی مثال یا کوئی صورت ظاہر کے عالم میں نہیں ہے تو اسکی مثال ایسی ہے جیسے بے پھل کا درخت

کہ بیٹھے بانٹ رہے ہیں اور حق تعالیٰ کی محبت کو بیدار کر دیتا ہے کہ اس کے دل سے دنیا کا خیال نہیں کرنے دیتا اور انکے دل کو روشن کر دیتا ہے کہ اس سے حق تعالیٰ کے اشارہ کو پہچان لیتے ہیں چنانچہ ایک بزرگ کی نقل ہے کہ اپنی ہیں کہ جب تجلی کو دیکھ کر اسکو فرماتا ہے جب میں ایسی گریہ کرتا ہوں اور جب کہتا ہے کہ سر اٹھا اسوقت میں سر اٹھاتا ہوں اور انکے پیٹ کو کھول دیتا ہے کہ کوئی مصیبت دنیا کی انکو معلوم نہیں ہوتی اسواسطے اور لوگ مصیبت میں تنگ ہوتے ہیں اسواسطے ہیں چنانچہ حضرت صلعم سے مروی ہے کہ جیسا آرام تمہیں میں خوشی پہنچاتا ہو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری شرح صدر کا بیان

اور دلدل ہے ولسیل اور بہ نشان اسیواسطے کہا ہے کہ جو کچھ عالم ارواح اور عالم غیب میں ہے وہ مصدر اور جڑ ہے اور جو کچھ عالم اجسام اور عالم ظاہری
میں ہے وہ مظہر اور شاخ اُسکی ہے پھر جب یہ مقدمہ جانا گیا تو اب جاننا چاہئے کہ جب آنحضرت صلعم کا معنوی شرح صدر عالم غیب میں ثابت ہوا تو
عالم ظاہری میں یہ معاملہ چار مرتبے ظہور پایا پہلی مرتبہ میں اُسوقت ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ماکے پیٹ میں تھے کہ آپکے باپنے وفات پائی
پھر جب آپ پیدا ہوئے تو آپکی ماں نے چاہا کہ پرورش کے واسطے کسی دائی کو سپرد کریں اسواسطے کہ عادت عرب کی اس طور کی تھی کہ اپنے لڑکوں کو پرورش
کے واسطے باہر کی دائیوں کو دیدیتے تھے اور وے دائیاں اپنے اپنے گھروں میں لیجاکر پرورش کرکے دو چار برس کے بعد پہنچا دیتی تھیں اتفاقاً اُن دنوں
میں بھی کتنی عورتیں دودھ والیاں بنی سعد قبیلے کی کہ طائف کے گرد و نواح میں رہتے تھے بچوں کے لینے کے واسطے مکہ معظمہ میں آئی تھیں اور مالداروں
کے بچوں کو لے لیکر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئیں اور آنحضرت صلعم کو یتیمی کے سبب سے کسی نے قبول نہ کیا ایک عورت جنکا نام بی بی حلیمہ تھا انہی عورتوں
کے ساتھ آئی تھیں اور بہت مفلس تھیں اس سبب سے کسی نے اپنا بچہ پرورش کرنے کو اُنکو نہ دیا تھا وہ بیچاری نہایت حیران اور پریشان تھیں کہ بغیر کوئی
بچہ لئے خالی ہاتھ لوٹ جانا بڑی خفت اور شرمندگی ہے لاچار ہوکر یہی دل میں ٹھیرائی کہ اس لڑکے یتیم کو اگرچہ کچھ نفع اُنکے پرورش کرنے میں نہیں ہے
لیکن لیے چلیے یہ سوچکر آنحضرت صلعم کو لیکر روانہ ہوئیں اور اُنکی سواری کا ایک گدھا نہایت دُبلا تھا کہ چل نہ سکتا تھا جو ہیں آنحضرت صلعم کو گود میں لیکر اُسپر
سوار ہوئیں وہیں وہ گدھا اسقدر قوی اور تیز رو ہوگیا کہ سب گدھوں سے آگے نکل گیا باوجود اسکے کہ وہ سب آگے سے چلی تھیں تمام قافلہ والونکو اسبات کے
دیکھنے سے نہایت تعجب ہوا جب بی بی حلیمہ اپنے گھر میں پہنچیں اپنی بکریوں کو کہ دُبلی بے دودھ کے چھوڑ آئی تھیں سب کو موٹا تازہ دودھار پایا اُن
سب باتوں کے دیکھنے سے اُنکو یقین ہوا کہ یہ سب اس بچہ کے قدموں کی برکت سے ہے تو نہایت شفقت اور پیار سے آنحضرت صلعم کو پرورش کرنے لگیں
یہانتک کہ آنحضرت صلعم اُنکے گھر میں چار سال کے ہوئے ایکدن بی بی حلیمہ کے بیٹوں کے ساتھ بکریاں چرانے کو تشریف لیگئے تھے اور وہ لڑکے آپکو
جنگل میں بکریوں کے پاس چھوڑکر اپنی ماکے پاس کھانا لینے کو گئے تھے اور آپ اکیلے بکریوں کے پاس کھڑے تھے کہ یکایک دو گدھ کی شکل کے جانور نمودار ہوئے
اور ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ وہی شخص ہے دوسرے نے کہا ہاں یہ وہی شخص ہے پھر دونوں آپ کی طرف متوجہ ہوئے آنحضرت صلعم کو اُنسے خوف معلوم ہوا
تو وہاں سے آپ بھاگے آخر اُن جانوروں نے آپ کو آ کے لیا اور دونوں بازو آپکے پکڑکر زمین پر چیت لٹایا اور اپنی چونچ سے آنحضرت صلعم کے سینہ مبارک کو
چاک کیا اور سینے کے اندر سے دلکو بھی نکالکر چاک کیا اور اُس دل کے اندر سے ایک پھٹکی جمی ہوئی سیاہ خون کی نکالکر پھینکدی اور کہا یہ خون جما ہوا مرادا
شیطان کا حصہ ہوتا ہے ہر آدمی میں اسیواسطے اُنکے دل سے نکال ڈالا تا کہ کبھی شیطان کے وسوسے کو اُنکا دل قبول نکرے بعد اسکے ایک نے دوسرے سے کہا دو برف
کا پانی لایا پھر اس سے آپکے سینے کو دھویا پھر اولے کا پانی منگوا کے اُس سے دل کو دھویا اُسکے بعد سکینہ منگوایا اور سکینہ ایک چیز تھی فردوس کی طرح اور
کہتے ہیں چھڑکنے والی چیز کو اُسکو آپکے قلب مبارک پر چھڑکا پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ اب سکو سی دے پھر اسکو سی دیا اور نبوت کی مہر کردی پھر آنحضرت صلعم
کے سینہ مبارک کو بھی سیکر برابر کردیا چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہما کہ آنحضرت صلعم کے خاص خادم تھے کہتے ہیں کہ میں نے اُس سینے کا نشان
آنحضرت صلعم کے سینہ مبارک پر دیکھا القصہ بی بی حلیمہ کے لڑکے کہ کھانا لینے گئے تھے آپہنچے اور آنحضرت صلعم کا یہ حال دیکھکر بہت گھبرا لئے اور اُسیوقت
اپنی ماسے جاکر کہا وے بھی یہ حال سُنکر نہایت گھبرائیں اور اپنے خاوند کو لیکر اُسیوقت آپکے پاس اُس جنگل میں پہنچیں آنحضرت صلعم کو دیکھا کہ چپکے
کھڑے ہیں اور رنگ مبارک آپکا زرد ہو رہا ہے بی بی حلیمہ نے آپ کو نہایت شفقت سے اپنی گود میں لیکر تسلی اور دلاسا دیا اور احوال پوچھا کہ کیا
گذرا آپنے اپنی زبان مبارک سے جو کچھ گزرا تھا سب بیان فرمایا بی بی حلیمہ نے اُس روز سے آپ کی نگہبانی بہت کرنا شروع کی اور آپکو اکیلا گھر
سے باہر نہ جانے دیتی تھیں یہانتک کہ ایکدن اُنکے خاوند نے اُنسے کہا کہ یہ لڑکا کچھ عجیب و غریب ہے ایسے ایسے معاملے اُسکے ساتھ ہوتے ہیں کہ ہماری
عقل میں نہیں آتے ایسا نہو کہ اسکو کسی طرح کی اذیت یہاں پہنچے بہتر یہ ہے کہ اُنکو اُنکے دادا عبدالمطلب کے پاس پہنچا دیں چنانچہ آپکو اسی عمر میں
آپکے پاس پہنچا دیا اور اُسوقت کے شرح صدر سے حقتعالی کو منظور یہ تھا کہ لڑکوں کے دلوں میں جو رغبت کھیل کود کی اور دوسرے نالایق کاموں کی ہوتی ہے

وہ آپکے دل سے نکلجاوے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آنحضرت صلعم کو بچپن و [illegible]
اِس عمر میں دوسرے لڑکوں کو ہوتی ہے اور آپکا اُٹھنا بیٹھنا ایک اندازے سے تمکین و وقار کے ساتھ تھا اور دوسرے مرتبے کا بیان یہ ہے کہ ابن حبان و حاکم
اور ابونعیم اور ابن عساکر اور ضیاءے مقدسی اور عبداللہ بن احمد نے مسند کی زوائد میں صحیح سند سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم جب دس برس کے ہوگئے تو
ایک جنگل میں تھے وہاں دو آدمیوں کو دیکھا اور آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نے تمام عمر ایسے نورانی چہرے کے آدمی نہیں دیکھے اور ایسی خوشبو نہیں آئی
تھی کہ مَیں نے کسی عطر میں نہیں سونگھی ہے اور اُنکے کپڑے ایسے نفیس و صاف و براق تھے کہ پھر ایسا کپڑا دوسرا آج تک میری نظر میں نہیں آیا اور وے
دونوں شخص جبرئیل و میکائیل تھے اُن دونوں نے میرے دونوں بازو ایسی آہستگی سے پکڑے کہ مجھکو کچھ بھی معلوم نہوا اور مجھکو پیٹھ کی ہڈی پر چت لٹایا
کہ کوئی جوڑ میرا بیکل نہوا اور دکھ نہ پایا پھر اُنہوں نے میرا پیٹ چاک کیا اس طرح سے کہ کچھ دکھ درد نہوا اور خون بھی نہ نکلا اور ایک اُنمیں سے سونے کے طشت میں
پانی لاتا تھا اور دوسرا اندر سے پیٹ میرا دھوتا تھا پھر ایک نے دوسرے کو کہا کہ انکے دلکو چاک کرکے کینہ اور بدخواہی کو اُس سے دور کرو اُس نے دلکو چیر کے ایک
پھٹکی بندھے خون کی نکال کے پھینکدی پھر کہا شفقت اور مہربانی کو انکے دل میں ڈالدے سو ایک چیز چاندی کے تل کی طرح کی لاکر میرے دلمیں ڈالدی اور
ایک شو کھی دواجیسے ذرور یعنی چھڑکنے کی چیز کی طرح کی لاکر اُسپر چھڑکی پھر انگوٹھا آنحضرت صلعم کا پکڑکر کہا جاؤ ہمیشہ خوش ہو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مَیں
اُسوقت سے اپنے دل میں ہر چھوٹے بڑے پر شفقت اور رحمت پاتا ہوں اور اُسوقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سن بلوغ کے قریب پہنچے تھے اور جوانی کے لوازم
میں سے شہوت یعنی نفس کی خواہشوں کی طرف جھکنا اور غصہ و غضب کا جوش مارنا ہے سو اُن گناہوں کے بچانیکے واسطے جو شہوتوں و غضب سے تعلق رکھتے ہیں
اور اکثر اُنکا جوش و خروش جوانی میں یا بعد اُسکے ہوتا ہے آپکے سینۂ مبارک کا چاک کرنا دوسرے مرتبہ ہوا تیسرے مرتبے کا بیان یہ ہے کہ جب زمانہ بعثت کا قریب
پہنچا اور وقت وحی کے نازل ہونے کا آنحضرت صلعم کے دل مبارک پر نزدیک آیا تو پھر تیسرے مرتبے آنحضرت صلعم کے قلب مبارک کو صاف کرنے اور قوت دینے کے واسطے
چاک کیا اور اس قصہ کو بیہقی نے اور ابونعیم نے دلائل میں اور ابوداؤد طیالسی نے اور حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسندوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
سے روایت کی کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینے کا اعتکاف نذر مانا تھا اور اپنے اوپر لازم کیا تھا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی
آپکے ساتھ اس اعتکاف میں شریک ہوئی تھیں اور اتفاق سے وہ مہینہ رمضان کا تھا اور دونوں ایک غار میں اعتکاف کی نیت سے بیٹھے تھے ایک رات
کو اسی رمضان کی راتوں سے وقت کے دیکھنے اور ستاروں کے پہچاننے کے واسطے آنحضرت صلعم باہر نکلے تھے کہ یکایک ایک آواز السلام علیک کی آئی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مَیں نے جانا کہ یہ آواز جنوں کے جھپٹ کی سی ہے یعنی کسی جن کا اس مکان میں گذر ہوا ہے یہ سوچکر میں ڈرا اور غار میں پہنچا
اور حضرت خدیجہ کو اس حال سے خبردار کیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ خوشخبری کی آواز ہے اسواسطے کہ سلام علیک کا لفظ امن و راست کا
نشان ہے اِس آواز سے مت ڈرو پھر دوسری مرتبہ آپ باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت جبرئیل ایک تخت پر جسکی چمک آفتاب کی سی ہے بیٹھے ہیں اور
ایک پر اپنا مشرق کو اور ایک مغرب کو پہنچایا ہے آپ فرماتے ہیں کہ اس حالت کے دیکھنے سے مجھکو پھر ڈر معلوم ہوا اور چاہا کہ پھر میں غار میں گھسوں لیکن جبرئیل نے
اتنی فرصت مجھکو نہ دی اور جھٹ غار کے دروازہ پر آگئے یہانتک کہ اُنکے دیکھنے اور اُنکے کلام کے سننے سے میری وحشت جاتی رہی بلکہ اُنسیت حاصل ہوئی پھر
جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے وعدہ لیا کہ فلانے وقت کیلئے آنا آپ فرماتے ہیں کہ میں اس وعدے کے وقت اکیلا آکر دیر تک انتظار میں کھڑا رہا جب بہت دیر
ہوئی تو میں نے ارادہ کیا کہ اب گھر کو جاؤں یکایک کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت جبرئیل و حضرت میکائیل علیہما السلام دونوں درمیان آسمان و زمین
کے بڑی عظمت و شان سے آتے ہیں پس آتے ہی مجھکو زمین پر لٹایا اور میرے سینے کو چاک کیا اور میرے دل کو نکال کے سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے
دھویا اور ایک چیز اُس سے نکال ڈالی کہ کچھ بھی مجھکو معلوم نہوا پھر دلکو اپنے مکان پر رکھکر سینے کو درست کردیا اور دونوں فرشتوں نے میرا ہاتھ پاؤں پکڑکے
اُلٹا کیا جس طرح سے کوئی برتن کو اُسکے اندر کی چیز نکالنے کو اوندھا کرتے ہیں پھر ایک مُہر میری پیٹھ پر کردی یہانتک کہ اس مہر کا نشان میں نے اپنے دلپر
پایا چوتھے مرتبے معراج کی رات کو اور اس مرتبے آنحضرت کے سینۂ مبارک کے چاک ہونے کا سبب تھا کہ آپکا دل مبارک عالم ملکوت یعنی عالم ارواح کی

سیر کی قوت حاصل کرے اور ان تجلیات کی روشنی اور چمکتے ہوئے انوار کے دیکھنے کی طاقت پیدا کرے کہ جنکے دیکھنے سے دل میں وحشت آجاتی ہے اور قصہ معراج کا معروف اور مشہور ہے اُسکے بیان کرنے کی اس جگہ کچھ حاجت نہیں ہے اور اس قصہ میں ایمان اور حکمت سے دل کو پر کرنا بھی مذکور ہے چنانچہ اپنے مقام پر گذرا ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ ظاہر میں چاک کرنا آپکے سینہ مبارک کا معنوی شرح صدر کا نمونہ ہے کہ دنیا میں کئی مرتبہ ظہور میں آیا اور اس شرح صدر ظاہری کے مکرر ہونے کی وجہ بھی اس قصہ کے بیان میں ذکر کی گئی چنانچہ پوشیدہ نہیں ہے اور جو پہلی نعمت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی یہی تھی کہ سینہ مبارک کو اسقدر کشادہ کر دیا کہ بے انتہا کمالوں کی گنجایش اُسمیں ہو سکے اسیواسطے اِس سورت کے اول میں اسی نعمت کو استفہام انکاری کے طور پر یاد دلایا ہے کہ بموجب قول نفی النفی اثبات یعنی نہیں کی نہیں سے مطلب ثابت ہوتا ہے تو یہ نفی بھی اثبات کو مفید ہوئی یعنی لم نشرح صیغہ نفی کا ہے جب اسپر ہمزہ استفہام انکاری کا لائے تو پہلی نفی کی نفی ہو گئی یعنی کیا نہیں کھولا ہمنے سینہ تیرا بلکہ بیشک کھولا ہے اور یہی مطلب ہے اور اسکے بعد دو نعمتیں اور بھی کہ اسی نعمت کی تاثیر سے ہیں تنبیہ کے واسطے لائے ہیں اُن دونوں میں سے ایک یہ ہے **وَوَضَعۡنَا** اور اُتار لیا اور دور کیا ہمنے اِس حوصلے کی کشادگی کے سبب سے **عَنكَ وِزۡرَكَ** تجھ سے تیرا بوجھ اسواسطے کہ جو کچھ آدمی کی روح میں استعداد ہوتی ہے سو اپنی جبلت اور پیدایش کے موافق اُسکے حاصل کرنے کو رغبت کرتا ہے اور جب اُسکے جوڑ بند اسکا بوجھ نہیں اُٹھا سکتے ہیں تو وہ چیز اُسپر بھاری ہو جاتی ہے جیسے کوئی بڑے قصد والا کہ سرداری اور بادشاہی لینے کے واسطے موافق استعداد کے اسکی طبیعت خواہش کرتی ہے اور یہ بات بغیر بہت مال خرچ کئے اور بغیر بہت فوج جمع کئے اور بغیر بڑی بڑی محنتیں بدنی کھینچے اور بڑے بڑے رنج روحانی اُٹھائے کے حاصل نہیں ہو سکتی لاچار اسکے دلپر بھاری پڑتی ہے پھر اگر حوصلے کی فراخی حاصل ہوئی تو ہر کمال کے حاصل کرنے میں جو مخالف چیزیں اُسکے مزاحم ہونگی اور پیش آوینگی تو اُسکے سبب سے اُسکا دل تنگ اور خفا نہوگا اور اس بوجھ کا اثر جلدی اُسکے دل سے دور ہو جائیگا اور اُسکے دلکو نہایت سبکی اور آسانی حاصل ہوگی **الَّذِيٓ أَنقَضَ ظَهۡرَكَ** وہ بوجھ جسنے تیری پیٹھ کڑی کر دی تھی اور ٹوٹنے کے قریب کر دی تھی پیٹھ تیری اسواسطے کہ تیری ہمت چاہتی تھی کہ ان سب کمالوں کو حاصل کرے اور نفسانی تشویشات کے سبب سے تیرا دل تنگی کرتا تھا پھر جو ہمنے تیرے حوصلہ کو کشادہ کر دیا تو یہ سب تشویشیں تجھپر آسان ہو گئیں اور تفسیر کرنیوالے عالموں کی فکر اس وزر کے بیان میں ادھر اُدھر گئی ہے لیکن بات کی حقیقت کو نہیں پہنچے چنانچہ بعضوں نے کہا ہے کہ وہ مکہ معظمہ سے نکلنے کا غم تھا اور مدینے میں پہنچا دینے سے وہ غم جاتا رہا اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ غم کافروں کی شرارت اور ستمگاری کا تھا اور حقتعالیٰ کی تائید سے وہ غم جاتا رہا یعنی اسلام غالب ہوا اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ غم دین حنیفی اور اسکے حکموں کے نہ پانے کا تھا سو قرآن کے نازل کرنے سے اور شریعت کے حکموں کے بیان کرنے سے اس غم کو بالکل مٹا دیا اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ غم اُمت کا تھا سو شفاعت کے مقام کے دینے سے اس غم کو کھو دیا اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ رسالت کی بار برداری کا غم تھا سو وہ جان نثار یاروں کے بہم پہنچا دینے سے نیست اور نابود کر دیا جیسے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذی النورین اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین بہرحال جو کچھ اِن بزرگواروں نے ذکر کیا ہے ایک قطرہ ہے اِسی دریا سے اور ایک پرچہ ہے اُسی طومار سے اور دوسری نشانی آنحضرت صلعم کے شرح صدر کی یہ ہے کہ **وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ** اور بلند کیا ہمنے تیرے واسطے ذکر تیرا یعنے جب اس مرتبوں کے کمالوں کی جمعیت تجھکو حاصل ہوئی کہ اُلوہیت کے مرتبے کا ظل اور سایہ ٹھہرا اور اس جمعیت کے ساتھ منفرد اور طاق ہوا تو اب تیرا ذکر حق تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں اللہ اور اُسکا رسول خوب جانتا ہے یا کہتے ہیں کہ اللہ اور رسول کا ایسا حکم ہے کہ اُسکی تابعداری واجب ہے اور اسی پر اور باتیں قیاس کر لینا چاہئے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک وقت آنحضرت صلعم نے حضرت جبرئیل سے پوچھا کہ میرے ذکر کو کس طرح سے بلند کیا ہے حضرت جبرئیل نے کہا کہ تمہارے ذکر کو حقتعالے نے اپنے ذکر کے نزدیک کیا ہے اذان میں اور تکبیر میں اور التحیات میں اور خطبہ میں اور کلمہ طیب میں اور کلمہ شہادت میں اور تابعداری کے کام میں جیسے کہ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ اور گناہ کی حرمت میں جیسے ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم خالدین فیہا ابداً اب جاننا چاہئے کہ جس جگہ ذکر حق تعالیٰ کا ہے اُس جگہ رسول صلعم کا بھی ذکر ہے مگر تین جا پر پہلے اذان کے آخر میں کہ فقط لا الٰہ الا اللہ کہا

جاتا ہے دوسرے چھینکنے کے بعد کہ فقط الحمد للہ کہا جاتا ہے تیسرے ذبح کے وقت کہ فقط بسم اللہ کہا جاتا ہے اور ان جگہ پر رسول کا نام نہ لینے کی ایک وجہ
ہے کہ اپنے مقام پر ذکر کی جاویگی اور جب تینوں نعمتوں کو کہ اصلی اور فرعی تھیں بیان فرمایا تو وہ خصوصیت کہ سارے انبیاؤں سے آنحضرت صلعم کو حاصل ہے
ثابت ہوئی اب بیان فرماتے ہیں کہ یہ سب اس صبر کی برکت ہے کہ تحقیق البتہ تم نے اور ہماری راہ میں رنج اٹھایا فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا
پھر تحقیق ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے کہ درگاہ الٰہی سے عین اس سختی میں نصیب ہوتی ہے اور وہ آسانی اس سختی کے بوجھ اٹھانے کی طاقت دینا
ہے اس سبب سے وہ سختی آسان ہو جاوے کہ اگر اس مصیبت گرانی کے بدلہ جو آگے اس سختی کو یاد کریں تو اسکے اٹھانے کی طاقت اپنے میں نہ پاویں
سو کمالات کے حاصل کرنے میں ہر قسم کی آسانیاں آنحضرت صلعم کو شرح صدر اور فراخی حوصلہ کے سبب سے عنایت ہوئی تھیں تاکہ آپ کے دل کو تنگی اور کدورت
حاصل نہ ہو اور ہر کمال کی تحصیل کو باوجود پیش آنے عذر اور ہر طرح کے انجام کو پہنچا دیں إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا تحقیق اس مشکل کے ساتھ آسانی
دوسری بھی ہے اور دوسری آسانی مرتبوں اور درجوں کی بلندی ہے اسواسطے کہ مصیبت میں صبر کرنا اگر حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے ہے تو حق تعالیٰ
کی درگاہ میں مرتبوں اور درجوں کی بلندی کا سبب ہے اور اگر بندوں کے واسطے ہے تو اس بندے پر اپنی خدمت اور مشقت کا حق ثابت کرنے کا سبب ہے
کہ منصب و مرتبے کی زیادتی دیکھ کے وہ سختی اور مصیبت بالکل آسان ہو جاتی ہے چنانچہ یہ معاملہ دنیا داروں میں مجرب و آزمودہ ہے کہ دنیا کے مرتبے
اور جاہ کے واسطے سر تک دیتے ہیں بھی آہ نہیں کرتے ہیں اور اس تقریر پر وہ اعتراض جو اس مقام پر مشہور ہے وارد نہیں ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مع کا لفظ
عرب کی لغت میں ملنے اور ساتھ ہونے کے معنوں میں ہے تو چاہئے کہ تنگی اور فراخی کا زمانہ ایک ہی ہو اور یہ ممکن نہیں ہے اسواسطے کہ دو ضدوں کا
جمع ہونا ایک زمانہ میں لازم آتا ہے وَالضِّدَّانِ لَا يَجْتَمِعَانِ اور دو ضدیں آپس میں اکٹھی نہیں ہو سکتیں اس جواب کی توضیح علما کے قاعدوں کے موافق
یہ ہے کہ دو ضدوں کا جمع ہونا جدے جدے دو اعتباروں سے ہو سکتا ہے جیسے کہتے ہیں مسافر کو روزہ رکھنا اگرچہ مشقت ہے لیکن مسلمانوں کی موافقت اور
ہمراہی کے سبب سے آسان ہو جاتا ہے اور مصیبت والے کو اگرچہ دکھ ہے لیکن ثواب کا پانا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو پہنچنا آسانی ہے اور افلاس اور تنگدستی
اگرچہ فقیر کو دنیا کی مشقت کا سبب ہے لیکن آخرت کے حساب کتاب سے نجات پانا اور چوروں اور بٹ ماروں سے بے دہشت ہونا اور ظالم حاکموں کے تاوان لینے
سے بچنا کمال آسانی ہے تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز ایک ہی زمانہ میں ایک اعتبار سے مصیبت ہو اور دوسرے اعتبار سے آسانی اور بعضے مفسرون نے
کہا ہے کہ مع کا لفظ لغت میں اگرچہ مقارنت اور نزدیکی کے واسطے ہے لیکن جو ایک چیز بعد ایک چیز کے جلدی حاصل ہوتی ہے تو اس نزدیکی کو بھی ملنا
بولتے ہیں اور مع کے لفظ کو وہاں استعمال کرتے ہیں اور یہ مقام بھی اسی قسم کا ہے اسواسطے کہ دنیا کی سختی اگرچہ لمبی اور دراز ہو لیکن جو آخرت دنیا سے بہت
متصل ہے تو گویا جدائی نہیں ہے اور دنیا سے ملی ہوئی ہے اور اس آیت کے مکرر لانے کی دو وجہیں ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت
صلعم اس آیت کے نازل ہونیکے بعد ہنستے ہوئے گھر سے باہر تشریف لائے اور صحابہ سے فرمایا کہ خوش ہو کہ حق تعالیٰ نے دنیا کی ہر سختی کے بعد دو آسانی کا وعدہ فرمایا
ہے ایک آسانی دنیا میں اور ایک آخرت میں چنانچہ بعضے ذی فنون نے اس بیت میں اسی مضمون سے اشارہ کیا ہے ہ اذا اشتدت بك البلوی ففکر
فی الم نشرح ۔ فعسر بین یسرین اذا فکرته فافرح ؂ یعنی جب ہجوم کریں تجھ پر بلائیں تو غور اور فکر کر الم نشرح کے معنوں میں اسواسطے کہ ایک
سختی دو آسانیوں میں واقع ہوئی ہے پھر جب اس مضمون کو غور کریگا تو تو خوشیاں کر اور شادیاں کر کہ میری بھی سختی رہنے والی نہیں ہے اور حدیث صحیح
میں وارد ہے کہ لن یغلب عسر یسرین یعنی ایک سختی دو آسانیوں پر غلبہ نہ کر سکیگی اور اگر کسی کے دل میں یہ شبہ گزرے کہ جس طرح یسر دو جاگہ پر مذکور
ہے اسی طرح عسر بھی دو جاگہ پر مذکور ہے پھر عسرت کی وحدت اور یسر کا تعدد کہاں سے پوچھا گیا اسکا جواب یہ ہے کہ عربیت کے جاننے والے کہتے ہیں کہ جب
نکرے کو بعد نکرے یا معرفے کے لاتے ہیں تو وہ جدائی کو چاہتا ہے اور دونوں کے مضمون جدا ہوتے ہیں اور جب معرفے کو بعد نکرے یا معرفے کے لاتے
ہیں تو وہ اتحاد کو چاہتا ہے اور دونوں کا مضمون ایک ہوتا ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ارسلنا الی فرعون رسولا فعصی فرعون الرسول
یعنی الرسول کو لفظ معرفہ ہے نکرے کے بعد یعنی رسولا کے بعد آیا ہے اور دونوں لفظوں سے مراد ایک ہی رسول ہے اسی طرح جاء نی رجل الرجل

شریف اُس شہر کا ہے اور وہ دیوار کہ مغرب کی طرف اور کچھ شمال کی طرف مقابل مدینہ مقدسہ نبویہ کے ہے اُسکو سور باب الشبیکہ کہتے ہیں اور جو دیوار کہ
یمن کی طرف ہے اُسکو سور باب الیمن اور سور باب الماجن بھی کہتے ہیں اور تعمیر ان دیواروں کی ۸۱۶ھ آٹھ سو سولہ میں حکم سے وہاں کے شریف کے کہ
سید حسن بن عجلان تھا واقع ہوئی اور طول و عرض اس شہر کا اسقدر ہے کہ باب معلات سے باب ماجن تک چار ہزار چار سو بہتر گز ہے اور باب معلات سے شبیکہ
تک بھی اتنا ہی ہے مگر دو سو بیس گز زیادہ ہے اور گرداگرد اُسکے دو پہاڑ ہیں ایک کو ابو قبیس کہتے ہیں اور دوسرے کو کہ وہ سنگ سرخ کا ہے مقابل ابو قبیس کے
قُعیقِعان کہتے ہیں اور ان دونوں پہاڑوں کو اخشبین مکہ کہتے ہیں ابو قبیس کو اخشب شرقی اور قُعیقعان کو اخشب غربی کہتے ہیں اور مکہ معظمہ میں عمارتیں
بہت ہیں اور بہتے چشمے اور چشمہ دار کنویں اور وقفی حوض اور حمام بہت سے ہیں چنانچہ فاکہی کے زمانہ میں کہ اس مقام کا مؤرخ ہے سولہ حمام گرم ہوتے تھے اور اس
شہر کو دو قسم ٹھہرایا ہے ایک معلات ایک مسفلہ اور دار الخیزران کہ نزدیک کوہ صفا کے داہنی طرف مکہ معظمہ کی حد ہے معلات کی ہے اور دار العجلہ کہ بائیں
طرف مکہ معظمہ کے ہے نشانی حد مسفلہ کی ہے اور یہ شہر مکرم اور معظم حجاز کی ولایت میں داخل ہے اور وہ ولایت درمیان میں ولایت شام اور عراق اور مصر اور
یمن کے واقع ہے اور اس ولایت میں کئی شہر داخل ہیں چنانچہ ایک اُنمیں سے یہی شہر ہے اور ایک مدینہ منورہ اور ایک یمامہ اور بہت پرگنے ان تینوں شہروں کے
ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور عمل مکہ معظمہ کا بعضی طرف سے دس منزل ہے خصوصاً جو سرحد کہ یمن کی طرف واقع ہے اُسکو خنکان کہتے ہیں وہ مکہ معظمہ سے دس روز
کی راہ ہے اور بعضی طرف سے کم ہے جیسے مدینہ مکرمہ کی طرف کہ سرحد اس طرف کی ایک گاؤں ہے کہ اُسکو خیادہ بن صیفی کہتے ہیں اور وہ ایک گاؤں ہے درمیان
عُسفان اور مکہ کے ڈیڑھ منزل پر ہے اور عراق کی طرف ایک گاؤں ہے کہ اُسکو عمیر کہتے ہیں وہ بھی اسیقدر ہے اور گرداگرد مکہ معظمہ کی حد حرم کی ہے کہ وہاں شکار
کرنا اور درخت کاٹنا درست نہیں ہے اور اگر اتفاقاً کسی نے وہاں شکار مارا یا جھاڑ کاٹا تو اُسپر کفارہ آتا ہے اور حد حرم کے دروازہ سے
مسجد الحرام کے کہ مشہور باب بنی شیبہ ہے دو میناروں تک کہ عرفہ کی طرف حرم کی حد پر کھڑے ہیں سینتیس ہزار دو سو دس گز ہے اور باب معلات سے اُنہیں دونوں
میناروں تک پینتیس ہزار تراسی گز ہے اور عراق کی طرف اُن دونوں میناروں تک کہ راہ پر وادی نخلہ کے بنائے ہیں ستائیس ہزار ایک سو باون گز ہے اور
باب معلات سے اُنہیں دونوں میناروں تک پچیس ہزار پچاس گز ہے اور تنعیم کی طرف سے کہ مدینہ منورہ کی سمت کو واقع ہے حد حرم کی بارہ ہزار چار سو بیس
گز ہے اور یمن کی طرف دیوار سے باب ابراہیم کے حرم کی حد کے نشان تک چوبیس ہزار پانچسو گز ہے اور دیوار سے باب الماجن کے حرم کی حد کی علامت
تک اُسی طرف کو کہ وہ بھی یمن کی طرف سے بائیس ہزار آٹھسو چھہتر گز ہے اور حساب کی رو سے حرم کے دور کو سینتیس کوس لکھا ہے واللہ اعلم اور خصوصیات سے حرم
کی وے ہیں جو مذکور ہوئیں یعنی شکاری جانوروں کا نہ وہاں شکار کرنا درست ہے اور نہ سایہ در پانی سے ہانکنا اور نہ درخت اور سبزہ وہاں کا کاٹنا اور اُکھیڑنا
اور نہ پتے جھاڑنا یہ سب جائز نہیں مگر اذخر اور سنا کہ دوا کی ضرورت کے واسطے جائز رکھا ہے اور یہ بھی ہے کہ اس جاگہہ آدمی ارادہ کرنے سے گناہ کے پکڑا جاتا
ہے سوائے اور مکانوں کے اور عبادت اور بندگی وہاں کی بہت ثواب رکھتی ہے چنانچہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک روزہ مکہ معظمہ کا برابر
لاکھ روزوں کے ہے اور ایک درم دینا اس مکان مبارک میں برابر لاکھ درم کے ہے اور حاکم کی مستدرک میں ابن عباس سے نقل کی ہے کہ حسنات الحرام کل
حسنة بمائة الف حسنة یعنی ہر نیکی کہ حرم میں کی جاتی ہے برابر لاکھ نیکی کے ہے اور یہ بھی ہے کہ جو کوئی مکہ معظمہ میں مر گیا شرف اور بزرگی اُسکو
حاصل ہوگی چنانچہ حدیث شریف میں واقع ہے کہ من مات بمكة بعثه الله تعالى فی الآمنین یوم القیمة یعنی جو مرا مکہ میں اُٹھاویگا اُسکو اللہ تعالیٰ
قیامت کو امن والوں میں اور یہ بھی حدیث شریف میں ابن عمرو سے واقع ہے کہ من مات بمكة فكانما مات فی السماء الدنیا یعنی جو کوئی مرا مکہ معظمہ
میں تو گویا کہ مرا دُنیا کے آسمان پر اور نشانیاں عجیب اور غریب وہاں نظر آتی ہیں کہ اگر درندہ جیسے بھیڑیا یا چیتا کسی جانور کے پیچھے دوڑتا ہے اور وہ جانور
جب حرم کی حد میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ درندہ پھر جاتا ہے اور ہرگز حرم میں داخل نہیں ہوتا اور بہت لوگوں نے حرم کی حد میں ہرنوں کو اور درندے
جانوروں کو ایک جگہ ملے دیکھا ہے اور یہ بھی ہے کہ پرندے جب اُڑتے ہوئے بیت اللہ کے قریب آتے ہیں تو کچھ ادھر اور کچھ اُدھر کو پھٹ جاتے ہیں اور خانہ
کعبہ کے اوپر ہو کر نہیں جاتے یہ بات ہمیشہ لوگ دیکھتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ پانی زمزم کے کنویں کا شب برات کو جوش کرتا ہے اور یہ بھی ہے کہ زمزم کے پانی میں

مرتبہ کو پہنچا ہے اسیواسطے اس سورت میں سی شہر کی قسم پر ختم فرما کر مطلب کو ارشاد کرتے ہیں کہ **لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ** یعنی قسم ان چاروں چیزوں کی اسبات پر ہے کہ مقرر ہمنے پیدا کیا انسان کو بہت اچھی صورت اور ترکیب میں سو اسطے کہ اگر ظاہر اسکا دیکھیے تو کمال حسن اور جمال کے ساتھ موصوف ہے قد اور قامت میں اور دوسرے اندامون کی خوبی اور برابری میں گردن اسکی نہ بہت لمبی ہے اونٹ کی سی نہ بہت چھوٹی ہے کچھوے کی سی ناک اسکی نہ ایسی لمبی جیسے ہاتھی کی سونڈ نہ اور چوپایوں کی طرح بے معلوم اسیطرح سب اعضا میں فکر کیا چاہیے اور خوبی اور حسن اور جمال کو دریافت کیا چاہیے اسیواسطے امام شافعی رحمۃ اللہ کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا تھا کہ ان لم تکونی احسن من القمر فانت طالق یعنی اگر تو چاند سے اچھی نہوگی تو تجھکو میں نے طلاق دی سب علماء اسوقت کے حیران ہوئے اور طلاق پڑنے کا حکم دیا جب یہ استفتا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی اسواسطے کہ اسکی عورت انسان ہے اور انسان کو حق جل علاؔ نے فرمایا ہے کہ ہمنے اچھی صورت میں اسکو بنایا ہے اگر چاند کی صورت اس سے اچھی ہوتی تو احسن تقویم اسکی تعریف میں کیوں فرماتا و لنعم ما قیل ما انت مادحها بامن یشبهها بالشمس البدر لا بل انت هاجیها من این للشمس خال فوق وجنتها و مضحک من نظام الدر فیها من این للبدر اجفان مکحلة بالسحر والفتر یجری فی حواشیها یعنے نہیں ہے تو تعریف کرنیوالا اسے وہ شخص جو تشبیہ دیتا ہے انسان کو آفتاب و ماہتاب سے بلکہ تو ہجو کرنیوالا اسکا ہے کہاں ہے آفتاب کے تل رخسارے پر اور ہنسنے میں لڑی موتیوں کی منہ میں اسکے کہاں ہے چاند کے پلکیں سرمئ الیاں جادو مجہری اور فتح اور نصرت جاری ہے کنارے میں اسکے اور ظاہر ہے کہ چاند میں سوا روشنی اور چمک کے کچھ اور نہیں ہے اور یہ نسخہ جامع ہے نقاشی کی نزاکتوں کا اور طرح طرح کی شکلوں کا چنانچہ کہا گیا ہے **؎** من ماہ ندیدہ ام کلاہ دار ＊ من سرو ندیدہ ام قباپوش ＊ یعنی میں نے چاند نہیں دیکھا ٹوپی لیے [illegible] نہیں دیکھا میں نے قبا پہنے ہوئے۔ اور اس سبب سے بھی ہے کہ کوئی صورت دنیا میں لائق عبادتوں کثیرہ کے نہیں ہے جیسے آدمی کی صورت ہے کہ قیام اور رکوع اور سجود سب اس سے ہو سکتا ہے اور اگر اسکے حسن کا بیان تفصیل کے ساتھ کیا جاوے جیساکہ علم تشریح میں بیان ہے تو اسکو دفتر کے دفتر چاہیئے اسواسطے اس بیان سے خاموش ہونا اور زبان قلم کو روک رکھنا بہتر ہے اور اگر اسکے باطن کے معنی کو غور کریں تو چار عالم اس نسخہ جامعہ میں لپٹے ہیں عالم شہوت کا اور عالم غضب کا اور عالم وہم کا اور عالم خیال کا اور ان چاروں عالم کو عقل حاکم کے حکم کا مسخر اور تابعدار کیا ہے اور اس حاکم کو شرع کی نورانی مشعل سے آنکھوں کی روشنائی بخشی کہ بھلے برے کو اس نور سے پہچان لے پھر جب حکم اس حاکم کا ان چاروں عالم پر غالب ہوتا ہے تو آدمی بڑے مرتبے کے کمال اور جامعیت کو پہنچتا ہے اور جو چیز کہ کسی سے عالم متفرق میں اسکے حاصل ہونے کی توقع نہیں ہوتی ہے اس نسخہ جامعہ سے کہ انسان ہے حاصل ہوتی ہے جیسے معجون مرکب کی خاصیت کہ کسی جز میں اسکے اجزاؤں سے وہ خاصیت حاصل نہیں ہوتی لیکن غلبہ اس حاکم کا محض غیبی مدد اور آسمانی توفیق سے ہوتا ہے اسیواسطے ہر کسیکو میسر نہیں ہوتا چنانچہ فرماتے ہیں **ثُمَّ رَدَدْنٰهُ** پھر ڈالدیا ہمنے ایسی عجیب مخلوق کو جسکو اسقدر نوازا تھا اسکے قصور کرنیسے عقل کے اور اسکے دوسری ہمایا ہے شہوت اور غصہ اور وہم اور خیال کے کارخانہ کے انتظام میں **اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ** نیچے سے نیچے کہ چوپایوں کے مرتبہ سے بھی گذر جاتا ہے اور شہوت اور غصہ کے جال میں ایسا پھنس جاتا ہے اور پھندے میں وہم اور خیال کے ایسا بندھ جاتا ہے کہ اسکا مرتبہ سب نیچی اور ذلیل مخلوقوں سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے اسلئے کہ دوسری مخلوقات کو جو کمالات حاصل کرنیکی استعداد نہیں ہے تو پکڑ اور مار دھاڑ بھی نہیں ہے اور اس مخلوق کو باوجود کمالات حاصل کرنیکی استعداد کے اگر کمالوں سے محروم اور بے نصیب رہا تو ہمیشگی کی پکڑ اور سدا رہنے والا عذاب رہتا ہے **اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** مگر جو لوگ کہ ایمان لائے اور اپنی عقل کو اپنے وہم اور خیال پر غالب کیا **وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** اور کام کئے اچھے اور اپنی عقل کو شہوت اور غصہ پر غالب کیا اور بہت محنت اور کوشش کی **فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ** پھر انکو مزدوری ہے بے انتہا اگرچہ ظاہر میں کوشش انکی بیماری اور بڑھاپے اور موت کے سبب سے تمام ہو جاتی ہے لیکن جو کیفیت کہ انکی روح میں بسبب خوب جم جانے جوڑ بند کے نیکوئی پر حاصل ہوتی ہے ہر روز زیادتی میں ہے اور ہر آن اور ہر لحظہ بے نہایت

ثواب مقابلے میں اُسکے بڑھتے جاوینگے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو مسلمان بندہ اچھے دین کے چلن اور طریق پر ہوتا ہے اور وہ طریقہ اُس سے بڑھاپے
یا مسافری یا بیماری کے سبب سے چھوٹ جاوے حقتعالی کاتب الحسنات یعنی نیکی کے لکھنے والے فرشتوں کو فرماتا ہے کہ نامۂ اعمال میں اس شخص کے ثواب اُن
طاعتوں اور نیکیوں کا کہ ہمیشہ کرتا تھا لکھدو اور اُسکا ثواب اُس سے روکو مت بلکہ بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ مرنیکے بعد اُسکے فرشتوں کو حکم کرینگے کہ اُسکی قبر
کے پاس تسبیح اور تکبیر اور تحمید سے مشغول رہو اور وہ سب اس بندے کے نام لکھو یہاں تک کہ قیامت کے دن جب قبر سے اُٹھے تو ان بے انتہا خزانوں کو
خرچ میں لاوے اور بعضے مفسروں نے ثم رددناہ اسفل سافلین کی آیت کو بڑھاپے اور سٹھ جانے کی حالت پر قیاس کیا ہے کہ اس حالت میں آدمی
کی صورت بدل جاتی ہے اور جوڑ بند ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور پیٹھ جھک کر کمان سی ہو جاتی ہے اور سیدھا پن قد کا برباد ہو جاتا ہے اور سارا بدن
اور سر کے بال سفید ہو کر مبروص یعنی سفید داغ والے کی صورت بن جاتا ہے اور جھریاں اُسکے چہرہ پر پڑ جاتی ہیں تو اُسکا چہرہ بدزیب معلوم ہوتا ہے اور دانت
اُکھڑ کر مُنہ کھنڈر کی صورت بن جاتا ہے لیکن ان معنوں کو استثنا الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات کی مناسبت نہیں ہے مگر جبکہ استثنا کو منقطع
کہیں سو اُسمیں بڑا تکلف ہے اور جو ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حقیقت دین کی غالب کرنا عقل کا ہے تمام قوتوں پر جیسے شہوت اور غصہ اور وہم اور
خیال اور عقل کو نور سے شرع کے روشن کرنا پس دین کی تکذیب کرنے کی کوئی وجہ باقی نرہی اسواسطے کہ انسان کی معنوی خوبصورتی عین دین ہے
اور وہ حسن ہر کسیکو مطلوب اور مرغوب ہے اسیواسطے اس تکذیب کے رد کے مقام پر فرماتے ہیں **فما یکذبک بعد بالدین** پھر کونسی
چیز تیرے جُھٹلانے کا باعث ہوتی ہے اے آدمی باوجود ظاہر ہونے ایسے ایسے دین کے مقدمات کے جو اوپر بیان ہو چکے حاصل یہ کہ جو حقیقت اپنی صورت معنوی
معلوم کرلی تو لے اور جان لیا کہ حسن اُس صورت معنوی کا موقوف اسبات پر ہے کہ اول عقل کو شرع کے نور سے روشن کرکے پھر اُسکو اپنی قوتوں پر حاکم کرے
پس کوئی وجہ دین کی تکذیب کی باقی نرہی کیونکہ وہ نور دین ہی کا ہے جس سے عقل راہ پاتی ہے اسواسطے کہ عقل مانند بینائی کے ہے اور نور دین کا
جیسے آفتاب کی شعاع پھر اگر شعاع آفتاب کے درمیان میں نہو تو بینائی سے اُسکے کچھ کام نہیں نکلتا پس دین کا نور انسان کی صورت معنوی کے کمال حاصل کرنے
کے واسطے ضروریات سے ہے اور جس طرح کہ انسان خلل پڑجانے سے ظاہر کی صورت میں انسانیت سے نکل جاتا ہے اور حیوانوں کی مانند مسخ ہو جاتا ہے اسی طرح سے
صورت معنوی میں خلل پڑ جانے سے اُس حد سے نکل جاتا ہے اور مسخ معنوی میں گرفتار ہو جاتا ہے اور ایسا کون نادان ہے کہ نکل جانے کو انسانیت سے اور
داخل ہونے کو حیوانیت میں اپنے اوپر روا رکھے اور اگر مزاج کے فساد کی راہ سے کوئی شخص حیوانی صورت کی طرف رغبت کرے تو اُسکو اس مقدمے سے سمجھا دینا چاہیے
کہ **الیس اللہ باحکم الحاکمین** کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں کا حاکم اور جو دوسرے حاکم اپنی رعیت کے واسطے یہ بات نہیں چاہتے ہیں
کہ ایک فرقے سے دوسرے فرقے میں جاملیں یا اعلی مرتبہ سے ادنی کی طرف جھکیں تو حق تعالی کیونکہ ایسی حرکت پسند کریگا کہ حکمت کے خلاف ہے اور
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دین کو جزا کے معنوں میں لیں تو اس صورت میں ربط ان آیتوں اور اگلی آیتوں کا یوں سمجھا چاہیے کہ جب قدرت حق تعالی کی
احوال بدل کرنے پر انسان کی خلقت کے شروع سے کہ نطفہ تھا یہانتک کہ خلقت میں کمال اعتدال کو اور صورت کی خوبی کو پہنچا اور زینت معنوی عقل
کے دینے سے اور روشن کرنے سے اُسکے شرع کے نور سے بھی اُسکو بخشی پھر یکایک بعضوں کو اُنمیں سے ایسا ظاہر میں گرادیا کہ سب نیچوں کا ذلیل ہونا آدمی پر
کھل گیا پھر جزا دینا قیامت کے دن اور مُردوں کا زندہ کرنا اور احوال کا بدلتا کر دینا کہ سرکشوں کو ذلیل کردینا اور یہاں کے عاجزوں کا مرتبہ بلند کردینا
اُسکے نزدیک کیا بعید ہے اور اسقدر کہ بیان کیا گیا ثابت ہونے کو جزا کے باعتبار حقتعالی کی قدرت کے بس ہے اور اگر نظر اُسکی حکمت اور عدالت پر کریں تو معلوم
کرلیں کہ بدلا نیکی کا اور بدی کا پہنچانا اور فرق بدکار و نیکوکار میں کرنا حکمت اور عدالت کے واسطے واجب ہے پس واجب ہوا جزا کا ثابت ہونا چنانچہ الیس اللہ باحکم
الحاکمین میں اشارہ اسی بات کی طرف ہے اب جاننا چاہیے کہ جزا کا ہونا باعتبار قدرت کے ممکن ہے اور حکمت اور عدالت کی راہ سے واجب ہے اور حدیث شریف
میں آیا ہے کہ جو کوئی سورۂ والتین کو پڑھے اور اس آیت پر پہنچے کہ الیس اللہ باحکم الحاکمین ٥ تو چاہیے کہ کہے بلی وانا علی ذلک من الشاھدین یعنی سچ ہے
کہ تو سب حاکموں کا حاکم ہے اور میں بھی اسبات پر گواہ ہوں اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے عشا کی نماز میں اس سورۃ کو اکثر پڑھا ہے اور حضرت

امیر المومنین عمر بن الخطاب بھی اکثر اس سورے کو کعبے کے سامنے فرض نماز میں پڑھتے تھے کہ اشارہ ہو حرم کی بزرگی پر کہ مکی اس میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم

سورۂ اقراء

یہ سورت مکی ہے اسمیں انیس آیتیں اور بہتر کلمے اور ایکسو اسی حرف ہیں اور اس سورے کو سورۂ علق بھی کہتے ہیں کیونکہ اس سورہ میں مذکور ہے کہ آدمی کو علقے سے یعنی جمے ہوئے لہو سے بنایا ہے اور یہ مذکور دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ذلیل کو عزیز کر دیتا ہے جیسے اس لہو کی پھٹکی کو کہ نہایت ذلیل کے درجہ میں تھی انسان کی صورت بنا کر اسمیں روح پھونک کر کیا کچھ عزت بخشی اسیطرح سے آدمی کو باوجود کمال ذلت اور محتاجگی کے اتارنے سے قرآن کے اور سکھانے سے تمام علموں کے عزت دیتا ہے اور جو شک اور شبہ کہ اس مقدمہ میں کافروں کے دلمیں کھٹکا تھا سو انسان کی خلقت کی ابتدا کو دیکھنے سے کہ ایک لہو کی پھٹکی سے بنا ہے رفع ہو جائے اور اس سورے کو اکثر مفسروں نے اول ما نزل من القرآن کہا ہے یعنی اول جو قرآن سے نازل ہوا ہے سو یہی آیتیں ہیں اور وہ جو حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ اول ما نزل من القرآن فاتحۃ الکتاب یعنی اول جو قرآن سے نازل ہوا ہے سو سورۂ فاتحہ ہے اور حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ اول نازل سورۂ مدثر ہے سو یہ بات ظاہر میں تو ایک دوسرے سے مخالف معلوم ہوتی ہے لیکن مطابقت اور توفیق ان تینوں قولوں کی اس طور سے ہے کہ اول حقیقی یعنی سب سے پہلے نازل ہوئے ہیں یہی پانچ آیتیں اس سورے کی ہیں بعد اسکے نماز کی تعلیم کے واسطے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی ہے پھر بعد بند ہونے وحی کے اول جو نازل ہوئی ہے سورۂ مدثر ہے پھر بعد اسکے قرآن کا نازل ہونا پے درپے شروع ہو گیا پس جس شخص نے کہ سورۂ مدثر کو اول نازل کہا ہے تو گویا اس نے متصل پے درپے نازل ہونا مراد لیا ہے اور نازل ہونے کو اس سورے کے باقی قرآن کے نازل ہونے کی تمہید ٹھہرایا ہے اور سورۂ فاتحہ کے نازل ہونے کو مناجات کی تعلیم کے واسطے قرار دیا ہے اور پہنچانا دین کے حکموں کا سورۂ مدثر کے نازل ہونے سے شروع رکھا ہے اور جس نے کہ سورۂ فاتحہ کو اول نازل کہا ہے سو اس راہ سے ہے کہ اول جو چیز کہ اسکے سبب سے قرب اور نزدیکی حاصل ہو اسکا پڑھنا عبادت ہو وہ یہی سورۂ فاتحہ ہے اور سورۂ اقرا فقط پڑھنے کا طریقہ سکھانے کو اور عادت ڈالنے کو نازل ہوئی تھی اور اس سورۂ اقرا کے نازل ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کو جو چیز کہ علامتوں سے وحی کی اول نمودار ہوئی یہ ہے کہ خواب سچے کہ جو کچھ آپ رات کو خواب میں دیکھتے تھے وہ بعینہ یعنی اسی طرح دن کو ظہور میں آتا تھا بعد اسکے محبت خلوت اور گوشہ نشینی کی آپ کی خاطر مبارک پر غالب ہوئی اور کوہ حرا میں کہ مکہ معظمہ کے شہر سے متصل ہے تشریف فرما ہو کر ایک غار اپنی خلوت کے واسطے مقرر فرمایا کھانا پانی کئی روز کا ہمراہ لیجا کر اس غار میں بیٹھا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثنا اور تسبیح اور تہلیل میں مشغول رہتے تھے جب کھانا دانا تمام ہو جاتا تھا تو دولت خانہ کو تشریف فرما ہوتے اور ایک دو روز رہکر اہل و عیال کا حق ادا کر کے پھر کھانا پانی ساتھ لیکر اس غار میں جا بیٹھتے اور آپکے رہنے کی مدت اس غار میں اکثر ایک مہینے سے کم ہوتی تھی اور کبھی اتفاقاً ایک مہینہ پورا بھی اس غار میں رہتے ہیں ایک روز اسی خلوت کے دنوں میں اس غار سے نکلے ہاتھ پاؤں دھونے کے واسطے پانی کے کنارے کھڑے تھے کہ یکایک حضرت جبرئیل نے اوپر سے آواز دی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آنحضرت صلعم اوپر کو دیکھنے لگے لیکن کچھ نظر نہ آیا پھر دوسری بار اور تیسری بار بھی اسی قسم سے آواز آئی تو آپ حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے کہ اچانک ایک شخص نورانی چہرہ جیسے آفتاب ایک نور کا تاج سر پر دھرے سبز لہلہاتی پوشاک پہنے آدمی کی صورت آنحضرت صلعم کے پاس آیا اور آنحضرت صلعم سے کہنے لگا کہ پڑھ اور بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ اس بزرگ کے ہاتھ میں ایک سبز ریشمی کپڑا تھا کہ اسمیں کچھ لکھا ہوا تھا اس ٹکڑے کو آنحضرت صلعم کو دکھایا اور کہا کہ پڑھ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں حرف کی صورت نہیں پہچانتا اور پڑھا ہوا نہیں ہوں اس بزرگ نے پھر کہا پڑھ اور آنحضرت صلعم کو گلے سے لگا کر ایسے زور سے بھینچا کہ آنحضرت صلعم کو نہایت تکلیف ہوئی اور بدن مبارک تمام پسینہ پسینہ ہو گیا اسی طرح سے تین مرتبے کیا اور چوتھی مرتبہ کہا اقرأ باسم ربك الذي خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاكرم الذي علم بالقلم علم الانسان ما لم يعلم اور یہ پانچوں آیتیں آنحضرت صلعم کے ذہن میں بیٹھ گئیں اور آپکو یاد ہو گئیں اور بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ اسی بزرگ نے ان آیتوں کے سکھانے کے بعد اپنا پاؤں زمین پر مارا وہاں سے ایک چشمہ بہتے پانی کا پیدا ہوا پھر آنحضرت صلعم کو طریقہ نہانے کا اور وضو کرنے کا اور استنجا کرنے کا سکھایا اور دو رکعت نماز پڑھائی اور سورۂ فاتحہ بھی سکھائی کہ نماز میں پڑھا کریں بعد اس معاملے کے آنحضرت صلعم اس دہشت کے خوف سے کانپتے ہوئے اپنے دولتخانے میں تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہ اسوقت آپکے نکاح میں تھیں فرمایا کہ مجھ کو بالاپوش اڑھا دو کہ یہ تھرتھری

میری موقوف ہوجاوے پھر جب تھوڑی دیر کے بعد دلازہ موقوف ہوا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یہ کیا حال تھا آنحضرت صلعم نے تمام احوال اُنکے سامنے
بیان فرمایا کہ میں اپنی جان سے ڈرتا ہوں کہ اس صدمہ میں ہلاک نہو جاؤں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ آپ ہرگز خوف نکریں کیونکہ حقتعالی نے
آپکی ذات پاک میں اپنی رحمت کی صفتیں بہت ظاہر فرمائی ہیں چنانچہ ضعیفوں پر رحم کرتے ہو اور اپنے ناتے والوں سے احسان و سلوک اور محبت کرتے ہو اور
مہمانوں کی ضیافت کرتے ہو اور محتاجوں کے کاموں میں مددگاری کرتے ہو پھر جو شخص کہ اسقدر خلق اللہ پر رحم کرتا ہے وہ رحمت الٰہی کے سزاوار ہونے کے لائق
ہوتا ہے نہ غصہ اور غضب کے بعد اُسکے آنحضرت صلعم کو ورقہ بن نوفل کے پاس کہ اُنکے چچازاد بھائی تھے اور دین عیسوی رکھتے تھے اور عبرانی کتابوں سے اور توریت
اور انجیل سے خوب واقف تھے بلکہ عربی زبان میں اُنکا ترجمہ بھی کرتے تھے لیگئیں اور کہا کہ بھائی ذرا سنو تو یہ تمہارے بھتیجے کیا احوال بیان کرتے ہیں القصہ جب
ورقہ نے یہ تمام قصہ سُنا تو کہا کہ یہ شخص ناموس اکبر تھا اور اہل کتاب کی اصطلاح میں ناموس اکبر جبرئیل علیہ السلام کو کہتے ہیں اور کہا کہ یہی ناموس ہے کہ اللہ تعالی
کی طرف سے پیغمبروں پر وحی لاتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام پر بھی نازل ہوتا تھا اب خوش ہو اور کچھ خوف نکرو لیکن تمہاری قوم اس نعمت کی قدر نہ جانیگی اور تمکو
تکلیف پہنچائیگی یہانتک کہ تمکو اس شہر سے نکالدیگی سو کیا خوب بات ہو کہ میں اُسوقت تک زندہ رہوں اور تمہاری تائید اور مدد کروں اور دونوں جہان کی
سعادت اِس وسیلے سے حاصل کروں القصہ اس مقدمے سے چند روز کے بعد ورقہ نے اس جہان فانی سے رحلت کی اور آنحضرت صلعم نے اُسکو خواب میں سفید کپڑے
پہنے دیکھا تو تعبیر فرمائی کہ یہ شخص بہشتی تھا اور اس قصہ میں کئی نکتے دریافت کرنا چاہئے اول تو یہ ہے کہ عادت بنی آدم کی پرورش کی اسباب کو چاہتی ہے
کہ سہج سہج ہو پھر اگر اول ہی بار آنحضرت صلعم کو وحی سے قرآن کی مشرف فرماتے تو اُسکے اُٹھانے کی تاب نہ لاسکتے اِسواسطے اول خواب میں کہ اس عالم
سے غفلت کی حالت ہے دل میں ایک ایک چیز کے علم کا ڈالنا شروع فرمایا کہ آہستہ آہستہ عادت علم سیکھنے کی عالم غیب سے پیدا ہو اور رفتہ رفتہ اس تعلیم غیبی کے
خوگر ہوجاویں بعد اُسکے چاہا کہ انکی بیداری اور ہوشیاری میں انقطاع اور بےپروائی جورو بچوں اور گھر بار سے حاصل ہو تا بالکل غیب کے عالم کی طرف
متوجہ ہوجاویں تو اسوقت اُنکو محبت اور خلوت اور گوشہ گیری کی دل میں پیدا ہوئی اور ایک ایسا مکان اُنکو بتادیا کہ وہاں کوئی آدم زاد نہ تھا تاکہ
وحی اُترنے کے وقت کسی کے دلمیں شبہ پڑھنے اور سیکھنے کا نہ گذرے پھر وحی نازل ہونیکے وقت ایک بڑا صدمہ اور تھرانا اور خوف آپکے دل میں ڈالا تاکہ
کو خیال بناوٹ اور ملاوٹ کا نہ آوے دوسرے یہ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تاثیر کو آپ کی روح میں بھیجنے اور گلے لگانے کے سبب سے پرلے درجہ پر کمال کے
ثابت اور قائم کردی اسواسطے کہ کاملوں کی تاثیر جو دوسرے کے اندر اثر پیدا کرتی ہے جسکو اہل طریقت کے عرف میں توجہ کہتے ہیں چار طرح سے ہوتی ہے اول
تاثیر انعکاسی وہ ایسی ہے جیسے کوئی شخص خوب عطر لگاکر مجلس میں آوے اور اس عطر کی خوشبو سب ہمنشینوں کے دماغ کو معطر کرے پس یہ قسم سب قسموں میں توجہ
کی ضعیف ہے کیونکہ اسکا اثر تبھی تک ہے جبتک اسکی صحبت ہے بعد اُسکے کچھ باقی نہیں رہتا دوسری تاثیر القائی وہ اس قسم کی ہے جیسے کوئی شخص بتی اور تیل
سکوری میں ڈالکر لایا اور دوسرے شخص کے پاس آگ تھی اُس نے اُس کو روشن کردیا پس چراغ تیار ہوگیا اس قسم کی تاثیر البتہ کچھ قوت رکھتی ہے کہ سیکھنے سکھانے کی
صحبت کے بعد بھی اُسکا اثر باقی رہتا ہے لیکن جب کوئی صدمہ پہنچا جیسے آندھی یا مینہ یا کوئی اور آفت تو اُسکا اثر جاتا رہتا ہے اسواسطے کہ یہ تاثیر نفس اور لطیفوں کو
درست نہیں کرسکتی ہے جیسے ناکارے بن تیل و بتی اور سکوری کو فقط شعلہ سنوار نہیں سکتا تیسری قسم تاثیر اصلاحی ہے وہ اس طور کی ہے جیسے پانی کو
یا کنویں سے لاکر خزانے میں جمع کریں اور خزانے کی راہ کو حوض کے فوارے تک کوڑے کرکٹ سے صاف کردیں پھر خوب زور سے اُسمیں پانی چھوڑدیں کہ فوارہ خوب
جوش اور خروش سے چھوٹنے لگے اِس قسم کی تاثیر اُن اگلی تاثیروں سے بہت قوی ہے کہ نفس کی اصلاح اور ستھرائی لطیفوں کی بھی اُسمیں ہوتی ہے
لیکن خزانے کی استعداد اور راہ کی مسافت کے موافق فیضان ہوتا ہے نہ کنویں اور دریا کے برابر اور ان سب باتوں کے ساتھ بھی اگر خزانے میں کچھ آفت یا فطور واقع
ہوجاوے تو البتہ نقصان پڑجاتا ہے چوتھی تاثیر اتحادی کہ شیخ اپنی روح باکمال کو طالب کی روح کے ساتھ خوب زور سے ملاوے کہ شیخ کی روح کا کمال طالب
کی روح میں اثر کرجاوے اور یہ مرتبہ سب قسم کی تاثیروں سے زیادہ تر قوت رکھتا ہے کیونکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہوجانے سے دونوں روحوں کے جو کچھ کہ شیخ
کی روح میں ہے طالب کی روح میں سماجاتا ہے اور بار بار حاجت مادہ لینے کی نہیں رہتی ہے سو اولیاء اللہ میں اس قسم کی تاثیر بہت کم پائی گئی ہے چنانچہ

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے منقول ہے کہ ایک روز آپکے مکان پر کئی مہمان آگئے اور اُس روز آپکے یہاں کچھ کھانے کی قسم سے موجود نہ تھا اسواسطے آپکو کمال تشویش ہوئی اور اُنکے کھانے کی تلاش کرنے لگے اتفاقاً ایک نانبائی کی دوکان آپکے مکان کے متصل تھی اسبات کی خبر پاکے ایک خوان بھرا ہوا روٹیوں کا خوب بتکلف مرغن نہاری کے ساتھ آپکے سامنے لاکر حاضر کیا آپ اسکو دیکھکر نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے اُسنے عرض کی کہ مجھکو اپنا سا کر دیجیے فرمایا کہ تو اس حالت کا تحمل نکر سکیگا کچھ اور مانگ وہ اسی بات کا سوال کیے جاتا تھا اور خواجہ انکار کرتے تھے جبکہ بہت سی عاجزی کرنے لگا تو ناچار ہوکر اُسکو اپنے ساتھ حجرے میں لیگئے اور تاثیر اتحادی اُسپر کی جب حجرے سے باہر نکلے تو خواجہ میں اور اُس نانبائی کی صورت شکل میں کچھ فرق باقی نرہا تھا لوگونکو پہچاننا مشکل پڑا تھا لیکن اسقدر تھا کہ خواجہ ہوشیار تھے اور وہ نانبائی بیہوش اور سرشار القصہ اُس نانبائی نے تین روز کے بعد اُسی سُکر اور بیہوشی میں وفات کی رحمۃ اللہ علیہ حاصل کلام کا یہ ہے کہ تاثیر جبرئیل ع کی اس بھینچنے میں تاثیر اتحادی تھی کہ اپنی روح لطیف کو بدن کے مساموں کی راہ سے آنحضرت صلعم کے بدن میں داخل کرکے آپ کی روح مبارک سے ملادی اور شیر وشکر کی مانند گھل مل گئیں تو ایک عجیب حالت ملکیت اور بشریت کے درمیان میں پیدا ہوئی کہ بیان میں نہیں آسکتی تیسری یہ کہ ورقہ بن نوفل کو کہ تسلی بخشنے والا اس جناب کا ہوا تھا اور وحی کے نازل ہونے پر گواہی دی تھی اور جبرئیل ع کو پہچانا تھا اور آپ کی نصرت اور مدد کے واسطے کمر باندھی تھی جلد اس عالم سے اُٹھا لیا کہ کسی کو یہ گمان نہو کہ یہ سب اگلے قصے اور دوسرے کام شرع کے وہی ورقہ آنحضرت صلعم کو سکھاتا اور یاد دلاتا ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد اس واقعہ کے صحبت بھی اُس سے ہمیشہ کی نہیں ہی اسواسطے گنجایش اس احتمال کی بالکل بند ہوگئی اور یہ بھی منظور تھا کہ آنحضرت صلعم کو اس دین کے مقدمے میں اہل کتاب کی بلکہ کسی اگلے دین والے کی تائید اور مدد شامل نہو جو کچھ کہ ہو سو آپ کی ذات مبارک ہی سے ہو ٭

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ پڑھ اپنے پروردگار کا کلام مدد لیکے اپنے پروردگار کے نام سے اسواسطے کہ اللہ تعالی کے کلام قدیم کو آدمی آپ ہی آپ پڑھ نہیں سکتا ہے اور خاص کرنے رب کے لفظ سے اشارہ اسبات کی طرف ہے کہ اللہ تعالی کی تربیت تیرے اوپر ظاہر اور کھلی ہوئی ہے اور تمام مخلوق سے تربیت میں تو ممتاز اور جدا ہوا ہے پھر اُنہی ناموں سے اللہ تعالی کی کہ تیری تربیت میں مصروف ہیں کلام قدیم کے پڑھنے میں مدد مانگ اور اگر تیرے خیال میں شبہ گزرے کہ کلام قدیم کو کس طرح سے پڑھ سکونگا کیونکہ ہمارا پڑھنا حادث اور نو پیدا ہے اور وہ قدیم اور ازلی ہے تو ایک اور صفت کو اپنے پروردگار کی خیال کر الَّذِيْ خَلَقَ وہ پروردگار جسنے پیدا کیا ہے چیزوں کو اپنے ناموں کی صورت پر پس اُس سے کیا دور ہے کہ کلام قدیم کو حرفوں کے قالب میں لاکر اول تیرے خیال میں ڈالدے بعد اُسکے تیری زبان پر جاری کرادے اسواسطے کہ پیدایش سب چیزوں کی اسی طور پر ہے کہ اسمار قدیمہ کو حادث صورتوں کے ساتھ ظاہر کیا ہے اور اگر تیرے دل میں شبہ گزرے کہ کلام الہی قدیم نہایت مرتبے کو عزت والا ہے اور آدمی نہایت ذلیل سو اس قسم کی عزیز چیز کو ذلیل مقام میں اُتارنا نہایت بعید معلوم ہوتا ہے تو ایک دوسری صفت کو اپنے پروردگار کی لحاظ کر خَلَقَ الْاِنْسَانَ پیدا کیا ہے انسان کو اور کمال عزت دی ہے اسکو ایسی روح سے کہ اُٹھانیوالی اسرار الہی کی ہے اور جمع کیا ہے اُسکو مختلف عضاؤں سے کہ اسمار الہی اُنسے ظہور کرتے ہیں اور ربط ہے اسکی روح لطیف کو اُسکے جسم کثیف سے اس طرح پر کہ لطافتیں روح کی اپنے ٹھکانے ہیں اور کثافت جسم کی اپنے ٹھکانے ہے نہ روح جسم کی کثافت سے بگڑتی ہے نہ جسم روح کی لطافت سے بکھرتا ہے اور یہ سب روح اور جسم ایک ہی چیز سے بنے ہیں کہ سراسر نجاست اور ذلت رکھتا ہے چنانچہ فرمایا ہے مِنْ عَلَقٍ جمے ہوئے خون سے کہ شرع کے حکم میں اور حکمت کی رو سے بھی ذلیل اور نجس ہے پھر کیا عجب ہے کہ کلام پاک قدیم کو حادث لفظوں کے ساتھ جمع کرکے تیرے دیکھنے اور سننے اور بولنے کے آلات اور اسباب پر ڈالدے اور وہ کلام پاک جیسا کہ ہے ویسا ہی ستھرائی اور پاکیزگی پر رہے اور اسمیں تغیر نہ آوے اب یہاں سمجھ لینا چاہیے کہ آدمی کی پیدایش جمے ہوئے لہو تو الدکی صورت میں ظاہر ہے کہ جب نطفہ ماں کے پیٹ میں ٹھیرتا ہے تو قوت جاذبہ کے زور سے جو اسکو عنایت ہوئی ہے بہت سا لہو ماں کے بدن سے اپنی طرف کھینچتا ہے اور جمانیوالی قوت سے جامن کی مانند اس لہو کو جما دیتا ہے یہانتک کہ رفتہ رفتہ صورت ہڈیوں اور گوشت اور پوست کی حاصل کرتا ہے

س
ع

لیکن حضرت آدمؑ کی مانند پیدا ہونے کی صورت میں اپس پیدا ہونا علق سے ان معنوں میں ہے کہ انسان کے اعضا غذا میں سے بدل اس چیز کا ہے جو انہیں سے تحلیل او
فنا ہوتی رہتی ہیں اور غذا بعد ٹے ہونے ہضم کے مرتبوں کے جما ہوا لہو بنکے اعضاؤں کی صورت ہو جاتی ہے بلکہ توالد کی صورت میں بھی بعد جدا ہونے بچے کے ماں کے
پیٹ سے اسیطور سے خلقت انسان کی واقع ہوتی ہے اور اسیواسطے انسان کی پیدائش کی سب صلوں میں سے علق کو مذکور فرمایا ہے کہ یا وہ ہر وقت میں اسکی
صورت سے درکار ہے برخلاف مٹی اور نطفہ اور سوائے اُن دونوں کے کہ شروع پیدائش میں درکار ہوتے ہیں اور بقا میں درکار نہیں آب فکر کیا چاہیے کہ ایک اکیلی چیز
کہ وہ جما ہوا لہو ہے وہی روح کی صورت بن کے سمجھنے والی اور حرکت دینے والی قوتوں کا حامل ہوتا ہے اور وہی اعضا کی صورت پکڑ کے ہڈی اور مغز اور گوشت و
پوست بھی بن جاتا ہے اور روح لطیف مجرد کو اعضا کے ساتھ کہ ایسی ناپاک چیز سے پیدا ہوئے ہیں کیسا کچھ یگانگیت اور اتحاد حاصل ہوتا ہے پس اس جگہ
نازل ہوا ذات اور صفات کے معنوں کا خیال میں اور بولنے کے آلات میں بوجھا چاہیے اور یہ بھی سمجھ لیا چاہیے اقراء کا لفظ کہ شروع کلام میں واقع ہوا ہے اکثر
عوام کو شبہ میں ڈالتا ہے اور وے خیال کرتے ہیں کہ چاہیے تھا کہ یہ لفظ قرآن میں داخل نہوتا کیونکہ یہ لفظ قرآن شریف کے پڑھنے کے واسطے فرمایا ہے اسکو
قرآن میں کسواسطے لکھنا چاہیے بلکہ قل کے لفظ میں بھی کہ سرے پر پانچ سورتوں کے واقع ہے قل اوحی اور قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ او
قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس میں بھی یہی شبہ وارد کرتے ہیں اسیواسطے بعضے صحابہ نے قل کے لفظ کو معوذتین میں سے موقوف کردیا تھا
لیکن اس شبہ کو اس طور سے دفع کیا چاہیے کہ اقراء کا لفظ اور اسیطرح قل کا لفظ پیغمبر علیہ السلام کی طرف خطاب ہے دوسرے امر اور نہی کی طرح پر تو اسکا قرآن میں داخل
ہونا ضرور ہوا جس طرح سے خط کی ابتدا میں لکھتے ہیں بباید شناخت یا فرمان کی ابتدا میں لکھتے ہیں بدانند و بشناسند اسیطرح ان لفظوں کو بھی سمجھا چاہیے
اور اگر کسی شخص کو سب قرآن سنانا دوسرے کو تبلیغ کے طور پر منظور ہو یا خط کا مضمون سمجھانا دوسرے کو منظور ہو تو ان لفظوں کا بولنا بھی اسپر ضرور ہو جاویگا اب
آئے ہم اسبات کی طرف کہ آنحضرت صلعم تو امی محض تھے انکو کہنا کہ پڑھ اس قسم سے ہے جیسے اندھے کو دیکھنے کو اور شل کو دوڑنے کو کہیں کہ یہ تکلیف لا یطاق ہے
یعنی ایسی چیز کی تکلیف دینا ہے کہ نہو سکے اور تکلیف لا یطاق ممنوع ہے چنانچہ اللہ تعالی خود فرماتا ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا جواب اس خدشہ کا
یہ ہے کہ یہ حکم تکلیفی نہیں ہے بلکہ تلقینی ہے جیسے بچے کو جو اول مکتب میں لیجاتے ہیں تو استاد کہتا ہے کہ پڑھ اگرچہ وہ بچہ اسوقت پڑھنا نہیں جانتا ہے لیکن
استاد کا مطلب یہ ہے کہ جیسے میں پڑھتا ہوں تو بھی اسیطور سے میرے پڑھنے کو سنکر پڑھ اور یاد کرلے اور جو آنحضرت صلعم کو تعجب اسبات کا تھا کہ میں تو امی محض
ہوں مجھ سے کس طرح سے پڑھا جاویگا تو تاکید کے واسطے پھر دوسری بار فرماتے ہیں اقرأ پڑھ اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ اول بار جو اقرأ فرمایا اس سے مراد
ہے کہ قرأت قرآن کی اپنے نفس کے ثواب کے واسطے کر اور دوسری بار جو اقرأ فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کو اور لوگوں پر پہنچا اور جس طرح سے امت کو پڑھنا
اپنے نفس کے واسطے ضرور ہے اسی طرح نبی کو امت پر پہنچانے کے واسطے بھی ضرور ہے کیونکہ اگر وہ نہ پہنچاویں تو امت کو پڑھنا قرآن کا کس طرح سے میسر ہو اور
بعضوں نے کہا ہے کہ پہلا اقرأ نماز میں ہے اور دوسرا اقرأ خارج نماز کے اور بعضوں نے کہا ہے کہ پہلا سیکھنے کے واسطے ہے اور دوسرا سکھانے کے واسطے اور بعضوں
نے کہا ہے کہ پہلے سے مراد یہ ہے کہ قاری ہو بغیر اسکے کہ کسی چیز کو قرأت کے واسطے معین کریں اور دوسرا متعلق ہے اسم ربک سے جو پہلے گزر چکا ہے یعنی اپنے
پروردگار کے نام کو پڑھ اور امیت کے مانع کے دفع کرنے کے واسطے جو بار بار خاطر مبارک میں آنحضرت صلعم کے گزرتا تھا اور خیال فرماتے تھے کہ امی کو علم حاصل کرنیکا
طریقہ خصوصاً وہ علم جو متعلق صفات الہی سے ہے اور کلام قدسی ہے اور اسکے ہر روز کے احکام سوال ہو کیونکر حاصل ہو سکیگا اسواسطے ایک اور مقدمہ کو ارشاد فرماتے ہیں کہ اس
مقدمہ سے طریقہ علم تعلیمی کے حاصل ہونیکا لوگوں پر واضح ہوتا ہے وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ اور پروردگار تیرا بڑا کریم ہے کہ امی کو دانا کردینا اور جاہل کو عالم
بنا دینا اسکے نزدیک بہت آسان کام ہے کیونکہ امی کو اگر مانع ہے تو یہی بات ہے کہ علم حاصل کرنیکے اسباب نہیں رکھتا ہے اور اس قسم کے مانع سب آدمیوں کو
نسبت بعضے علموں کے موجود ہیں پھر باوجود ان موانع کے حق تعالی اُن علموں کو بعضی مخلوقات کے واسطے سے انکو پہنچا دیتا ہے چنانچہ فرمایا ہے الَّذِي عَلَّمَ
بِالْقَلَمِ وہ ایسا پروردگار ہے کہ تعلیم فرمایا ہے آدمیوں کو قلم کے واسطے سے وہ چیز جو اس امر عقل اور تجربہ سے دریافت نہیں کر سکتے ہیں بسبب ہونے زمانہ کے
جیسے اگلی امتوں کے اور گذری ہوئی سنگتوں کے اور اگلے بادشاہوں کے اور انبیا اور اولیاؤں متقدمین کے احوال یا بسبب بعد مکان کے جیسے احوال دور دور کے ملکوں

اور اقلیموں اور شہروں کے بلکہ عادت بادشاہوں کی اسیطور پر جاری ہے کہ اپنے نوکروں اور رعیت کو اپنی کلی باتوں پر قلم کے واسطے سے اطلاع کرتے ہیں اور رو برو
کسی سے کلام نہیں کرتے اور جو کارخانہ بادشاہت کا کہ الوہیت کے کارخانہ کا یعنی ظل ہے تو اس کارخانہ اس کارخانہ کو سمجھ لیا چاہیئے تعداد محل کے اندر کی آمدنی
نظارت کے قلم کے واسطے سے دریافت کرنا چاہیئے اور مکانوں اور باغوں اور قلعوں کی تعداد بیوتات کے قلم سے معلوم ہوتی ہے اور نوکروں اور ملازموں کی تنخواہ
مواجبوں اور منصبوں کے ساتھ کہ رکھتے ہیں بخشیگری کے قلم سے پہچانا چاہیئے اور مستحقوں کو اور وجہوں کو خیرات اور روزینوں کی کہ انکے واسطے مقرر کئے ہیں
صدارت کے قلم سے معلوم کیا چاہیئے اور عرض اور طول اپنے ملک کا اور گنتی جریبوں کی اور آبادی اور ویرانی گانوں کی اور شمار دریا اور تالابوں کا جو اس ملک میں
واقع ہیں دفتر کے تقسیم کے قلم سے معلوم کیا چاہیئے اور تعداد جاگیروں اور خالصے کی زراعت کے دفتر سے دریافت کیا چاہیئے اور بندیوانوں اور قیدیوں کی اور واجب القتلوں اور
واجب التعزیروں کی تعداد انکی سیاست کے مرتبوں کے ساتھ دفتر سے اطلاع کے کہ تعلق زندان خانے اور کوتوالی سے رکھتے ہیں پوچھا چاہیئے اور تعداد خزانوں
اور دوسرے کارخانوں کی ہر سالی کے دفتر سے جاننا چاہیئے اور علی ہذا القیاس اور جو آدمیوں کو موافق انکی استعداد کے کارخانے پر الوہیت کے اطلاع دینا اور خبردار
کرنا منظور تھا تو انکو لکھنے کی صنعت قلم کے واسطے سے سکھائی اور ہر فرقہ کو انہیں سے شوق مطلع ہونیکا ایک کارخانہ پر اپنے بے انتہا کارخانوں سے دلمیں ڈالدیا کہ
اپنے قلم سے ضبط اس کارخانہ کا کریں تاکہ دوسرے فرقے انسے سیکھیں اور اسیطرح دوسرے فرقے کو شوق دوسرے کارخانہ کی اطلاع کا خیال میں بسا دیا کہ انہوں نے
قلم سے ضبط اسکا کیا اور دوسروں کو انکے قلم کے واسطے سے اطلاع ان کارخانوں پر حاصل ہوئی اور اس عجیب تدبیر سے ہر ہر فرد کو انسان کے اس اطلاع سے فائدہ پہنچایا
اور جس طرح سے معاش کے مقدموں میں مدد اور تائید ایک کو دوسرے کی کرنا انسان کا خاصہ ہے اسی طرح سے سمجھنے بوجھنے میں بھی مدد اور تائید کرنا اسکا خاصہ ہے اور یہ مدد
اور تائید بغیر قلم کے وسیلے کے ممکن نہیں ہے کیونکہ بعضے لوگ ایک زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں اور دوسرے لوگ انسے سینکڑوں برس کے بعد پیدا ہوئے سو پچھلوں کو پہلوں
کے علموں پر اطلاع نہیں ہو سکتی مگر قلم کے واسطے سے اور اسیطرح سے بعضے لوگ ایک ملک اور اقلیم میں رہتے ہیں اور دوسرے لوگ دوسری اقلیم میں ہیں تو ان
دور والوں کا مطلع ہونا انکے علوم اور معلومات پر بغیر قلم کی مدد کے ممکن نہ تھا اسیواسطے جو حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام نے جنوں سے سخن کی فضیلت پوچھا تو
جنوں نے عرض کیا کہ یا حضرت سخن ایک ہوا ہے کہ منہ سے نکلا اور فنا ہو گیا پھر حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ اسکے باقی رہنے کی کیا تدبیر ہے انہوں نے
عرض کی کہ اسکی تدبیر لکھنا ہے پس قلم صیاد ہے علموں کا اور حاصل کرنیوالا ہے ہر بات کا اور مفہوم ایک نعمت ہے بہت بڑی اور نہایت بزرگ چنانچہ قتادہ نے
کہا ہے کہ لولا القلم لما قام الدین ولا صلح العیش یعنی اگر قلم نہوتا تو دین قائم نہ رہتا اور نہ زندگانی درست ہوتی اسواسطے کہ دین کی کتابوں کو
قلم سے لکھتے ہیں اور حساب کی باریکیاں دریافت کرنا اور حقداروں کے حق قائم رہنے کے واسطے سجلوں کا لکھنا اور علموں کا اور مال کا محفوظ رکھنا یہ سب قلم سے
متعلق ہیں اور اگر نظر کو کچھ تھوڑا سا بھی دوڑاویں اور غور کریں تو بوجھیں کہ بادشاہت حق تعالی کی بہت سی لائقیں رکھتی ہے اور ایک لایق انہیں سے جو سب سے نیچی ہے
سو عالم شہادت کی ولایت ہے اور یہ ولایت بہت سے کارخانوں کو شامل ہے چنانچہ انہی میں سے ہے کارخانہ عمارتوں اور باغات کا اور اسکو کئی علموں سے دریافت کیا جاتا ہے
اول تو علم ہیأت کا کہ اسمیں عدد آسمانوں کے اور ہیأت اور ترتیب انکی مذکور ہوتی ہے دوسرا علم جغرافیہ کا کہ اسمیں ہیأت زمین کی اور صورتیں اقلیموں
کی اور جو کچھ کہ انمیں ہیں دریا اور پہاڑ وغیرہ مذکور ہوئے ہیں تیسرا علم مسالک اور ممالک کا کہ اسمیں راہیں اور شہر اور گانوں اور تفصیل پہاڑوں کی اور
نہروں وغیرہ کی ذکر کی جاتی ہیں چوتھا علم ابعاد اور اجرام کا کہ اسمیں طول اور عرض زمینی اور آسمانی ملکوں کا دلیل کے ساتھ ثابت کیا جاتا ہے اور انہی
میں سے ہے کارخانہ روشنی اور مشعلخانے کا اور وہ ستاروں کی صورتوں کے علم سے معلوم کیا جاتا ہے اور علم اشعہ کا یعنی شعاعوں کے دریافت کرنیکا بھی
اسمیں دخل رکھتا ہے اور انہی میں سے ہے کارخانہ توشک خانہ کا اور اصطبل اور کبوتر خانہ اور بازدار خانہ اور تفصیل اس کارخانہ کی علم سے حیوانات کے کہ کتاب
حیوۃ الحیوان اسمیں تصنیف ہوئی ہے دریافت کرنا چاہیئے اور انہیں میں سے ہے دواخانہ کہ اسکی تفصیل مفردات سے ابن بیطار کی اور جامع بغدادی
اور بڑی بڑی قرابادینوں سے معلوم کرنا چاہیئے اور انہی میں سے ہے جواہر خانہ اور تفصیل اسکی معادن اور احجار کے علم سے کہ بہت سی کتابیں اس فن
میں بنی ہیں پوچھا چاہیئے اور انہی میں سے ٹکسال اور خزانہ عامرہ ہیں اور انکو علم اجساد اور منطرقہ اور علم صنعت سے حاصل کر سکتا ہے اور انہی میں سے ہے

کارخانہ روزینہ داروں اور جاگیرداروں اور ملکیوں کا اسکو ساتوں اقلیموں کے بادشاہوں کے دفتروں سے پہچانا چاہیئے حاصل کلام کا یہ ہے کہ حقیقتاً تجھ
یہ مذکور ہوا ایک نمونہ ہے قلم کے علم کی وسعت کا اور یہاں سے اُن علموں کے فیض کو جو قلم کے وسیلے سے واقع ہوئے ہیں بوجھا چاہیئے کہ قلم روایت کنندوں اور نقلیوں
کا احکام الٰہی کے دریافت کرنیکا سبب ہے معاملات اور عبادات میں اور قلم فرائض والوں کا ہر میت کے وارثوں کے حصے معلوم کرنیکا سبب ہے اور قلم تاریخ والوں کا
گویا تمام اگلے زمانوں کا عرض حال ہے بلکہ اس جناب والا کے وقائع نامہ کی مانند ہے اور اگر تقدیر کے قلم کو خیال کریں اور اُسکے علموں کے فیض کو جو اُسکے طفیل سے
آسمانوں اور زمینیوں کو پہنچا ہے غور کریں تو عقل خیرہ اور وہم حیران ہوتا ہے اور جو صورت تعلیم کی قلم کے وسیلے سے اسطور پر ہے کہ اول تو معنی ذہن میں
معین ہوتے ہیں بعد اُسکے خیال میں لباس الفاظ مناسب کا پہنتے ہیں بعد اُسکے مدد سے قلم کی وہ الفاظ نقوش خطیہ کی صورت پر ظہور کرتے ہیں بعد اُسکے ہر خط کا
پڑھنے والا اُسکو دریافت کرسکتا ہے اور یہ صورت کمال مشابہت وحی سے اور قرآن کے نازل ہونے سے رکھتی ہے کیونکہ اول کلام قدسی نے لوح محفوظ میں لفظوں کی
صورت پہنی بعد اُسکے حضرت جبرئیل کی معرفت سے آنحضرت صلعم کے صفحہ خیال میں منقش ہوئے پھر آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے ہر خاص و عام کو
پہنچے پس اس نعمت کو وحی کے ممکن ہونیکے اثبات میں لانے سے کمال مناسبت پیدا ہوئی اور جس طرح سے کہ بسبب قلم کے اُن چیزوں کو کہ ہرگز کسب بشری کی
قوت انکو حاصل کر نہیں سکتی ہے حاصل کرلیتا ہے اسیطرح سے بسبب وحی کے جو معلومات کہ اُنکا حاصل ہونا ممکن نہیں ہے حاصل ہوجاتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں
عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا کیونکہ اسباب علم حاصل کرنیکے آدمی میں تین ہیں اول تو حواس صحیح سالم
ظاہر اور باطن کے کہ اُنکے سبب سے جو کچھ اپنے میں اور اپنے پاس ہوتا ہے جیسے بھوک پیاس اور خوشی اور غصہ اور خوف اور امن اور رنگ اور بو اور مزا اور
آواز اور گرمی اور سردی اور سوائے اسکے دوسری چیزوں کو معلوم کرتا ہے دوسری عقل کہ اُسکے سبب سے غائب کی چیزوں کو حواس ظاہری اور باطنی سے معلوم
کرتا ہے اور طریقہ ادراک عقلی کا تین قسم سے باہر نہیں ہے کیونکہ جس چیز کو کہ معلوم کرنا اُسکا منظور رکھتا ہے یا تو اُسکے سبب کو حواس سے دریافت کیا ہے تو
برہان لمّی کو ترکیب دیگا مثلاً چاہتا ہے کہ گھر میں دھوئیں کا ہونا معلوم کرے اور اسنے آگ جلنا اُس گھر میں معلوم کیا تو اس سبب سے دریافت کریگا کہ البتہ
اس گھر میں دھواں ہوگا اسواسطے کہ آگ دھوئیں کا سبب ہے اور سبب بدون مسبب کے نہیں رہتا یا اُسکے مسبب کو معلوم کرکے اُسکے ہونے پر حکم کرتا ہے اور
ترکیب دلیل انّی کی کرتا ہے مثلاً دھوئیں کو دور سے دیکھکر دریافت کیا کہ یہاں پر آگ بھی ہوگی کیونکہ ہونا دھوئیں کا بغیر آگ کے محال ہے یا ایک مسبب سے دوسرے
مسبب کو دریافت کریگا اور اس برہان کو لمّ اور انّ سے مرکب کرکے درست کریگا کیونکہ وجود مسبب کا بغیر سبب کے محال ہے اور سبب کا وجود دوسرے سبب کے وجود کا
باعث ہے مثلاً ایک جگہ پر دھوئیں کو معلوم کیا اور آگ کی گرمی کو کہ اُس مکان میں ہے قیاس کرکے سمجھ لیا کہ وہ مکان یقینی گرم ہوگا کیونکہ دھواں بغیر
آگ کے نہیں ہوتا ہے اور جب آگ وہاں موجود ہوئی تو گرمی بھی موجود ہوگی لیکن ان دو سببوں میں ایک قصور ہے وہ یہ ہے کہ حواس ہر شخص کا ہر چیز کو
نہیں پہنچتا اور عقل بھی مختلف اور متفاوت ہے یعنے ہر شخص کی عقل برابر نہیں ہے اور ان سب باتوں کے ساتھ جو کچھ اسباب اور مسببات کہ عقل کی نظر سے
چھپ جاتے ہیں تو اُنکا دریافت کرنا ممکن نہیں ہوتا سو اسواسطے ایک اور سبب بھی اسکے معلوم کرنیکے واسطے دیا ہے اور وہ تیسرا ہے یعنی سچی خبر کہ اپنے جنس کے
لوگوں کی دیکھی ہوئی اور دریافت کی ہوئی اُسنے سنکر یقین کرے اور اپنے مطلبوں کے دریافت کرنیکے کام میں لائے اور جو خبر دینے والا اسی کا بنی نوع ہے
اور وہ بھی اُسی شخص کی طرح سے حواس اور عقل کے دام میں گرفتار ہے پھر جو چیزیں کہ اُسکی نوع کے حواس اور عقل کی حد سے بلند ہیں وہ انسان کے دریافت کے
احاطے سے باہر ہیں سو اُسکو نازل کرنے سے وحی کے تعلیم فرمایا کہ وحی علم الٰہی کے وسیلے سے بڑے . . . درجوں والے فرشتوں کے نوع انسان کو پہنچاوے اور قائم مقام
آوے اور الہام اور کشف اور رخبر دینا ہاتف کا اور صورت پکڑنا غیب کے کاموں کا کہ عارفوں کو اور اولیاؤں کو انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے وسیلے سے اور اُنکی اقتدا اور پیروی
کے طفیل سے حاصل ہوتا ہے یہ سب وحی کے توابع سے ہے اور جو معنی مالم یعلم کے لیے ہیں کہ قوت بشری میں معلوم کرنا اُسکا ممکن نہ تھا پس شبہ لغو ہونے مالم یعلم کے ذکر کا
دفع ہوگیا نہیں تو ظاہر میں مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ تعلیم نہیں ہوتی مگر بے معلوم چیز کی پس ذکر مالم یعلم کا کیا ضرور ہے **کَلَّا** سمجھ لیا چاہیئے کہ کلا کا حرف عرب
کی لغت میں زجر اور توبیخ یعنی خفگی اور جھڑکی کے واسطے استعمال کیا جاتا ہے تو اس کلام کے بعد ایک کلام ایسا چاہیئے کہ اُسکی طرف زجر اور توبیخ متوجہ ہو اور اس مقام میں

اور اصلاح کی صورت مشکل ہو جاتی سو یہ نہایت کرم اور فضل اُس کریم کارساز کا اُسکے حال کے شامل ہے کہ ہر طرح کی احتیاج میں اُسکو گرفتار کرکے سرکشی و نافرمانی
سے روک رکھا ہے چنانچہ حق تعالیٰ خود دوسری جگہ پر اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض یعنی اگر کشادہ کرتا اللہ رزق
کے سببوں کو اپنے بندوں پر تو البتہ ظلم کرتے اور اپنے حد اور انداز سے بڑھ چلتے اور بڑا فساد مچاتے زمین میں سو اِسطرح کا اعتقاد کرنا آدمی کو سراسر غلطی ہے اور بالکل لوح
کیونکہ اسکو کسی حالت میں اپنے پروردگار سے بے پروائی حاصل نہیں ہے بلکہ اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی تحقیق اُسی پروردگار کی طرف رجوع اور پھرنا ہے سب حال
میں اب اس مقدمہ کو ایک ایسی تمثیل میں واضح کرکے بیان کرتے ہیں کہ کسی طرح کی پوشیدگی نہ رہے جیسے ایک شخص ہے کہ اُسکو اچھا مرغوب کھانا میسر آیا اور اُسنے
یہ سمجھا کہ آج کے روز مجکو بھوک سے بے پروائی حاصل ہوئی اب اس سے پوچھا چاہیے کہ تجھ کو کھانے کی اور چبانے کی قوت کون دیگا پھر بعد کھانا کھانے کے قے ہو جانے اور
اُلٹ آنے سے کون روکیگا پھر ہضم کی قوت دیکے غذا کو روک کر سب جوڑ بندوں میں تقسیم کون کرتا ہے اور اُسکے فضلات کو پیشاب اور پاخانہ کی راہ سے نکالکر کون دور
کرتا ہے پھر غذا کو اسبات سے کون بچاتا ہے کہ زہر ہو کے بدن کو خراب کرے یا بدہضمی سے کوئی فساد بدن میں پیدا کرے اور یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ باوجود نعمت کے اور حاصل
ہونے غنا کے انکی طرف محتاج ہے اور بعد خراب ہونے بدن کے اور جدا ہونے روح کے جسد سے پھر جانا آخرت کی طرف ہوگا اور سرکشی اور نافرمانی کی وجہ پوچھی جائیگی اور اُسکا
عوض لیا جائیگا تو اُسوقت کی محتاجگی ایسی ہے کہ اسکی انتہا نہیں ہے بلکہ اگر عقل والے انصاف کریں اور اپنے دل میں خوب طرح سے تامل کریں تو اپنے تئیں توانگری
کی حالت میں زیادہ تر حقتعالیٰ کا محتاج پاوینگے اسواسطے کہ فقیر کو اکثر یہی آرزو ہوتی ہے کہ جان اُسکی سلامت رہے اور بدن اُسکا صحیح اور ایک دن کا کھانا پانی
ملجاوے اور دولتمند کو جان اور مال اور مرتبہ اور اہل و عیال سب کی سلامتی درکار ہے تو توانگر کی محتاجگی کے سبب زیادہ ہونے فقیر سے اور اس جگہ پر ایک شبہ اکثر لوگوں کی
خاطر میں گزرتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر مال سرکشی اور نافرمانی کا سبب ہوتا تو بڑے بڑے صحابہ کہ بہت مالدار تھے جیسے حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت امیر المومنین
عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہما دے کس واسطے اس سرکشی کے سبب میں گرفتار ہوتے بلکہ حضرت سلیمان علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کو کسواسطے اسقدر کشادگی اور
مرتبے دنیا کے مال میں دیے کہ بیت المقدس کے در و دیوار کو سونے اور جواہرات سے جڑوا دیا اور بہت سے اسباب اور ہتیار جمع کئے اور اس شبہ کا دفع اسطور سے ہوا چاہیے کہ اس
آیت میں مال کو بالکل سرکشی کا سبب نہیں فرمایا ہے بلکہ اپنے تئیں مال کے سبب سے بے پروا سمجھنا اور اس احتیاج سے کہ بندے کو حقتعالیٰ کی درگاہ میں ہر وقت اور ہر آن
موجود ہے غافل ہونا اور مال کی پیدائش کو اللہ تعالیٰ کے کرم اور فضل سے نہ جاننا بلکہ اپنی محنت اور کوشش کی طرف نسبت کرنا سرکشی و نافرمانی کا سبب ہے
اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو اور اصحاب کبار کو اگرچہ مال کی زیادتی تھی لیکن اعتقاد بد سے بری تھے بلکہ جو شخص کہ ان بزرگوں کے احوال کو دیکھے تو یقینی معلوم کریگا
کہ محتاجوں کی خدمت اور خبرگیری اور خاطرداری جسقدر ان بزرگوں سے ہوئی ہے دوسروں سے نہیں ہوئی ہے گویا مال کی کثرت کو زہر قاتل سمجھکر اللہ
دینے کو تریاق جانتے تھے اسیواسطے اس کام میں زیادہ کوشش کرتے تھے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ نعم المال الصالح للرجل الصالح یعنی کیا اچھا
مال نیک ہے جو نیکبخت آدمی پاس ہے کہ وہ نیک کام میں خرچ کرتا ہے اور جب ثابت کیا کہ آدمی کے ہر بات میں محتاج ہونے کی بھی وجہ ہے کہ بے احتیاجی کی صورت
میں سرکشی اور نافرمانی کرتا ہے اور اپنے منعم حقیقی سے غافل ہو کے نعمت ہی کے دیکھنے میں پھنس رہا ہے اور یہاں گمان اسبات کا تھا کہ شاید کوئی تمثیل کے
طور پر ان بے پرواؤں کا حال پوچھے کہ انکو غنا سرکشی کا سبب کیونکر ہوئی تو اُسکی مثال کو بیان فرماتے ہیں اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی کیا
دیکھا تو نے اُس شخص کو جو منع کرتا ہے اور روکتا ہے عَبْدًا اِذَا صَلّٰی بندہ کو جب چاہتا ہے کہ نماز پڑھے اور حق بندے کا بھی یہی ہے کہ اپنے پروردگار
کی عبادت ہاتھ اور پاؤں سے اور دل اور زبان سے بجا لاوے اور ایسی عبادت جو ان سب باتوں کو جامع ہو سوائے نماز کے نہیں ہے اور حق خدا کا یہ ہے کہ معبود ہو ہر عبادت
پس اس منع کرنیوالے نے بندہ کا حق بھی تلف کیا اور خدا کا حق بھی تلف کیا تو اسکی سرکشی اور نافرمانی خدا سے اور اُسکے بندوں سے بھی ثابت ہوئی اور یہ شخص ابوجہل تھا کہ جسنے
آنحضرت صلعم کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے منع کیا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ اگر کبھی میں تجھ کو دیکھونگا کہ اپنے ماتھے کو زمین پر رکھا ہے تو تیری گردن کاٹ ڈالونگا اور
ہر چند کہ یہ آیت اسی لعین کے حق میں نازل ہوئی ہے لیکن اب بھی جو شخص کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی سے منع کرے اور روکے وہ بھی اسی وعید اور برائی میں شامل ہے اور وہ جو
فقہا نے لکھا ہے کہ غصب کی زمین پر نماز پڑھنے سے منع کیا چاہیے اور مکروہ وقتوں میں بھی نماز سے منع کیا چاہیے اور مکروہ وقت پانچ ہیں ایک آفتاب نکلنے کا وقت

دوسرا اسکے ڈوبنے کا تیسرا دوپہر کو اسکے ٹھیرنے کا وقت چوتھا نماز عصر کے بعد مغرب تک پانچواں طلوع فجر سے آفتاب نکلنے تک نماز فجر کے اور اگر لونڈی
یا غلام کو اسکا مالک تہجد کی نماز پڑھنے سے منع کرے اس سبب سے کہ اگر رات کو جاگیگا تو فجر کو اسکی خدمت میں قصور کریگا تو اسکو بھی منع کرنا پہنچتا ہے اور اسیطرح
خاوند منع کرنا اپنی جورو کو نماز نفل سے اور اعتکاف سے پہنچتا ہے اسواسطے کہ اس حالت میں بہت سی منفعتیں اسکی جاتی رہینگی جیسے جماع کرنا اور دوسری
لذتیں سو ان سب باتوں میں جو ذکر کی گئی ہیں منع کرنا نماز سے دوسری مصلحت کے واسطے اللہ تعالی کے حکم سے ہے تو حقیقت میں منع نہوا بلکہ ایک عبادت
سے دوسری عبادت میں پہنچا دینا ہوا اور بعضے دین کے بزرگوں نے ادب کی رعایت کے واسطے ان چیزوں کے منع کرنے سے بھی احتراز کیا ہے چنانچہ حدیث شریف
میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ عیدگاہ میں تشریف لیگئے چند آدمیوں کو دیکھا کہ عید کی نماز کے پہلے نفلیں پڑھ رہے
ہیں آپنے فرمایا انسے کہدو کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی عیدگاہ میں اسوقت نفل پڑھتے نہیں دیکھا ان لوگوں نے آپکے حکم کو نہ سنا اور اپنے
کام سے باز نہ آئے بعضے لوگوں نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین اگر حکم ہو تو انکو زبردستی منع کردیں اور اگر نہ مانیں تو سزا کو پہنچیں آپنے فرمایا کہ میں اس آیت یعنے
أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ کے مضمون سے ڈرتا ہوں اور اس طرح سخت حکم کر نہیں سکتا لیکن ادب کی رعایت اسی جگہ ہوتی ہے جہاں ممانعت
کا حکم صریح اور ظاہر نہو جیسے یہ مقام تھا کہ یہاں صریح ممانعت وارد نہیں ہوئی ورنہ بموجب اس قول کے الامر فوق الادب یعنی حکم کا مان لینا ضروری
ہے ادب کی رعایت سے اچھی بات کا بتلا دینا اور بری بات سے منع کرنا حتے المقدور واجب ہے اور جب آدمیوں کی سرکشی کی مثال جو استغنا اور بے پروائی کے
سبب سے ہوتی ہے بیان فرما چکے تو اس علت کے علاج کا طور بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ أَرَأَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ أَوْ أَمَرَ
بِالتَّقْوَىٰ کیا دیکھا تونے اس سرکش نافرمان کو کہ اگر ہدایت پر ہوتا یا لوگونکو پرہیزگاری کا حکم کرتا یعنی اگر اپنی سرکشی کا علاج کرتا اور اپنی روح کو صحیح
سالم رکھتا پھر اس مرتبے سے بھی آگے بڑھتا اور دوسروں کو نصیحت کرکے راہ پر لاتا اور نماز کے منع کرنے سے باز آتا اور لوگونکو پرہیزگاری اور صلاحیت کا حکم کرتا
أَرَأَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ کیا دیکھا تونے اسی سرکش کو کہ اگر جھٹلایا پیغمبر کے دین کو اور منہ موڑا سچی راہ چلنے سے سو ان دونوں حالتوں میں
اپنا بدلا پا دیگا لیکن پہلی حالت میں جزا نیک ہے اور دوسری حالت میں سزا بد اور جزا کا لحاظ رکھنا بھی سرکشی و طغیان کا علاج ہے اگر اسکو جزا کے واقع ہونے
میں کچھ شک یا شبہ ہو تو اسکے سمجھانے کو اسقدر کافی ہے کہ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ کیا نہیں جانتا ہے کہ حقتعالی دیکھتا ہے اور دیکھنا ایسے
جو بدلا دینے کی قدرت رکھتا ہے اور ہر ذرہ میں عالم کے اسکی حکمتیں اور قدرتیں اظہر من الشمس ہیں یعنی آفتاب سے زیادہ روشن ہیں جزا کے ہونے اور یقین جاننے میں کافی
اسواسطے کہ قدرت اسکی جزا کے جائز ہونے کو چاہتی ہے اور حکمت و عدالت اسکی جزا کے واجب ہونے کو چاہتی ہے اور اچھائی اور برائی کا دیکھ لینا امتیاز اور جدائی کرنے کو نیک
اور بد میں کافی ہے پھر جو شخص دیدہ و دانستہ باوجود قادر ہونے کے نیک و بد میں فرق نکرے اور ہر شخص کو اپنے اپنے کئے کی جزا اور سزا نہ دے ایسا شخص ایک گھر کی [illegible]
کے قابل نہیں ہوتا پھر خدائی کے قابل ہونیکا کون کہے اور قدرت و حکمت اس مالک الملک کی ہر کس و ناکس پر ظاہر ہے اور جو پوشیدہ ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تعالی کو خبر
جاننا سب نیک و بد کاموں پر اپنے [illegible] غضب اور جہالت کے پردے آدمی کی بینائی کی آنکھ کو بند کرکے اسکو اس خبرداری سے غافل کردیتے ہیں لاچار اسی اطلاع
کے ذکر پر کفایت کی گئی كَلَّا یعنے معاملہ ایسا نہیں ہے کہ وہ سرکش مہمل چھوڑ دیا جائیگا اور اسکی دنیا کی عزت و مرتبے کے لحاظ سے اسکی سرکشی و نافرمانی پوچھی
جاویگی بلکہ لَئِن لَّمْ يَنتَهِ اگر اس دھمکی و جھڑکی سے اپنی سرکشی سے باز نہ آویگا لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ البتہ گھسیٹینگے ہم اسکو
چوٹی سے کہ اسمیں بڑی ذلت و حقارت ہے اسواسطے کہ پیشانی آدمی کی سب بدن میں بڑا شرف اور بزرگی رکھتی ہے اسیواسطے تعظیم کی جگہ پر بادشاہوں اور رئیسوں
امیروں کے سر مبارک کی قسم کھانا رائج اور معمول ہوگیا ہے اور جب اس پیشانی کو اس طرح سے ذلیل و خوار کیا تو کمال ذلت ہوئی اور خاص پیشانی کے ذکر کرنے میں
ایک اشارہ اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی میں سرکشی اور نافرمانی کے سبب اسی عضو میں حلول کیا ہے اسواسطے کہ جز تکبر اور غرور کی وہم اور خیال اور حواس خمسہ یعنی باصرہ اور سامعہ
اور شامہ اور لامسہ و ذائقہ ہیں سو یہ سب اسی عضو میں یا اسکے قریب سپرد کئے گئے ہیں اور سرکشی کی لفظ بھی اس عضو کی شرارت پر گواہی دیتی ہے اسیواسطے سیاست
اور سزا دینا اسکا اسی عضو خاص سے ہوا چنانچہ چوری کی سزا ہاتھ کا کاٹنا ہے اسواسطے کہ چور چوری نہیں کرتا مگر ہاتھ سے نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ یعنی

جو جھوٹی اور گنہگار ہے یعنی سرکشی کی حالت میں پیشانی کی جڑوں اور ٹکڑوں سے اور اس قوت سے جو پیشانی میں سپرد ہوئی ہے جھوٹی باتیں ٹھہر بڑھکے کہتا تھا اور
گناہ کے کام بے پروا ہانہ کرتا تھا کبھی مسکینوں اور غریبوں کی طرف حقارت کی آنکھ سے دیکھتا تھا اور کبھی اپنی مرضی کے مخالف اگر کوئی کام دیکھتا تھا تو پیشانی پر شکن
ڈال کے ترشرو ہوکے بیٹھتا تھا اور کبھی ہنسی اور مسخرگی میں یا لوگوں کی حقارت میں سر ہلاتا تھا تو یہ پیشانی اسی لائق ہے کہ اسکو اسیطرح سے ذلیل اور خوار کریں
اور اسکی پیشانی اور چوٹی کے بال کو جنکو ہمیشہ دھوتا اور تیل ڈالتا اور کنگھی کرتا رہتا تھا پکڑ کے کھینچیں اور خاک میں ملاویں اور مفسروں نے لکھا ہے کہ خاطی بہت برا
ہوتا ہے مخطی سے اسواسطے کہ عرب کی زبان میں خاطی اسکو کہتے ہیں جو جان بوجھ کے قصد سے گناہ کرے اور مخطی اسے کہتے ہیں جس سے بے قصد ناوانستہ گناہ ہوجائے
اسیواسطے خاطی کو قرآن مجید میں سخت عذاب کا وعدہ کیا ہے یعنی غسلین کا کھانا اور غسلین کہتے ہیں پیپ لہو کو دوزخیوں کے جو انکا بدن جلنے کے سبب سے انکے گوشت
اور چربی سے اوٹکے بہیگا چنانچہ حق تعالی فرماتا ہے من غسلین لا یأکلہ الا الخاطئون یعنی غسلین نہ کھائیگا اسکو مگر قصد سے گناہ کرنیوالا اور مخطی کے
واسطے بخشش اور معافی کا وعدہ فرمایا ہے ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطأنا یعنی حق تعالی نے فرمایا کہ یوں دعا مانگو کہ اے رب ہمارے نہ پکڑ ہمکو ہماری
بھول اور چوک پر اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو لوگوں کے سامنے پڑھا تو رفتہ رفتہ یہ خبر ابوجہل کو
بھی پہنچی وہ ملعون نہایت غصہ میں ہوکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر سخت گفتگو بے ادبانہ کرنے لگا اور کہا کہ اے نادان کچھ بھی تجھکو سمجھ ہے کسکو تو
ڈراتا ہے اگر میں چاہوں تو ابھی اس میدان کو سوار اور پیادوں سے بھردوں لیکن کسواسطے کروں کہ تجھ کو اور تیری قوم کو تو وے لوگ جو صبح اور شام کو میرے دربار اور مجلس
میں حاضر رہتے ہیں کفایت کرتے ہیں اگر انکو پکاروں تو ابھی تیری حقیقت معلوم ہوجاتی ہے سو اس ملعون کے تکبر کے جواب میں حقتعالی نے ایک آیت ویسی ہی
نازل فرمائی کہ **فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ** پھر چاہیے کہ پکارے اپنی مجلس والوں کو یعنی ان لوگونکو جو اسکی مجلس میں صبح و شام حاضر رہتے ہیں اپنی موت
کے دفع کرنیکے واسطے اور قابض الارواح کے مقابلے میں بلکہ تمام فوج اور سپاہ کو اپنی مدد کے واسطے بلاوے ہم بھی اسکے مقابلہ میں اپنے ادنی اور حقیر بندوں
بھیجینگے چنانچہ فرماتے ہیں **سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ** قریب ہے کہ بلاتے ہیں ہم زبانیہ کو اور زبانیہ اہل عرب کی زبان میں سپاہی اور پیادوں کو کہتے ہیں
جو لوگوں کی مشکیں باندھکے قید خانے میں بند کرتے ہیں اور یہاں پر وے فرشتے مراد ہیں جو دوزخ پر مقرر ہیں اور لوگونکے ہاتھ پاؤں باندھکے دوزخ میں ڈالینگے
سو اس ابوجہل مردود کا یہی حال ہوا یعنی بدر کے روز مارا گیا اور صحابہ نے بموجب حکم آنحضرت صلعم کے اس ملعون کے کان میں سوراخ کرکے اسمیں رسی ڈالکر
مارے جانے کے مقام سے اسکی لاش کو ایک ناپاک کنوئیں تک گھسیٹتے لیگئے پھر اسکی چوٹی کے بالوں سے کھینچکر کنوئیں میں ڈالا اور اسکی روح کو بدن سے جدا ہوتے
ہی دوزخ کے نگہبانوں نے جہنم کے عذاب میں گرفتار کیا پھر اسکے رفیق اور اسکی مجلس کے بیٹھنے والے کوئی اس سخت مصیبت میں کام نہ آئے اور زبانیہ کے عدد
کا شمار جو قرآن مجید میں دوسری جگہ پر بیان ہے وہ یہ ہے کہ کافروں کے واسطے انیس فرشتے مقرر ہیں جو انکو پکڑ کے دوزخ میں ڈالینگے اور انیس کے مقرر ہونے
کی وجہ سورۂ مدثر کی تفسیر میں بیان کی گئی ہے اور بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ ان فرشتوں کا قد اتنا لمبا اور چوڑا ہے کہ پیر انکے زمین میں اور سر آسمان میں لگتا ہے
اور انکے سردار کا نام مالک ہے اور اٹھارہ دوسرے اسکے تابع ہیں آنکھیں انکی بجلی کی طرح چمکتی ہیں اور دانت انکے بارہ سنگے کی سینگ کی طرح اینٹھے ہوئے ہیں
اور بال انکے اتنے لمبے ہیں کہ زمین پر گھسٹتے جاتے ہیں اور آگ کے شعلے انکے منھوں سے نکلتے ہیں اور ایک کندھے سے انکے دوسرے کندھے تک ایک برس کی راہ ہے
اور انکی ہتھیلی ستر ستر ہزار آدمی کی گنجایش رکھتی ہے اور اس زبانیہ کی لفظ کی تحقیق میں اختلاف ہے بعضے کہتے ہیں کہ ایسی جمع ہے جسکا مفرد نہیں ہے
اور بعضے کہتے ہیں کہ اسکا مفرد زبنیت عفریت کے وزن پر ہے نکالا گیا ہے زبن کے لفظ سے جسکے معنی دفع کرنیکے ہیں اور زبنیت ہر متمرد شریر کو کہتے ہیں
جن سے ہو خواہ آدمیوں سے اور جب اس کافروں کے حال اور آئندہ کے بیان سے فراغت پائی تو آنحضرت صلعم کو اسکی مخالفت پر دلیر کیا اور فرمایا **كَلَّا** یعنے ہرگز اس سے ڈرو مت
اور اسکے ڈرانے کو کچھ بھی لمبی مت گنو **لَا تُطِعْهُ** اسکے کہنے کو مت مان **وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ** اور سجدہ کر اپنے پروردگار کا اور نزدیکی
حاصل کر اس جناب کی سجدے کی عبادت سے ہرچند کہ اس مردود نے نماز پڑھنے سے بالکل منع کیا تھا لیکن زیادہ غصہ اسکا سجدہ کرنے پر تھا اسواسطے کہ نماز کے رکنوں
میں سجدہ کرنا تکبر اور غرور کے بہت منافی ہے اور اسکو تکبر اور غرور پرلے درجہ کا تھا اسیواسطے یہ فعل اسکو بہت برا معلوم ہوتا تھا اپنے سر جھکانیکا تو کیا ذکر ہے وہ سر

پٹکے گھسٹنے سے خوف دلوایا تو آنحضرت صلعم کو اُسکے مقابلہ میں حکم ہوا کہ تم اپنی پیشانی کو عاجزی سے ہمارے واسطے زمین پر رکھو تاکہ زمین پر سجدے کرنے
تمہارے دشمن کی پیشانی کو خاک میں ملایا اور یہ بھی ہے کہ جو سجدہ کرنا حق تعالیٰ کی نزدیکی کا سبب ہے تو آنحضرت صلعم کو سجدہ کرنے کو فرمایا اور حکم ہوا کہ تو سجدے
میں مشغول ہو تاکہ تیرا قرب درگاہ الہٰی میں کمال کے مرتبے کو پہنچے اور بڑا مرتبہ اور بزرگی تجھ کو حاصل ہووے اور تیرا دشمن خود بخود ذلیل اور خراب ہو جاوے
اسواسطے کہ جسقدر تیرے قرب کے درجہ جناب الہٰی میں بڑھینگے اسیقدر تیرے دشمن کو دوری اور مقہوری اس درگاہ سے ہوگی اور سجدے کی حالت میں آدمی کو زیادہ
تقرب جناب باری سے حاصل ہونیکی وجہ یہ ہے کہ اسوقت میں آدمی اپنی اصل کی طرف کہ خاک ہے متوجہ ہوتا ہے اور جسقدر اُسکی توجہ اپنی اصل کی طرف زیادہ ہوگی اسیقدر
حقتعالیٰ کا قرب اسکو زیادہ حاصل ہوگا اسواسطے کہ فیضان وجود کا اس جناب سے اسی راہ اسکو پہنچا ہے سو جب اسنے اپنے تئیں پھر اسی دروازہ پر جہاں سے آیا تھا
پہنچایا اور اسی دروازہ کو ٹھونکا تو رجوع الی البدایت ہوگیا اسیواسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا فیہ
من الدعاء یعنی بندہ کو سجدے کی حالت میں اپنے پروردگار سے بہت نزدیکی حاصل ہوتی ہے سو اس حالت میں اسکو چاہیے کہ دعا بہت مانگے تاکہ جلد قبول ہووے
اور آیت تلاوت کے سجدے کی آیتوں سے یہ آیت ہے کہ پڑھنے سے پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہوتا ہے اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ابو جہل نے لوگوں سے کہا
کہ اگر محمد صلعم جسوقت بیت اللہ شریف کے سامنے سجدہ کرتے ہوں اُسوقت مجھے خبر دینا کہ میں انکی گردن پر اپنا پیر رکھونگا اور گردن کو توڑ ڈالونگا چنانچہ ایک روز
آنحضرت بیت اللہ کے سامنے کھڑے نماز پڑھتے تھے بعضے لوگوں نے اس مردود کو خبر پہنچائی وہ ملعون موافق اپنے وعدہ کے آیا اور آنحضرت صلعم کے نزدیک پہنچکے چاہا کہ اپنے
ارادہ کرے کہ خود سجود اپنے دونوں ہاتھ سپر کی طرح منہ کے سامنے کئے ہوئے پیچھے ہٹا جس طرح سے کسی چیز سے کوئی ڈر کے اپنے تئیں بچاتا ہے دو تین مرتبے اسیطرح قصد کیا
اور اسیطرح پیچھے ہٹا لوگ جو یہ تماشا دیکھنے کو جمع ہوئے تھے یہ بات دیکھکر حیران ہوئے اور اُس سے پوچھا کہ ماجرا کیا تھا کہ تو اس طرح سے پھرا اُسنے کہا کہ میرے اور محمد
کے درمیان ایک خندق آگ سے بھری ہوئی ظاہر ہوئی اور اسکے کناروں پر فرشتوں کے پر مجھے معلوم ہوئے اور ایک بڑا اژدہا میری طرف لپکا اس سے نہایت مجھکو
دہشت معلوم ہوئی اور میں ہرگز وہاں ٹھیر نہ سکا اگر ذرا بھی ٹھیرتا تو جل ہی جاتا اور اژدہا مجھکو نگل لیتا لوگوں نے پوچھا کہ پھر یہ کیا بات ہے اُس کافر ازلی نے کہا کہ یہ
شخص بڑا زبردست جادوگر ہے میں اس سے جیت نہیں پاتا ہوں اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے یہ بات سنکے فرمایا کہ اگر یہ مردود میرے
نزدیک آتا تو فرشتے اسکے ٹکڑے ٹکڑے کر کے لیجاتے اور ہرگز جیتا نہ پھرتا اب جو فائدے اور باریکیاں کہ اس سورت سے تعلق رکھتی ہیں کچھ بیان ہوتی ہیں چنانچہ
ایک یہ ہے کہ پانچ آیتیں اس سورت کی قرآن کے نازل ہونیکی ابتدا میں نازل ہوئی تھیں اور باقی ابو جہل کے حق میں بہت دنوں کے بعد نازل ہوئیں لیکن
بموجب حکم پروردگار کے ان آیتوں کو اُنکے ساتھ ملا دیا اور مناسبت کی وجہ تفسیر میں پہلے بیان ہو چکی اور یہ بھی ہے کہ اس سورت میں سبھی علموں کا ثابت کرنا منظور ہے
کہ نقل کرنے اور لکھنے پر موقوف ہیں اور یہ بھی ایک نکتہ عجیب اس سورت میں ہے کہ اول اس سورت کا علم کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے اور باقی مال کی مذمت پر تو اس
جگہ سے بوجھ لیا چاہیے کہ علم ایک چیز ہے نہایت مرغوب اور پسندیدہ اور دنیا کا مال نفرت اور بے رغبتی کے سزاوار ہے اور یہ بھی ہے کہ اس سورت میں علم اور خط کی تعلیم کی نعمت
جو مذکور ہوئی تو حقتعالیٰ نے اپنے تئیں اکرم کی صفت سے یاد فرمایا یعنی وربک الاکرم اور سورۂ انفطار میں اعتدال خلقت اور ظاہری اور باطنی اعضا کی برابری
کی نعمت جو مذکور ہوئی ہے تو وہاں اپنے تئیں کریم کی صفت سے یاد فرمایا ہے یعنی ما غرک بربک الکریم الذی خلقک فسوک فعدلک فی ای صورۃ ما شاء رکبک
اور یہ بات ظاہر ہے کہ اکرم بڑے کریم کو اور کریم فقط کرم پر دلالت کرتا ہے تو یہاں سے معلوم ہوا کہ علم کی نعمت صحت اور حسن اور جمال کی نعمتوں سے بڑھکے ہے اور یہ بھی
ہے اس سورت میں ابو جہل کے حق میں جو اس آیت کا فرعون تھا لیطغی فرمایا کہ لام تاکید سے مؤکد ہے اور اسکا صیغہ بھی استمرار اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اور حضرت موسیٰ نے
فرعون کے حق میں باوجود اسکی بادشاہی اور عزت اور مرتبے کے طغی کا لفظ فرمایا ہے بغیر تاکید اور بے صیغۂ استمرار کے تو یہ تغییر اسلوب کا اسباب کی طرف اشارہ ہے کہ فرعون
باوجود اس قوت اور مرتبے کے حضرت موسیٰ کو رنج نہیں دیتا تھا مگر بات کہنے میں اور یہ مردود باوجود کمزوری اور بیحکمی کے بارہا آنحضرت صلعم کے مارنے کا قصد کیا اور آپکی ہلاکی کے
پیچھے پڑا تھا اور یہ بھی ہے کہ فرعون نے بچپن میں حضرت موسیٰ سے اچھے سلوک کئے تھے اور آخر کو بھی اسکی زبان سے یہ کلمہ نکلا تھا یعنی لا الہ الا الذی امنت بہ بنو اسرائیل

اور تھوڑا تکبر اسکا گھٹ گیا تھا بخلاف ابوجہل کے کہ آنحضرت کی جناب میں بچپن کی عمر سے حسد رکھتا تھا اور آخر میں ایسا کلمہ کہہ کے مرا جس سے تکبر لوجھا جاتا ہے یعنے لَوْ غَیْرُ اَکَّارٍ قَتَلَنِیْ یعنی میرا رتبہ یہ تھا کہ مدینے کے کسانوں کے ہاتھ سے مارا جاؤں اور جسوقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اسکا سر کاٹنے کو اسکے سینے پر چڑھے تو بطور تکبر کے کہا کہ یا راعی الغنم لقد ارتقیت مرتقی صعبًا یعنی اے بکری چرانیوالے بڑے مقام پر بیٹھا اور یہ بھی کہا تھا کہ هل اعمد من رجل قتلتموہ یعنے کیا ہے کوئی دنیا میں عمدہ اور بڑا مرتبے میں اُس شخص سے جسکو تمنے قتل کیا ہے پس ان وجہوں سے سرکشی اور تکبر اسکا مرد و کافرعون کے تکبر اور غرور سے بھی بڑھ گیا تھا اسیواسطے اسکے حق میں السبی لفظ میں تاکید کی ارشاد ہوا واللہ اعلم بالصواب

سورۃ القدر

مشہور تو یوں ہے کہ یہ سورت مکی ہے لیکن اسکے نازل ہونیکے سبب میں جو حالات کہ بیان کیے جاتے ہیں اُنسے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مدنی ہوگی اسواسطے کہ قصے بنی اسرائیل کے مدینہ منورہ میں تمکو معلوم ہوتے تھے اور منبر بھی اُسی مبارک شہر میں بنایا گیا ہے اور اس سورت میں پانچ آیتیں اور تیس کلمے اور ایکسو بارہ حرف ہیں اور اسکے نازل ہونیکے کئی سبب ہیں اول یہ ہے کہ ایک دن آنحضرت صلعم بنی اسرائیل کا احوال صحابہ کرام کے سامنے بیان فرماتے تھے اس عرصہ میں احوال شمعون یا سمنون کا کہ ایک زاہد کا نام ہے جو بنی اسرائیل میں گذرا ہے اور کثرت عبادت میں ضرب المثل ہے بیان فرمانے لگے کہ اُسنے ہزار مہینے عبادت کی ہر روز روزہ رکھتا تھا اور کافروں کے ساتھ جہاد کرتا تھا اور رات بھر نماز پڑھتا تھا صحابہ کرام نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ہم کس طرح سے ایسے شخص کے ثواب کو پہنچ سکینگے کہ اول ہماری عمر کی ساٹھ یا ستر برس ہیں سو اُسمیں تہائی کی قدر تو سونے میں جاتی ہے اور کچھ معاش کی تلاش میں اور دوسری حاجتوں میں صرف ہوتی ہے اور کچھ اسمیں سے مرض اور سستی میں ضائع ہوتی ہے پھر عبادت کے واسطے کیا باقی رہی آنحضرت صلعم بھی اس بات کو سنکر نہایت دلگیر اور غمگین ہوئے اللہ تعالی نے آپکے دفع ملال کے واسطے یہ سورت نازل فرمائی کہ اگرچہ تمہاری اُمت کی عمریں کوتاہ ہیں لیکن ہمنے تمکو ایک ایسی رات عنایت فرمائی ہے کہ اُس رات کی عبادت ہزار مہینے کی عبادت سے بہتر ہے دوسرا یہ کہ آنحضرت صلعم کو ایک دن اگلی اُمت کی عمریں دکھائیں تو اکثر درمیان میں ساٹھ اور ستر برس کی تھیں آنحضرت صلعم غمگین ہوئے کہ اتنی سی عمر میں میری اُمت کیا کام کریگی اور اُنسے کیا ہو سکیگا ایسا نہو کہ قیامت کے روز اگلی اُمتوں والے بڑی بڑی عمروں کا ثواب پاویں اور میری اُمت تھوڑی عبادت کے سبب شرمندہ ہو حقتعالی نے آپکی خاطر مبارک کی تسلی کے واسطے یہ سورت بھیجی تیسرے یہ کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلعم کو خواب میں دکھایا کہ بنی اُمیہ کے ظالم حضرت کے منبر پر ایک کے بعد دوسرا بندروں کی طرح سے کود کود کر بیٹھتے ہیں اور رعیت پر ظلم اور ستم کرتے ہیں یہ بات آنحضرت صلعم پر نہایت شاق گذری تو آپکی تشفی کے واسطے یہ سورت نازل ہوئی اور مراد ہزار مہینے سے بنی اُمیہ کی سلطنت کی مدت ہے کہ اُنکی پادشاہت کا زمانہ اسیقدر تھا اور اس سورے کو سورۂ قدر اسواسطے کہتے ہیں کہ اسمیں ذکر لیلۃ القدر کا ہے اور لیلۃ القدر کو جو لیلۃ القدر کہتے ہیں اُسکی دو وجہیں ہیں اول تو یہ کہ قدر مقدار اور رتبے کو کہتے ہیں اور اس رات میں مقدار اور رتبہ بنی آدم کے صلحا اور عابدوں کا ظاہر ہوتا ہے اور مراتب کسو یعنی مرتبے کمائے ہوئے اُنکے قرب اور منزلت میں عند اللہ ثابت ہوتے ہیں گویا کہ تمام سال کی عبادت کا ثمرہ ظاہر ہوتا ہے اور فرشتے اور ارواح میں قدر اور منصب سے ہر ایک کے مطلع ہوجاتے ہیں دوسری یہ کہ قدر بزرگی کے معنوں میں بھی آتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ فلانا نہایت عالی القدر یا ذوالقدر ہے یعنی شرف اور بزرگی رکھتا ہے اور یہ رات کئی طور سے دوسری راتوں پر شرف اور مرتبہ رکھتی ہے اول یہ کہ تجلی الٰہی شام سے صبح تک اس رات میں متوجہ بندوں کے حال کی طرف ہوتی ہے اور انکو قرب معنوی حق تعالی کی جناب میں پیدا ہوتا ہے دوسرے یہ کہ فرشتوں کا عالم اور ارواح کا عالم ملاقات کو صلحا اور عابدوں کے آسمان سے زمین پر آتے ہیں اور اُنکے نزدیک ہونیکے سبب سے عبادتوں کی کیفیت اور طاعتوں کی حلاوت دوسری راتوں کی عبادت کی کیفیت اور حلاوت سے ہزاروں درجے بڑھجاتی ہے تیسرے یہ کہ قرآن مجید بھی اسی رات کو نازل ہوا ہے یعنی لوح محفوظ سے دنیا کے آسمان پر اور یہ ایسا شرف ہے کہ نہایت نہیں رکھتا چوتھے یہ کہ پیدائش فرشتوں کی بھی اسی رات میں ہے پانچویں یہ کہ بہشتوں کا آراستہ کرنا بھی اسی شب کو ہے چھٹے یہ کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش کا مادہ بھی اسی شب کو جمع ہوا ہے اور صحیح روایت میں آیا ہے کہ عثمان بن ابی العاص کا ایک غلام تھا کہ سالہا سال جہازوں کی ملاحی کی تھی ایکدن اُسنے کہنے لگا کہ دریا کے عجائبات سے ایک چیز میرے تجربہ میں ہے کہ میری عقل اُس سے حیران ہے وہ یہ ہے کہ دریا شور کا پانی سال میں ایک رات میٹھا ہوجاتا ہے عثمان بن ابی العاص نے اُس سے کہا کہ جب وہ رات آوے تو مجھ کو خبر کرنا دیکھوں وہ کونسی رات ہے اور کیا بزرگی رکھتی ہے اُس غلام نے ستائیسویں کو رمضان مبارک کی اُنسے کہا کہ یہ رات وہی ہے غرضکہ مضمون سے اس سورت کے معلوم ہوتا ہے کہ

عبادتیں اور طاعتیں وقتوں کی نیکوئی اور مکانوں کی بزرگی اور اجتماع اور حضور بحت الحول کے سبب سے اجابت میں ثواب کے اور زیادت میں برکات اور انوار کے بڑا مرتبہ رکھتی ہیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہماری طاعتوں اور عبادتوں کی مشقت اور رنج کے موافق اسوقت ثواب دیا جاتا ہے کہ اسطور کا کوئی سبب درمیان میں نہو جیسے کہ فرمایا ہے کہ اجرک قدر نصبک یعنی ثواب تیرا تیری محنت کی قدر ہے لیکن جو ان زیادتیوں سے تفاوت حاصل ہوتا ہے تو ثواب طاعتوں کا رنج اور مشقت کے انداز پر نہو اسواسطے کہ بہت ہوتا ہے کہ تھوڑی سی عبادت جمعیت خاطر سے متبرک وقت یا مکان میں بہت سی طاعت سے بہتر اور منور ہو جاتی ہے اور یہ بھی سمجھ لیا چاہیے کہ لیلۃ القدر کو باوجود اس عظمت اور شرافت کے لوگوں کی دریافت سے پوشیدہ رکھا ہے جیسے دعا قبول ہونے کی گھڑی کو جمعہ کے دن میں اور صلوۃ وسطی کو پانچوں نمازوں میں اور اسم اعظم کو اسماء الٰہی میں اور مقبول طاعت کو دوسری طاعتوں میں اور اولیاء اللہ کو دوسرے لوگوں میں تاکہ تمام لوگ ہمیشہ ان چیزوں کی جستجو میں رہیں اور سب راتوں کی اور سب طاعتوں کی اور سب نمازوں کی اور سب اسماء الٰہی کی اور سب طاعتوں کی اور نیک لوگوں کی رعایت کریں اور اس متبرک رات کے چھپانے میں بھی ایک حکمت ہے جیسے مرنے کے اور قیامت کے دن کے چھپانے میں حکمت ہے وہ یہ ہے کہ مکلفین محنت اور کوشش میں قصور نکریں اور یکبارگی اور بھروسا ایک چیز معین پر نکر بیٹھیں اور غفلت اور سستی کو نہ اختیار کریں اور اس شب کے پوشیدہ رکھنے کی وجہوں میں یہ بھی کہا ہے کہ اگر شب قدر عالم لوگوں پر ظاہر ہوتی تو بعضے لوگ اس رات میں عبادت کر کے ثواب ہزار مہینے کا کماتے اور بعضے لوگ شہوت اور ہوا اور ہوس کی گرفتاری کے سبب سے اس رات کو لغویات اور معصیات میں گذارنے سے عذاب ہزار مہینے کا حاصل کرتے ہیں رحمت الٰہی نے اسبات کو چاہا کہ لوگ اس رات کو یقینی نہ جانیں کہ دیدہ و دانستہ اس رات میں گناہ کریں اور عذاب عظیم میں گرفتار ہوں ہر چند کہ بعضوں کو اس رات میں عظیم ثواب حاصل ہوتا لیکن دفع ضرر کا بہتر ہے منفعت کے حاصل کرنے سے اور یہ بھی سمجھ لیا چاہیے کہ بعضے مفسروں نے قدر کو تقدیر کے معنی میں لیا ہے اور کہا ہے کہ روزیاں اور موتیں اور دکھ اور بیماریاں اور عمل اور سوا اسکے دوسرے حادثے جو دنیا میں ہونیوالے ہیں اسی رات کو مقرر ہوتے ہیں اور فرشتوں کو خبر دیتے ہیں ان کاموں کی خبر انکے متعلق ہیں لوح محفوظ سے نقل کر کے سپرد کرتے ہیں تاکہ مطابق اس نوشتے کے تمام سال عمل کریں لیکن صحیح یہ بات ہے کہ یہ تقدیر شعبان کی پندرھویں رات کو ہوتی ہے جسکو شب برات کہتے ہیں اگرچہ تابعین میں سے بعضوں نے کہا ہے کہ نقل نویسی اس رات کو ہوتی ہے اور متصدیوں کے حوالے اس رات میں کرتے ہیں تو ابتداء التقدیر کی شب برات میں ہوئی اور اسکی انتہا اس رات میں لیکن تحقیق وہی بات ہے جو ذکر کی گئی اور شب قدر کی تعیین میں بہت اختلاف ہے جو کچھ کہ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے سو اسیقدر ہے کہ وہ مبارک رات رمضان کے مہینے میں ہے اسواسطے کہ اس سورت میں قرآن کا نازل ہونا اسی رات میں فرمایا ہے اور اس رات میں عبادتیں اور طاعتیں اور منصب اور مرتبے ہر مقرب الی اللہ کے عالم ملائکہ اور عالم ارواح پر ظاہر ہوتے ہیں اسی سبب سے اس رات کو لیلۃ القدر کہتے ہیں اور سورۂ بقر میں دوسرے سیپارے میں فرمایا ہے کہ نزول قرآن شریف کا رمضان کے مہینے میں ہے پس جمع کرنے سے ان دونو فرمودوں کے اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ شب قدر رمضان کے مہینے میں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شب قدر تمام سال میں دائر ہو اور جس سال میں قرآن نازل ہوا تھا اس سال میں رمضان کے مہینے میں واقع ہوئی ہو لیکن یہ قول نہایت بعید ہے اور از روے حدیث صحیح مشہور کے ثابت ہوا ہے کہ وہ رات رمضان کے مہینے کے آخر دہے کی طاق راتوں میں ہے پس تمام سال میں یہ پانچ راتیں اسبات کا احتمال رکھتی ہیں کہ شب قدر ہوں اکیسویں تیئیسویں پچیسویں ستائیسویں انتیسویں اور اصح یہ بات ہے کہ ایک ہی شب ان راتوں میں میں شب قدر ہوتی ہے بے تعیین کسی سال اکیسویں کسی سال تیئیسویں اور کسی میں پچیسویں اور کبھی ستائیسویں اور کبھی انتیسویں اور یہ بات جو مشہور ہے کہ ستائیسویں رات ہے سو اس سبب سے ہے کہ وہ اکثر ستائیسویں شب کو واقع ہوتی ہے اسیواسطے ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر نو حرف ہیں اور یہ لفظ اس سورہ میں تین بار مذکور ہے اور جب تین کو نو میں ضرب کریں تو ستائیس ہوتے ہیں بعضے علماء نے کہا ہے کہ اس سورت میں تیس کلمے ہیں اور ستائیسواں انمیں سے ہی کا لفظ ہے کہ شب قدر کی طرف پھرتا ہے اور یہ اشارہ ستائیس کی عدد کی طرف ہے واللہ اعلم بالصواب +

بسم اللہ الرحمن الرحیم

س ع

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ مقرر ہمنے نازل کیا قرآن کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر شب قدر میں یعنی وہ رات کہ اسمیں قدر اور مرتبہ عبادت کرنیوالوں کا ظاہر ہوتا ہے اور مرتبے انکی ولایتوں کے عالم ملکوت اور عالم ارواح پر ظاہر ہوتے ہیں اور منصب قطبیت اور غوثیت اور ابدالیت اور امامت کے ان مرتبوں کے مستحقوں کے واسطے

اُس رات کو معین اور مقرر کرتے ہیں اور اس معاملے کو رات کے ساتھ اسواسطے مخصوص کیا کہ دن ظہور کا وقت ہے تو مناسب ہے عالم شہادت سے اور رات پردہ پوشی کا وقت ہے پس عالم غیب سے کمال مشابہت رکھتی ہے اور بھید اس رات کا وہ جو بعضے عارفوں کو معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ رات وصل کا وقت ہے اور صورت وصل کی اس شب میں سطور سے جلوہ فرمائی ہے کہ جمال الٰہی کی تجلی اپنے مشتاق بندوں کے حال کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور مدارک اور اذہان یعنی بوجھوں اور ذہنوں میں اُنکے ایک فراخی پیدا ہوتی ہے اور قوت خیالیہ قوت مدرکہ کی خدمت کرتی ہے اور وہ تجلی ایک عالم کو ملائکہ اور ارواح سے کہ عالم قدس کے رہنیوالے ہیں اپنے ہمراہ لاتی ہے اور ملاقات کرنا غیب کے عالم کا عالم ظاہری سے اور ملنا آسمان کے کمال والوں کا زمین کے کمال والوں سے اور در آنا انوار روشنیاں ایک کی دوسرے میں اور سنافدہ حاصل کرنا ایک عالم کا دوسرے عالم کے اشعہ اور لمعات سے یعنے کمالات کی روشنیوں سے اُس رات کو بخوبی ہوتا ہے اور عالم روحانی میں ایک عجیب حالت پیدا ہوتی ہے کہ اسکی شرح بیان کرنا بہت مشکل ہے لیکن ایک قصہ مثال سے اسقدر سمجھنے کے واسطے بیان کیا جاتا ہے کہ موسم بہار کے آنے کے طور پر بوجھ لینا چاہئے کہ آسمان سے پانی برسنے کے سبب سے اور آفتاب کی گرمی کی تیزی سے جو زمین کی ابھارنیوالی قوت میں تاثیر کرتی ہے اور ہر ہر دانے اور گٹھلی میں جو جو شکل چھپی اور پوشیدہ ہے وہ سب طرح طرح کے گل بوٹے اور رنگ برنگ کے سبزے لہلہے ظاہر ہوتے ہیں اور بڑی رونق اور کمال زینت عالم میں حاصل ہوتی ہے باقی رہا یہاں پر ایک شبہ اور وہ یہ ہے کہ نزول قرآن کا تیئیس برس تک ہے اور شروع اُسکے نزول کا ربیع الاول کے مہینے میں ہے کہ نبی صلعم کی عمر شریف کے چالیسویں برس کا شروع تھا اور قرآن مجید میں قرآن کے نازل ہونیکا اشارہ تین معین وقتوں کی طرف فرمایا ہے ایک تو رمضان شریف اور دوسرے شب قدر اور تیسرے شب مبارک کہ اکثر علماء کے نزدیک شب برات ہے یعنی پندرہویں رات شعبان کی پھر مطابقت اور موافقت اس امر واقعی میں اور ان مخالف تعبیروں میں کیونکر درست آویگی سو اُسکا جواب روایتوں میں تامل کرنے کے بعد جو معلوم ہوا ہے سو یہ ہے کہ نزول قرآن کا لوح محفوظ سے بیت العزت میں کہ وہ ایک جائے ہے آسمان دنیا پر گھری ہوئی ہے ملائکہ ذی قدر سے شب قدر میں ہے جو رمضان کے مہینے میں واقع ہے اور اندازہ اُسکے نزول کا اور حکم فرمانا لوح محفوظ کے نگہبانوں کو کہ اسکا نسخہ نقل کرکے آسمان دنیا پر پہنچاویں اسی سال کی شب برات میں تھا اب صورت میں تینوں تعبیریں درست ہیں یعنی نزول حقیقی شب قدر کو رمضان کے مہینے میں واقع ہوا اور نزول تقدیری اُس سے پہلے شب برات میں اور نزول قرآن کا پیغمبر صلعم کی زبان پر سو ربیع الاول کے مہینے میں چالیسویں برس کے شروع میں ہے اور تمام ہونا اُسکے نزول کا آخر عمر میں پس تعارض نہ رہا **وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ** اور کیا جانتا ہے تو کہ کیا بزرگی ہے شب قدر کی یعنی ہرچند کہ عارف وسیع المعرفت جلیل المرتبت ہو لیکن اس تجلی الٰہی کی حقیقت کو کہ گوناگوں عالم ہمراہ رکھتی ہے اور رنگارنگ تاثیریں ہر ایک کی استعداد کے موافق ظاہر کرتی ہے جیساکہ چاہئے ویسا بیان کر نہیں سکتا اسواسطے کہ شرط اُسکے جاننے کی واقف ہونا اُن سب عالموں اور اُن سب استعدادوں پر ہے اور یہ بات تفصیل سے حاصل ہونا بشر کے مقدور سے باہر ہے پس جسقدر کہ ظاہر کرنا اس کی عظمت کا ممکن ہے بیان کیا جاتا ہے کہ **لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ** شب قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے کہ اُنمیں شب قدر نہو اور مدعا یہ کہ ہر مہینہ شامل ہے دنوں کو اور راتوں کو اور ہر روز اور ہر شب موافق ان للہ فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لہا شامل ہونیوالے تجلیات غیبیہ اور شہودیہ کے ہوتے ہیں لیکن یہ تجلی کہ اس شب میں واقع ہوتی ہے اُن تجلیوں کی نسبت سے ایسی ہے جیساکہ دریا کی نسبت قطرے کے ساتھ ہوتی ہے عام ہونے میں اور شامل ہونے میں اور اسماء الٰہی کی بلندی کے سبب سے کہ مادہ اس تجلی کا ہیں اور ہزار کے عدد کی تخصیص اسواسطے ہے کہ عرب کی زبان میں عدد کا نام یہیں تک ہے اور ہزار سے آگے اُنکی زبان میں نام نہیں ہے تو گویا کہ اشارہ فرمایا ہے عدد کی انتہا پر اور مہینوں کی تخصیص اسواسطے ہے کہ باوجود سبات کے کہ سال میں رات اور دن زیادہ ہیں لیکن عرب کے سال کہ قمر کے دور سے شمار کرتے ہیں فقط مہینوں کی تکرار ہے اور شمسی سال ایک پوشیدہ چیز ہے اور مخصوص دنوں کے ساتھ ہے برخلاف چاند کے کہ رات سے خصوصیت رکھتا ہی اور باوجود ان سب باتوں کے چاند کو زیادہ مناسبت اس مقام پر ثابت ہوتی ہے اسواسطے کہ چاند کا نکلنا پہلی تاریخ سے چودھویں تک بلکہ ابتداء سے انتہا تک رات ہی میں واقع ہوتا ہے تو گویا کہ نور کی تجلی کا ظہور ہے دنیا کے ظلمت کدے پر اور جسوقت کہ تجلی الٰہی اس رات کو اس عظمت اور بزرگی کے ساتھ واقع ہوئی تو ثواب اس رات کی عبادت کا ہزار مہینے کی عبادت سے بہتر ہوگیا اب آگے بیان اُسکی عظمت کا فرماتے ہیں کہ **تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا** اُترتے ہیں فرشتے آسمان سے اور روحیں علیین کے مقام سے اُس رات میں ملنے کو اہل کمال سے اور بنی آدم کے اعمال کے

انوار حاصل کرنے کو اور لقدین کی تھکانے کو بسبب معلوم کرنے اُن کیفیتوں کے جو اہل اللہ لوگوں کی ذات میں پہنچنے تحمید و تسبیح کی نسبت سے حاصل ہوئی ہیں اور نازل ہونا انکا زمین والوں کے نور اور حضوری زیادہ ہونے کو بھی ہے اور اسواسطے بھی ہے کہ آسمانوں کو کیفیتیں زمینوں کی بطور انعکاس کے حاصل ہوں پس علوی کمالات اور سفلی کمالات دونوں گروہوں میں تعاکس انوار کے طور پر جلوہ فرماویں اور ایک شکل دونوں نوعوں سے مرکب ہو کے کمال کی صورت پکڑے اور وہ جو ہر ہر فرد میں کمالات مندرج تھے سو اجتماع کیے اور حاصل ہونے ہیآت جدائی کے سبب سے کہ مشابہ مزاج مرکب کے ہے دوسرا رنگ کھاوے جیسے مزاج معجون مرکب کا اجزائے مختلفۃ الکیفیات سے کہ ہر ہر فرد کی تاثیر سے علاوہ ایک دوسری تاثیر پیدا کرتا ہے اور یہ ایک طلسم ہے طلسمات الٰہی سے کہ ناقص کو اس طریقہ سے کامل کے حساب میں داخل کر لیتے ہیں اور اسی بھید کے سبب سے جماعت کی نماز کو تنہا نماز سے افضل ٹھہرایا ہے اور جسقدر کہ جماعت کثیر ہوتی ہے اسیقدر روشن ہونے میں دل کے اور مقبول ہونے میں عنداللہ کے تاثیر زیادہ کرتی ہے اور جو ملائکہ اور ارواح کا نازل ہونا کاموں کے جاری کرنیکے واسطے جو ملائکہ سے تعلق رکھتے ہیں یا حاصل ہونے کو اس مناسبت کے جو بعضے اہل کمال کو ارواح علویہ کے ساتھ کبھی پائی جاتی ہے ہوتا ہے اسیواسطے ایک کلمہ کا دوسرا ارشاد فرمایا ہے کہ یہ نزول اس قسم سے نہیں ہے بلکہ یہ نزول **بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ** حکم سے انکے رب کے غرض یہ ہے کہ تجلی احد سب ملائکہ اور ارواح کو تابعداری میں لیکر واسطے ایک کام کے کہ وہ حاصل ہونا ہیآت وحدانیہ کمالات متعلقہ للقدار کا ہے نیچے لاتی ہے پس یہ شب نازل ہونا ملائکہ اور ارواح کا سوائے اسوقت کے اس طور پر ہے جیسے کوئی متصدی یا امیر بادشاہ کا کسی کے گھر اپنی آشنائی کے سبب سے یا کسی تقریب کے سبب سے آویں اور نازل ہونا ملائکہ اور ارواح کا اسوقت میں تشبیہ اسطور پر ہے کہ حکم سے بادشاہ کے یا ہمراہ بادشاہ کے اس شخص کے گھر جمع ہوں پس جو کچھ کہ تفاوت ان دونوں حالتوں میں ظاہر اور روشن ہے **مِّنۡ كُلِّ اَمۡرٍ** بیان ملائکہ اور ارواح کا ہے یعنی ملائکہ ہر کام کے اور ارواح ہر کام کے کہ قرب اور کمال کے ساتھ متعلق ہے نزول فرماتے ہیں ہر چند کہ سب لوگ منزل علیہم یعنی جن پر نازل ہوئے ہیں استعداد اس قرب اور کمال کی نہیں رکھتے ہیں لیکن پیدا کرنا ہیآت وحدانیہ کا اور پورا کرنا ناقصوں کے نقصان کا منظور ہے اور جب اس شب مبارک کی عظمت کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب ایک خاصیت دوسری اس شب کی خواصوں میں سے بیان فرماتے ہیں **سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ** سلامتی ہے اس رات کو نفس اور شیطان کے شر سے کہ اکثر ملجا انکے شروں کا طاعتوں کے رد ہو جانیکے کا سبب ہوتا ہے سو اس رات کو نور تجلی کی چمک سے اور حاضر ہونے ملائکہ اور ارواح کے سبب سے نفسانی حادثوں کی تاثیر اور شیطانی خطرات بالکلیہ دفع ہو جاتے ہیں اور غروب آفتاب کے وقت سے صبح صادق کے نکلنے تک یکساں ان آفتوں سے امن اور اطمینان ہوتا ہے بخلاف اور راتوں کے کہ اول تہائی میں شیطانوں کے پھیلنے کا وقت ہے اور انکے خطرے اور وسوسے عبادت اور بندگی کرنیوالوں کی خاطروں کو پریشان کر دیتے ہیں اسیواسطے اس ثلث میں فرض نماز مقرر فرمائی ہے اور دوسرے ثلث میں اکثر نیند غفلت کی اور برے برے خیال اور پریشان خوابیں نفسانی خواہش اور طبیعت کی عادت سے ظاہر ہوتے ہیں اور خراب کرتے ہیں اور دعا سے اور حضوری کی لذت حاصل کرنے سے غافل کر دیتے ہیں اور تیسرا حصہ یعنی پچھلی رات کا ان دونوں خرابیوں سے بچی ہوئی ہے سو تہجد اور جناب الٰہی میں التجا اور زاری اور دعا کے واسطے مقرر ہوئی ہے اب اس جگہ پر جاننا چاہئے کہ عالموں کا اختلاف ہے اس بات میں کہ ملائکہ اور ارواح سے سب ملائکہ اور ارواحیں مراد ہیں جیسا کہ قرآن کی ظاہر لفظ اسی پر دلالت کرتی ہے یا وہ ملائکہ اور ارواحیں مراد ہیں جو سدرۃ المنتہیٰ میں رہتے ہیں جیسا کہ بعضی حدیثوں میں مذکور ہے ہر طرح سے حضرت جبرئیلؑ کے نازل ہونے میں سب کا اتفاق ہے اور انکا نام مقام سدرۃ المنتہیٰ کے بیچ میں ہے اور انکے ہمراہ سب ملائکہ اور ارواحیں نازل ہوتی ہیں اور ہر عبادت کرنیوالے سے جبرئیلؑ مصافحہ کرتے ہیں اور انکے مصافحہ کرنے کا نشان یہ ہے کہ عین عبادت کی مشغولی میں بال بدن پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور آنکھ سے آنسو نکل آتے ہیں اور اس عبادت میں نہایت لذت حاصل ہوتی ہے اور اس رات کے خواص سے ایک یہ ہے کہ اس رات کو دعا قبول ہوتی ہے تو سب کو لازم ہے کہ ایسی دعا اس رات کو مانگیں جو سب بہتریوں کو دنیا اور آخرت کی شامل ہو اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں شب قدر کو پاؤں تو کیا دعا مانگوں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ دعا مانگو اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی یعنی یا اللہ تیرا نام عفو ہے اور بخشنے کو تو دوست رکھتا ہے سو بخشدے مجھکو اپنے کرم سے اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ من قام لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ یعنی جو شخص کہ زندہ

لے یعنی آئینہ ایک دوسرے کا عکس قبول کرتا ہے ۲ یعنی سب کمالوں کا ایک جا پر جمع ہو کے ایک صورت پکڑنا ۱۲

زندہ رکھے شب قدر کو نماز اور عبادت سے ایمان کے ساتھ ثواب کی طلب کے واسطے تو اسکو پچھلے گناہ سب بخش دیے جاتے ہیں اور بعضے عالموں نے کہا ہے کہ سلام ھی حتی مطلع الفجر کے یہ معنی ہیں کہ فرشتے اور روح بیں اس رات کو سب مسلمانوں پر سلام کہتے ہیں اور صاحب کمالوں سے مصافحہ کرتے ہیں پس یہ آیت ملاقات کی کیفیت کے بیان میں ہے نزول کے بیان کے بعد واللہ اعلم ؛

سورۃ البیّنۃ

یہ سورت مکی ہے اور اسمیں آٹھ آیتیں اور چورانوے کلمے اور تین سو چھیانوے حرف ہیں اور بیّنہ لغت میں ظاہر اور روشن چیز کو کہتے ہیں کہ اُس چیز کے دیکھنے کے بعد حقیقت کام کی ظاہر ہو جاوے اور کچھ شبہ اور شک اُسمیں باقی نرہے جیسے گواہ معتبر دعووں میں اور اس سورے کا نام بیّنہ اسواسطے رکھا ہے کہ یہ سورت دلالت کرتی ہے اسبات پر کہ وجود پیغمبر خدا صلعم کا خود بخود اپنی نبوت پر ایک روشن نشانی ہے یہانتک کہ کچھ احتیاج دوسری دلیل لانے کی نہیں ہے اور جو شخص صلعم کے اوضاع اور احوالوں اور افعالوں اور اقوالوں اور اخلاقوں سے آنحضرت صلعم کے بخوبی واقف اور خبردار ہو تو یقیناً سمجھ لے کہ اس قسم کی مقدس ذات بے شبہ و شک لیاقت پیغمبری کی رکھتی ہے اور جھوٹ اور بناوٹ کا یہاں ہرگز دخل نہیں ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آنحضرت صلعم با وجود یتیمی کے کہ باپ اور دادا آنحضرت صلعم کے بچگی کی حالت میں گذر گئے تھے اور بھائی بند اور قوم آنحضرت صلعم کے جہل مرکب میں گرفتار تھے ستھرے آداب اور نیک اور پسندیدہ وضعوں سے بالکل واقف تھے اُنکے درمیان میں آپ کی ذاتِ بابرکات کمال حسن اخلاق اور نہایت آداب کی رعایت کے ساتھ ظاہر ہوئی اور باوجود اسبات کے کہ آپ اُمّی محض تھے بلکہ مکتب میں بیٹھے بھی نتھے مشکل مشکل علموں کی باریکیاں واضح بیان سے ارشاد فرماتے تھے اور الفاظوں کو کہ گویا وہ بھی معجزے تھے کمال فصاحت سے ادا کرتے تھے اور کبھی کوئی بات خلاف عقل اور مروت کے آپ سے ظہور میں نہیں آئی اور ملکی تدبیریں اور جنگ و صلح کے مقدمے اور سوا اُنکے ہر کام آپکا حکمت کے قاعدے پر جاری تھا پھر باوجود نہونے تعلیم اور تعلّم کے کمال کو اس مرتبے کے پہنچنا بغیر تائید غیبی کے اور بدون تعلیم الٰہی کے ممکن نہیں ہے اور یہی معنی ہیں پیغمبری کے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ

نہ تھے وے لوگ جو کافر ہوئے ہیں اہل کتاب اور مشرکین سے جُدا ہونے والے اپنی آئین اور وضع سے جبتک کہ نہ آوے اُنکے پاس کھلی نشانی حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ قبل مبعوث ہونے ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے عرب کے ملک میں لوگ دو قسم کے تھے ایک قسم تو مشرک تھے کہ بعضے اُنمیں سے صابئین اور مجوس کی طرح سے روحانیت کو ستاروں اور آگ کی پوجتے تھے اور بعضوں نے صلحا اور بزرگوں کی صورتوں کو معبود ٹھیرایا تھا اور اُنکو بہت مقرب درگاہ الٰہی کا سمجھکر وسیلہ دین اور دنیا کا سمجھتے تھے جیسے قریش اور دوسرے وہانکے جاہل لوگ اور دوسری قسم اہل کتاب کہ اپنے کو تابع کتاب الٰہی کا جانتے تھے اور بعضے توریت اور زبور کو اپنا پیشوا قرار دیتے تھے اور بعضے انجیل کو بھی مانتے تھے اور یہ سب فرقے قبیح بدعتوں میں اور بری رسموں میں اور باطل اعتقادوں میں ایسے جم گئے تھے اور مضبوط ہو گئے تھے کہ پند اور نصیحت اور وعظ اور ارشاد انکے دلوں میں اثر نہیں کرتا تھا اور قائم کرنے سے دلائل عقلی کے اور سمجھانیسے قرائن اور حکموں کے ہرگز صلاحیت پر نہیں آتے تھے اور سب یہی کہتے تھے کہ ہم اپنی قدیمی وضعوں کو اور اپنے موروثی دینوں کو ہرگز نہ چھوڑینگے جبتک کہ کوئی دلیل ظاہر اور کھلا معجزہ نہ دیکھ لیں اور پیغمبر آخر الزمان صلعم جنکی تعریف آسمانی کتابوں میں جا بجا دیکھی ہے اور اگلے انبیاؤں سے سنی ہے ظاہر نہوں اور ہمکو ہمارے کاموں پر آگاہی نہ دیویں ہم اپنی وضع اور آئین ہرگز نہ چھوڑینگے اور یہ حالت اُنکی بعینہ ایسی تھی جیسے اس امت کے بعضے گمراہ فرقوں کی اس زمانے میں ہے کہ ایک گروہ اپنے کو صوفی ٹھیرا کر بدعتوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور ایک طائفہ ملحدوں کا اور ایک بے قیدوں کا کہ آپکو تارک دنیا مقرر کیا ہے اور انسانیت کی حد سے باہر نکلگئے ہیں اور ایک گروہ نے اپنا نام شیعہ اہل بیت کا رکھا ہے اور باطل عقیدوں میں گرفتار ہیں اور کتنوں نے اپنے تئیں علما کے زمرے میں قرار دیکر ٹھگی اور مکر شروع کیا ہے اور حیلے شرعی نکالکر ایک عالم کی راہ ماری ہے اور روایتیں نادر اور غریب جنکی کہیں اصل نہیں ہے اور باطل قاعدے اُصول کے ہیں دنیا کی طمع کیواسطے لوگوں کو بتاتے ہیں اور راہ حق سے پھیر رہے ہیں پھر ان سب طائفوں کو اگر عقلی اور نقلی دلیلوں سے سمجھایا جاوے کہ سیدھے محمدی رستے پر قائم ہو جاؤ اور اپنی موروثی بدعتوں کو چھوڑ دو تو ہرگز نہیں سنتے ہیں اور ان سب گمراہ فرقوں کا جواب مقابلے میں وعظ اور نصیحت کے ایک ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس قدیم وضع اور آئین کو نہ چھوڑینگے

بغیر کوئی دلیل ظاہر کی اور بعد ان حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظاہر ہونگے اور انکے بیان شافی سے ہر ایک بیمار جہالت کا شفا پاویگا اور اس حالت کی بابت یعنی بھیجے رب کے قبل ظاہر ہونے ہمارے پیغمبر صلعم کے عالم میں تھی تو حکمت الٰہی نے چاہا کہ ایک پیغمبر آئے کہ خود ہی ایک طبیب حکمت ہو اور اسکا بیان شافی جسکو جہالت کے مرض سے نجات بخشے چنانچہ اسکا بیان فرماتے ہیں کہ **رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ** آوے ایک پیغمبر کہ پڑھے ورق پاک کہ انمیں لکھا ہے مضبوط اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ تین چیزیں ارشاد اور نصیحت میں نہایت مرتبہ عالی رکھتی ہیں پہلے یہ کہ ایک شخص بھیجا ہوا خدا کا ہووے اور معجزوں کے دکھلانے اور انسانی کمالوں کے جمع ہونے سے اسکی رسالت خدا کی طرف سے ثابت ہو سو یہ بات آنحضرت صلعم میں کما حقہ ثابت تھی اسواسطے کہ رسالت کی شرطیں اور انسانیت کے کمالات کی انتہا کو پہنچنا باوجود امی ہونیکے انمیں ظاہر نظر آتی تھیں دوسرا کلام اترا ہوا غیب کا کہ معجزوں کے نور اسمیں روشن ہوں اور برکتیں اور نور اسکی تلاوت میں نیک لوگوں کو نظر آویں اور کلام کے عیبوں سے کہ ہزل اور کذب اور تناقض ہے پاک ہو اور یہ بات قرآن مجید میں کہ ہمارے پیغمبر صلعم باوجود امی ہونیکے اسکو تلاوت فرماتے تھے ظاہر اور روشن ہے تیسری یہ بات کہ ایسی کتاب کہ اسمیں اگلی کتابیں مندرج ہوں اور مضمون انکے اس کتاب کی مختصر عبارت میں لپٹے ہوں اور وہ معنی اور مضمون کہ معلومۃ الصدق ہیں یعنی سچے سمجھے ہوئے ہیں اور واضح تقریریں اور دلنشین عبارتوں میں ادا کی گئی ہوں سو یہ چیز بھی اس کلام مجید میں بھرپور موجود ہے بلکہ خلاصہ تمام اولین اور آخرین کا اسمیں صاف صاف یا اشارۃً مذکور ہے اسیواسطے اس کلام شریف کے نازل ہونیکے وقت سے آجتک کہ بارہ سو برس سے زیادہ گزرے ہیں بڑے بڑے علما طرح طرح کے علموں کے زور سے اسکی عبارتوں اور معنوں میں غور کرکے نکتہ باریک باریک اپنی استعداد اور حوصلے کے موافق نکالتے ہیں ولنعم ماقیل ؏ کل العلم فی القرآن لکن ÷ تقاصر عنه افهام الرجال ÷ یعنے سب علم موجود ہیں قرآن میں لیکن قاصر ہوتی ہیں اس سے سمجھیں آدمیوں کی اور جب یہ تینوں چیزیں ایکجا سے پرجمع ہوں تو ارشاد اور ہدایت میں اعلیٰ مرتبہ حاصل ہوتا ہے اب مناسب یہ بات تھی کہ سب مخالف لوگ بعد مبعوث ہونے ایسے پیغمبر کے اور نازل ہونے ایسے کلام پاک کے اپنی وضع اور آئین کو چھوڑکر ایک واد یا یک جہت ہوکر متابعت اس دین کی قبول کرتے اور کسی طرح کا اختلاف اور تفرقہ جائز نہ رکھتے لیکن نفس اور شیطان کے غلبے کے سبب سے پھر اسی اختلاف اور تفرقے کے مرض میں گرفتار ہوئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں **وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ** اور متفرق نہیں ہوئے جن لوگونکو ملی تھی کتاب یعنے یہود اور نصاری مگر بعد اس بات کے کہ آچکی انکی نشانی روشن یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی یہودیوں نے بڑی بڑی بدعتیں اور خراب اعتقاد اور جھوٹی جھوٹی باتیں اور خبریں بے اصل بناکر اور انکو حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرکے اس طرح شیطان کے پھندے میں گرفتار تھے جناب باری نے انکی ہدایت کے واسطے کھلے کھلے معجزوں کے ساتھ جیسے مردوں کا جلانا اور مادرزاد اندھوں کا اچھا کرنا اور کوڑھیوں کا تندرست کردینا ہے حضرت عیسیٰ کو انکی طرف بھیجا اور ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ کے آنے کے بعد ایک بڑا اختلاف ڈالدیا یعنے ایک گروہ نے آپکو تابعدار حضرت موسیٰ کا ٹھیراکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مخالفت شروع کی اور انکے قتل اور ایذا کے درپے ہوئے اور ایک گروہ نے اپنا لقب نصاری ٹھیراکر اپنے زعم میں حضرت عیسیٰ کے دین کی مددگاری قبول کی اور آپس میں مارکٹائی اور لوٹ پاٹ اور لعن طعن ہونے لگا اور قرنوں تک اسیطور سے خوان خرابی میں گزری۔ اور مدعا اس آیت سے یہ ہے کہ آنا پیغمبر کا اور نازل ہونا کتاب آلہی کا بغیر حضرت حق کی توفیق کے اور ارادے کے ہدایت اور اصلاح اور ارشاد کے واسطے کافی نہیں ہوا چاہیے تھا کہ اسکو مستقل اسباب ہدایت کا گمان نہ کرے اور اسیواسطے محققوں نے کہا ہے کہ قرآن اور پیغمبر اچھی غذا کی مانند ہیں کہ تندرست بدن کو کمال قوت اور طبعی اور حیوانی اور نفسانی کاموں میں درستی پیدا کرتی ہے اور مریض کے واسطے وہی غذا امراض اور عارضوں کی زیادتی کا سبب ہوجاتی ہے پس اول روح کے مزاج کی درستی میں کوشش کرنا چاہیئے اور تعصب کی فاسد خلطوں سے اور جہالت کی رسومات اور خیالات کی قیدوں سے پاک صاف کرنا چاہیئے بعد اسکے اس غذاسے لطیف سے تقویت حاصل کرلے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں بیان اس تفرقے اور اختلاف کا منظور ہو کہ بعد رسول ہونے ہمارے پیغمبر صلعم کے ظاہر ہوا اور وہ یہ ہے کہ ایک طائفہ یہود اور نصاری کا انکار پر آنحضرت صلعم کے اور انکے توابعوں سے قتال اور جدال کے واسطے اٹھ کھڑا ہوا اور دوسرے گروہ نے متابعت اختیار کی اور انکے دین کی تائید اور نصرت کے واسطے دل اور جان سے شریک ہوئے اور اس صورت میں اہل کتاب کے تفرقے کے ذکر پر اکتفا کرنا اور مشرکین کے تفرقہ کا ذکر نکرنا اسواسطے ہے کہ یہ بات کتاب والوں سے جو اپنے کو عالم اور دانا کہتے تھے اور انبیاؤں کی چال ڈھال سے اور کتب آلہی کی شان سے خوب واقف اور آشنا

تجھے نہایت تعجب معلوم ہوتی بخلاف مشرکین کے کہ ان چیزوں سے آگاہ نہ تھے اگر اختلاف کریں تو کچھ دور نہیں اور جب یہ ماجرا مفصل بیان ہو چکا تو یہاں گمان ایک شبہے کا تھا اسکو بھی دفع فرمایا اور تقریر اس شبہے کی یہ ہے کہ ہر چند کہ معجزے ظاہر اور علامتیں روشن حقیقت پر ایک شخص کی گواہی دیں لیکن جو یہ شخص برخلاف پہلی شریعتوں کے کہ اجماع انبیا علیہم السلام کا اُنپر ہو چکا ہے امر و نہی کرے اور اُن شریعتوں کو باطل کرے تو اُسکی بات ماننی نہ چاہیئے اور ان سب معجزوں اور علامتوں کو اقبال دنیوی پر یا اتفاق پر یا استدراج پر قیاس کرنا چاہیئے اور تقریر اس شبہے کے دفع کرنے کی اس آیت میں ہے **وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ** اور حکم نہیں ہوا اُنکو پیغمبر کی شریعت میں مگر یہی کہ عبادت کریں اللہ کی خالص کرکے اُسکے واسطے دین کو پھر جو خصوصیت اور کیفیت کہ عبادتوں میں یہ پیغمبر بیان کرتا ہے گو کہ پہلی شریعتوں میں وہ خصوصیت اور کیفیت نہو لیکن یہ سب طیبہ اور تمہید ہے اللہ تعالی کے قرب حاصل کرنیکے واسطے اور اخلاص کی تاکید کے واسطے اور حجابات کے دور ہونیکے واسطے اُس ذاتِ پاک سے اور یہ کہ حنیف ہو جاویں اور حنیف عرب کی زبان میں اُسکو کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کے غیر کی طرف توجہ نکرے اور ہر کام میں اور ہر چیز میں اللہ تعالی کی طرف متوجہ رہے اور یہ کہ قائم کریں نماز کو اور دیویں زکوٰۃ کو اگرچہ کیفیت نماز کی اور زکوٰۃ کے ادا کرنے کی مختلف ہووے یہی ہے دین اور مذہب مضبوط کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ابتک انبیاء اور حکماء اور علماء نے اسکی شرح اور تفصیل میں اپنی عمر کو صرف کیا ہے اور اس شبہے کے دفع کرنے کا حاصل یہ ہے کہ مقصود اصل اس شریعت کا اگلی شریعتوں سے نہایت مطابق ہے اگرچہ خصوصیات اور کیفیات میں موافق وقت اور حال کے تفاوت ہوا ہو لیکن حقیقت میں مقصود کا مطابق ہونا اصل کے ساتھ کفایت کرتا ہے چنانچہ ہر فن اور ہر صنعت میں اسی قسم سے واقع ہے مثلاً یونانی طب بقراط اور جالینوس کے زمانے سے بو علی بن سینا اور محمد زکریا اور مسیحی کے زمانے تک ایک ہی طور پر رہی اس معنی کو کہ اصول جو مقصود یونانی طبیبوں کے ہیں ہر زمانے میں محفوظ ہیں اُنمیں تغیر اور تبدل نہیں ہوا چنانچہ سب کہتے ہیں کہ مسہل نضج کے بعد یعنی فاسد مادہ پک جانیکے بعد دینا چاہیئے اور بحران کے روز مرض کو چھیڑنا نہ چاہیئے اور مرض کو اُسکی ضد سے دفع کرنا چاہیئے اور صحت کو اُسکی جنس سے محافظت اور نگاہ رکھنا چاہیئے اور علی ہذا القیاس اب جو شخص کہ متاخرین یعنے پچھلے طبیبوں کی کتابوں کو دیکھے اور اُنکے مقصدوں کے اُصول کو مطابق اصول بمقاصد متقدمین کے بوجھے تو یقینی اُنکی طبابت کو دریافت کریگا کہ خصوصیتیں کیفیات زائدہ کی جو فی الجملہ اگلوں کی طبابت سے تفاوت رکھتی ہیں اُنکی کتابوں میں پائی جاتی ہیں بلکہ اگر تامل اور غور کو قرار واقعی کام میں لاوے اور حکمت کی باریکیوں کی رعایت کہ اُن خصوصیتوں میں واقع ہوئی ہے دیکھے تو ضرور متاخرین کی فضیلت کا قائل ہوگا موافق مضمون اس قول کے کہ الصناعات تتکامل بتلاحق الافکار یعنے صنعتیں کامل ہوتی ہیں ملنے سے فکروں کے اور جب حال اہل کتاب کے مخالفوں کا بیان کیا گیا تو اب تفصیل ان دونوں فرقوں کی اُنکے درجوں کے موافق جو عند اللہ اُنکے واسطے ثابت ہے ثواب ہے یا عذاب ہے بیان فرماتے ہیں **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ** مقرر جو لوگ کہ کافر ہوئے اہل کتاب سے اور مشرک آخرت کے حکم میں شریک ہیں اور اہل کتاب کی بزرگی اور عقلمندی یہاں کچھ کام نہیں آتی اسواسطے کہ سب کے سب **فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا** دوزخ کی آگ میں ہونگے سدا رہینگے اُسمیں اور اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ ہم انسان کے گروہ سے ہیں اور انسان اشرف المخلوقات ہے اور کسی مخلوق کو سدا کا عذاب دینا اور آخرت میں رکھنا نہیں ہے ہمکو کسواسطے دائمی عذاب میں گرفتار کرنا چاہیئے اُسکے جواب میں ارشاد ہوتا ہے **اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ** یہ لوگ یہی سب مخلوقات سے بدتر ہیں اسواسطے کہ جب حکم الٰہی کا انکار کیا اور اسکے رسولوں کے منکر ہوئے تو اپنے نفس کی خواہش کو اللہ کے حکموں پر غالب کردیا اور یہ قباحت اور خرابی کسی مخلوقات میں نہیں ہے اسیواسطے سورۂ فرقان میں فرمایا ہے ان هم الا کالانعام بل هم اضل سبیلا ج ۱۹ ع ۲ یعنی نہیں ہیں یہ مگر جیسے چارپائے بلکہ اُنسے بھی بدتر **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** مقرر جو لوگ کہ ایمان لائے سب پیغمبروں پر اپنے وقت کے پیغمبر تک اور کام کئے اچھے **اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ** یہ لوگ یہی سب مخلوقات سے بہتر ہیں اسواسطے کہ فرشتوں سے بھی بڑھ گئے ہیں اور ہر زمانہ میں اللہ تعالی کی حکمت کو بوجھے ہیں اور باوجود نفس کی خواہشوں کی کشمکش کے جناب باری کے حکموں پر اسقدر غالب کیا ہے اور وہم کی مخالفت کو دور کرکے عقل کو اُسپر متعین کیا ہے کہ شک اور شبہے درمیان میں نہ آجاویں اور یہ بات فرشتوں میں نہیں ہے کیونکہ وہ جزئی احکام اُنکو جانتے ہیں اور وہم اور نفس نہیں رکھتے ہیں کہ علوم یقینی عقیدہ میں

اُنکے نقصان واقع ہو لیکن یہ بات عام ملائکہ کی نسبت سے ہے اور جو خاص فرشتے ہیں جیسے حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام سو اُنکا مرتبہ نہایت بلند ہے اور اُنکو کمال احتیاط حکمت آلہی کے اسراروں پر غیر متناہی عالموں میں حاصل ہے اور بوجہ کامل رکھتے ہیں ہر چند کہ اُنمیں نفس اور وہم کا نہونا ظاہر میں اُنکے ثوابوں کے نقصان کا سبب معلوم ہوتا ہے لیکن جو بنی آدم کے عمل کرنے والوں کا ثواب ایک شاخ ہے اُنکے فیضوں کی شاخوں سے اسواسطے یہ زیادتی اُسکی برابر نہیں ہو سکتی اور مولانا حافظ الدین نسفی کے عقیدہ میں یہ عبارت واقع ہے وخواص بنی آدم وهم المرسلون افضل من جملة الملئكة وعوام بنی آدم وهم الاولياء والزهاد افضل من عوام الملئكة وخواص الملئكة افضل من عوام بنی آدم اور خاص لوگ بنی آدم کے یعنے رسول اور انبیا افضل ہیں خاص فرشتوں سے اور عوام لوگ بنی آدم کے یعنی اولیاء اللہ اور زاہد لوگ افضل ہیں عام فرشتوں سے اور خاص فرشتے افضل ہیں عام بنی آدم سے اور وہ جو حضرت ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ المؤمن اکرم علی اللہ من بعض الملئکة الذین عندہ یعنے بندہ مومن اللہ تعالی کے نزدیک بزرگ ہے بعضے فرشتوں سے جو اُسکے حضور میں ہیں یہ محمول ہے خاص ملائکہ کے ماسوا پر **جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ** بدلا اُنکا اُنکے رب کے پاس باغ ہیں سدا رہنے کو اسواسطے کہ اُنہوں نے بھی مختلف طوروں میں اور متفاوت شریعتوں میں حقتعالی کے امر اور نہی کا اور اُسکی حکمتوں کا لحاظ کرکے سدا اُسپر قائم رہتے تھے **تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ** بہتی ہیں اُن باغوں کے نیچے نہریں اسواسطے کہ اُنہوں نے اپنی معرفتوں اور عقائدوں اور عملوں کی نہریں اپنی جان اور جسم پر جاری کی تھیں اور نور اُن علموں کے اُنکے خاندانی سلسلوں میں اور اُنکی اولاد اور تابعوں میں جاری ہا **خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا** ہمیشہ رہنیوالے ہیں اُن بہشتوں میں ابد الآباد تک اسواسطے کہ اُنکے دلوں میں بھی نیت حق پر قائم رہنے کی ابد الآباد تک بس گئی تھی ..... گو کہ عمر تھوڑی پائی تھی **رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ** اللہ راضی ہوا اُنسے اسواسطے کہ اُنہوں نے کسی طرح سے کسی نیک شان میں انکار اُسکا نہ کیا **وَرَضُوْا عَنْهُ** اور وے بھی راضی ہوئے اُس سے اسواسطے کہ ایمان لائے سب شریعتوں مختلفہ پر ثواب اُن سب کا پایا اور اُنکی طبیعت کا پیمانہ ایسا لبریز ہو گیا کہ گنجایش طلب کرنے کی نرہی **ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ** یہ بیان واضح اُس شخص کے واسطے ہے کہ ڈرے اپنے پروردگار سے اور کسی طور میں انکار اُسکی حکمت کا یا اُسکی شان کا نکرے اور اُس جناب پاک کے حکم کو اسکے خوف سے اپنے نفس کی خواہشوں پر اور رسموں کی قیدوں پر مقدم رکھے اور اس صورت میں کافروں کے حال کے بیان میں اُنکی جزا کو مقدم فرمایا بعد اُسکے ارشاد ہوا کہ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ اور یہاں پر فقط مومنین کی جزا پر اکتفا کی اور کافروں کی جزا کا ذکر نہ فرمایا اسواسطے کہ عاقل کو شر البریہ کے لفظ سے انجام اُنکے حال کا واضح ہو جاتا ہے اور یہ بھی ہے کہ مومنین کی جزا کے بیان کرنے سے کافروں کی جزا کی تفصیل دریافت کر لینا چاہیے ضدیت کے حکم سے والعاقل تكفيه الاشارة یعنی عاقل کو ایک اشارہ بس ہے بعد اُسکے فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ اور مومنین کے حال کے بیان میں اول فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ بعد اسکے جزا کو ذکر کیا اور نکتہ تغییر میں اس اسلوب کے یہ ہے کہ کافروں نے بد جزا پانے کے بعد منصب شر البریہ کا حاصل کیا اور نہیں تو دنیا میں اکثر مخلوقات سے اچھی طرح سے گذران کی ہے اور مسلمانوں نے معرفت آلہی کے دروازے کے کھلتے ہی اور نیک کاموں سے اپنے نفس کو آراستہ کرنیکے سبب سے خیریت کا مرتبہ حاصل کیا ہے اور اُنکو جزائے خیر کا ملنا ایک شاخ ہے اُنکی خیریت کی شاخوں سے اور یہاں ایک اور شبہہ بھی آتا ہے کہ اضافت اسم التفضیل کی چاہتی ہے کہ مضاف الیہ کو ایک حصہ اصل صفت سے ہووے گو کہ موصوف اسم تفضیل کا اُس سے زائد ہووے اور اس جاپر کہ صالح مومنین کو بہتر سب مخلوقات سے کہا ہے تو چاہیے کہ سب مخلوق فی الجملہ کچھ بہتری رکھتے ہوں حالانکہ کافر اور شیطانوں نے بہتری کی صورت بھی نہیں دیکھی ہے جواب اس شبہہ کا یہ ہے کہ یہ تقاضا اُسوقت ہوتا ہے کہ اضافت اسم تفضیل کی مضاف الیہ پر زیادتی کے واسطے ہو اور اس جاپر مراد مطلق زیادتی ہے اور اضافت فقط توضیح کے واسطے ہے جیسا کہ یوسف احسن اخوتہ میں مقرر کیا ہے اور اس صورت میں اصل صفت کا وجود مضاف الیہ میں درکار نہیں ہے واللہ اعلم *

سورۂ زلزلت

یہ سورت مکی ہے اسمیں آٹھ آیتیں اور ترپن کلمے اور ایک سو انچاس حرف ہیں اور نزول اس سورت کا قیامت کے منکروں کے جواب میں ہے جو پوچھتے تھے کہ قیامت کب ہوگی اور تفسیروں میں مذکور ہے کہ پہر رات گئی تھی کہ یہ سورت نازل ہوئی آنحضرت صلعم نے صبح ہونیکا بھی انتظار نہ کیا اُسیوقت محلسرا سے باہر تشریف لائے اور

لوگوں کو سکھائی اور اس سورے میں ایک آیت ہے کہ گویا خلاصہ ہے تمام قرآن کا اور جامع ہے شریعت کے سب احکاموں کو اور وہ اس سورے کے اخیر کی آیت ہے کہ دلالت کرتی ہے ہر عمل کی جزا پر خواہ نیک ہو خواہ بد اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ یہ سورہ چوتہائی قرآن کے برابر ہے اور اس سورت کا نام زلزلت اسواسطے رکھا ہے کہ دلالت کرتی ہے زلزلۂ عظیم کے واقع ہونے پر قیامت کے دن اور سبب اس زلزلے کا تین چیزیں ہیں اول تو تجلی الٰہی کی بزرگی کہ زمین پر واقع ہوگی اور اس تجلی کے سبب سے اجزا زمین کے ٹوٹ پھوٹ کے بکھر جاوینگے جیسا کہ نمونہ اسکا کوہ طور پر واقع ہوا تھا قال اللہ تعالیٰ واشرقت الارض بنور ربھا وایضا قال اللہ تعالیٰ فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا دوسرے غضب الٰہی کا جوش میں آنا گنہگاروں پر اور انتقام کی شان کا ظاہر ہونا مردوں کے اٹھانے کی صورت پر اور یہ بات بغیر زمین کے ہلانے اور جھڑ جھڑانے کے تاکہ ہر مردے کے اجزا جدا جدا معلوم ہو جاویں ممکن نہیں تیسرے آواز تند دوسرے نفخہ کا کہ ہوائے شدید کے جھونکوں کا سبب ہوگی اور اس ہوا کا داخل ہونا کمال شدت سے مسام اور مخرج زمین میں اور اسکے سبب سے زلزلے کا پیدا ہونا اور از بس کہ یہ زلزلہ ایک عظیم واقعہ ہے حشر کے روز وقوع ہے اور مقدمہ ہے جزا کے کارخانہ کا تو سورت کا نام بھی یہی مقرر کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا جسوقت ہلائی جاوے زمین ایسا ہلانا کہ ممکن ہے اسی زمین کو اور ہلانے میں زمین کے کمال مبالغہ کیا جاویگا اسقدر کہ طاقت زمین کی تحمل اسکا کر سکے ہلائی جاویگی اور روے زمین پر کوئی عمارت اور کوئی پہاڑ یا جھاڑ باقی نہ رہیگا اور بلندیاں اور پستیاں سب برابر ہو جاوینگی اور زمین کی یہ شکل بدل جاویگی اور یہ معاملہ نفخ ثانی کے نزدیک ہوگا **وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا** اور نکال ڈالیگی زمین بھاری بوجھ اپنے یعنے اس بڑے بھونچال کے سبب سے جو کچھ کہ زمین کے پیٹ میں ہے جیسے مردے اور خزانے اور دولتے اور گٹھلیاں باہر پھینک دیگی اور مردوں کے باہر نکل آنے کے سبب سے علاقہ کہ ارواحوں کو زمین کے اندر سے تھا اسواسطے کہ ان ارواحوں کے جسموں کا ٹھکانا تھا ٹوٹ جاویگا **وَقَالَ الْاِنْسَانُ** اور کہیگا آدمی یعنی ارواحیں آدمیوں کی یا زندہ ہونیکے اور اس زلزلے کے آثار دیکھنے کے بعد کہیگا **مَا لَهَا** کیا ہوگیا ہے اس زمین کو **يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا** اس دن باوجود زلزلے کی شدت کے اور نہایت بیتابی اور بیقراری کے بولیگی زمین اپنی باتیں یعنی بنی آدم کے کاموں کو ظاہر کریگی اور کہیگی کہ فلانے شخص نے مجھ پر نماز پڑھی تھی اور روزہ رکھا تھا اور نیک کام کئے تھے اور فلانے نے مجھپر ناحق خون کیا تھا اور زنا کیا تھا اور چوری کی تھی اور یہ کہنا اس زمین کا دو حکمتوں کے واسطے ہے ایک تو یہ کہ لوگوں پر گواہ ہو کہ ان لوگوں کو انکار کی جگہ نہ رہے اسیواسطے آسمان اور دن اور رات اور ستارے اور ہاتھ پاؤں اپنے سب اس روز گواہی دینگے اور اچھے برے کاموں کو سب کے ظاہر کرینگے دوسرے یہ کہ بدکار لوگ زمین کے بیان کرنے سے رسوا ہونگے اور نیک لوگوں کی تعریف اور اچھائی ثابت ہوگی اس جگہ پر بعضے لوگوں کے دل میں شبہ گزرتا ہے کہ زمین تو ایک جماد اور بے عقل ہے یہ کیسی گواہی دیگی اور باتیں کریگی سو تحقیق اس شبہ کی یہ ہے کہ مخلوقات میں سے ہر چیز ایک روح رکھتی ہے لیکن حیوانات کی روحیں اپنے بدن کی تدبیر اور تصرف کا بھی علاقہ رکھتی ہیں اور ہمیشہ تغذیہ اور تنمیہ یعنی کھانے میں اور بڑھنے میں اور جنبش اور حرکت میں مشغول ہیں اور دوسری مخلوقات کی ارواح تدبیر اور تصرف کا علاقہ نہیں رکھتی ہیں اور جنبش کرنا اور حرکت اپنے اختیار سے دائمی نہیں ہے اس سبب سے انکی ارواح کا علاقہ عوام کی نظر سے پوشیدہ رہتا ہے اسپر بھی خرق عادت کے طور پر یہ باتیں کبھی کبھی انسے ظہور کرتی ہیں چنانچہ صحیح حدیث میں تواتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہے جیسے باتیں کرنا پتھروں کا اور درختوں کا اور پکار پکار کے رونا حنانا ستون کا اور پکارنا ایک پہاڑ کا دوسرے پہاڑ کو ھل مر بک احد یذکر اللہ یعنی کیا گذرا ہے تجھپر کوئی شخص کہ اللہ کا ذکر کرتا ہوئے سب اسی قسم سے ہیں اور قرآن مجید میں سب مخلوقات کی روح کا ہونا سورہ یٰس میں مذکور ہے فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیء ج ۳ ع ۵ اور سورہ اسرا میں بھی مذکور ہے وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم ج ۱۵ ع ۵ اور زمین کا اور نماز کی جگہ کا رونا مسلمان کے مرنے پر حدیث میں ثابت ہے اور گواہی دینا زمین کا اور پتھر کا اور درخت کا اور اذان دینے والوں کے واسطے تاکہ اذان میں آواز کو بلند کریں یہ بھی سب ثابت ہے چنانچہ مولانا روم قدس اللہ سرہ اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں + **ابیات**

هستی کوه است مخفی از خرد
گر نبودے سیل را آں نور دید

هستی ہیچوں خرد کے پے برد
ازچہ کافر را ز مومن نے گزید

باد را بے چشم گر بینش نداد
گر نکو و سنگ با دیدار شد

فرق چوں میکرد اندر قوم عاد
پس چرا او در او یار شد

آتش نمرود را گر چشم نیست
این نہ بین اگر نبودے چشم جاں

با خلیلش چوں تحرم کرد دست
ازچہ قاروں را فرو خورد آنچناں

لہ زندگی پہاڑ کی پوشیدہ عقل سے - تو حق تعالیٰ کی ہستی کو عقل کب دریافت کر سکتی ہے - ہوا کو بے آنکھ کے اگر بینائی نہ دی تھی تو فرق کیونکر کیا عاد کی قوم میں یعنی انہیں کو غارت کیا - نمرود کی آگ کو اگر آنکھ نہ تھی - تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ پر کیونکر رحم کیا اور جلایا - اگر نہ ہوتی دریا کو روشنی آنکھوں میں تو کیونکر کافر کو ڈبویا اور مومن کو نجات دیتا - اگر پتھر اور پہاڑ بینا نہ ہوتے - تو کیونکر حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ زبور پڑھتے اس زمین کو اگر آنکھ نہ ہوتی پوشیدہ - تو کیونکر قارون کو نگل جاتی اس طرح +

گر بودے چشم دل خانہ را + چوں بدیدی ہجرآں فرزانہ را + در قیامت این زمین برنیک و بد + گرز نادیدہ گواہی ہا دہد + اور جو بیان فرمایا کہ زمین اُسدن لوگوں کے عملوں کو ظاہر کریگی اور نیک و بد کاموں پر گواہی دیگی اور اظہار اور گواہی میں احتمال جھوٹ کا بھی ہوتا ہے سو دفع کرنے کو اس احتمال کے ایک عبارت دوسری بھی ارشاد ہوئی **بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا** یعنے بات کہنا اسواسطے ہے کہ تیرے پروردگار نے حکم کیا ہے اُسکو یعنی یہ اظہار کسی عداوت کے واسطے نہیں ہے کہ بنی آدم سے رکھتی ہو یا احتمال جھوٹ کا اُسمیں گنجایش رکھے اسواسطے کہ بنی آدم سب زمین کے بچے ہیں اور اپنے بچوں سے عداوت ممکن نہیں ہے اور نہ نفس کی خواہش سے ہے کیونکہ زمین نفس رکھتی ہی نہیں پس معلوم ہوا کہ یہ بات نہیں ہے مگر حکم سے اللہ تعالیٰ کے اور جو چیز کہ مالک کے حکم سے ہوتی ہے اُسمیں جھوٹ کا دخل نہیں ہوتا اور جب اسقدر ظاہر ہو چکا کہ قیامت کے دن بنی آدم کے اعمال جو ایک دوسرے سے چھپاتے ہیں زمین کے ظاہر کرنے سے ظاہر ہو جاوینگے پھر نیکی کرنیوالے سرخ رو اور بدکار رسوا ہونگے تو اب بیان فرماتے ہیں کہ اسیقدر پر اکتفا نہو گی بلکہ **يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا** اُس روز آوینگے لوگ اپنی قبروں سے حشر کے میدان میں بھانت بھانت کے ایک گروہ شرابیوں کا ایک گروہ زانیوں کا ایک گروہ ظالموں کا اور ایک گروہ چوروں کا اور علیٰ ہذا القیاس **لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ** کہ دکھائے جاویں اُنکے کام یعنی حشر گاہ میں ایک سوائی بدکاروں کو اور سرخروئی نیکوکاروں کو حاصل ہو اسواسطے کہ نامے انکے اعمالوں کے کھولینگے اور میزان کھڑی کرینگے اور ہر نیک و بد عمل اُنکا گواہوں کے سامنے پڑھینگے اور تولینگے پس اُسوقت کما حقہ ظہور حاصل ہوگا چنانچہ تفصیل اُسکی ان دو آیتوں میں ہے **فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ** پھر جو کوئی کریگا ذرہ کی برابر نیکی دیکھیگا اُسکو یعنی صحیفۂ اعمال میں اور میزان میں اور ذرہ دو معنوں میں آتا ہے چھوٹی چیونٹی جو سرخ ہوتی ہے اور جو ریت میں چمکتا ہے **وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ** اور جو کوئی ذرہ کی برابر بدی کریگا اُسکو بھی دیکھ لیگا اور یہاں ایک شبہ خیال میں گزرتا ہے کہ کافروں کی نیکی تو قابل جزا کے نہوگی پھر دیکھنا اُسکا کیا فائدہ رکھتا ہے جواب اُسکا یہ ہے کہ کافر کی نیکی اگرچہ ہمیشہ کے عذاب سے بالکل رہائی کا سبب نہیں ہوتی لیکن اُسکی تاثیر سے عذاب کی تخفیف ہو جاویگی پس دیکھنا اُسکا البتہ فائدہ رکھتا ہے اور اسیطرح سے بدی مومن کی اگرچہ معاف ہو گئی ہو پھر بھی تاثیر سے خالی نہیں ہے اگرچہ درجہ ہی میں نقصان ہو مگر وہ بدی کہ اُس سے توبہ اور ندامت کی ہے سو وہ اعمال کے صحیفے سے نکلجاتی ہے اور کراماً کاتبین کو اور گواہوں کو بھی بھول جاتی ہے پس من یعمل کا لفظ اسکے سوا کے واسطے مخصوص ہوگا یا یوں کہا جاوے کہ جب توبہ اور ندامت اس بدی پر واقع ہوئی اور توبہ اور ندامت ایک نیکی ہی عمدہ نیکیوں سے پس دیکھنا اس بدی کا یا دیکھنا توبہ اور ندامت کا اس بدی سے نقصان کا سبب نہوگا اسیواسطے توبہ کرنیوالوں کے حق میں فرمایا ہے فاولئک یبدل اللہ سیاٰتہم حسنات یعنی بدیوں کو توبہ کرنیوالوں کی انکے توبہ کے ضمن میں اُنکو دکھاویگا تو وے بدیاں نیکی کی صورت پکڑینگی واللہ علم اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر صلعم کے پاس آ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھ کو قرآن سکھاؤ۔ آنحضرت صلعم نے امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا کہ اسکو قرآن سکھاؤ امیر المومنین نے اسکو سورۂ اذا زلزلت سکھائی جب اس آیت کو پہنچے تو وہ شخص بولا حسبی حسبی لا ابالی ان لا اسمع غیرھا یعنے یہی آیت مجھکو بس ہے پروا نہیں کرتا ہوں میں کہ کچھ اور سیکھوں یعنی اور سیکھنے کی اب کچھ حاجت نہیں ہے امیر المومنین نے اس قصے کو آنحضرت صلعم سے عرض کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعہ فقد فقہ الرجل یعنے چھوڑ دے اسکو کہ وہ مرد فقیہ اور دانا ہے اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس آیت سے دو شخصوں نے مدینے کے رہنیوالوں سے عبرت پکڑی تھی ایک اُنمیں سے وہ شخص تھا کہ صدقہ نہ دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں زیادہ مقدور نہیں رکھتا ہوں اور تھوڑی چیز اللہ کے نام پر دینا مجھکو بے ادبی معلوم ہوتی ہے دوسرا وہ شخص تھا کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں کو خیال میں نہ لاتا تھا جیسے بیہودہ باتیں اور بیجا نظر کرنا اور گمان کرتا تھا کہ ایسی ایسی باتوں کی پکڑ نہوگی ان دونوں کے گمان کے رد کے واسطے یہ دونوں آیتیں کافی ہوئیں

سورۃ العادیات

یہ سورت مکی ہے اور اسمیں گیارہ آیتیں اور چالیس کلمے اور ایکسو تریسٹھ حرف ہیں اور عادیات عرب کی لغت میں دوڑتے گھوڑوں کو کہتے ہیں مشتق ہے عدو سے جو دوڑنے کے معنوں میں ہے اور اُس سورے کا نام سورۂ عادیات اسواسطے رکھا ہے کہ غازیوں کے گھوڑے غضب الٰہی کی سرعت کی صورت ہیں کافروں کی ناشکری پر اور اللہ کے انتقام کا ظہور نافرمانبرداروں پر دوڑتے گھوڑوں کی طرح سے دنیا میں ہوتا ہے پس گویا کہ نمونہ ہے حشر اور نشر کا اسیواسطے آنے سے مخالف کی فوج کے اور شکست

۱۵ اگر ہوتی دل کی آنکھ کھلا ہوا جانہ کی ترکیبو نکو دیکھتا جدائی اُس عاقل یعنی آنحضرت صلعم کی۔ قیامت میں یہ زمین نیک و بد جو ہم لوگوں سے دیکھا گیا ہے گواہی دیگی +

ہونیسے اپنی موافق فوج کے جو کچھ انقلاب شہر اور ملک میں واقع ہوتا ہے کہ عزت دار لوگ ذلیل ہو جاتے ہیں اور پردہ نشین بے پردہ اور مال و متاع اور زر اور زیور اور کپڑا اور لتا کہ سالہا سال میں جمع کیا ہوتا ہے ایک آن میں برباد ہو جاتا ہے یہ بھی گویا قیامت کا نمونہ ظاہر ہو جاتا ہے اور جو حالت یاد دلانیوالی قیامت کی ہے تو اُسکی قسم کھائی ہے اور اس سورت کا نام بھی وہی ٹھیرایا اور اس سورت کے نازل ہونیکا سبب مفسروں نے یہ کہا ہے کہ آنحضرت صلعم نے منذر بن عمر انصاری کو ایک غول سواروں کا دیکر بنی کنانہ کے ایک قبیلے پر کہ اشد کافر تھے مقرر فرمایا اور ارشاد کیا کہ فلانے روز صبح کے وقت اُنپر چھاپا مارنا اور خوب قرار واقعی سزا پہنچانا اور فلانے روز یہاں پہنچنا اتفاقاً راہ میں ایک ندی ملی وہ اُس روز چڑھی تھی لشکر اُتر نہ سکا لاچار ہوکر مقام کر دیا جب دوسرے دن پانی کم ہو گیا تو لشکر اُتر گیا اور حکم کے بموجب صبح ہوتے ہوتے شب خون مارا اور قرار واقعی سزا دیکے لوٹ مار کے صحیح اور سالم پھر آئے لیکن وعدے پر پہنچنے میں مقام کرنیکے سبب سے ایک دن کی تاخیر ہو گئی تو منافقوں نے یہ افواہ اُڑادی کہ وہ لشکر سب تباہ ہو گیا اور ایک آدمی اُسمیں کا نہ بچا جو آکر خبر دیتا مسلمانوں کو اس بات سے نہایت غم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل کی اور ذکر اُنکے گھوڑوں کا اور اُنکے دشمنوں کی جماعت میں گھس جانے کا اِس سورت میں مذکور فرمایا کہ مسلمانوں کو تسلی حاصل ہو لیکن اس شان نزول میں ایک خدشہ ہے اسواسطے کہ یہ سورت مکی ہے اور بھیجنا لشکر کا مدینے میں تھا پس یہ واقعہ اسکا شان نزول نہیں ہو سکتا اور صحیح یہ بات ہے کہ جناب باری نے جو چاہا کہ اس دین میں جہاد کی رسم مقرر فرماوے تو اُس رسم کا اشارہ اس سورت میں منظور ہوا تا کہ خوشخبری ہووے مسلمانوں کو اس بات کی کہ اُنکو طاقت جہاد کی اور گھوڑوں اور فوج اور لشکر کی عنایت ہوگی کہ پورا بدلا اللہ کے دشمنوں سے لیں اور اُنکی جمعیت کو بکھیر دیں اور مال اور ملک اُنکا اپنے تصرف میں لاویں ✦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

س ع

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا قسم ہے دوڑنے گھوڑوں کی کہ دوڑنے کے وقت پیٹ میں سے آواز نکالتے ہیں اور جانوروں کا قاعدہ ہے کہ بہت دوڑینگے وقت پیٹ میں سے اُنکے آواز نکلتی ہے کہ ہندی لغت میں اُسکو ہانپنا کہتے ہیں فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا پھر قسم ہے اُن گھوڑوں کی کہ آگ جھاڑتے ہیں چقماق سے یعنے پہاڑوں میں اور پتھریلی زمین میں اُنکے نعل جو پتھروں پر لگتے ہیں تو شعلے نکلتے ہیں جیسے چقماق جھاڑنے سے اور خود آگ کی آنچ کو زیادہ ہوتی ہے اور دن کو روشنی اُسکی نظر نہیں آتی تو اس قسم میں اشارہ ہوگا اس بات کی طرف کہ گھوڑے غازیوں کے راتوں کو دوڑینگے فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا پھر قسم ہے اُن گھوڑوں کی کہ غارت کرتے ہیں صبح کے وقت یعنے راتوں رات دوڑ کر کے صبح ہوتے کہ عین غفلت کا وقت ہے دشمن پر پہنچتے ہیں اور مال اور اسباب اُنکا لوٹ لیتے ہیں فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا پھر اُٹھائی صبح کے وقت اُن گھوڑوں نے گرد اور یہ معطوف اُس فعل پر ہے جو مغیرات سے بوجھا جاتا ہے یعنے اغرن صبحا اور وجہ عدول کی اسم سے فعل کی طرف یہ ہے کہ اُٹھنا غبار کا دشمن سے نزدیک ہونیکے وقت ہے پس ایک ساعت تھا اور گزر گیا برخلاف دشمنوں کی لوٹ مار کے کہ ہمیشہ ہے اور قید غبار اُٹھانے کی صبح کے وقت سو واسطے ہے کہ ٹاپ مارنے کی قوت اُن گھوڑوں کی خوب ظاہر ہو اسواسطے کہ صبح کے وقت پچھلی رات کی سردی سے اور شبنم کی رطوبت سے زمین دب جاتی ہے پھر اسوقت غبار کا اُٹھنا بڑے زور سے ہوتا ہے بخلاف آخر کے دن کے کہ آفتاب کی حرارت اور اُسکی شعاع کی خشکی سے اجزا زمین کے ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور تھوڑی سی حرکت میں غبار اُٹھ کھڑا ہو جاتا ہے اسیواسطے آندھیاں آخر دن کو بہت آتی ہیں فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا پھر گھس گئے وے گھوڑے اُسوقت غول میں دشمنوں کے اور انبوہ کو اُنکے بکھیر دیا اب یہاں پر سمجھ لیا چاہیے کہ قہر الٰہی کی صورت مقابلہ میں گناہوں کے کمال مشابہت رکھتی ہے ان گھوڑوں کی حرکت سے اسواسطے کہ شروع اُسکا متوجہ ہونا غضب کا ہے جسکا نمونہ یہاں پر گھوڑوں کا دوڑنا ہے ہانپتے ہوئے جیسے غصے کے وقت میں ہوتا ہے اور روشن کرنا آگ کا سموں سے نمونہ ہے دوزخ کے شعلہ کا جو دوزخیوں کے واسطے تیار کیا گیا ہے اور لوٹ مار نمونہ ہے دوزخ کے پیادوں کے مارنیکا اور سانپ اور بچھوؤں کے کاٹنے کا اور پوست اور بدن اور گوشت اور چربیوں کے جلنے کا اور اُٹھانا غبار کا نمونہ ہے ناشکروں کی آنکھوں پر پردہ ڈالدینے کا کہ رحمت الٰہی اُس پردے کے سبب سے پوشیدہ ہو جاویگی اور گھس جانا دشمنوں کے غول میں نمونہ ہے غضب کی آگ کے گھس جانیکا دل اور جگر میں اور خراب کر دینا درستی کو بدن کی سو اس قہر الٰہی کے نمونے کی قسم کھائی اسپر کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ تحقیق آدمی اپنے رب کا البتہ ناشکر ہے یعنی اسکی نعمتوں کا کفران کرتا ہے اور یہ کفران نعمت کئی طرح پر ہوتا ہے اول تو یہ کہ نعمت کو نعمت دینے والے سے نہ سمجھے بلکہ اُسکو دوسرے کی طرف

نسبت کرنے چاہیے اس زمانہ کے اکثر لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے دیا پیر نے دیا یا ہمارا اور کہ دنیا فلانے بزرگ نے کہا یا دوسرے کہ اس نعمت سے فائدہ جسکے واسطے وہ نعمت دیگئی ہے نہ اٹھاوے بلکہ اسکی ضد یعنی برائی کماوے تیسرے یہ کہ نعمت میں مشغول ہوجاوے اور منعم سے غافل اور اسقدر محبت نعمت کی اسکے دلپر غالب ہوجاوے کہ اسمیں غرق ہوجاوے اور نعمت دینے والے کو بھول جاوے جیسے دنیادار لوگ کہ دنیا کی محبت ایسی غالب ہوجاتی ہے کہ دن رات اسی میں پھنسے رہتے ہیں یہانتک کہ اسکی محبت میں اللہ تعالی کے حکموں کو بھول جاتے ہیں **وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ** اور مقرر آدمی اپنی ناشکری پر آپ گواہ ہے یعنی خود اقرار کرتا ہے کہ میں آپ شکر ہوں اور یہ اقرار عالم میں اس صورت سے واقع ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ فلانا شکر اس نعمت کا ادا نہیں کرتا اور حال یہ ہے کہ خود بھی شکر اس نعمت کا ادا نہیں کرتا پس طعن کرنا اسکا دوسروں پر بعینہ اپنی جان پر ہے **وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ** اور مقرر وہ محبت پر مال کی بہت سخت اور مضبوط ہے یعنی اسقدر دوستی مال کی اسکے دل میں بھر گئی ہے کہ منعم کی دوستی کی اسکے دلمیں گنجائش نہیں رہی اور اگر کوئی کہے کہ میں ناشکر نہیں ہوں اور مال کی محبت بھی میرے دلمیں نہیں ہے سو یہ انکار اسکا اللہ تعالی کے آگے پیش نہیں جاتا چنانچہ فرماتے ہیں **اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ** کیا پھر نہیں جانتا ہے جسوقت اٹھائے جاوینگے جو قبروں میں ہیں یعنی مردے زندہ ہوجاوینگے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اسکے اوپر آجاویگا اور ابتدا پوشیدہ چیزوں کے ظاہر ہونے کی نمودار ہوجاویگی یہانتک کہ انتہا ظاہر ہونے پر اخلاق اور نیات اور چھپے ہوئے عقیدوں کے پہنچیگی چنانچہ فرمایا ہے **وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِ** اور ظاہر ہوجاویگا جو سینوں میں ہے پھر اخلاق اور اعمال کو ظاہری صورت دیکر آگے لاوینگے کہ تمام خلق کو ایک دوسرے کے دلوں کے چھپے ہوئے بھید معلوم ہوجاویں اور اسوقت ہر شخص معلوم کریگا کہ **اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ** تحقیق پروردگار اسکا اسکے حال پر اس روز البتہ خبردار ہے اور انکار اسکے حضور پیش نہیں جاتا اور ہرچند کہ اللہ تعالی کا علم ہر وقت بندے کے ظاہر اور باطن پر محیط ہے لیکن اس روز اسکا علم ہر شخص پر ظاہر ہوجاویگا اور انکار کی جگہ نہ رہیگی اور یہ جملہ ان ربھم افلا یعلم کے مفعول کے محل میں واقع ہوا ہے لیکن بسبب لام کے جو خبر میں لائے ہیں لفظ میں عمل نکیا اور نہیں تو ان کے ہمزہ کو فتح سے پڑھتے اور اسکو نحوی تعلیق بلام کہتے ہیں اور اضال قلوب کے خصائص سے ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلعم سے لکنود کے معنے پوچھے فرمایا کہ جو شخص تنہا کھاوے اور غلام کو مارے اور اپنے عیال کو بھوکا رکھے +

سورۃ القارعۃ

یہ سورت مکی ہے اسمیں آٹھ آیتیں اور چھتیس کلمے اور ڈیڑھ سو حرف ہیں اور اسکا نام سورۃ قارعہ اسواسطے رکھا ہے کہ دلالت کرتی ہے ایک سخت حادثے پر جو قیامت کے دن واقع ہوگا اور دلوں کو بڑی کوفت پہنچاویگا اور اس حادثے کی تاثیر سے بھاری جسم ہلکے پڑ جاوینگے اور سخت جسم ریزہ ریزہ ہوجاوینگے اور بلاوٹ اور بناوٹ انکے اجزا میں سے نکلجاویگی پس کسی چیز میں بوجھ جو اس چیز کے قائم رہنے کا اپنی جگہ پر سبب واقع ہوا ہے باقی نرہیگا اور نہ سختی کہ اسکے اجزا کے جمع ہونے کا باعث ہے پھر جب بوجھ اور سبکی اور جمع ہونا اور بکھرنا کہ دنیا کے قاعدے کے موافق بتادرہم برہم ہوگیا پس بوجھ اور سبکی اور جمع ہونا اور بکھرنا اس عالم میں اور ہی طرح سے ظہور کریگا پھر بوجھ بہشت کی درجات کی بلندی کا باعث ہوجاویگا اور سبکی دوزخ کی تہ میں گرنے کا سبب برخلاف اسکے جو دنیا میں مقرر ہے کہ بوجھ نیچے ہونے کا سبب ہوتا ہے اور سبکی بلندی کا سبب ہے اور اس قسم کے انقلاب عظیم سے ڈرانا بڑا مقصد ہے قرآن کے مقصدوں سے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ کھڑکھڑانی کیا ہے وہ کھڑکھڑانی یعنے قیامت کہ دلوں کو ایک بڑا صدمہ پہنچاویگی اور بلند کو پست اور پست کو بلند کردیگی حقیقت اسکی کیا ہے اور یہ انقلاب اسمیں کس سبب سے ہوگا **وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ** اور کیا جانتا ہے تو کہ کیا حقیقت ہے اس کھڑکھڑانے حادثے کی اور یہ پہچاننا ہر چیز کا اسکے پہچاننے پر موقوف ہے اور اسباب قیامت کے قائم ہونیکے کہ عمدہ انکا قہر الہی کی تجلی ہے تمام عالم پر کماحقہ کسی بشر کو معلوم نہیں ہے اسیواسطے اسکے بیان کے مقام پر اسکی بعضی تاثیروں پر اکتفا کرنا کے ارشاد کرتے ہیں **يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ** وہ حادثہ اسدن ہوگا جسدن ہوجاوینگے لوگ جیسے پتنگے بکھرے ہوئے کہ ہر ایک ایک طرف کو چلا جاتا ہے اور یہ تشبیہ

چار دہوئیں سے مرکب ہے اول قلت دوسری حرکت کا ضعف تیسری حرکت کی بے استقامی کہ کبھی تیز اور کبھی دھیمی ہوتی ہے چوتھی معین نہونا حرکت کے طرف کا کبھی آگے کبھی پیچھے کبھی داہنے کبھی بائیں طرف ہوتی ہے اور یہاں پر سمجھ لینا چاہیئے کہ ثقل جسم میں دو قسم کا ہوتا ہے اول قسم کہ اعلیٰ ہے اور اولیٰ ہے سو وہ ثقل ہے جو وقار اور تمکین او مضبوطی کے سبب سے ہوتا ہے اور یہ بات ان جسموں کے ساتھ خاص ہے کہ روح کامل کا تعلق انکے ساتھ ہوا ہے اسیواسطے جن و انس کا ثقلین نام رکھا ہے اور جو حادثہ کہ روح پر تاثیر عظیم کرتا ہے اور اسکو حیران کر دیتا ہے تو اس ثقل کو دور کر دیتا ہے اسیواسطے بڑے بڑے وقار اور تمکین والوں سے خوف اور اضطراب کے وقت بے اختیاری میں حرکتیں سبکی اور ہلکی ہونے لگتی ہیں اسواسطے کہ انکی روح حادثے کی دہشت کے سبب سے جسم کی محافظت سے عاجز ہو جاتی ہے اور رنگا رنگ اراد ے اور خواہشیں اسکی حرکتوں کی بے استقامی کا سبب ہو جاتی ہیں اور اس آیت میں اسی ثقل کے انقلاب کا بیان ہے اور دوسری قسم کو عوام الناس بھی جانتے ہیں ثقل طبعی ہے کہ سخت جسموں میں انکے اجزا کی کثافت اور اجتماع کے سبب سے ہوتا ہے اور اس قسم کے ثقل میں پہاڑ ضرب المثل ہیں اور اس قسم کے انقلاب کو دوسری آیت میں بیان فرمایا ہے **وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ** اور ہو جاوینگے پہاڑ جیسے رنگی اون دھنکی ہوئی کئی رنگ کی کہ دھنیا اسکو اپنی دھنکی سے دھنک کر پھاہا پھاہا کر کے اڑا دے حاصل کلام کا یہ ہے کہ تاثیر اس حادثے کی بڑے سخت جسموں میں کہ پہاڑ ہیں اس حد کو پہنچیگی کہ اجزا انکے سب علیحدہ علیحدہ ہو کے اور اپنے مکانوں سے حرکت کر کے ہوا میں پراگندہ اور منتشر ہو جاوینگے اور انکو رنگین اون اسواسطے بیان فرمایا ہے کہ رنگین اون بہت کمزور اور ہلکی ہوتی ہے اس اون سے جو رنگی نہیں گئی اور رنگوں کا اختلاف اسواسطے تشبیہ میں مذکور ہوا ہے کہ پہاڑوں کے رنگ طرح طرح کے ہیں بعضے سفید جیسے مرمر اور بعضے سرخ پھر انمیں بھی درجے ہیں جیسے سنگ سرخ اور سنگ باسی اور بعضے سیاہ وہ بھی اسی طرح سے ہیں جیسے سنگ موسیٰ اور سنگ خارا اور بعضے سبزی کی طرف مائل ہیں پھر جب سارے پتھر بکھر کے ہوا سے اڑجاوینگے تو انکے رنگوں کے اختلاف کے سبب سے ایک چیز بوقلموں یعنی رنگ برنگ ہوا میں نظر آنے لگیگی اور جب اس حادثے کی تاثیر اجمال کے طور پہ بیان فرمائی تو اب تفصیل اس اجمال کی ارشاد ہوتی ہے **فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ** پھر مقرر جو شخص کہ بھاری ہوئیں تولیں اسکی اور یہ بوجھ پوشیدہ ثقالت کے سبب سے ہے کہ ان عملوں میں چھپی ہوئی تھی اور دنیا میں ظاہر نتھی سو اس روز ظاہر ہوگی اور حقیقت اس بوجھ کی ان اعمالوں کی فوقیت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اسی ثقل کے سبب سے اعمالوں کا محفوظ رہنا اور ٹھہرنا اعمالناموں میں بندے کی صورت پکڑتا ہے اور یہ بھی ہے کہ ہر نیک عمل دنیا میں انسان کے نفس پر شاق اور ثقیل ہوتا ہے اور بندہ تحمل اسکے ثقل اور مشقت کا حکم الٰہی کے فرمانبرداری کے واسطے کرتا ہے سو یہ ثقل بھی اس روز ظاہر ہو جاویگا اور اسکے سبب سے بندے کو ترقی حال ہوگی چنانچہ بیان فرمایا ہے **فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ** پس وہ بندہ من مانتے عیش میں ہوگا **وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ** اور مقرر جو شخص کہ ہلکی ہوئیں تولیں اسکی اور یہ سبکی اس سبب سے ہے کہ وہ اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ قدر نہیں رکھتے تھے اور جو نفس کی خواہش کے موافق تھے تو نفس پر بھی شاق اور گراں نہوتے تھے پھر قیامت کے دن یہ سبکی اسبات کا سبب ہوگی کہ وہ اعمال محفوظ نر ہینگے بلکہ برہم درہم اور ضائع ہو جاوینگے اور اس شخص کے واسطے ذلت اور چاہ ظلمات میں گرنے کا سبب ہونگے چنانچہ بیان فرماتے ہیں **فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ** پس ماں اسکی نیچے کا طبقہ دوزخ کا ہے اور ماں اسواسطے فرمایا کہ بچہ کو بے تکلفی اور طبعی کاموں کی حاجت کے وقت رجوع ماں کی طرف ہوتی ہے اور جو اس روز تکلف اور بناوٹ کہ دنیا میں بے ایمان لوگ کرتے تھے بالکل جاتا رہیگا تو بے اختیار اس دوزخ کے طبقے کی طرف رجوع کرینگے گویا اسکی ماں محبت اور خواہش اسکی طرف رکھتے تھے اور وہ طبقہ ماں کی طرح اپنی طرف کھینچ لیگا اور جا دیگا **وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ** اور کیا بوجھا تو کہ کیا ہے وہ ہاویہ یعنی جو عذاب کہ اس طبقہ میں ہے کچھ آدمی کی سمجھ میں آ نہیں سکتا اور ہائے ساکن کہ ماہیہ کے آخر میں ہے سو وقف کے واسطے ہے اور اسکو عرب کی لغت میں سکتے کی ہے بولتے ہیں ورنہ الاصل کلمہ ماہی ہی بغیر ہے کے **نَارٌ حَامِيَةٌ** ایک آگ ہے نہایت گرم یعنی جس طبقہ کا نام ہاویہ ہے اسکی گرمی کے بیان میں سوا اسقدر کے ممکن نہیں ہے کہ ایک آگ نہایت گرم ہے کہ مقابلہ میں اسکے اور آگوں کو گرم کہنا نہ چاہئے اور دوسرے طبقوں کو دوزخ کے اسکے روبرو گرم بولنا نہ چاہئے اعاذنا اللہ منہا ومن سائر وجوہ العذاب پناہ دے ہمکو اللہ تعالیٰ اس ہاویہ سے اور سارے سببوں عذاب سے

سورۃ التکاثر

یہ سورت مکی ہے اسمیں آٹھ آیتیں اور اٹھائیس کلمے ہیں اور ایکسو میس حرف ہیں اور اس سورت کے نازل ہونیکا سبب یہ ہے کہ قریش میں دو گروہ تھے ایک بنو عبد مناف

کے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم بھی انہیں پیدا ہوئے تھے اور دوسرے بنو سہم کہ عاص بن وائل سہمی سرگروہ اس جماعت کا تھا ایک وقت انہیں بڑا فخر اور بڑائیاں کرنے لگے اور ہر ایک کہنے لگا کہ از روئے مال کے اور عمدہ کاموں کے اور شادیوں اور ضیافتوں کے اور نام اور مرتبوں کے ہم تمسے زیادہ ہیں اور یہ بڑائی بڑھتے بڑھتے اس بات کو پہنچی کہ آدمی کسکے زیادہ ہیں جب بنو عبد مناف نے اپنے لوگوں کو گنا تو بنو سہم سے زیادہ ہوئے تب بنو سہم نے کہا کہ ہمارے لوگ لڑائیوں میں بہت مارے گئے ہیں سو زندے اور مُردے ملا کے شمار کرو جب اس طور سے گنا تو بنو سہم زیادہ نکلے اور اس مقدمہ میں مُردوں کی تحقیق کے واسطے قبرستان کو گئے اور قبروں کو شمار کیا اللہ تعالیٰ نے انکی جہالت کے اور غفلت کلی کے بیان میں جو اُن لوگوں سے ضروری چیزوں میں واقع ہوئی تھی یہ سورت نازل فرمائی اور اس سورت کا نام سورۂ تکاثر اسواسطے رکھا ہے کہ اس سورت میں تکاثر کی بُرائی مذکور ہے اور بیان اُسکا یہ ہے کہ تکاثر سے ایسا ڈرایا ہے جیسا کہ قیامت سے اسواسطے کہ تکاثر ایک بڑا حجاب ہے بندے کے اور اُسکے مطلوب کے درمیان میں اور جو حجاب ہے اُسکے پیچھے عذاب ہے +

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡهٰکُمُ التَّکَاثُرُ غفلت میں رکھا تمکو بہتایت لینے اور تکاثر کے معنے زیادتی کا طلب کرنا ہے اور آدمی کی عادت ہے کہ اپنی آخر عمر میں مال کی اور اولاد کی اور نوکر چاکروں کی اور خویش و اقربا کی زیادتی چاہتا ہے تاکہ اُنکے سبب سے نام اور مرتبے کا سلسلہ منقطع نہو جاوے اور یہ بات اُسکو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے اور اُسکے اسموں اور صفتوں اور فعلوں کے تامل کرنے سے اور جو اُسپر واجب ہے اللہ تعالیٰ کے اور آدمیوں کے اور اپنے نفس کے حقوق سے غافل کر دیتا ہے اور اس غفلت کے سبب سے صرف کر لیتے اُن نعمتوں کو وے نعمتیں اس چیز کے واسطے بنی ہیں محروم رہتا ہے پس تکاثر گویا آدمی کو آدمیت سے نکال دیتا ہے اور حیوانات کے مرتبے میں داخل کر دیتا ہے پھر یہ غفلت اگر ارشاد سے کسی مرشد کے اور تنبیہ سے کسی بزرگ کی جلد دفع ہو گئی تو پھر آدمیت کی حد میں آ گیا حق راہ چلنے کی استعداد پیدا کی اور اگر اسی غفلت میں سدا رہا اور ہرگز نہ چونکا اور اسی حالت میں مر گیا تو بڑا ٹوٹا کمایا اور اُسکی مثال ایسی ہوئی جیسے ایک شخص کو کچھ پونجی دیکر بازار کو بھیجا کہ سوداگری کرے اور کچھ نفع کماوے اور یہ شخص بازار کو گیا اور خوب شراب پی اور بیہوش ہو گیا اور پونجی کھو بیٹھا یہانتک کہ شام کے وقت اُسکو اُٹھا کر اُسکے گھر پہنچا دیا اب تو پونجی اُسکے ہاتھ میں نہ نفع معاذ اللہ من ذلک اور اسی حالت کی طرف اشارہ ہے اس کلمہ میں حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ یہانتک کہ جا دیکھیں تمنے قبریں یعنی اسی شغل میں تھے اور ہرگز خبردار نہوئے جبتک کہ گورستان کو نہ پہنچے کَلَّا ۔ بات یوں نہیں ہے جیسے تمنے سمجھی ہے یعنے تمنے گمان کیا ہے کہ بعد موت کے اگر کمال ہے تو یہی ہے کہ بہت سی دولت اور کارباری بیٹے اور اقربا جاں نثار تمہارے بعد تمہارے نام کو قائم رکھیں اور حال یہ ہے کہ بعد موت کے ایک اور ہی چیز پیش آویگی کہ یہ چیزیں اُسکے مقابلہ میں بے حقیقت محض ہو جاوینگی ؎ حاصل دنیا نہ کہن تا بنو + چون گذرنده است بیرزد بجو + اور ہر عاقل کو ظاہر معلوم کہ مال اور فرزند اور مرتبہ اور قرابت سب فانی ہیں اور جو چیز کہ فانی ہے قابل فخر کرنے کے نہیں ہے سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ آخر جان لوگے بعد مرنے کے تمکو معلوم ہو جاویگا کہ وے سب چیزیں جن میں تمنے اپنی عمر گزرانی سب تمہارے واسطے مضر اور مخل تھیں اسواسطے وے سب نعمت ابدی کے فوت ہونے کا سبب اور قہر الٰہی کی طرف کھینچ لیجانے کا باعث ہوئیں ثُمَّ کَلَّا پھر بھی ہم کہے دیتے ہیں کہ بات یوں نہیں ہے جس طرح سے کہ تم اعتقاد رکھتے ہو سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ آخر سمجھ لوگے بعث اور حشر اور نشر کے اور دوزخ اور اُسکی سختیوں کے دیکھنے کے بعد کہ جو کچھ تمنے کیا سب ضرر اور خلل پہنچانیوالا تھا سو اول جاننا برزخ میں ہے اور دوسرا قیامت کے دن کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ فخر نہ کرو بات یوں نہیں ہے اگر جانو تم جاننا جسمیں کچھ شک اور شبہ نہو اور بعضے حجاب ظلمانی تم سے کھل جاویں تو البتہ جان لوگے کہ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِیۡمَ البتہ دیکھوگے دوزخ کو بعد موت کے برزخ میں گرم ہواؤں کے چلنے سے اور عذاب کی صورت دیکھنے سے اور مار سے آگے گرزوں کے ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَیۡنَ الۡیَقِیۡنِ پھر البتہ دیکھوگے تم اس دوزخ کو یقین کا دیکھنا کہ احتمال شبہ کا اور غلبہ خیال کا اور دریافت کی غلطی کا اُسمیں نہوگا اور یہ دیکھنا قیامت کے روز ہوگا کہ دوزخیوں کو اُسکے کنارے پر کھڑا کرینگے اور ڈر اور سختیاں وہاں کی اُنکو دکھاوینگے ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ پھر البتہ سوال کئے جاؤگے تم ان نعمتوں سے جو دنیا میں تمکو دی تھیں اور اُن سب نے تمکو نیکی کمانے سے غفلت میں ڈالا اور سوال نعمتوں سے تین طرح پر ہوگا اول یہ کہ اس نعمت کو تمنے کسطور سے کمایا حلال وجہ سے یا حرام سے دوسرا یہ کہ اُن نعمتوں کو کہاں صرف کیا اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں یا

ہاں ہمارا مقصدی یہی ہے کہ اس نعمت کے شکر کے بدلے میں فتنہ کیا گیا اور اس جلیے پہ سمجھا چاہئے کہ جو حق تعالی نے بندے کو زیادہ قدر ضرورت سے دیا ہے کہ معاش اور
زندگی بندے کی اسپر موقوف نہیں ہے سب اسی قسم سے ہے کہ اس سے سوال کیا جاویگا اور کوئی بندہ اس سے خالی نہیں گو کہ مفلس اور فقیر ہو اسیواسطے کہا ہے کہ ٹھنڈا
پانی اور گرم روٹی اور ٹھنڈی چھاؤں اور نیند کی لذت اور تندرستی اور اسلام اور قرآن اور ہمارے رسول مقبول صلعم کی ذات مبارک اور تخفیف شریعت کی
یہ سب نعمتیں ہیں کہ ہر اہل اسلام غنی سے فقیر تک انمیں شریک ہیں اور قدر انکی نہیں جانتے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد ان نعمتوں سے جو پوچھی جاوینگی تین چیزیں
ہیں صحت اور جوانی اور امن اور کوئی شخص اپنی عمر میں ان تین چیزوں سے خالی نہیں رہتا ہے گو ہمیشہ اس سے فائدہ مند ہو اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک فقیر
پیغمبر خدا صلعم کے پاس آیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ کونسی نعمت مجکو دنیا میں ملی ہے کہ اس سے سوال کیا جاؤنگا آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جوتیاں اور
ٹھنڈا پانی اور سایہ اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلعم اور امیر المومنین ابوبکر صدیق اور امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب دونوں یار رضی اللہ تعالی عنہم ابو الہیثم
کے گھر مہمان گئے تھے گرم روٹیاں کھجوروں کے ساتھ کھائیں اور ٹھنڈا پانی پیا آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ وہ نعمت ہے کہ جس سے سوال کئے جاؤگے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

سورۃ العصر

یہ سورت مکی ہے اور اسمیں تین آیتیں اور چودہ کلمے ہیں اور اڑسٹھ حرف ہیں اور اس سورت کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ کلدہ بن اسید کہ اسکو ابو الاسدین بھی کہتے
تھے وہ ایک کافر تھا کہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رض سے ایام جاہلیت میں ہم صحبت تھا سو آپکے اسلام لانے کے بعد ایکروز اُنسے ملا اور بولا کہ اے ابوبکر تم ہمیشہ
عقلمندی اور ہوشیاری سے تجارتوں اور سوداگریوں میں نفع اٹھاتے تھے اب تمکو کیا ہو گیا کہ ایکبارگی ایسے ٹوٹے میں پڑ گئے کہ باپ دادے کے دین کو چھوڑ دیا اور لات
اور عزّٰی کی عبادت سے محروم ہے اور انکی شفاعت سے ناامید ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رض نے اس نادان کے جواب میں فرمایا کہ جو شخص حق کو قبول کرتا ہے اور نیک
کام اختیار کرتا ہے وہ ٹوٹے میں نہیں پڑتا حقتعالی نے اس گفتگو کے بیان میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات کی خوبی میں یہ سورت نازل فرمائی
اور اس سورت کا نام سورۂ عصر اسواسطے رکھا ہے کہ اسکے شروع میں عصر کی قسم کھائی ہے اور عصر کے دو معنی ہیں ایک تو زمانہ کہ انسان کی عمر بھی اسمیں سے ہے اور عمر
انسان کی ایک چیز ہے نہایت نفیس اور ایک پونجی ہے بہت عزیز کہ دینی اور دنیوی کمالات اسکے سبب سے حاصل ہوتے ہیں اور گویا کہ راس المال اور پونجی کی مانند
ہے لیکن اسمیں عیب یہ ہے تو اتنا ہی ہے کہ خود بخود کم ہوئی چلی جاتی ہے سو اگر اعتقادات حقہ اور اعمال صالحہ اور احوال نیک کے حاصل کرنے میں صرف ہوئے تو ایک عمر
ابدی اور لذت سرمدی حاصل کی اور اگر اسکے عکس میں گنوائی تو ظاہر بات ہے کہ نقصان اور خسارت و ذلت اسکے آگے رکھی ہے پس انسان کو اس عالم میں
بھیجا ہے اور پونجی اور راس المال کی جگہ اسکو عمر دی ہے سو وہ برف بیچنے والے کی مانند ہے کہ اسکی تجارت کی پونجی خود بخود گھلتی چلی جاتی ہے اگر اسکے بدلے کوئی
عزیز چیز حاصل کر لی تو بہتر ہوا نہیں تو خسارہ سر دست موجود ہے اور جو اس تجارت اور سوداگری میں ایک عجیب اور غریب بات ہے تو اسکی قسم کھائی ہے دوسرے پچھلا دن
کہ نماز عصر کا وقت ہے اور وہی نفع اور نقصان کے ظاہر ہونے کا وقت ہے اسواسطے کہ ہر شخص دنیا کی فکر میں صبح سے اپنے اپنے دھندے میں مشغول ہوتا ہے اور سیکڑوں
حیلے اور ہزاروں مکر اور فریب دنیا کے پیدا کرنیکے واسطے کرتا ہے پھر جب دن آخر ہوا تو دوست بیری اور حیلے تمام ہوئے اور انتہا کو پہنچے پھر اسوقت ہر شخص اپنے
کام سے فراغت کرتا ہے اور ہر سوداگر اپنی دکان اٹھا کر گھر جانے کا ارادہ کرتا ہے سو اس عرصہ میں اگر کچھ کما لیا تو واہ واہ نہیں تو نقصان اور گھاٹے میں پڑا اور یہ جو
وقت ٹوٹا ظاہر ہونے کا تھا تو اسوقت کی قسم یاد فرمائی بلکہ اگر آدمی فکر کرے تو دینی اور دنیوی سود اور زیاں کے ظاہر ہونے کا وقت بھی یہی ہے اسواسطے کہ اعمال دن اور
رات کے تمام ہو چکے اور جو جو چیزیں کمانے کی تھیں کما چکے اب روزنامچہ کے دیکھنے کا وقت ہے کہ کیا کیا اور کیا رہا پس یہ وقت بزرگی رکھتا ہے دنیا کے طالبوں میں
بھی اور آخرت کے طالبوں میں بھی اور لائق اسبات کے ہے کہ اسکی قسم کھاویں اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جسکی عصر کی نماز قضا ہو گئی تو ایسا ہوا کہ گویا اسکا گھر بار
برباد ہو گیا اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد عصر سے ہمارے پیغمبر صلعم کا عصر ہے کہ انکے پیغمبر ہونیکے سبب سے بازار سود اور زیاں کا گرم ہو گیا جس نے کہ اطاعت اور تابعداری
انکی کی تو سود حاصل کیا کہ ابد الآباد تک باقی ہے اور جس نے کہ نافرمانی انکی کی تو ایسے ٹوٹے میں پڑا کہ اسکی حد اور نہایت نہیں ہے پس وہ وقت انوار الٰہی کی کثرت سے اور
علوم نامتناہی کے فیضان سے اور نزدیک ہونے زمانہ کے اور بخشے جانے میں گنہگاروں کے ایسی عظمت اور بزرگی رکھتا ہے کہ آدمی کی پیدائش کے وقت سے ابتک کسی زمانے

اور بعضا کہتے ہیں کہ جیسے اخنس بن شریق آنحضرت صلعم کے روبرو بھی تکرار اور بحث بیفائدہ کیا کرتا تھا تو اُنکے حق میں یہ سورت نازل ہوئی اور اس سورت کا نام سورۂ ہمزہ اسواسطے رکھا ہے کہ دلالت کرتی ہے اسبات پر کہ جو کوئی کسی کی آبرو لیتا ہے اور لوگوں کا عیب ڈھونڈتا ہے تو وہ شخص خرابی اور عذاب کے سزاوار ہوتا ہے پھر جو شخص کہ خداتعالیٰ کی ہتک حرمت کرے اور اُسکے رسول صلعم کی اور قرآن مجید کی تکذیب اور اُسکے احکاموں سے عناد کرے تو اُسکا کیا حال ہوتا ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَیۡلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چننے والے کی ان دونوں لفظوں کو کئی وجہ سے تفسیر کیا ہے اول تو یہ کہ ان دونوں لفظوں کے ایک معنی ہیں لیکن ... واسطے ہے اور اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ شخص اس بُرے فعل کا معتاد ہے اور بار بار اس سے واقع ہوتا ہے چنانچہ صیغہ فعلہ کا اسبات پر دلالت کرتا ہے دوسرے یہ کہ ہُمزہ اُس شخص کو کہتے ہیں کہ روبرو بُرا کہے اور لُمزہ اُسکو کہتے ہیں کہ پیٹھ پیچھے بُرا کہے تیسرے یہ کہ ہمزہ وہ ہے کہ ہاتھ اور آنکھ اور بھوں سے اشارہ لوگوں کی حقارت کا کرے اور لُمزہ وہ شخص ہے کہ زبان سے ان باتوں کو کہے غرض ہر طور سے یہ دونوں لفظ معنوں میں ایک دوسرے کے قریب ہیں اور مدعا تکرار سے تاکید ہے کہ ان لوگوں کی ذلت اور بےآبروئی کرے اور اس کام سے بچے اور اکثر یہ عمل بد طعن کے طور پر نسب میں یا شکل میں یا افعال میں ہوا کرتا ہے پھر جو اس قسم کے لوگ خلق اللہ کے عیب بیان کرتے ہیں سب کے سامنے اور اُنکے ایذا دینے میں مبالغہ کرتے ہیں تو حق تعالیٰ نے بھی عذاب دائمی کے طور پر اُنسے وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ لفظ ویل کا اُس سے خبر دیتا ہے اسواسطے کہ زبان عرب میں ویل عبارت ہے بلا شدید سے جو دائمی ہو اور سمجھ لیا چاہیئے کہ اصل اس خلق بد کی طلب کرنا کا ہے لوگوں پر اور منشا اُسکا اکثر اوقات میں مال کی کثرت ہے اسواسطے کہ بہت سے لوگوں کو مال بغیر لیاقت کے ہاتھ آجاتا ہے تو چاہتے ہیں کہ اس مال کے سبب سے اپ سے اونچے اور بڑے بنکے بیٹھیں اور وجہ بڑائی اور بزرگی کی کچھ مال ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ عمدہ نسب اور خوبصورتی اور عمل نیک اور اخلاق پسندیدہ بھی اسی قسم میں سے ہیں تو اسواسطے دنیادار لوگ اپنا فخر اور بڑائی ثابت کرنے کو اپنے ہمچشموں پر طعن شروع کرتے ہیں تا کہ اپنی بڑائی اور بزرگی ثابت کریں اسیواسطے ہمزہ اور لمزہ کو اس صفت کے ساتھ موصوف فرمایا ہے الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ جسنے جمع کیا ہے بہت سا مال اور گن گن کے رکھا ہے اسکو اور گن گن کے رکھنے کے بیان میں اشارہ ہے اسبات کی طرف کہ جمع کرنا مال کا خرچ کرنے اور بخشش کرنیکے واسطے نہیں ہے بلکہ بخل کرتا ہے اور بار بار اُسکو گنتا ہے ... تو حرص اور بخل کی صفتیں دونوں اُسمیں جمع ہوئیں ہیں اور اس قسم کے لوگوں سے اگر بخل کی وجہ پوچھی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہمنے مال کو زمانے کے نشیب اور فراز کے واسطے رکھا ہے اسیواسطے انکے حق میں یہ عبارت ارشاد فرمائی یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ کیا گمان کرتا ہے کہ مال اُسکا ہمیشہ رکھیگا اُسکو دنیا میں یعنی موت کے اسباب کو اُس سے دور کر دیگا کَلَّا یوں نہیں ہے جیسا وہ سمجھتا ہے اسواسطے کہ عالم کی پیدائش کی ابتدا سے مالدار ہوتے آئے ہیں لیکن موت کا اسباب کوئی اپنے اوپر سے دفع نہیں کر سکا بلکہ مال کی کثرت ہونا بخل کے ساتھ قیامت کے دن عذاب کی شدت کا سبب ہے چنانچہ فرمایا ہے لَیُنۡۢبَذَنَّ البتہ پھینکا جاویگا یہ شخص کہ بدخلقی اور شوخ زبانی اور حرص اور بخل کو اپنے میں جمع کر رکھا ہے فِی الۡحُطَمَۃِ توڑنیوالی آگ میں کہ عادت اُسکی روندنا اور توڑنا ہے اور یہ آگ توڑنیوالی جزائے وفاق ہے یعنے اس شخص کی پوری سزا ہے اسواسطے پہلے تسلط اور غلبہ آگ کا صورت پر ہے کہ جلنے کے بعد نہایت خراب ہو جاتی ہے بعد اسکے نوبت گوشت اور پوست کی پہنچتی ہے بعد اسکے ہڈیاں ٹوٹنے کی تو نہ ذات اُسکی قائم رہیگی اور نہ حسن اور جمال پھر جو مال کہ نتیجہ اُسکا یہ ہو اُسکو سدا رہنے کا اسباب سمجھنا کمال نادانی ہے اور جو اسقدر تاثیر آگ کی کہ حطمہ کے لفظ میں مذکور ہوئی مشترک ہے آتش کوکبی اور آتش عنصری اور آتش مزاجی میں کہ تپ دق کے اندر ہوتی ہے اور تاثیر اس عمدہ ہی گئی آگ کی اُن سب سے زیادہ اور بڑھکے ہے تو اُس آگ کا احوال ظاہر ہونے کو اور تھوڑا سا اُسکے معاملے کے بیان کرنے کو سوال اور جواب کے طور پر ایک اور عبارت فرمائی ہے وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحُطَمَۃُ اور تو کیا جانتا ہے باوجود اسبات کے کہ علم کے انتہا کو پہنچ چکا ہے کہ کیا ہے وہ توڑنیوالی یعنی وہ آگ عاقلوں کی اور حکیموں کی سمجھ سے بہت دور ہے اسواسطے کہ اُنکے نزدیک حرارت تین قسم سے زیادہ نہیں ہوتی ایک تو عنصری جیسے آگ کی گرمی یا کوکبی جیسے آفتاب کی گرمی یا مزاجی ہے جیسے تپ کی یا حرکت کی گرمی اور یہ آگ اسبات کے طفیل سے نہیں ہے کہ کسی کے قیاس میں آ جاوے ملکہ نَارُ اللّٰہِ یہ خدائی آگ ہے یعنی اُسکے غضب اور قہر کی ہے الۡمُوۡقَدَۃُ کہ سلگائی گئی ہے بندوں کے گناہ اور بےادبیوں سے الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی

سو بدن کے اندر ہیں درجہ بدرجہ جلاتی ہے یہانتک کہ اخلاط اور ارواح اور اعضاء اصلیہ تک پہنچتی ہے اور یہ آگ قہر الٰہی کی آگ ہے کہ اول نفس ناطقہ کو صدمہ پہنچاتی ہے اور وہاں سے دل کو کہ درد کے حق میں سب اعضاء سے نازک ہے اور تھوڑے سے درد میں پریشان ہوجاتا ہے دکھہ دیتی ہے پھر جو غلبہ اس آگ کا پہلے دل کو ہوگا تو رنج اور دکھہ دینے میں بھی پرلے درجہ کو ہوگی اور اس عالم میں جو آگ اس آگ سے مشابہ ہے سو وہ تپ کی آگ ہے ہرچند کہ گرمی اسکی یعنی تپ کے پہلے خلطوں کو اور روحوں کو اور اصلی اعضا کو پہنچتی ہے لیکن دل کہ جو پہلے پہنچتا ہے سو دل ہی کو پہنچتا ہے اور دل سے تمام اعضا کو اسیواسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ الحمّی من فیح جھنم یعنے تپ دوزخ کی بھاپ ہے اور یہ بھی وارد ہوا کہ الحمی حظ المؤمن من النار یعنے تپ حصہ ہے مسلمان کا دوزخ کی آگ سے لیکن یہ تپ کی آگ اس موعود آگ سے دو بات سے کم ہے اول تو یہ کہ نفس ناطقہ میں کہ مجردات سے ہے چنداں اثر نہیں کرتی ہے دوسرے یہ کہ بخارات اس تپ کی آگ کے اور جوش اس گرمی کا بدن کی مساموں کی راہ سے نکلجاتا ہے اور پسینہ نکل آتا ہے سو وہ تخفیف کا سبب ہوتا ہے بخلاف آتش موعود کے کہ حال اسکا یہ ہے **إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ** مقرر یہ آگ اُن پر بند کی گئی ہے یعنے اُنکے اعضاؤں کے اندر بند کی گئی ہے کہ گرم سانس نہ سکے باہر آوے اور باہر کی ٹھنڈی سانس اندر نہ جاوے اسلئے کہ اسمیں بھی البتہ تھوڑی تسکین ہوتی ہے اور جو بعضے وقت ہاتھ پاؤں مارنے سے اور بدن کو ٹٹنے میں دیوار اور زمین سے کچھ مسام کھلتے ہیں اور ایک گونہ تخفیف ہوتی ہے سو اسکو بھی اُنسے سلب کرلیا ہے اور فرمایا ہے کہ **فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ** یعنے یہ سب ہونگے لمبے ستونوں میں اور رسیوں سے باندھکے جکڑدیے جاوینگے تاکہ ہاتھ پاؤں ہلاویں اور گرمی انکے اندر کی کسی طور سے کم نہو اور بعضے تفسیر والوں نے یوں نقل کیا ہے کہ دوزخ کی آگ کو سرپوش کرکے اوپر سے اُن سرپوشوں کے آگ کے ستون لمبے لمبے ڈالدینگے کہ کسی طور سے ہوا کا جانا اسکے اندر ممکن نہو واللہ اعلم ٭

سورة الفیل

یہ سورت مکی ہے اسمیں پانچ آیتیں اور تیئیس کلمے اور ننانوے حرف ہیں اور اس سورت کا نام سورۃ الفیل ہے

اور یہ قصہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی علامتوں سے ایک علامت ہے کہ دلالت کرتا ہے اسبات پر کہ چھوٹے سے چھوٹے قہر الٰہی کے اسباب کو بڑے سے بڑا جانور جو ہاتھی ہے تحمل نہ کرسکا تو اسکے قہر کے بڑے بڑے سببوں کو کون تحمل کرسکیگا اور اسبات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ اسکے گھر کی بیحرمتی کرنا اس درجہ کا قہر کا سبب ہوا تو اسکے دین اور اسکے پیغمبر کی ہتک حرمت کیا کچھ کریگی اور یہ قصہ آنحضرت صلعم کی ولادت مبارک کے قریب ہوا تھا پس گویا کہ آنحضرت صلعم کی نبوت کے ارہاصات یعنی علامات سے ہے اس قصہ کو اس صورت میں یاد دلایا ہے تاکہ اس سے عبرت پکڑیں اور ہتک حرمت میں رسول اللہ صلعم جنکی برکت سے تائید الٰہی انکی مدد کے واسطے پہنچی پیشقدمی نکریں اور اس قصے کے واقع ہونیکا سبب تھا کہ ابرہہ نام ایک حبشی نجاشی کی طرف سے جو تمام حبشے کے ملک کا بادشاہ تھا یمن کا صوبہ ہوکر آیا اور یمن کے لوگوں کو دیکھا کہ حج کے موسم میں ہر اطراف اور جوانب سے نذر و نیاز لیکر مکہ معظمہ کو جاتے ہیں پوچھا کہ یہ لوگ کیا ارادہ رکھتے ہیں اور کہاں کو جاتے ہیں لوگوں نے سارا احوال بیان کیا تو نخوت اور سرکشی نے کفر کی اُس مردود کے دل میں جوش مارا اور حکم کیا کہ اس گھر کے مقابلے میں اس شہر میں بھی ایک گھر تیار کرو پھر صنعاء میں کہ یمن کے ملک کا پایتخت ہے اچھے خوشرنگ پتھروں کا ایک کلیسا بنایا اور اسکا قلیس نام رکھا اور اسکے در و دیوار کو زر اور جواہر سے مرصع اور مزین کیا اور بتوں کو اچھے اچھے لباس پہناکر خوب زر اور زیور سے آراستہ کرکے اُس گھر میں بٹھلایا اور عطر اور گلاب اسکے در و دیوار پر چھڑکایا اور انگیٹھیاں عود اور عنبر کی روشن کروائیں اور گرد اگرد اسکے مکانات بہت عمدہ مسافروں کے واسطے تیار کئے اور اپنے تمام ملکوں میں حکم کردیا کہ یہ لوگ اُس گھر کے طواف کے واسطے حاضر ہوا کریں یہ بات قریشیوں پر اور سب اہل مکہ کے رہنیوالوں پر شاق گزری اسی عرصہ میں ایک شخص بنی کنانہ کی قوم کا یمن میں جاکر بادشاہ سے ملکر اس گھر کی فراشی اور جاروب کشی کی خدمت پر معین ہوا جب چند روز گزرے تو بے تکلف ہر وقت آنے جانے لگا ایک رات اُس گھر میں جابجا پاخانہ پھیر کر بھاگ گیا صبح کو جو لوگ اُس ناپاک گھر کے طواف کے واسطے آئے اور یہ معاملہ دیکھا تو اُلٹے پھرے اور یہ خبر بادشاہ کو پہنچائی اُس نے حکم کیا کہ اسکو تحقیق کرو کہ یہ کام کس نے کیا ہے آخر ثابت ہوا کہ یہ کام اس مکے کے رہنیوالے نے کیا ہے اسبات سے وہ مردود نہایت غصہ ہوا اور چاہا کہ اسکے عوض میں کعبہ معظمہ کی ہتک حرمت کرے وہ اسی خیال میں تھا کہ ایک

نیا شگوفہ کھلا کہ ایک قافلہ حرم کے رہنیوالوں کا اُس گھر کے متصل شب باش ہوا صبح کو چلنے کے وقت آگ جلائی تھی کہ کوئی چنگاری پڑی ہو تو نظر آجاوے اتفاقاً اُسوقت ہوا تیز چلنی شروع ہوئی اور آگ اُڑکر اُس گھر کے اسباب اور سامان میں جا لگی اور تمام فرش فروش اور زیور اور جواہر اس گھر کا سب جل گیا اور در و دیوار اور نقش و نگار دھوئیں سے سب خاک سیاہ ہوگئے قافلہ والوں نے جو یہ معاملہ دیکھا ڈر کر بھاگے بادشاہ نے پھر حکم کیا کہ اسبات کو تحقیق کرو کہ یہ حرکت کس سے ہوئی ہے جب اسبات کی خوب چھان بین ہوئی تو آخر کو معلوم ہوا کہ یہ حرکت بھی مکہ والوں سے ہوئی ہے یہ بات سُنکر بادشاہ کمال غصہ میں آیا اور بہت سی فوج اور بارہ ہاتھی کہ انمیں ایک کا نام محمود تھا نہایت قد و قامت میں بڑا اور قوی تھا اور سب ہاتھیوں سے آگے آگے چلا کرتا تھا ساتھ لیکر خانہ کعبہ کے توڑنے کو چلا پھر راہ میں جو شہر اور جو قوم کہ ملتی تھی تو اُس شہر اور قوم کے لوگ عاجزی اور زاری کرتے تھے کہ اس گھر کو نہ چھیڑ اور جو تجھکو چاہیئے بدلے میں اُسکے ہم سے لے اُس مردود نے ہرگز قبول نہ کیا یہانتک کہ مکہ معظمہ کے متصل پہنچا اور مکہ والے یہ خبر سُنکر اپنے لڑکے بالے مال اسباب لیکر پہاڑوں پر چلے گئے مگر آنحضرت صلعم کے دادا عبدالمطلب تنہا مکہ معظمہ میں رہگئے تھے جب یہ حال دیکھا تو وہ بھی حیران اور پریشان ہوکر مدد غیبی کے منتظر تھے کہ یکایک سبز چڑیاں جدے کی طرف سے کہ دریائے شور کا بندر ہے اور مکہ معظمہ سے مغرب کی جانب کو واقع ہے غول کے غول جمع ہوکر ابرہہ کے لشکر کی طرف متوجہ ہوئیں اور ہر ہر چڑیا کے پاس اُن چڑیوں میں سے تین تین کنکریاں تھیں مسور سے بڑے اور چنے سے چھوٹی ایک تو چونچ میں اور دو دو پنجوں میں پھر جب برابر اس لشکر کے پہنچیں تو اُن کنکریوں کو ڈالنا شروع کیا اور خاصیت اُن کنکریوں کی یہ تھی کہ جسکے سر پر لگتی تھی تو اُسکے پاخانے کی راہ سے نکلجاتی تھی اور اندر اُسکا سب جلا دیتی تھی اور یہ حادثہ وادی محسّر میں ہوا تھا جو مکہ معظمہ سے چھ کوس عرفات کے راستے میں ہے اور اس حالت میں وہ لشکر اسی جنگل میں تھا اور بڑا ہاتھی اُسکا جسکا نام محمود تھا اس لئے جنگل میں گھٹنے ٹیک دیئے تھے اور ٹھٹک رہا تھا اور ہرگز قدم آگے نرکھتا تھا اور دوسرے ہاتھی بھی ٹھٹک رہے تھے اور جب ہاتھیوں کو یمن کی طرف لیچلتے تھے تو جلد جلد چلتے تھے اور جب کعبہ شریف کی طرف کو ہانکتے تھے تو گھٹنے ٹیک کر بیٹھ جاتے تھے اور قدم آگے نرکھتے تھے بادشاہ نے فیلبانوں کو دھمکی دی اور غصہ کیا کہ یہ سب تمہاری شرارت ہے تم چاہتے ہو کہ یہ اس گھر کا معتقد ہو جاؤں میں ایسی باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتا یہ تو اسی گفتگو میں تھا کہ چڑیوں کے غول آپہنچے اور تمام لشکر کو ہاتھیوں سمیت غضب الٰہی کا پامال کر ڈالا اور مال و متاع کہ انکے پاس تھا سب اسی جنگل میں پڑا رہگیا مکے کے لوگوں نے جو پہاڑوں پر بھاگ گئے تھے تباہی اور خرابی انکی دیکھی تو ایکبارگی اُتر کر لوٹنا شروع کر دیا اور خوب دولت دنیا اور اسباب جمع کر لیا اور قریش دولتمند ہوگئے ... اور وہ کنکریاں بہت ... کے وقت تک بلکہ بعد اسکے بھی لوگوں کے گھروں میں تھیں ... واسطے لوگوں نے رکھ چھوڑی تھیں ... وہ کنکریاں دیکھی تھیں اور ولادت باسعادت آنحضرت صلعم کی اس قصے کے پچپن روز کے بعد ہوئی سو اس سورت میں اُس قصے کا بیان کرتے ہیں قریشیوں کو نصیحت دینے کو ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ کیا نہیں دیکھا تو نے کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں سے یعنی اس لشکر سے جو ... آگے ہاتھی لایا تھا ... دیکھنے کے لفظ میں اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ جو بات تواتر سے ثابت ہوتی ہے تو وہ دیکھنے کا حکم رکھتی ہے اسواسطے کہ اُس میں ہرگز شک نہیں ہوتی اور ربک کی لفظ میں اشارہ ہے کہ یہ واقعہ عظیمہ تیری نبوت کا پایہ ہے اور اس کرشمے کے ظاہر کرنے سے تیری پیغمبری کا اثبات منظور ہے گویا کہ ربوبیت الٰہی جو تیری طرف مصروف ہے اُس مدد غیبی کو آسمان سے لائی ہے اور یہی سبب ہے کہ جب تو نے لشکر ... کے فتح کا ارادہ کیا تو کوئی ... اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ کیا نہیں کر دیا اُن کا داؤ غلط ... میں جو دوسرے ... اور رعیت پر حکم کیا تھا ... آکر اس گھر کا طواف کیا کریں سو یہ ایک بڑی تدبیر تھی ... کی سود ... بلکہ ذلت پر ذلت ہوئی ہرچند کہ عاقلوں کو محنت طویل کے ضائع ہونے سے بہت عبرت اور نصیحت حاصل ہوتی ہے لیکن اس گروہ کے واسطے اسقدر پر اکتفا نہوا بلکہ ایک عذاب آسمانی دوسرا انکو نصیب ہوا چنانچہ فرماتے ہیں وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ اور بھیجے اُن پر طَيْرًا اَبَابِيْلَ اُڑتے جانور غول کے غول اور ابابیل کا لفظ اصل لغت میں جوق جوق کے معنوں میں ہے اور اسکا واحد مستعمل نہیں ہے لیکن قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا واحد ابیل یا ابول یا ابّال

اور عرف میں ابابیل ان جانوروں مشہور کو کہتے ہیں اور غیبی جانور جو لشکر پر بھیجے گئے تھے اسی صورت کے تھے اور جو اصحاب فیل بڑے بڑے جانوروں کو
کہ ہاتھی خانہ کعبہ کے گرانے کو لائے تھے تو انکے مقابلے میں ایک ادنی ضعیف جانور کو چھوٹے سے چھوٹا اسباب کہ کنکریاں ہیں دیکر بھیجا تاکہ معلوم کرلیں کہ تائید
الٰہی کے سبب سے ضعیف مخلوق بڑی قوی مخلوق کو زیر کرلیتی ہے اور بغیر اسکی مدد کے بڑی زبردست مخلوق سے کچھ نہیں ہوسکتا **ترمیہم بحجارۃ من**
سجیل مارتے تھے وہ جانور ان لشکر والوں کو پتھروں سے جو کھنگر کی قسم کے تھے اور سجیل معرب ہے سنگ گل کا یعنے وہ مٹی کہ پک کر پتھر کی طرح ہوجائے جسکو
ہندی کی زبان میں کھنگر کہتے ہیں اور غول کے غول لانے میں ان چڑیوں کے ایک حکمت تھی یعنی جب پتھر مارنا شروع ہوگا تو لوگ ہر طرف کو بھاگیں گے تو جانور
بھی غول کے غول چاہئیں کہ ہر طرف کے بھاگنے والوں کا کام تمام کریں اور تاثیر ان کنکریوں کی جو کچھ کہ انکے بدنوں پر ظاہر ہوئی تھی بیان اسکا اس آیت میں ہے
کہ **فجعلہم کعصف مأکول** پھر کر ڈالا ان لشکر والوں کو جیسے گھاس کھائی ہوئی یعنی گھاس جو جانور کھا کر آخور میں چھوڑ دیتے ہیں اور یہ
اشارہ ہے اعضا کے ٹوٹ پھوٹ جانے کی طرف یعنی شکل و صورت اور بدن سب بگڑ گیا اور تاثیر بڑی خوارق عادات سے یہ ہے کہ ان پتھروں میں کچھ زہر تھا کہ بدن پر لگتے
ہی سارا بدن چکنا چور ہوجاتا تھا اور پوست و رگ خشکی سرایت کرجاتی تھی اور جوڑ بند سارے الگ بکھر جاتے تھے اور یہ قصہ عذاب الٰہی کا ایک نمونہ تھا اور کئی
خرق عادات کو شامل تھا اول تو انکا ہاتھی کا بیٹھ بیٹھ جانا تھا کہ ایک قدم آگے نہ رکھ سکتے تھے دوسرا چڑیوں کا آنا اس کثرت و ہجوم کے ساتھ دریا کے
شور کی طرف سے کہ ظاہر میں پرندوں کی بود و باش کی جا نہیں ہے اور بعد اس واقعہ کی بھی پھر ان چڑیوں کو کوئی نے نہیں دیکھا تیسرا یہ کہ ان کنکریوں کا لانا کہ
انہیں انکا ٹھکانا معلوم نہیں ہے چوتھا یہ کہ کیا کچھ تاثیر قوی ان کنکریوں میں رکھی تھی واللہ اعلم بالصواب ✦

سورۃ القریش

یہ سورۃ مکہ کی ہے چار آیتیں ہیں اور سترہ کلمے اور [illegible] حرف ہیں اور قریش نام ہے ایک قبیلہ کا [illegible] اسماعیل کی اولاد [illegible] تمام [illegible] اور اکثر اصحاب کبار بھی
اسی قبیلہ سے تھے اور یہ قبیلہ [illegible] بیت اللہ کی اور چاہ زمزم کی خدمت ہمیشہ سے انہی کو سپرد رہتی تھی [illegible] اور یمن میں اور شام کے اور دوسرے
عرب کے شہروں کے بیت اللہ کی حرمت کے سبب سے اس قبیلہ کو معظم [illegible] جانتے تھے اور جہاں [illegible] جاتے تھے [illegible] اور [illegible] انکو بڑی بڑی تجارتیں
تجارت کا مال انکے ساتھ ہوتا تھا کوئی انکا [illegible] لیتا تھا اور چور اور قطاع الطریق بھی [illegible] تعرض کرتے تھے اور ہمیشہ اس قبیلہ کی عادت تھی کہ
سردی کے دنوں میں یمن کی طرف کہ گرم ملک ہے جاتے تھے [illegible] بلکہ نذریں اور نیازیں بھی لاتے تھے اور گرمی کے موسم میں اسیطرح
شام کو جاتے تھے اور ہمیشہ اسیطرح سے سفر کیا کرتے تھے اور دولت دنیا بہت سی کما لاتے تھے اور اسی وسیلے سے مکہ معظمہ میں بخوبی تمام گذران کرتے تھے اور باوجود اسباب
کے کہ مکہ معظمہ کا شہر کوہستان اور ریگستان میں واقع ہے اور زمین وہاں کی کمال خشک ہے کہ زراعت اور درخت اسمیں سرسبز نہیں ہوتا حق تعالی اس سورت میں ان نعمتوں کو
قریشیوں کو یاد دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر کوئی نظری کرو اور باری تعالی کی ذات پاک کی عمدہ کمالاتوں کو اور اسکی بے انتہا نعمتوں کو کہ عرش سے فرش تک لبالب ہیں نہ جانو
تو اس بڑی نعمت کو جو خانہ کعبہ کی برکت سے تمہارے حق میں مدد فرمائی ہے خود بخود سمجھ لو اور ادا کرنے میں اسکے شکر کے موجب اسکے قیام کرو اور اسیواسطے اس سورت کا نام
سورۂ قریش رکھا ہے کہ اس سورت میں خاص قریشیوں کے احسان کا ذکر ہے اور حقیقت میں قریشیوں پر احسان کرنا تمام عالم پر احسان ہے اور انسے عبادت کی طلب کرنا
گویا تمام بنی آدم سے عبادت کی طلب ہے اور مرتبہ انکا متبوعیت میں مانند قرآن مجید کے ہے بنسبت دوسری کتابوں کے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب اللہ تعالی کا ارادہ
عالم کی اصلاح اور شرک اور کفر کے دفع کرنیکے واسطے متعلق ہوا اور ہمارے پیغمبر صلعم کو اس کام کے واسطے اختیار فرمایا سو پہلے آنحضرت صلعم کے دل مبارک پر ارادہ اور لوازم
اس ارادہ کے اور علم اور معرفتیں کہ اس مہم عظیم سے تعلق رکھتی تھیں القا ہوئیں پس لازم ہوا کہ پیغمبر صلعم جاری کرنے میں اس مہم کے استعانت اپنے قبیلہ کی طرف
کریں سو واسطے قبیلہ آدمی کا اخلاق اور اوصاف کے پہچاننے میں دوسروں کی بہ نسبت پیشقدمی رکھتا ہے اور جو اطلاع کہ اس شخص کے احوال پر انکو ہوتی ہے اور یہ بھی ہے
کہ فکر کی قوت اور ذہن کی صفائی اور استعداد کی نزدیکی اور جمیعت داعیہ کی قرابت والوں میں زیادہ ہوتی ہے غیروں کی نسبت سے پس گویا کہ قبیلہ آنحضرت صلعم کا
بعد مشرف ہونیکے شرف اسلام سے ساری امت کی بہ نسبت حکم پیغمبر کا رکھتے ہیں اور امتوں کی نسبت سے اسیواسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ تعلموا من قریش ولا

تعلموھا یعنے سیکھو قریش سے اور نہ سکھاؤ انکو اور یہ بھی فرمایا ہے کہ الناس تبع فی ھذا الشان بقریش یعنے سب آدمی اسبات میں تابع ہیں قریش کے اسیواسطے قرآن مجید انہی کی زبان میں نازل ہوا تاکہ وے موافق اپنی پیدایشی سلیقے کے اُسکی باریکیوں کو سمجھیں اور دوسرے لوگونکو بتادیں پس معنی نبوت کے سب قریشیوں میں پراگندہ اور منتشر ہیں اور ازل الآزال میں مقدر تھا کہ ریاست دین کی اور سلطنت اسلام کی ابتدائے ہجرت سے چھ سو چھپن سال کے آخر تک قریش میں ہوگی بعد اسکے چنگیزی ترکوں کے ہاتھ سے خراب ہوگی اور تُرک مسلط ہونگے چنانچہ خون کا لفظ اسبات پر دلالت کرتا ہے یعنی اس لفظ سے تاریخ بوجھی جاتی ہے یہ بات بنی آدم میں پیدایشی ہے کہ دین اور مذہب میں اکثر تابع رئیس کے ہوتے ہیں پس مقتضا حکمت کا یہی تھا کہ اول اُنکی اصلاح کے واسطے کوشش کی جاوے تاکہ اور لوگ چار و ناچار انکی درستی سے درست ہوجاوینگے اور سبب اس سورے کے نازل ہونے کا اسی تقریر سے واضح ہوتا ہے ۞

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ یہاں پر لام قسمیہ ہے جیسے لِلّٰہِ لَا یُؤَخَّرُ الۡاَجَلُ میں اللہ کی قسم ہے کہ وقت نہ ٹلیگا یعنے قسم ہے قریش کے الفت دینے کی اور قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں کہ تیرھویں دادا ہمارے پیغمبر صلعم کے ہیں اسواسطے کہ آنحضرت محمدؐ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کے ہیں اور جو شخص کہ نضر بن کنانہ کی اولاد میں ہے وہ قریش میں داخل ہے اور اُسکو قریشی کہتے ہیں اور قریش لغت میں نام ہے ایک جانور کا دریائی جانوروں میں سے کہ سب جانوروں کو پکڑ کے کھا جاتا ہے اور سب پہ غالب ہے اور اولاد نضر بن کنانہ کی گردش زمانہ کے سبب مکہ کے شہر متفرق ہوکر تمام ملکوں میں بکھر گئے تھے قصی کہ پانچویں دادا آنحضرت صلعم کے ہیں اُن سب کو ادھر اُدھر سے بلاکر پھر مکہ معظمہ میں لبایا اسیواسطے قصی کو مجمع کہتے ہیں اور اس قبیلے کو اور قبیلوں سے زبان کی فصاحت میں اور شجاعت اور سخاوت اور ہمت کی بلندی میں اور نسب کی صحت میں غالب تھا اُس جانور کے نام پر نام رکھا اِیۡلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ خوگر ہونا انکا سفر میں جاڑوں کے اور گرمی کے کہ یمن اور شام کی طرف انکو اتفاق پڑتا تھا اور اس قسم کے کھانے میں اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ اس ضمن میں حقتعالی کی تدبیر عجیب انکی معاش کی فراخی کے واسطے جلوہ گر ہوئی ہے اور اس مسبب الاسباب کی کمال حکمت پر دلالت کرتی ہے اسواسطے کہ جس شہر کے رہنے والے گرد نواح سے اس شہر کی اپنی معاش پیدا نکر سکیں زمین کی قحط نائی اور کوہستان کی سنگ لاخی اور ہوا کی خشکی کے سبب سے تو کچھ عجب نہیں کہ وہ شہر ویران ہوجاوے اور لوگ وہاں کے تلاش معاش کے واسطے ملک در ملک بہہ جاویں پھر آبادی اس شہر کی اس عجائب تدبیر کے ساتھ محفوظ رکھی کہ وہاں ایک گھر اپنے نام کا تعمیر فرمایا اور لوگوں کے دلوں میں اُس گھر کی عظمت ڈالدی اور اُس گھر کے مجاوروں کو جاڑوں کے اور گرمیوں کے سفر کے واسطے مائل کیا کہ ہر ملک اور ضلع سے مناسب موسم کے مال و اسباب کما کر اس شہر میں لاویں اور اُنکے رہنے کا سبب اس بقعۃ الخیر سے منقطع نہو جاوے اور یہ بات بھی ہے کہ ہمیشہ سفر میں رہنا ملال خاطر کا سبب ہے خصوصاً عین سردی اور شدت گرمی میں لیکن اس قبیلہ کو اصلا اس تکلیف کا رنج نہوتا تھا پس گویا خرق عادت ہوگیا اور اسبات کے لایق ہوا کہ اسکی قسم کھائی جاوے اور یہ بھی ہے کہ خوگر ہونا اُنکا سردی اور گرمی کے سفر میں بعد نبی ہونے آنحضرت صلعم کے دین کی ترقی کا سبب ہوا کہ چھوٹنا وطن کا ہجرت میں اُن پر شاق نہوا بعد اُسکے جہاد کے واسطے دور دور کے ملکوں پر جانا اُنکو آسان معلوم ہوتا تھا اسیواسطے مدینہ منورہ سے کابل تک اور قسطنطنیہ اور اندلس تک متفرق ہوکر دین حق کو پھیلایا اور یہ بھی ہے کہ اس ہمیشہ کے سفروں میں لوگوں کی خصلتوں اور عادتوں کا تجربہ بھی کماحقہ ہوگیا تھا پھر جسوقت کہ دینی اور دنیوی ریاست اُنکے ہاتھ میں آئی تو یہ بات خوب مفید پڑی اسیواسطے تھوڑے سے عرصہ میں رواج دینا دین و ایمان کا اور شہروں اور ملکوں کا فتح کرنا اُنکے ہاتھ سے بہت آسانی سے سرانجام پایا تو یہ عادت سفر کی اُنکے حق میں ایک عجیب نعمت اور ایک عظیم دولت تھی کہ دونوں جہان کی سعادت اور دین و دنیا کی ریاست اُسکے سبب سے حاصل کی ہرچند کہ سرگردانی اور صحرانوردی کی صورت پر ہو اور جب اس نعمت کو باوجود اس عظمت کے کہ رکھتی تھی اُنکو یاد دلایا تو اُسکے شکر ادا کرنے میں عبادت طلب فرماتے ہیں فَلۡیَعۡبُدُوۡا رَبَّ ہٰذَا الۡبَیۡتِ پھر چاہئے کہ عبادت کریں قریش اس گھر کے صاحب کی اسواسطے کہ عظمت اور بزرگی انکی لوگوں کے دلوں میں اور انکی معاش کی فراخی اور اُنکا بچنا ہونا دشمنوں سے یہ سب اسی گھر کی مجاوری اور آستانے کی دربانی کی برکت سے ہے پھر جب دوسرے لوگ اس مکان سعادت نشان کے خادموں سے اس طرح کی تعظیم او تکریم

بیٹھیں دیکھیں ان کو خوف کرنا ہم ہے کہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں اور تم اس بیت کے مالک کی عبادت رب ھذا البیت کا لفظ اس مقام پر لائے ہیں گویا اتنا
کہتے ہیں کہ اگر از راہ کوتہ نظری کے ربوبیت حق تعالیٰ کی تمہاری نظروں سے محجوب ہے لیکن عظمت اور بزرگی تو اس گھر کی ظاہر اور کھلی ہے اور اگر جناب الٰہی کو اس
گھر کا صاحب سمجھکر عبادت کرو تو بھی سزاوار ہے **اَلَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ** جسنے کھانا دیا انکو بھوک سے یعنے رہنے کی جگہ انکی زمین بے کھیتی
کے اور جنگل بغیر گھاس کا ہے سو قابل اسباب کے تھا کہ رہنیوالے وہاں کے بھوک سے مرجاویں اگر تدبیر الٰہی آباد کرنے کو بیت اللہ کے جلوہ گر نہو تی تو لوگوں کو وہاں کی
روٹی کا ٹکڑا ملنا مشکل پڑتا **وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ** اور امن دیا انکو ڈر سے باوجود اسباب کے کہ عرب کے قبیلوں میں قتل اور لوٹ اور بندی اسقدر مروج
تھی جسکی حد و نہایت نہ تھی لیکن بیت اللہ کے گرد اگرد حرم شریف کی حد تک کہ بعضی طرف دس کوس ہے اور بعضی طرف چھ کوس اور کسی طرف سے تین کوس ہے
ہرگز تعرض اور مزاحمت نکرتے تھے بلکہ اگر کوئی کسی کے باپ یا بیٹے کو مار کر حرم میں چلا بیٹھتا تھا تو اسکا پیچھا نکرتے تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ان سب امنوں کے سوا ایک امن اور ہے
کہ حرم کے رہنیوالے کو جذام کا مرض ہرگز نہیں ہوتا چنانچہ یہ بات مدت دراز سے تجربے میں آئی ہے واللہ اعلم +

سورۃ الماعون

یہ سورت مکی ہے اسمیں چھ آیتیں اور پچیس کلمے اور سوا سو حرف ہیں اور اس سورت کو سورۃ الماعون کہتے ہیں اسواسطے کہ منع کرنا ماعون کا جو احسان کا ادنیٰ مرتبہ ہے
سبب ہے حجاب کا اور باعث ہے عقاب کا پھر جو حق کہ اپنے اوپر واجب ہیں خواہ حق اللہ ہوں خواہ حق العباد اسکے ادا نکرنے سے ڈرنا چاہئے اور ڈرانا ان کاموں سے
عین مقصد ہے قرآن کا اور نصف اس سورت کا کافروں کے حق میں ہے اور نصف منافقوں کے حق میں اور اسکے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ ابو جہل مردود کی یہ
عادت تھی کہ جب کوئی مالدار بیمار ہوتا تھا تو اسکے پاس آکر بیٹھتا اور کہتا کہ اپنے یتیموں کو مجھکو سپرد کر اور انکا حصہ میرے پاس امانت رکھ کہ میں خبر گیری اور
خدمتگاری انکی بخوبی ادا کرونگا اور دوسرے وارث انپر زیادتی نکرسکیں گے پھر جب انکا مال اپنے قبضہ میں کرلیتا تو یتیموں کو اپنے دروازے سے ہانکدیتا پھر وے بیچارے
ننگے بھوکے دربدر گلی کوچوں میں روتے ہوئے مارے مارے پھرتے اسیطرح سے ایک یتیم ننگے سر ذلت کا مارا آنحضرت صلعم کے پاس آکر اس ملعون کی فریاد کرنے لگا آنحضرت
صلعم اس یتیم کی رعایت کے واسطے اس ملعون کے پاس تشریف لیگئے اور اسکو پرسش سے قیامت کے دن کی ڈرایا اس ملعون نے مقابلے میں اس وعظ اور نصیحت کے
جزا کے روز کا جھٹلانا اور انکار کرنا شروع کیا آنحضرت صلعم رنجیدہ ہوکر دولتخانے کو تشریف لائے پھر یہ سورت نازل ہوئی +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ کیا دیکھا تو نے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو جو جھٹلاتا ہے اور جھوٹ سمجھتا ہے دین کو
یعنے ملت اور جزا کو اور دین ان دونوں معنوں میں آیا ہے اور یہاں دونوں معنی ہوسکتے ہیں اسواسطے کہ ظلم کرنا یتیموں اور بیکسوں پر اور رحم نکرنا فقیروں اور
محتاجوں پر ملت کے جھٹلانے کی علامت ہے اور جا بجا دین میں تاکید اسی بات کی ہے اور جزا کے باور نکرنے کی بھی علامت ہے اسواسطے کہ جو شخص جزا کا معتقد ہے اور
اسکو سچ جانتا ہے وہ خدا سے ڈرتا ہے اور جو خدا سے ڈرتا ہے وہ یہ کام نہیں کرتا اور اس قسم سے خطاب کرنے میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر کوئی چاہے کہ دین کی
تکذیب کرنیوالوں کو علامت سے دریافت کرے تو چاہئے کہ ان علامتوں کو خیال کرے **فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ** پھر وہ جھٹلانیوالا دین کا وہ
شخص ہے کہ زور سے دھکیلتا ہے یتیم کو یعنی سینہ زوری سے یتیم کا حق کھاتا ہے اور یتیم سب ضعیفوں سے ضعیف ہے اور جو شخص کہ معتقد جزا کا ہے
سوا اپنے خاص حال سے لوگوں کے ساتھ احسان کرتا ہے خصوصاً ضعیفوں پر علی الخصوص یتیموں پر کہ اسباب ضعف کا کماحقہ انمیں موجود ہوتا ہے
اسواسطے کہ خردسال بھی ہوتے ہیں اور قوت کسب کی اور معاش کی تلاش کی نہیں رکھتے اور حیلہ اور تدبیر نہیں جانتے اور کوئی وارث اور والی بھی نہیں
رکھتے کہ انکا حال پوچھے اور کام سنوارے سو اگر احسان نکرے اور کچھ سلوک نہو سکے پھر حق تلفی سے تو البتہ باز رہے اور بالفرض اگر حق تلفی کرے تو ایسے کی
کرے کہ مقابلہ کی قوت رکھتا ہو نہ ضعیف کی خصوصاً بیکس یتیم کی کہ جناب الٰہی کے سوائے کوئی فریاد کا پہنچنے والا نہیں رکھتا پس جو شخص کہ اس قسم کے
مسکین اور ضعیف پر بیدھڑک ظلم کرتا ہے تو یقین ہے کہ خدا سے نہیں ڈرتا اور اعتقاد عملوں کی جزا کا نہیں رکھتا پھر بعد اس علامت کے ارشاد فرمایا کہ یتیم کو

ہانکنے کی علت اُس ملعون کو کمال بخل اور محبت مال کی ہے یہانتک کہ **وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ** اور تاکید نہیں کرتا کسیکو کھانا کھلانے پر فقیر کے یہ اشارہ اسبات کی طرف ہے کہ اپنے مال سے فقیروں کو دینا تو کیا ممکن ہے دوسروں سے بھی کھانا کھلانا فقیروں کو روا نہیں رکھتا بس بخل اس شخص کا نہایت کو پہنچا ہے اور معلوم ہوا کہ ہانکنا یتیم کا بخل اور مال کی محبت کے سبب سے ہے نہ اس یتیم کی مصلحت اور اُسکے مال کی کفایت کے واسطے اور جب معلوم ہوا کہ ہانکنا یتیم کا اور کھانا نہ دینا فقیروں کو باوجود اسباب کے کہ یہ دونوں عمل دین کے بڑے مرتبوں سے نہیں تو بھی دین کی تکذیب کی علامت ہوئے پھر جو لوگ کہ بڑے کاموں میں دین کے جیسے نماز اور زکوۃ ہے بخل کرتے ہیں اور خلل ڈالتے ہیں انکا حال تو اور بھی خراب اور انکا جھٹلانا دین کو زیادہ تر ظاہر ہوگا اسیواسطے فرمایا ہے **فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ** پھر خرابی ہے اُن نمازیوں کی یعنی جو لوگ کہ مکلف نماز کے ہیں اور نماز ایک عمل ہے فرق کرنیوالا اسلام اور کفر میں **الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ** وہ نمازی کہ جو اپنی نماز کی حقیقت سے غافل ہیں یہ نہیں جانتے کہ نماز کس کی مناجات ہے اور مقصود نماز سے کیا ہے والا روبرو لوگوں کے نماز پڑھنا اور پیٹھ پیچھے لوگوں کے نہ پڑھنا اور اسیطرح فراغت کے وقت نماز کو یاد رکھنا اور کچھ دنیا کے کام میں ہوئے تو بھلا دینا اور بعضے ارکانوں کو حضوری سے ادا کرنا اور بعضے ارکانوں میں وسوسوں اور خیالات میں چلے جانا یہ سب اِنہی اِس جہالت سے ظاہر ہوتی ہیں اسواسطے کہ حقیقت نماز کی مراقبہ حق کا ہے دل سے تعظیم کے طور پر اور کام میں رکھنا حواس اور قوی اور جوارح اور اعضا کا یعنے اللہ تعالیٰ کی طرف دل اور جان اور سب جوڑ بندوں کو عاجزی سے متوجہ کر دینا اور یہ بات اِن تفرقوں کی گنجایش نہیں رکھتی یعنی دلکو ماسوی اللہ کی طرف لگانے سے اسطرح کی جمعیت حاصل نہیں ہوتی **الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ** وے لوگ وہ ہیں کہ سب عبادتوں اور طاعتوں میں اپنی نمود کرتے ہیں یعنی فقط اپنی نماز ہی کو برباد نہیں کیا بلکہ تمام اعمالوں کو اپنے بسبب ریا اور سمعہ کے حبط کر دالتے ہیں یعنی کیا کچھا برابر ہو جاتا ہے اور ریا ایک شاخ ہے شرک کی چھپی ہوئی بلکہ شرک سے بھی قوی ہے دو وجہ سے اول تو یہ کہ ریا والا لوگوں کو خدا سے زیادہ عزیز رکھتا ہے دوسرے یہ کہ شرک محض طاعت میں کرتا ہے کہ مقام توحید اور اخلاص کا ہے نہ استعانت اور استمداد میں کہ دنیا کے کاموں سے متعلق ہیں پس وہ حقیقت میں کفر کی سخت قسموں سے ہے اعاذنا اللہ منہ **وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ** اور منع کرتے ہیں برتنے کی چیزوں سے اور تفسیر میں ماعون کی اختلاف ہے اکثر صحابیوں اور تابعین سے روایت ہے کہ ماعون زکوۃ ہے اور ریا والا زکوۃ نہیں دیتا اسواسطے کہ واجب نفقے جیسے جورو بچے اور اقربا اور مہمان اور فقیروں کے جو وہ ادا کرتا ہے تو فضیحتی کے خوف سے کہ اگر ادا نکریگا تو حاکم سے کہکے زبردستی لینگے اسواسطے کہ یہ حق بندوں کے ہیں اور وے لوگوں کے سامنے محکمے میں طلب کر سکتے ہیں اور زکوۃ تو فقط خدا ہی کا حق ہے پھر جو خدا سے نہیں ڈرتا ہے تو اُسکو کا ہیکو ادا کریگا اور بعضوں نے کہا ہے کہ ماعون سے مانگے دینا گھر کا اسباب مراد ہے جسکا دینا پڑوسیوں اور محتاجوں کو مروج ہے جیسے ہانڈی دیگچہ پیالہ کٹورا سوئی دھاگا ڈول کلھاڑی پھاوڑا اور اسی قسم کی اور چیزیں اور آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ ماعون کیا چیز ہے فرمایا کہ آگ اور پانی اور نمک اور یہ بھی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی کسی کو آگ دیتا ہے پھر جو کچھ اُس سے پکتا ہے گویا کہ یہ سب اُسنے دیا اور نمک بھی اسیطرح سے ہے اور جو کوئی کسیکو پانی دیتا ہے ایسی جا پر کہ وہاں پانی کا قحط نہو تو ایسا ہے کہ جیسے بردہ آزاد کیا اور اگر ایسی جا پر دے کہ وہاں پانی نایاب ہے تو گویا مردے کو زندہ کیا

سورۃ الکوثر

یہ سورت مکی ہے اور اسمیں تین آیتیں اور بارہ کلمے اور بیالیس حرف ہیں اور اس سورت کے نازل ہونیکا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ صلعم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے دو صاحبزادے تھے قاسم اور عبد اللہ کہ ملقب تھے طیب اور طاہر کے ساتھ اور یہ دونوں صاحبزادے بچپن میں پے در پے گذر گئے تو کافر بطور طعن کے کہنے لگے کہ یہ پیغمبر ابتر ہے یعنی نسل اُسکی منقطع ہو گئی اب اسکے کوئی نہیں ہے کہ دین کو اُسکے برپا اور قائم رکھے گا قریب ہے کہ اسکا دین جاتا رہیگا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کی خاطر مبارک کی تسلی اور تشفی کے واسطے یہ سورت نازل فرمائی اور اس سورت کا نام سورۂ کوثر اسواسطے رکھا ہے کہ اسمیں ذکر کوثر کا ہے اور وہ ذکر دلالت کرتا ہے رسول اکرم صلعم کے کمال بزرگی اور مرتبے کی بلندی پر قیامت کے دن کہ سب اگلے اور پچھلے انبیا اور رسول اُسدن پیاس کی حالت میں اس حوض کے پانی کے محتاج ہونگے اور کوثر لغت میں بہتی چیز کو کہتے ہیں مشتق ہے یعنے نکلا ہے کثرت سے اور بہت اولاد کو بھی شامل ہے جو آنحضرت صلعم کو دی ہے اور اولاد کی دو قسم ہیں ایک حقیقی اور دوسری مجازی سو اُن دونوں قسموں کی کثرت آپکو اسقدر ہے کہ کسی پیغمبر کو عشر عشیر یعنے سواں حصہ بھی اُسکا حاصل نہیں ہوا اور علم کثیر کو بھی شامل ہے سو کثرت

علم کی بھی اس امت میں جو کچھ کہ ہے ظاہر ہے اسواسطے کہ جو علم پہلوں کے جیسے یونانیوں اور فارسیوں اور ہندیوں کے تھے سب انکو پہنچے اور ان علموں کو اس امت کے عالموں نے اس طرح پر تحقیق اور صاف کر دیا ہے کہ ان علم والوں کو بھی میسر نہیں ہوا تھا اور سوائے اسکے اور علم نئے مثل نحو اور صرف اور معانی اور بیان اور تفسیر اور حدیث اور اصول اور فقہ اور علم حقایق اور معارف کے جو اس امت کو عنایت الٰہی سے ملے ہیں ہرگز اگلوں کو اسکی خبر بھی نہ تھی اور بہت علموں اور خزانوں اور سلطنتوں کو بھی شامل ہے جو اس امت کو اسکے فضل اور کرم سے عنایت ہوئے ہیں لیکن کوثر کا لفظ عرف میں خاص نام ہے اس حوض کا جو قیامت کے دن حشر کے میدان میں آنحضرت صلعم کو عنایت ہوگا اور حقیقت میں وہ حوض ایک نمونہ ہے خیر کثیر کا اور اس وسعت اور کشادگی کے کمال کا جو آنحضرت صلعم کی ذات مبارک سے مخصوص ہے اور اسی سبب سے کہا ہے کہ قرآن اور جاننا اسکا کوثر ہے اور نماز پنجگانہ کو بھی کوثر کہا ہے اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو بھی کوثر کہا ہے اور حقیقت الامر وہی ہے جو پہلے ذکر ہو چکا اور حوض مذکور میں بموجب احادیث صحیحہ کے پانی آتا ہے ایک جنت کی نہر سے اور وہ نہر بھی خاص آنحضرت صلعم کے واسطے ہے اور اسکا نام بھی کوثر ہے اور معراج کی رات کو وے سب نہریں آنحضرت صلعم کو دکھلا دی ہیں چوڑاؤ اس نہر کا ایک مہینہ کے رستے کے برابر ہے اور کناروں پر اسکے خیمے موتیوں کے اندر سے خالی کئے ہوئے کھڑے کئے ہیں اور آبخورے سونے اور چاندی کے آسمان کے تاروں کی مانند اس نہر کے کناروں پر چنے ہیں اور گرداگرد اس نہر کے درخت لگے ہیں جنکی جڑیں سنہری اور شاخیں زمردی اور کنکر پتھر اسکے موتی اور یاقوت ہیں اور مٹی اسکی مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور پانی اسکا شہد سے میٹھا اور دودھ سے سفید اور برف سے ٹھنڈا ہے جو کوئی ایک گھونٹ ایکبار اس سے پیے لذت اور مزا اسکا کبھی نہ بھولے اور نہ کبھی اسکو پیاس لگے ✦

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ مقرر دیا ہمنے تجھ کو حوض کوثر کو ثر کے دینے کی نسبت پہلے سے اپنی طرف فرمائی اسواسطے کہ مخاطب پیغمبر بلند قدر تھے اور انکی نظر بخشش اور نعمت پر نہیں پڑتی انکا منظور نظر منعم اور بخشنے والے کی ذات پاک کے سوائے اور کچھ نہیں اسی لئے تاکید کے واسطے پھر اعطینا میں منعم کو کر مذکور کیا گویا اشارہ اسبات کی طرف ہے کہ ہر چند نظر تیری بہت بلند ہے ان چیزوں کی طرف خیال نہیں ہے لیکن جو ہماری دی ہوئی ہے تو واجب التعظیم ہے **فَصَلِّ لِرَبِّكَ** پھر نماز پڑھ اپنے پروردگار کے واسطے ایسی بڑی نعمت کے شکرانے میں ہر چند کہ شکر کے مقام پر جو عبادت کرے مقبول ہے لیکن یہ نماز ایسی عبادت ہے کہ دنیا میں نمونہ کوثر کا ہے یعنی مناجات پروردگار کی اسمیں شہد سے زیادہ میٹھی ہے اور انوار غیبیہ کہ اسمیں چمکتے ہیں دودھ سے زیادہ سفید ہیں اور وہ یقین کہ اس سے حاصل ہوتا ہے برف سے بھی زیادہ سرد اور جو لطف اور دل کی چین نماز پڑھنے والے پر نازل ہوتی ہیں مسکے سے بھی زیادہ نرم ہے اور سنن اور آداب کہ اسکو گھیرے ہوئے ہیں اور زندگی معنوی کی سرسبزی کے نشان ہیں مانند درختوں کے مقرر کئے ہیں اور ذکر اور تسبیحیں کہ ہر رکن میں مقرر ہیں مانند چاندی سونے کے برتنوں کے ہیں کہ محبت الٰہی کی شراب گھونٹ گھونٹ انسے باطن میں جاتی ہے اور شوق کی پیاس کو تسکین بخشتی ہے اور اس جگہ ایک فرمایا لنا انفرنا تاکہ اسبات کی طرف اشارہ ہو کہ وہ شکر کہ مناسب تیری بزرگی اس ذات پاک کے ہے کسی بشر سے ادا نہیں ہو سکتا اور انتہا ہر بشر کے شکر کی یہ ہے کہ مقابل مرتبہ ربوبیت اللہ تعالیٰ کے ہو بہ نسبت اس شخص کے اور جو کوثر کو عوض فرزندوں کے آنحضرت صلعم کو عنایت فرمایا ہے تو لازم ہوا کہ ایک اور شکر فرزند دینے کے شکرانے کی قسم سے آنحضرت صلعم طلب کیا اسواسطے فرمایا کہ **وَانْحَرْ** یعنے قربانی کر جیسا کہ اور لوگ فرزند عطا ہونے کے بعد عقیقہ کو قربانی کرتے ہیں اور حقیقت نحر اور ذبح کی یہ ہے کہ شکر الٰہی کے مقام میں مال اور جاہ کا اور دوسری مرغوب چیزوں کا خرچ کرنا معمول سب آدمیوں کا ہے لیکن جان دینا دستور نہیں ہے اسیواسطے اس شریعت میں جان دینے کے عوض میں ذبح کرنا جانور کا مقرر ہوا ہے تو ظاہر میں مال دینے کی صورت اور حقیقت میں حقیقت جان دینے کی ہوئی اور یہ بھی سمجھ لیا چاہئے کہ آپ کو یا اپنے بیٹے کو یا اپنے غلام کو ذبح کرنا اس شریعت میں جایز نہیں ہے اسواسطے کہ جان آدمی کی کسی کی ملک نہیں ہوتی سوائے خدا کے اسیواسطے مار ڈالنا غلام اور لونڈی کا روا نہیں ہے ملکیت آدمی کی آدمی پر صرف ملک اور منافع اور کمائی پر اسکے ہوتی ہے پھر جب آدمی سے اسکی لونڈی یا غلام کی جان طلب کی ہے تو اس حکم کی تابعداری سوائے اسکے کہ جان کسی جانور کی جو خاص اسیکا پالا ہوا ہو یا کسی اور آدمی کا دے چارہ اور علاج نہیں ہے اور یہی ایک نکتہ اور بھید ہے اسبات میں کہ قربانی سوائے چار قسم کے جانور کے کسی اور پر درست نہیں ہے ایک اونٹ دوسری گائے تیسرے بھیڑ چوتھے بکری کہ حقیقت میں نفع لینا آدمی کا انہی چار قسم سے ہے جیسے گھی دودھ

دہی ہل چلانا بوجھہ لادنا کھیتی کرنا نسل کو پالنا بخلاف دوسرے جنگلی جانوروں اور درندوں کے کہ یہ بات اُنمیں نہیں پائی جاتی **اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ** بیشک دشمن تیرا وہی ہے پچھا کٹا اور لفظ ابتر کا عرب کی اصطلاح اور محاورے میں اُس شخص کے حق میں بولتے ہیں کہ نسل اُسکی باقی نرہے اور ذکر خیر اُسکا جاری نہوا اور اس آیت میں اشارہ اسبات کی طرف ہے کہ نسل ظاہری اور باطنی تمہاری قیامت تک باقی رہیگی اور تمہاری اُمت منبروں و مناروں پر چڑھکے تمہارا نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ پکارا کرینگے اور پانچوں وقت نماز میں اور سوائے اسکے تمپر درود بھیجا کرینگے اور تمہاری محبت میں جانبازیاں کرینگے اور ہزاروں عاشق تمہارے نام کو اپنا طریقہ کرکے ہر سال تمہاری قبر کی زیارت کو دوڑینگے پس ذکر خیر تمہارا اسقدر جاری رہیگا اور دشمن تمہارا ایسا گمنام ہوگا کہ کوئی نام بھی اُسکا نہ لیگا مگر لعنت اور پھٹکار کے ساتھ تو حقیقت میں ابتر اور پچھا کٹا دشمن ہی تمہارا ہے +

سورۃ الکافرون

یہ سورت مکی ہے اسمیں چھ آیتیں اور چھبیس کلمے اور ننانوے حرف ہیں اور اُسکے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ قریش کے کافروں میں سے ایک جماعت نے جیسے ابوجہل اور عاص بن وائل اور ولید بن مغیرہ اور اسود بن عبد یغوث اور اسود بن عبد المطلب نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی پیغام بھیجا کہ تم ہمارے معبودوں کی تابعداری کرو اور بُرا نہ کہو اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں اُنکی شفاعت کا اقرار کرو تو ہم بھی تمہارے معبود کی بزرگی کے قائل ہوں اور اُسکی عبادت کریں حق تعالیٰ نے اُنکے اسبات کے جواب میں یہ سورت بھیجی اور اس سورت کو سورہ کافرون اسواسطے کہتے ہیں کہ اس سورت کے مضمون میں کمال جدائی ہے مسلمانوں میں اور کافروں میں عبادت کے مقدمے میں جسکے واسطے سب پیدا کئے گئے ہیں +

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کہہ تو اے محمد کہ اے کافرو اور مراد کافروں سے وے لوگ ہیں کہ جو کفر ہی کی حالت میں مرگئے اسواسطے کہ جو شخص آخر کو ایمان لایا عنداللہ کافر نہیں ہے گو کہ ظاہر میں لوگوں کی نظر میں کافر معلوم ہوتا ہے **لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ** نہیں پوجتا ہوں میں اُس چیز کو جسکو تم پوجتے ہو اسواسطے کہ معبود تمہارا پتھر ہے یا درخت یا پانی یا آگ یا ستارہ یا شیطان یا فرشتہ یا روح کسی بزرگ کی اور ان سب چیزوں کو میں لائق عبادت کے نہیں جانتا ہوں اور اگر تم اُنکو معبود ٹھہرائے ہو اس اعتقاد سے کہ وے چیزیں معبود حقیقی کے مشابہ ہیں یا معبود حقیقی اُنمیں سما گیا ہے یا ایک ہوگیا ہے تو حقیقت میں عبادت تمہاری نہیں ہوئی مگر اُس چیز کی طرف جو معبود نہیں ہے **وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ** اور نہ تم پوجنے ہو اُس چیز کو جسکو میں پوجتا ہوں یعنی ہر چند کہ تم اپنے معبودوں کو صفات الٰہی کا مظہر جانکر پرستش کرتے ہو لیکن صفات الٰہی کا ظہور مخلوقات میں موافق اُنکی استعداد کی فراخی کے ہے اور کوئی مخلوق اسبات کی لیاقت نہیں رکھتی ہے کہ صفات الٰہی کما حقہ اُسمیں ظہور فرماویں والا وہ مخلوق مخلوق نہوگی اور اگر تم اُن مظہروں میں کمال ظہور کا اعتقاد رکھتے ہو تو حقیقت میں اُس اعتقاد سے صفات الٰہی میں نقصان لازم آتا ہے تو کسی طور سے ذات الٰہی معبود تمہاری نہیں ہے **وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ** اور نہ میں پوجنے والا ہوں اُس چیز کو جسکو تمنے پوجا ہے یعنی اگر میں عبادت کرتا ہوں اسماے الٰہیہ کو اور تم عبادت کرتے ہو صورتوں کو اسموں کی اور اعلیٰ کی عبادت کرنے سے ادنیٰ کی عبادت لازم نہیں ہوجاتی **وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ** اور نہ تم پوجنے والے ہو اُس چیز کو جسکو میں پوجتا ہوں اسواسطے کہ عبادت تمہاری فقط صورتوں کو ہے اسموں کی اور میری عبادت اُن اسموں کی حقیقت کی طرف رجوع ہونیوالی ہے **لَكُمْ دِيْنُكُمْ** تمکو تمہارا دین جسمیں مظہر مشتبہ ہوگیا ہے ظاہر سے اور صورت مشتبہ ہوگئی ہے حقیقت سے **وَلِيَ دِيْنِ** ۞ اور میرے واسطے میرا دین جسمیں کسی طرح کا التباس اور اشتباہ نہیں ہے پس یہ دونوں دین نہ اصول میں مشارکت رکھتے ہیں نہ فروع میں اور نہ تماثل کی صورت میں اور اس مضمون کو دو جگہ پر مکرر لانا محض اسیواسطے ہے کہ مشرکین دو قسم کے ہیں ایک قسم تو وہ ہیں کہ اپنے معبودوں کو صفات الٰہی کے کمال کا مظہر اعتقاد کرتے ہیں اور اُنکی عبادت کو خدا کی عبادت جانتے ہیں اور دوسری قسم وہ لوگ ہیں کہ غرض اُنکی اسماء الٰہی کی عبادت ہے لیکن صورتوں کے پردے میں اور اہل حق کے نزدیک یہ دونوں مردود ہیں سو اُن دونوں فرقوں کی نفی کے واسطے اس عبارت کو مکرر لائے ہیں اور بعضوں نے حال اور استقبال پر جو لَاۤ اَعْبُدُ وَلَا

انا عابد کے لفظ سے مفہوم ہوتا ہے حمل کیا ہے اور ایک طائفہ نے حال اور ماضی کی نفی پر کافروں کی طرف سے جو ما تعبدون وما عبدتم کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے حمل کیا ہے واکلل محتمل یعنی ان سب معنوں کا احتمال ہو سکتا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی اس سورے کو پڑھے تو گویا چوتھائی قرآن پڑھا اور تفسیر کواشی میں لایا ہے کہ اس سورت کو اور سورۂ اخلاص کو مشقشقتین کہتے ہیں اور جو کوئی کہ اس سورت کو اور سورۂ اخلاص کو پڑھیگا تو کفر اور نفاق سے پاک رہیگا اور مسنون ہے کہ فجر کی سنت کی اول رکعت میں اس سورت کو پڑھے اور دوسری میں قل ہو اللہ احد کو اور مشہور یہ بات ہے کہ یہ سورہ منسوخ ہے قتال کی آیت سے لیکن تحقیق یہ ہے کہ منسوخ نہیں ہے اسواسطے کہ اس سورت کا مضمون مسلمانوں اور کافروں کے دین کی کمال جدائی اور فرق کے بیان میں ہے نہ یہ کہ کافروں سے بالکل تعرض نکرنا مسلمانوں کے دین میں جہاد اور قتال بھی داخل ہے پس منسوخ ہوا اسکا قتال کی آیت سے کسیوجہ سے ثابت نہیں ہوتا

سورۃ النصر

یہ سورت مدنی ہے اور اس سورت کو سورۂ فتح بھی کہتے ہیں اسمیں تین آیتیں اور اُنیس کلمے اور اناسی حرف ہیں اور اس سورت کو سورۂ تودیعہ بھی کہتے ہیں اسواسطے کہ اس سورت کا مضمون آنحضرت صلعم کی وفات کے نزدیک ہونے سے خبر دیتا ہے اور اُمت کے رخصت کرنے کا حکم ہے اور اس سورت کا مضمون یہ ہے کہ جب انبیاؤں سے وہ کام جو دنیا میں اُنکے ہونے پر موقوف تھا سر انجام پا چکا تو چارنا چار اُنکو رجوع الی اللہ اور داخل ہونا عالم ارواح میں ضرور ہوا اسواسطے کہ عالم فانی بھرا ہوا دکھ درد وں کا اور نقصانوں کا ہے رہنے کی جائے اس قسم کے ارواح مقدسہ کی نہیں ہے فقط ضروری کاموں کی تدبیر کیواسطے انکو اس ناقص گھر میں نازل کرتے ہیں اور ضرورت کی قدر انکو یہاں رکھتے ہیں اب معلوم کیا چاہئے کہ وجود ہمارے پیغمبر صلعم کا اس دنیا میں کون کونسے ضروری کاموں کے واسطے تھا اور وہ ضروری کام کب سر انجام کو پہنچے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بیچ دین میں خلل ڈالنے والی اور سیدھی راہ سے بہکانیوالی چار چیزیں ہیں اول نفس دوسرے شیطان تیسرے کفار جو شوکت اور حکومت رکھتے ہوں چوتھے منافق بدباطن کہ چھپے چھپے لوگوں کے دلوں میں شبہے ڈالتے ہیں اور اگلے انبیا نفس اور شیطان کے شر اور وسوسے کو دفع کرنیکے واسطے مبعوث ہوتے تھے اسواسطے کہ شر ان دونوں کا سب شروں کی جڑ ہے اور کفار اور منافق بھی تابعدار اُن دونوں کے ہیں اور آنحضرت صلعم کے مبعوث کرنے میں ان چاروں چیزوں کا دفع کرنا علیحدہ منظور ہوا اسیواسطے فوج کشی اور جہاد اور ملک گیری اور مفسدوں باغیوں اور بٹماروں کی تنبیہ کا طریقہ اور حدوں اور تعزیروں کا جاری کرنا بدکاروں پر اُنکے دین کی اصل میں داخل ہوا ہے اور اس شریعت کی صورت یا دشاہت کی صورت پر ہوئی اور آنحضرت صلعم نے ابتدائے بعثت سے درجہ بدرجہ نبوت کو ترقی دیکر خلافت کبریٰ کی انتہا کو پہنچایا اور جب اس کام سے فارغ ہوئے تو انکو اپنے حضور میں بلوایا اور تیس برس تک کہ آنحضرت صلعم کی خلافت کا زمانہ تھا چار یاروں نے کہ اس اُمت کے افضل تھے قاعدے خلافت کے جاری کرکے ایک دستور العمل پچھلوں کے واسطے چھوڑ گئے +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ جب آئی مدد اللہ کی یعنی کافروں پر شمشیر اور سناں کے استعمال سے یعنی جہاد کے حکم سے اور منافقوں اور بدعتیوں پر حجت اور دلیل قائم کرنے سے اور نفس پر ذکر کے غلبہ اور اسکی کثرت سے اور شیطان پر پرہیزگاری کے لازم پکڑنے سے **وَالْفَتْحُ** اور آئی فتح مکہ کی اور دوسرے کفر کے مکانوں کی اور لوٹنا بتخانوں کا اور کھلنا علموں کے مشکلات کا اور باطنی احوال کا اور فتح کا ذکر کرنا نصرت کے بعد اشارہ اسبات کی طرف ہے کہ فتح ہر مرتبہ میں فرع اور تابع نصرت کے ہے پس فتح شہروں کی اور بتخانوں کی کفار پر نصرت پانے کے تابع ہے اور فتح علوم کی دفع ہونے شبہوں سے منافقوں اور بدمذہبوں پر نصرت پانیکے تابع ہے اور فتح احوال سنیہ کی اور مقامات علیہ کی تابع ہے نصرت پانیسے نفس اور شیطان پر پس نصرت اشارہ ہے اوائل درجے کے مرتبے کی طرف اور فتح اشارہ ہے انتہا اور کمال کے مرتبے کی طرف گویا وہ حرکت کہ نقصان سے کمال کی طرف شروع ہوئی تھی انتہا کو پہنچی اور اسیواسطے فرمایا ہے **وَرَاَيْتَ النَّاسَ** اور دیکھیگا تو لوگوں کو یعنی عرب کو اسواسطے کہ اول نبی ہونا پیغمبر صلعم کا انہی کی طرف تھا اور جب وہ اس دین میں داخل ہو چکے تو دوسروں کو بزور شمشیر اور حجت اور برہان کی قوت سے اور نفس اور شیطان کے فریبوں کے دفع کرنے سے اس دین میں داخل کرینگے اور نہیں تو داخل ہونا اُنکا ناقص ہو **يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ** داخل ہوئے ہیں دین میں اللہ کے یعنی اس دین میں جسمیں شرک اور بدعت اور نفاق اور فجور کا دخل نہیں ہے بلکہ حق سے باطل کی طرف میلان

بھی مطلق نہوگا اَفْوَاجًا گروہ کے گروہ اور قبیلے کے قبیلے ہر چند کہ شروع نبوت سے لوگ اس دین میں داخل ہوتے تھے لیکن ایک ایک دو دو اور تفصیل ان
تینوں باتوں کی اس صورت سے ظہور میں آئی کہ ہجرت سے ایک برس کے بعد قوت اڑنے بھڑنے کی بہم پہنچی اور انصار جانبازی میں مشغول ہوئے تو وہ زمانہ نصرت
کے ظہور کا تھا اور مکہ کی فتح کے بعد بڑے بڑے ملک اور شہر کفار کے لینا شروع ہوگیا اور نویں سویں سال میں خلق کا رجوع ہونا اور پے در پے آنا اسلام میں
گروہوں اور قبیلوں کا ظاہر ہوا چنانچہ بنی اسد اور بنی فرازہ اور بنی کنانہ اور بنی مرہ اور بنی ہلال اور بنی امر بحجیب اور دارم اور دوسرے تمیم کے بطنوں کا اور عبد القیس
کے قبیلے اور نبوطی اور یمن کے اور شام کے اور عراق کے لوگ اطراف اور جوانب سے آنحضرت صلعم کی خدمت میں پہنچے اور انمیں سے بعضوں نے نفس اور شیطان
کے جہاد پر اور بعضوں نے کفار اور منافقوں سے جہاد کرنے پر آنحضرت صلعم کی صحبت کی برکت سے کمر باندھی اور تیار ہوگئے اور چار یار کبار ابتدائے نبوت سے اسوقت تک
آنحضرت صلعم کی صحبت میں اور خدا کی راہ کے رفیق اور مشورہ دینے میں اور مددگاری میں ہر مقدمہ کی دل اور جان سے حاضر تھے اور آنحضرت صلعم کے طور اور وضع
ابتدائے نبوت سے انتہائے خلافت تک کما حقہ دریافت کئے تھے پس اس حالت میں آنحضرت صلعم کے وجود شریف کی ضرورت نرہی تھی اسیواسطے آنحضرت صلعم کی نزدیک
اجل آ پہنچی اور انکو مامور دوسری چیز کی طرف فرمایا یعنی فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ پھر پاکی بول اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور یہ اشارہ اسبات کی طرف ہے
کہ عارف کو بعد سیر اور سلوک تنزیہی اور تحمیدی کے انتہا کی ایک اور راہ کھولتے ہیں اور اسکی حقیقت متفرد اور یکتا ہونا عارف کا ہے اس کمال کے ساتھ جو اسکو نصیب
ہوا ہے اور کوئی شخص اس کمال میں شریک اسکا نہیں ہے وَاسْتَغْفِرْهُ اور گناہ بخشوا اس سے اور یہ اشارہ ہے اسبات کی طرف کہ جب عارف تکمیل کے مرتبے
کو پہنچا اور ہر طرح کے لوگ اسکے تابع ہوئے اور انکی استعداد میں نقصان اور کمال میں بہت تفاوت رکھتی ہیں تو اسکو ضرور چاہیئے کہ ناقص کی تکمیل کے واسطے
طلب بخشش کی کرے کہ وہ سب استعداد اصلیہ کے نقصان اسکی اتباع کے سبب سے قیامت کے دن اسکی کمال استقلالی کی طرف کھینچ جاویں اور یہی حقیقت ہے شفاعت کی
إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا مقرر وہ بڑا بخشنیولا ہے ناقصوں کے حق میں اور تکمیل رحمت کی فرماتا ہے پس اس سے بعید نہیں ہے کہ تیرے تابعداروں کو تیرے طفیل کامل سے
کامل کرلیے اور یہ سورت سب سورتوں سے پچھلی ہے اسکے بعد کوئی سورت نازل نہیں ہوئی ہے اور آنحضرت صلعم اسکے نازل ہونیکے بعد ہمیشہ یہ دعا زبان پر جاری رکھتے
تھے سبحانك اللهم وبحمدك اللهم اغفرلي اور یہ بھی منقول ہے کہ آپکے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جب یہ سورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
سنی تو روئے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیوں روئے فرمایا کہ میں اس سورت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سنتا ہوں +

سورۂ تبت

یہ سورت مکی ہے اسمیں پانچ آیتیں اور بیس کلمے اور اکیاسی حرف ہیں اور اسکے نازل ہونیکا سبب تھا کہ جب آیت وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ کی
نازل ہوئی یعنی ڈرا اپنے نزدیک کے ناتے والوں کو خدا کے عذاب سے تو آنحضرت صلعم گھر سے نکلکر کوہ صفا پر گئے اور ہر ایک کو اپنے نزدیک کے ناتے والوں سے آواز دی
جب سب جمع ہوئے تو بعد اسکے فرمایا کہ اگر میں کوئی بات جو عقل میں نہ آتی ہو تمسے کہوں تو تم یقین کروگے مثلاً میں کہوں کہ ایک بڑا لشکر تمہارے لوٹنے کو
اس پہاڑ کے پیچھے کھڑا ہے تم یقین کروگے سب کہنے لگے ہاں فرمایا کہ میں تمکو ڈراتا ہوں خدا کے اس عذاب سے کہ اگر اطاعت میری نکروگے اور قرآن شریف پر
ایمان نلاؤگے تو تمپر آویگا ابو لہب کہ اسکا نام عبد العزیٰ تھا اور وہ سوتیلا چچا آنحضرت صلعم کا تھا سخت کلمے آنحضرت صلعم کی جناب میں کہے اور بولا
کہ تونے اسیواسطے ہمکو بلایا اور جمع کیا ہلاکت باد ترا جیسے ہندی میں کہتے ہیں تو غارت ہو جیو یہ سورت جواب میں اس خبیث کے نازل ہوئی اور اس سورت
میں اس خبیث کو کنیت کے ساتھ یاد فرمایا ہے باوجود اسبات کے کہ کنیت عرب کے نزدیک صیغہ تعظیم کا ہے دو طور سے اول تو یہ کہ نام اسکا عبد العزیٰ تھا اور
نام شرک کا ہے اور اہل توحید کے نزدیک نام نہایت مکروہ ہے دوسرے یہ کہ اسکی کنیت اسکے دوزخی ہونے پر دلالت کرتی ہے اسواسطے کہ لہب آگ کے شعلے کو کہتے
ہیں ہر چند کہ اسکے باپ نے اسکے چہرے کی دمک کے سبب سے جو آگ کے شعلے کی مانند تھی یہ کنیت مقرر کی تھی لیکن حقیقت میں اسکے دوزخی ہونیکا سبب ہوئی
اور جورو ابو لہب کی ام جمیلہ کہ ابو سفیان کی بہن تھی وہ بھی آنحضرت صلعم کی عداوت میں نہایت کوشش کرتی تھی یہانتک کہ ببول کے کانٹوں سے
اور دوسرے کٹیلے درختوں کے گٹھے جنگل سے لاکر آنحضرت صلعم کی راہ میں رات کو بکھیر دیتی تھی کہ صبح کو نماز کے واسطے جو مسجد الحرام کو تشریف لیجاویں تو

انکے پاؤں میں چبھیں آخر اسی کام میں مرگئی کہتے ہیں کہ ایک روز گٹھہ کانٹوں کا سر پر رکھا تھا اور اسکی رسّی اپنے گلے میں خوب لپیٹ لی تھی اتفاقاً وہ گٹھا سر سے ڈھلک پڑا اور وہ رسّی اسکے گلے میں پھنس گئی آخر اسی حالت میں گلا گھٹ کر مرگئی اور دوزخ کا کندہ ہوئی اور اسیطرح سے ابولہب بھی آخر عمر تک آنحضرت صلعم سے نہایت عداوت رکھتا تھا یہانتک کہ بارہا مارنے کو بلکہ شہید کرنے کو آنحضرت صلعم کے قصد کیا لیکن حافظ حقیقی کی حمایت سے ہمیشہ اُس خبیث کے شر سے محفوظ رہے چنانچہ سیر اور تواریخوں میں مذکور ہے اور دو صاحبزادیاں آنحضرت صلعم کی حضرت رقیہؓ و حضرت ام کلثومؓ اسکے دونوں بیٹوں سے کہ انکا نام عتبہ اور عتیبہ تھا منسوب تھیں ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ اگر میری رضامندی چاہتے ہو تو اس علاقہ سے ہاتھ اٹھالو نہیں تو زندگی بھر تمہارا منہ نہ دیکھونگا اُسکا بڑا بیٹا جسکا نام عتبہ تھا یہ بات سنکر چپ رہا اور دوسرا بیٹا جسکا نام عتیبہ تھا کمال بیحیائی سے اُس مجلس سے اٹھکر آنحضرت صلعم کی مجلس میں آکر بولا کہ میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دی اور کچھ دوسری نالایق باتیں بھی بکا آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ بارخدایا ایک کتا اپنے کتوں میں سے اسپر مقرر کردے آخر کو اسکو شام کے سفر میں شیر نے پھاڑ کھایا اور اس سورت کا یہ مضمون ہے کہ ابولہب اگرچہ نسب اور مال اور جاہ اور ثروت اور ریاست کے سبب سے دنیا کی بڑی شرافت رکھتا تھا لیکن پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور دین حق کے انکار کے سبب سے ہلاک اور تباہ ہوا اور دونوں جہان کی روسیاہی اسکو نصیب ہوئی پس ہر شخص کو چاہیے کہ ان چیزوں پر یعنے حسب اور نسب اور مال اور جاہ پر مغرور نہو اور ہمیشہ راہ اللہ کی درگاہ کے مقربوں سے درست کرے یعنی انبیاؤں کے انکار سے توبہ کرے اسیواسطے آنحضرت صلعم نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہؓ کو اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بعد نازل ہونے اس سورت کے فرمایا کہ لا املك لكم من الله شيئاً یعنے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ درست کر رکھو میں ہاں تمہارے واسطے کچھ نہیں کرسکتا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ ہلاک ہوگئے دونوں ہاتھ ابولہب کے اب سمجھ لیا چاہیے کہ انسان کے نفس میں دو قوتیں ہیں ایک قوت علمی اور دوسری قوت عملی قوت علمی وہ ہے جس سے جانتا ہے اور بوجھتا ہے اور قوت عملی وہ ہے کہ جسکے سبب سے نیک اور بد کام اُس سے صادر ہوتے ہیں سو دونوں ہاتھ سے اشارہ ان دونوں قوتوں کی طرف ہے یعنے ہلاک ہوگیا اُسکا عمل اور اعتقاد اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے نیک اور بد عمل مراد ہوں اور بد عملوں کی ہلاکی تو ظاہر ہی ہے کہ برا پھل لاتے ہیں اور نیک عمل کی ہلاکی یہ ہے کہ کفر کے سبب سے نیک پھل نہ لایا بلکہ بیفائدہ گیا اور بعضوں نے ظاہر اور باطن کے عملوں پر قیاس کیا ہے اور بعضوں نے قوی اور ضعیف جانب پر حمل کیا ہے اور یہ سب ہوسکتے ہیں **وَّتَبَّ** اور ہلاک ہوگیا وہ آپ یعنی اُس خبیث کے اعتقادوں اور عملوں کی ہلاکی اور خرابی اُسکی ذات کی ہلاکی کا اور اُسکے جوہر نفس کی فساد کی خرابی کا سبب پڑی یہانتک کہ کوئی سبب اُسکی درستی کا باقی نرہا **مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ** کچھ کام نہ آیا اسکو مال اُسکا اور جو کمایا جیسے نام اور جاہ اور اولاد اور نوکر چاکر اور دوست اور آشنا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مال سے مال موروثی مراد لیا جائے اور ما کسب سے اپنا کمایا ہوا مال جیسا کہ بعضوں نے کہا ہے اور بعضوں نے فرزند مراد لئے ہیں اب اسکے مال اور کسبوں کا بیان فرماتے ہیں کہ یہ چیزیں دنیا میں اسکو البتہ کچھ نفع کرسکتی ہیں لیکن آخرت میں جو بڑی احتیاج کی جائے ہے اور سدا رہنے کا گھر ہرگز نفع نہ کرینگی اسواسطے **سَيَصْلٰى نَارًا** اب پڑیگا آگ میں یعنی مرنے کے ساتھ ہی اسکو آگ میں ڈالینگے اور انتظار قیامت کے آنے کا اُسکے واسطے نکرینگے بخلاف اور کافروں کے **ذَاتَ لَهَبٍ** بڑے شعلے والی میں اسواسطے کہ کفر اُسکا اوروں کے کفر سے بہت زیادہ ہے اس سبب سے کہ آنحضرت صلعم کا رشتے میں بہت قریب یعنے چچا تھا سوتیلا اور خصلتوں کی نیکوئی اور بات کی سچائی اور امانتداری جو آنحضرت صلعم میں بچپن سے پائی جاتی تھی بخوبی واقف تھا پھر باوجود ان سب باتوں کے نہایت دشمنی اور عداوت آپ سے رکھتا تھا اور اُسکے عذاب کے زیادہ ہونیکے اسبابوں میں سے ایک یہ ہے کہ اسکی محبوبہ کو اُسکے روبرو جلا دینگے اسیواسطے فرمایا ہے **وَّامْرَاَتُهٗ** اور جورو اسکی یعنی جس طرح اسکی عداوت آنحضرت صلعم کے ساتھ جورو کے سبب سے زیادہ ہوئی تھی اسیطرح عذاب بھی اُسکا عورت کے عذاب دیکھنے سے زیادہ ہوگا **حَمَّالَةَ الْحَطَبِ** یعنے مراد لیتا ہوں میں وہ عورت جو ایندھن اُٹھاتی ہے یعنے دوزخ میں بدلا اُسکا جو دنیا میں کرتی تھی یعنی کانٹوں کے گٹھے لاکر آنحضرت صلعم کی راہ میں بکھیرتی تھی **فِيْ جِيْدِهَا** اُس عورت کی گردن میں جو زر اور جواہر پہننے کی جگہ ہے **حَبْلٌ** رسّی ہے

مِنْ مَسَدٍ کھجور کی چھال کی جو خوب بٹی ہوئی ہو اور خاصیت اس رسی کی یہ ہے کہ جب پسینے سے بھیگتی ہے تو اینٹھتی ہے اور گلا گھونٹ ڈالتی ہے اور موافق اس کلام کے جو اسکی شان میں آیا ہے اسی طور سے وہ مری واللہ اعلم اور اس سورے میں اشارہ ہے اسبات کی طرف کہ مال کا کمانا مردوں کا کام ہے اور انکے ذمہ ہے اور گھر کی خدمت یہانتک کہ جمع کرنا کھانے پکانے کے اسباب کا جیسے ایندھن وغیرہ عورتوں کا کام ہے اور انکا ذمہ ہے +

سورۃ الاخلاص

یہ سورت مکی ہے اسمیں چار آیتیں اور پندرہ کلمے اور سینتالیس حرف ہیں اور اس سورت کے نازل ہونیکا سبب یہ تھا کہ کافروں کے سرداروں کے ایک گروہ نے آنحضرت صلعم کے حضور میں آکر سوال کیا کہ تم ہمارے خداؤں کو تو برا کہتے ہو اور انکی عاجزی اور ناتوانی بیان کرتے ہو اور طرح طرح کے عیب انمیں بتاتے ہو بھلا کہو تو تمہارا خدا کیا صفت رکھتا ہے اور کس چیز سے پیدا ہوا ہے اور اس سے کیا چیز پیدا ہوتی ہے اصل و فرع اسکی کیا ہے آنحضرت صلعم نے سکوت کیا پھر جبرئیل یہ سورت لائے اور بعضی روایتوں میں یوں بھی آیا ہے کہ کافروں کے سوال میں یہ بھی تھا کہ کیا چیز ہے اور کیا کھاتا ہے اور کیا پہنتا ہے اور اسکو خدائی کس سے ملی ہے اور اسکی میراث کون لیگا اور مشیر اور مددگار اسکا خدائی کے کارخانہ میں کون ہے اور اس سورت کو سورۂ اخلاص کہتے ہیں اسواسطے کہ یہ سورت مسلمانوں کے دلوں کو حق کی معرفت کیواسطے خالص کرتی ہے اور اسکی ذات و صفات کی دریافت کیواسطے اور اس جگہ پر جاننا چاہئے کہ آدمی کی معرفت کی انتہا حقتعالی کی حقیقت اور کنہ کے دریافت میں یہ ہے کہ اسکی ذات پاک کے خواصوں کو جو اس ذات کو لازم ہیں دریافت کرلے اور بس اسواسطے کہ اللہ تعالی کی ذات مقدس بسیط ہے یعنے جز اور ٹکڑے اسمیں پائے نہیں جاتے اور کسی علت کی معلول بھی نہیں ہے یعنے اسکے وجود کا کوئی سبب نہیں ہے اور ہر چیز کے دریافت کرنے کا طریقہ عالم میں چار طور پر منحصر ہے یعنی چار علتیں اسکے واسطے ضرور ہیں پہلے اس چیز کے مادے کا دریافت کرنا یعنی اصل اسکی کیا ہے دوسرے اسکی صورت کا دریافت کرنا کہ کس طرح کی ہے تیسرے اسکی علت کا دریافت کرنا چوتھے اسکی غرض کا معلوم کرنا کہ یہ چیز کس کام کی ہے سو پہلے تینوں طریقے یہاں نہیں ہوسکتے اسکا بیان یہ ہے کہ جیسے کسی شخص نے تخت کی حقیقت سے سوال کیا تو اسکا جواب چار طور سے ہوسکتا ہے یعنی اسکے جواب میں چار چیزیں بیان کی جاویگی اول اسکے مادے کو بیان کرینگے کہ لکڑی کے تختوں اور لوہے کی میخوں سے بنا ہے اور اسکو علت مادی کہتے ہیں دوسری صورت اسکی بیان کرینگے کہ چوکھنٹی ہے یا لمبی اور اسکو علت صوری کہتے ہیں تیسرے اسکے بنانیوالے کو بیان کرینگے کہ نجار نے بنایا ہے اور اسکو علت فاعلی کہتے ہیں چوتھے اسکی غرض کو بیان کرینگے کہ یہ چیز بیٹھنے کے واسطے بنی ہے اور اسکو علت غائی کہتے ہیں سو حقتعالی کی جناب میں پہلے تینوں طریقے ممکن نہیں ہیں تو ضرور ہوا کہ چوتھے پر اکتفا کی جاوے لیکن جناب الٰہی کی پاکیوں کا بیان کرنا ضرور ہوا تاکہ پوری تمیز اور جدائی حاصل ہووے پس اللہ کا لفظ تمام غرضوں کو شامل ہے جو عالم کی نسبت سے اسکی ذات پاک سے خیال کی جاتی ہیں جیسے خالقیت اور رازقیت اور داد و دہش اور معبود ہونا اور سوا اسکے اسیواسطے اللہ کے لفظ کو شروع اس صورت کا کیا تو گویا یہ بات فرمائی کہ صفت اسکی یہ ہے کہ معبود اور پیدا کرنیوالا اور بنانیوالا اور رزق دینیوالا اور زندہ کرنیوالا اور مارنیوالا ہے اور سب عالم کے ضروریات اسی سے پائے گئے ہیں اور آخر تک اسی سے تعلق رکھینگے اور جو یہ بات عوام کے خیال میں علیحدہ علیحدہ مشترک تھی تو سلبیہ صفتوں کا ملانا اسکے ساتھ ضرور ہوا تاکہ وہ اشتراک وہمی بھی دور ہوجاوے اور توحید خالص حاصل ہووے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ کہہ تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم **ہُوَ اللّٰہُ** وہ جسکو تم پوچھتے ہو اللہ کی ذات ہے جو سب کمال کی صفتوں کو جامع ہے اور جو کچھ عالم میں دیکھا یا سنا جاتا ہے سب اسی کی حیات اور علم اور ارادے اور قدرت اور کلام اور سمع اور بصر سے ہے اور سوائے اسکے جو جواہر اور اعراض پائے جاتے ہیں سب اسی کے وجود سے ہیں **اَحَدٌ** یگانہ ہے جو نہ شریک رکھتا ہے نہ جز یعنی نہ جز عقلی نہ جز خارجی نہ بالفعل نہ تحلیلی اور اسکے کمال بسیط ہونے کی طرف اشارہ ہے جو احد کا لفظ لائے ہیں اسواسطے کہ واحد کا لفظ شریک اور عددی کی نفی میں اکثر بولا جاتا ہے نہ اجزا کی نفی میں جیسا کہ کہتے ہیں زید انسان واحد ہے اگرچہ ہاتھ پیر آنکھ ناک کان اور سوا اسکے بہت اجزا رکھتا ہے اسی سبب سے اسکو احد نہیں کہتے ہیں پس احد وہ ہے کہ کسی طرح سے قسمت اور بانٹ اسمیں ہو نہ سکے اور یہ بات خاص اسی ذات پاک میں پائی جاتی ہے اور کسی میں نہیں پائی جاتی **اَللّٰہُ الصَّمَدُ** اللہ کے لفظ کو پھر مکرر لائے تاکہ اسبات کی طرف اشارہ ہو کہ باوجود اس صرف بسیط اور مجرد احد

کے اسکو ہم کمال کی صفتیں ثابت کرتے ہیں اسواسطے کہ اُسکا صمد ہونا انہی صفتوں کو تقاضا کرتا ہے اور صمد کے معنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمائے
ہیں کہ صمد وہ ہے جو کسی کا محتاج نہو اور سب اُسکے محتاج ہوں اور وجود کا سلسلہ بغیر ایک ایسی ذات کے جو صمد کی صفت سے موصوف ہو قائم نہیں رہ سکتا اسواسطے کہ
عالم میں بالکل احتیاج دیکھی جاتی ہے اور جب ہر چیز دوسرے کی محتاج ہوئی تو ضرور ہوا کہ ایک ایسی ذات ہو کہ سب کی احتیاج اُسکی طرف منتہی ہو اور وہ محتاج
کسی کی نہو اور اگر ایسا نہو تو احتیاج کا سلسلہ منقطع نہو تو حقیقت میں اُس ذات پاک کے خواصوں میں سے دو چیزیں یہاں ذکر کی گئی ہیں ایک احد ہونا
دوسرے صمد ہونا اور باقی صفتیں انہی دونوں صفتوں سے نکلی ہیں **لَمْ يَلِدْ** نہ جنتا ہے اسواسطے کہ اگر کسی چیز کو جنے تو حقیقت میں وہ چیز اسکی
شریک ہو جاویگی اور جب شریک ہوئی تو اُس سے بے پروائی حاصل ہوئی اور جب اُس سے بے پروائی ہوئی تو وہ صمد نرہا **وَلَمْ يُولَدْ** اور نہ جنا گیا ہے کسی چیز سے
اسواسطے کہ اگر کسی سے جنا گیا ہو تو اُسکا محتاج ہوتا اور محتاج ہوتا تو صمد نہوتا اور جب صمد ہوا تو **وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ** یہی صفت اسکی ہوگی یعنی اور
نہیں ہے اُسکے واسطے کوئی برابری والا اسواسطے کہ اگر اُسکا کوئی ہمسر ہوتا تو وے دونوں ایک چیز میں شریک ہوتے اور دوسری چیز میں دونوں علیحدہ علیحدہ
خاص ہوتے تو اُسکی ذات پاک یگانہ نہوتی بعضے علما نے کہا ہے کہ کبھی شرکت عدد میں ہوتی ہے تو اُسکی احد کی لفظ سے نفی فرمائی اور کبھی شرکت مرتبے اور منصب میں
ہوتی ہے تو اُسکی صمد کی لفظ سے نفی فرمائی اور کبھی شرکت نسب میں ہوتی ہے تو اُسکی لم یلد ولم یولد سے نفی فرمائی اور کبھی شرکت کام اور تاثیر میں ہوتی ہے تو
اُسکی لم یکن لہ کفوا احد سے نفی فرمائی اور اسی سبب سے اس سورت کو سورۂ اخلاص کہتے ہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ باطل مذہب والے دنیا میں پانچ فرقے ہیں پہلا فرقہ دہریہ
کا جو کہتے ہیں کہ اس عالم کا کوئی پیدا کرنیوالا نہیں ہے کسی طرح سے یہ اسباب جمع ہو کے یہ کارخانہ بنگیا ہے سو مسلمان آدمی نے جس وقت ہُوَ کی لفظ کو اپنی زبان سے نکالا تو اُس
باطل عقیدے سے اُسکو جدائی اور بیزاری حاصل ہوئی دوسرا فرقہ فلاسفہ کا جو کہتے ہیں کہ عالم کا پیدا کرنیوالا تو ایک ہے مگر کوئی صفت نہیں رکھتا یعنی جو تاثیریں
کہ عالم میں پائی جاتی ہیں وے کسی سبب سے ہیں نہ اُس ذات واحد سے اور حقیقت میں ہندوؤں کا مذہب بھی یہی ہے اور جب مسلمان آدمی نے اللہ کی لفظ کو جو سب
کمال کی صفتوں کی جامعیت پر دلالت کرتی ہے مُنہ سے نکالا تو اس فرقے کے عقیدے سے خلاصی حاصل ہوئی تیسرا فرقہ ثنویہ کا جو کہتے ہیں کہ سب عالم کا پیدا
کرنیوالا ایک نہیں ہو سکتا ہے اسکو کئی پیدا کرنیوالے چاہئیں اور جب مسلمان آدمی نے احد کی لفظ کو اللہ تعالیٰ کی صفتوں سے جانا تو اس شرک سے نجات پائی۔
چوتھا فرقہ گمراہوں کا اہل کتاب ہے جیسے یہود اور نصاریٰ اعتقاد رکھتے ہیں کہ عالم کا پیدا کرنیوالا دوسری مخلوقات کی طرح سے جورو اور اولاد بھی رکھتا ہے چنانچہ
حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو حقتعالیٰ کے بیٹے اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو جورو کہتے ہیں اور جب مسلمان آدمی نے لم یلد ولم یولد کہا تو اس عقیدے سے
بالکل الگ ہوا اور اسی قسم سے ہیں وے تشبیہیں جو یہود اور نصاریٰ نے باری تعالیٰ کی جناب میں ایجاد کی ہیں اور اُس جناب پاک کو دوسری مخلوقات کی طرح
چیزوں کا محتاج جانتے ہیں سو ان تشبیہوں کے رد کے واسطے صمد کی لفظ جو تمام احتیاج کی نفی پر دلالت کرتی ہے کافی ہے پانچواں فرقہ مجوسیوں کا جو کہتے ہیں
کہ عالم کے دو خالق ہیں ایک کا نام یزداں اور جتنی اچھی چیزیں ہیں سب اُسکی پیدا کی ہوئی ہیں اور دوسرے کا نام اہرمن اور اُسکو قوت تاثیر میں یزداں کی برابر
جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جتنی چیزیں تاریک اور ایذا دینیوالی ہیں اور سب بدیاں اور برائیاں اُسکی پیدا کی ہوئی ہیں اور ہمیشہ یزداں کے لشکر اور اہرمن کے لشکر
سے جھگڑا رہتا ہے سو کبھی یزداں غالب ہو جاتا ہے اور اُسکا حکم جاری ہوتا ہے تو عالم میں بھلائیاں غالب ہوتی ہیں اور کبھی اہرمن کا لشکر زور کرتا ہے تو عالم
میں برائیاں پھیل پڑتی ہیں سو اس عقیدے کے رد کے واسطے لم یکن لہ کفوا احد کو آخر سورت میں لائے اور یہ بھی کہا ہے کہ آدمی مرکب ہے نفسی اور عقلی اور قلبی اور
روحی اور سری لطیفوں سے اور نفس کی معرفت کی انتہا یہ ہے کہ لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد کو دریافت کرے اسواسطے کہ نفس جس چیز کو شہویہ یا غضبیہ
قوت سے حاصل کرتا ہے تو ان دونوں حالتوں سے خالی نہیں ہوتی یعنی یا کسی چیز سے وہ پیدا ہوتی ہے یا عالم میں کوئی دوسری چیز اُسکے برابر موجود ہے اور جو پروردگار
کو سب سے جو ذات اعلیٰ اور برتر جانتے ہیں تو لاچار ان صفتوں کی اُس سے نفی کرتے ہیں اور اس سے برتر عقل کا مرتبہ ہے اور اُسکی معرفت کی انتہا مضمون اللہ الصمد کا ہے
یعنی اللہ ایسی چیز ہے کہ احتیاج کا سلسلہ اُس سے منقطع ہو جاتا ہے اور وہ محتاج دوسرے کا نہیں ہوتا اسواسطے کہ اسباب اور مسببات کا علم عقل کو دیا ہے سو عقل ہر چیز
کو ایک سبب کا محتاج جانتی ہے اور اُس سبب کو دوسرے سبب کا اور یہی سبب ہے کہ دین و دنیا کی تدبیریں کرنا جو عقل کا کام ہے سو وے تدبیریں اسباب کے ملاحظہ پر موقوف ہیں

پس آدمی کی عقل کی دریافت کی انتہا اُس ذات پاک کی حقیقت میں اسیقدر ہے کہ وہ ذات پاک عالم اسباب ور مسببات سے بلند اور برتر ہے اور دل کی شان یہ ہے کہ کسی مشہور حالوں سے ایک حال میں مستغرق رہے جیسے محبت ور خوف ور اُمید ور اعتماد اور دل کی معرفت کی انتہا احدیت کا مرتبہ ہے اور روح کہ عالم امر سے آئی ہے اور نفخت فیہ من روحی کے خلعت سے سرفراز ہوئی ہے اُسکی معرفت کی انتہا اپنی اصل کی طرف کھینچ لیجاتا ہے اور اسم ذات کے یعنی اللہ کے ذکر سے اُنس اور راحت پانا اور وہ بھید جسکا مرتبہ روح اُوپر ہے سوائے ہویت مستقلہ کے نہیں جانتا ہے اور اُسکا علم وجود کی خصوصیت کے دریافت میں منحصر ہے سوائے اسکے سو اس صورت میں وہ معرفت جو تمام لطائف انسانی سے متعلق ہے ارشاد فرمائی ہے تاکہ ہر لطیفہ اس معرفت سے بہرہ یاب ہو اور یہ بھی کہا ہے کہ کلمہ ہو کا عاشقوں اور والہوں کے واسطے ہے کہ اُس ذات پاک کے ملاحظہ میں اس درجہ کو مستغرق ہوگئی ہیں کہ سوای اسقدر کے یعنی ہو کے اُنکے سامنے کچھ نہیں رہا ہے اور کلمہ اللہ کا عارفوں کے نصیب ہے جو سب اسموں ور صفتوں میں اسکو پہچانتے ہیں ور ہر مرتبے کے حکموں کو جدا جدا جانتے ہیں اور احد کا لفظ خصوصیت سے اولیا اللہ کا ہے جو اس ذات واحد کو ہر کثرت میں اسی وحدت کی صفت سے ملاحظہ کرتے ہیں ور لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد کے معنے عام مسلمانوں کے نصیب ہیں کہ عقلی اور نقلی دلیلوں کی قوت سے اُس مرتبے تک پہنچتے ہیں ور جب ان سب معنوں کو کوئی شخص جمع کرے تب پورا موحد ہو در جاننا چاہئے کہ اس سورت کو حدیث شریف میں ثلث یعنی تہائی قرآن فرمایا ہے اور ایسا مقرر ہوا ہے کہ اس سورت کو جو کوئی پڑھے تو گویا تہائی قرآن اُس نے پڑھا سو اس فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا مقصد تین چیز سے باہر نہیں ہے یا اللہ تعالی کی ذات کی معرفت کا بیان ہے، یا وصول کے طریق کی معرفت کا بیان ہے کتابوں کے نازل کرنے سے اور پیغمبروں کے بھیجنے سے اور شریعتوں کے بیان کرنے سے یا اُس حالت کا بیان ہے جو جنت یا دوزخ میں پہنچنے کے بعد حاصل ہوگی اور یہ سورت ایک قسم کے بیان میں ان تینوں قسموں سے جو اشرف اور اول قسم کا ہے کافی ہے چنانچہ اُسکی توضیح اُوپر ہو چکی واللہ اعلم ✝

سورۃ الفلق

یہ سورت مدنی ہے اسمیں پانچ آیتیں ور تیئیس کلمے اور تہتر حرف ہیں ور فلق لغت میں صبح کی سفیدی کو کہتے ہیں جو رات کی اندھیری کو پھاڑ کے ظاہر ہوتی ہے اور رات کی تاریکی سے صبح کا ظاہر ہونا ایک نمونہ ہے وجود کے ظاہر ہونے کا نیستی کے پردے سے اسواسطے کہ نیستی کی حالت میں کچھ تمیز اور تشخیص نہیں ہے اور سب عالم پوشیدہ ہے اور جب وجود کے نور نے ظہور کیا تو ہر چیز معین اور مشخص ہوگئی اور ہر چیز کے نشان ور حکم اُسپر مرتب ہونے لگے ور یہ حالت بعینہ صبح کے نور ظاہر ہونے کی حالت ہے کہ اُسکے سبب سے سب چیزیں جدا جدا معلوم ہوتی ہیں اور حس ور حرکت عالم میں ظاہر ہوتی ہے اور رات کی تاریکی نیستی کا نمونہ ہے اور جو بُرائی یا بدی عالم میں پائی جاتی ہے تو حقیقت میں وجود عدم کیساتھ مختلط ہونے کے سبب سے ہوتی ہے تو سب برائیاں عدم کے ساتھ منسوب ہیں اور وجود کا نور اُن برائیوں کا دفع کرنیوالا ہے اور جو یہ سورت سب برائیوں سے پناہ مانگنے کے واسطے نازل ہوئی تو ابتدا میں اس سورت کے نور کے ظہور سے اشارہ ہونا ضرور ہوا اور اس سورت کی اضافت اِس نور کی طرف کرکے سورۂ فلق نام رکھا ہے اور یہاں پر ایک نکتہ بہت لطیف اور باریک ہے وہ یہ ہے کہ اس سورت میں ایک ہی صفت سے اللہ تعالی کی جو رب الفلق ہے تعوذ واقع ہوا ہے تین چیزوں کی بُرائیوں سے ایک تاریکی دوسرا سحر تیسرا حسد اور سورۂ ناس میں ایک چیز کی بُرائی سے یعنے شیطان کے وسواس سے حق تعالی کی تین صفتوں سے کہ رب الناس ور ملک الناس اور الٰہ الناس ہیں تعوذ واقع ہے سو یا سلئے ہے تاکہ اشارہ ہوا سیات کی طرف کہ دین کی حفاظت مقدم ہے جان اور بدن کی حفاظت سے اسواسطے کہ وسواس شیطانی دین کا خراب کرنیوالا ہے اور وے تینوں چیزیں یعنی تاریکی اور سحر اور حسد جان اور بدن کو ضرر پہنچاتیوالیاں واللہ اعلم ✝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ کہدے پناہ لینے والے کہ پناہ لیتا ہوں میں فلق کے پروردگار کی اور فلق لغت میں صبح کے معنوں میں ہے اور حقیقت میں اُس چیز کو کہتے ہیں جو پھٹے اور اُسمیں سے دوسری چیز نکل آوے تاکہ عجیب ور غریب نشانیاں اس نکلی ہوئی چیز سے ظاہر ہوں جیسے غلہ کا دانہ اور کھجور کی گٹھلی اور ہر درخت کا بیج یا جیسے پتھر اور زمین کہ اُنسے پانی نکلتا ہے یا جیسے باپ کی پیٹھ اور ماں کا پیٹ سو ان سب چیزوں کو فلق کا

لفظ شامل ہے اور فلق کی تخصیص اس جگہ اسواسطے ہے کہ مخلوقات کی برائی اکثر انکی اصل کی خباثت کے سبب سے ہوتی ہے اور چونکہ بوجہ اللہ تعالیٰ کی اصل اور فرع دونوں پر محیط ہے تو شر کے دفع ہونیکے واسطے التجا اصل کی طرف ضرور پڑی چنانچہ اگر کوئی شخص کسی کے نوکر سے کچھ خوف اور خطرہ رکھتا ہے تو ضرور اسکے آقا کی طرف رجوع کرتا ہے اور اگر اس سے بھی کچھ ایذا کا کھٹکا ہوتا ہے تو اس آقا کے آقا کی طرف رجوع کرتا ہے یہانتک کہ وہ آقائی کا سلسلہ تمام ہو جاوے اور یہ سلسلہ تمام نہیں ہوتا مگر رب کے پاس سو اسواسطے پہلے ہی سے التجا کی تعلیم رب ہی کی طرف فرمائی ہے تاکہ جھگڑا ہی چک جاوے **مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ** برائی سے اس چیز کی جو پیدا کی ہے یہانپر معلوم کیا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات تین قسم کی ہیں ایک تو وہ جنمیں خیر غالب ہے اور شر مغلوب بلکہ معدوم جیسے مقرب فرشتے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام دوسری قسم وہ ہیں کہ جن میں برائی غالب ہے اور بھلائی مغلوب ہے یا معدوم جیسے شیطان اور دوسرے موذی آدمیوں سے ہوں یا جنوں سے اور درندے اور چوپائے اور کیڑے مکوڑے جیسے سانپ اور بچھو تیسری قسم وہ ہیں کہ ان میں خیر اور شر دونوں موجود ہیں پھر کبھی کسی کے واسطے شر ہو جاتے ہیں اور کبھی کسی کے حق میں خیر جیسے دنیا کا مال اور جورو بچے یا دوسرے اسباب بلکہ اخلاق اور علوم اور [illegible] اور نسب اور دوسری صفات اور نسبتیں بھی یہی حکم رکھتی ہیں پس شر ما خلق سے خیر کی دونوں قسموں میں وہ بدی مراد ہے جو انمیں موجود ہے اور قسم اول کی نسبت [illegible] بدی [illegible] جیسے جادو [illegible] چیزوں کے ہے جیسے عبادت کا شر ریا اور سمعہ ہے اور ایمان کا شر نفاق و مرتد ہو جانا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا شر [illegible] انکی فرمانبرداری میں قصور کرنا ہے اور اولیاء اللہ کا شر انکے انوار صحبت سے محروم رہنا اور نہ پانا ہے وعلیٰ ہذا القیاس اسیواسطے کہا ہے شر الخیر تاخیرہ وشر العمل الصالح تقصیرہ یعنی خیر کی برائی اسمیں ڈھیل کرنا ہے اور دیر لگانا اور نیک عمل کی برائی اسمیں قصور کرنا ہے اور اس قسم کے شر کی نسبت نیک کی طرف کیا جاتا ہے چنانچہ عرف میں مشہور ہے کہ بچھو کا شر کاٹنا ہے اور [illegible] کا شر [illegible] ہے اور خوبصورتی کا شر بدنظری ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ شر ما خلق سے [illegible] مراد ہے یعنی شیطان لعین جو تمام شروں کا وہی شیطان ہے تو خاص اسی سے پہلے پناہ مانگی **وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ** اور شر سے اندھیری کے جب گھر آوے اور ہجوم کرے اندھیری چاہئے کہ اندھیری کبھی حسی ہوتی ہے یعنی ظاہر میں نظر پڑتی ہے اور کبھی معنوی سو جو نظر آوے رات کی اندھیری ہے کہ اسمیں بہت سی برائیاں ظاہر ہوتی ہیں اول تو پھیل پڑنا جنات کے شیطانوں کا ہے کہ اندھیری کی مناسبت کے سبب سے کھیل میں آتی ہیں اور [illegible] کی طرح اپنے اپنے مکانوں سے نکلکے لوگوں کو ایذا دیتے ہیں اسیواسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب رات آوے تو اپنے بچوں کو باہر نکلنے نہ دو کہ وہ شیطانوں کے منتشر ہونیکا وقت ہے دوسرے درندے جانوروں کا نکل پڑنا اور موذی کیڑوں کا بلوں سے باہر آنے کا وقت ہے جیسے سانپ اور بچھو تیسرے چوروں کا پھیل پڑنا لوگوں کے گھر بار لوٹنے کو چوتھے جادوگروں اور طلسم والوں کی قوت کا وقت ہے کہ آفتاب کے نور قاہرہ کے سبب سے انکے عمل انکو تاثیر کم کرتے ہیں پانچواں فسق اور فجور والوں کا مشغول ہونا گناہوں میں اور معنوی تاریکی بھی کئی قسم کی ہے پر ان سب میں بڑھکے وہم کی اندھیری ہے جو عقل کے نور پر غالب آتی ہے اور اشیاء کی حقیقتوں کو نظر سے چھپا دیتی ہے اور اسی کی شاخ ہے کفر کی اندھیری ہے اور گناہوں کی اندھیری اور برے اخلاقوں کی اندھیری اور بری صحبتوں کی اندھیری ہے سو اس آیت میں ان سب تاریکیوں سے پناہ واقع ہوتی ہے **وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ** اور بدی سے پھونکنے والیوں کی گانٹھوں میں یعنی نفوس خبیثہ کے شر سے جو شیطانوں کے نام جپنے سے اور انکے کلمے سے [illegible] کرکے جالوں میں اور بدنوں میں تاثیر کرتے ہیں اور یہی معنی ہیں سحر کے **وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ** اور بدی سے حسد کرنیوالے کی جب اپنے حسد کو ظاہر کرے اور اسکے موافق عمل میں لاوے اور یہ قید اسواسطے ہے کہ حاسد جبتک کہ اپنے حسد کو چھپاتا ہے تو اس چیز کا ضرر اسکی طرف پہنچتا نہیں ہے اور یہیں معلوم ہوا کہ حسد سب برائیوں سے زیادہ برا ہے اور حقیقت میں جو شر کہ تمام عالم میں پیدا ہوتا ہے سو یا ارادہ یا اختیار والوں سے ظہور میں آتا ہے جیسے لوٹ قتل ظلم ایذا دینا اور سحر اور سوا اسکے یا غیر ذوی الارادہ اور اختیار کی طبیعتوں سے جیسے غرق ہونا پانی میں اور جلنا آگ میں اور سوائے اسکے اور سب بدیوں سے بری بدی اختیار اور ارادے والوں کی ہے اور جڑ ان سب برائیوں کی حسد ہے اسیواسطے کہا ہے کہ اول گناہ جو آسمان میں واقع ہوا ابلیس کا حسد تھا حضرت آدم علیہ السلام سے اور اول گناہ جو زمین پر صادر ہوا سو قابیل کا حسد تھا ہابیل سے باقی رہے یہاں پر دو سوال اول تو یہ کہ جو پہلے تمام شروں سے مخلوقات کے پناہ مانگی گئی تو پھر جادوگروں اور حاسدوں اور تاریکیوں کے تفصیل کرنے کی حاجت نہ رہی تھی پھر کسواسطے ان تین چیزوں کا خاص ذکر فرمایا جواب یہ کہ سکتا ہے کہ ان تینوں گروہوں کا شر پوشیدہ اور

چھپا ہوتا ہے بخلاف دوسری مخلوقات کے شر کے کہ وہ ظاہر اور کھلا ہوتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ پوشیدہ شر بہت سخت ہوتا ہے کھلے شر سے اسواسطے پناہ مانگنا اُنسے خاص کرکے ضرور ہوا دوسرا یہ کہ غاسق اور حاسد کو کسواسطے نکرہ لائے ہیں اور نفاثات کو کسواسطے لام تعریف سے معرف کیا جواب سکا یہ ہے کہ لام تعریف کا استغراق کے واسطے ہے اور جادوگر بالکل شر ہیں کیونکہ سحر فی نفسہٖ گناہ کبیرہ ہے گو کہ اس سے شر کو دفع کرنا یا بھلائی کمانا منظور ہو اسیواسطے حربی کافروں کو جادو سے مارنا اور عورت کی طرف اُسکے خاوند کے دل کو پھیرنا جادو سے درست نہیں اور ہر غاسق اور ہر حاسد شر نہیں ہے کیونکہ بہت سی راتیں خیر سے گذرتی ہیں اور حسد ظالموں اور کافروں کا بد نہیں ہے تو حاسد اور غاسق محل استغراق کا نہ تھا اور تنکیر مناسب معلوم ہوئی +

سورۃ الناس

یہ سورت مدنی ہے اسمیں چھ آیتیں اور بیس کلمے اور اسی حرف ہیں اور اس سورت کو سورۂ ناس اسواسطے خطاب دیا ہے کہ حقیقتیں الٰہیہ اور کونیہ جو ناس کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اسمیں مذکور ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم ذکر اللہ کا اسواسطے ہے کہ اسماء اور صفات اور افعال ذات باری کے انسان میں روشن ہیں اور رحمٰن اسلیے لائے ہیں تاکہ نور وجود کے فیضان کے نزول کے بعد ناس کی تکمیل کیطرف اشارہ ہو اور رحیم اسواسطے لائے ہیں تاکہ جو بدی کہ انسان میں ہے یا اُس سے ظاہر ہوتی ہے اسے محافظت کی طرف اشارہ ہو اور ان دونوں سورتوں کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ لبید بن عاصم یہودی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا اور آنحضرت صلعم اُسکے جادو کے سبب سے بیمار ہو گئے تھے اور بعضے وقت ایسا جانتے تھے کہ مَیں نے یہ کام کیا ہے حالانکہ کیا نہ ہوتا تھا جب اس عارضہ کو چھ مہینے ہو گئے تو آنحضرت صلعم کو ایک رات خواب میں دکھلایا کہ دو فرشتے آئے ایک تو سرہانے اور دوسرا پائنتی آنحضرت صلعم کے بیٹھا اور آپسمیں پوچھنے لگے ایک بولا کہ اس سول کو کیا بیماری ہے دوسرے نے کہا کہ اسپر جادو کیا ہے پھر اُس نے پوچھا کہ کس نے اسپر جادو کیا ہے دوسرے نے کہا کہ لبید بن عاصم نے اُنکا بال انکی کنگھی سے لیا ہے اور انکی کنگھی کے دندانوں میں کمان کے چلّے سے گیارہ گرہیں لگائی ہیں اور اسکو کھجور کے پھول کے غلاف میں لپیٹ کر بیر ذروان میں پتھر کے نیچے دبا دیا ہے آنحضرت صلعم جب صبح کو اُٹھے تو اس کنویں کی طرف تشریف فرما ہوئے دو شخصوں کو اپنے یاروں میں سے اُس کنویں میں اُتارا اور پتھر کے نیچے سے اسکو نکال لائے اور جبرئیل یہ دونوں سورتیں لیکر نازل ہوئے ان دونوں میں گیارہ آیتیں ہیں پھر جب آپ ایک آیت کو پڑھکر گرہ پر پھونکتے تھے تو وہ گرہ کھلجاتی تھی اسیطرح سب گرہیں کھل گئیں اور آنحضرت صلعم کو صحت کلی حاصل ہوئی اور معوذتین پر قرآن شریف کے تمام ہونے کا نکتہ یہ ہے کہ جب نعمت تمام ہوتی ہے اور کمال کو پہنچتی ہے تو دشمن کے حسد اور فریب کے سوا کوئی خوف نہیں رہتا اسواسطے یہ مقام استعاذے کا تھا اور اس سورت میں استعاذہ شیطان کے شر سے خاص تین ناموں کے ساتھ فرمایا ہے رب اور ملک اور الٰہ اُسکی وجہ یہ ہے کہ شیطان کا داخل ہونا آدمی کے دل میں تین طرف سے ہے شہوت اور غضب اور باطل عقیدہ جسکو ہوا بھی کہتے ہیں سو رب کا نام شہوت کے شر کے دفع ہونیکے واسطے ہے اور ملک کا نام غضب کے شر سے دفع ہونیکے واسطے ہے اور الٰہ کا نام ہوا کے شر کے دفع ہونیکے واسطے ہے تو گویا یوں ارشاد ہوا کہ اگر شیطان تجھکو شہوت کی راہ سے وسوسہ ڈالے تو ربوبیت کو پروردگار کی نظر کر اور اگر غضب کی راہ سے پیش آوے تو پادشاہت اور عدل اور بدلا لینے کو اُسکے یاد کر اور اگر ہوا کی راہ سے ستاوے تو الوہیت کے مرتبے کی طرف التجا کر +

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ کہہ اے کہنے والے اگر شیطان کے شر سے پناہ چاہتا ہے تو **اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ** پناہ لیتا ہوں مَیں آدمیوں کے پروردگار کی خصوصیت کہ اللہ تعالیٰ کی پرورش سب مخلوقات کو شامل ہے لیکن تربیت کہ آدمیوں پر واقع ہے دوسری کسی مخلوقات پر نہیں ہوئی اسواسطے کہ انسان کا وجود تمام عالم کا نمونہ ہے گویا وہ ایک مختصر ہے حضرت الٰہیہ اور خلاصہ عالم کا جمع کرنیوالا اسکی تفصیل یہ ہے کہ وجود اور حیات اور علم اور ارادہ اور قدرت اور شنوائی اور بینائی اور گویائی یہ سب حضرت الوہیت کی صفتوں کا پرتو ہے اور حرارت اور برودت اور رطوبت اور یبوست یہ سب ربع عناصر کے بدلے ہیں اور وجود میں مرکب ہونیکے سبب سے معادن یعنی کھانوں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور غذا اور بڑھنے میں درخت اور جھاڑ کے مشابہ ہے اور حرکت میں اور خیال اور وہم کرنے میں اور لذت اور رنج پانے میں حیوان کی مانند ہے اور حیوان کی ہر قسم سے مشابہت رکھتا ہے جیسے غصہ اور جرأت کے وقت میں درندے اور پھاڑنیوالے سے مشابہت

پیدا کرتا ہے اور شہوت اور حرص کے وقت میں چارپائے چرنیوالے کی مانند ہوتا ہے اور مکر اور فریب اور حیلے اور اچھائی اور نیکبختوں کے خراب کرنے میں شیطان کی
ہے اور معرفت اور بندگی اور پاکی میں فرشتے مقرب کی مثل ہے اور حکمتوں کے جمع ہونے میں لوح محفوظ کی مانند ہے اور چیزوں کی صورتیں شاگردوں اور مریدوں
کے دلوں میں جو اسکی تاثیر کے سبب ثابت ہو جاتی ہیں اور قرار پکڑتی ہیں اسبات میں قلم اعلی کی مانند ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ آدمی کی ابتدا اور انتہا
کی تفاوت کو دیکھا چاہیے یعنے اُسکے نطفے کی حالت کو دیکھے کہ کس طرح کی نکمی چیز ہے پھر اسکو بعد بلوغ کے پھر ولایت اور نبوت کے مرتبے کو یہانتک کہ رسالت
کے خاتمیت کے مرتبے کو لحاظ کیا چاہیے جو اسکو نصیب ہوا ہے اور ان دونوں ادنی اور اعلی مرتبوں کو غور کرنا اور پھر اللہ تعالی کی ربوبیت اور پرورش کو تماشا
چاہیے کہ کیا تھا اور کیا کر دیا **مَلِكِ النَّاسِ** آدمیوں کے بادشاہ کی اس صفت کے بیان میں اشارہ ہے اسبات کی طرف کہ آدمیوں کو روح مدبر یعنی تدبیر کرنیوالی
عنایت ہوئی ہے اور قوتیں و ریاضت کرنیوالیوں اور حرکت کرنیوالیوں میں اس روح کو تصرف اور دخل دیا ہے سو روح آدمی کے بدن کے عالم میں بادشاہ مطلق
اور سب بدن اسکا ملک آباد کی مانند ہے اور قوتیں مرکز اور محرک اس بادشاہ کی فوج اور سپاہ کی مانند ہیں کہ یہ سب ایک کارخانہ ہے حق تعالی کی بادشاہت کے کارخانوں میں
اِلٰهِ النَّاسِ آدمیوں کے معبود کی۔ یہ صفت اشارہ ہے اسبات کی طرف کہ آدمیوں کو حقتعالی کی معرفت کا اور اُسکی عبادتوں کا اور اُسکی نزدیکی حاصل کرنے کا
شوق اصل پیدائش میں امانت رکھا ہے سو اسی پیدائشی شوق کے سبب ہر گروہ آدمیوں کا اس کام کی تلاش اور جستجو میں سرگردان اور پریشان ہے اور یہ شوق
گرفتاری تمام خلق کی ایک کرشمہ ہے اُسکی معبودیت کے کرشموں سے اور بعضے مفسروں نے ان تینوں صفتوں کی تفصیل میں اور اس ترتیب سے ذکر کرنے میں بیان ایسا
کیا ہے کہ آدمی بچپن کی حالت میں اپنے پرورش کرنیوالے کے سوائے دوسرے کو نہیں پہچانتا ہے اور بھوک پیاس کے وقت میں اُسکی طرف التجا کرتا ہے اور اگر کسی
سے ڈرتا ہے تو اُسی کی طرف بھاگتا ہے اسیواسطے لڑکا اُسوقت میں ماباپ کو پکارتا ہے اور اُنہی سے فریاد کرتا ہے اور جب اُن کا عقل تھوڑا ہے اور دیکھتا ہے کہ ماباپ
میری طرح بادشاہ اور امیر کے محتاج ہیں اور بادشاہ اور امیر روزی طلب کرتے ہیں اور بلا کے دفع کرنے میں بادشاہ یا امیر کی طرف التجا لیجاتے ہیں لاچار اُسکے
دل میں یہی بات بیٹھ جاتی ہے کہ جو کچھ ہے بادشاہ اور امیر ہے اُنکی نزدیکی جو دکھ کا جاننے کی انتظام کا سبب ہے ایسی حالت میں اُسکو بادشاہ اور امیر ہی پر اعتماد
اور جب اس حالت سے بھی آگے بڑھا اور دیکھا کہ بادشاہ اور امیر بھی بعضی چیزوں میں کچھ اختیار نہیں رکھتے بلکہ عالم غیب کی طرف التجا کرتے ہیں اور ادھر اپنے مطلب
جاری ہونے اور اپنے مقصد کے حاصل ہونے میں مدد طلب کرتے ہیں تب اُسے یقین ہوتا ہے کہ بادشاہ اور امیر بھی میری طرح دوسرے کے محتاج ہیں تو معلوم ہوا
دنیا کا کارخانہ دوسرے سے تعلق رکھتا ہے جسکو الہ کہتے ہیں سو ان تینوں صفتوں کا لانا یعنی رب اور ملک اور الہ کا اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر بندہ بچے کا سا مزاج
رکھتا ہے اور سوائے ربوبیت اور پرورش کے کچھ اور نہیں جانتا تو میں یہ بھی صفت رکھتا ہوں اُسکو چاہیے کہ میری طرف التجا کرے کہ میں رب الناس ہوں اور میری
ربوبیت اور پرورش عام ہے سب بنی آدم کو شامل بخلاف ماباپ کے کہ اُنکی پرورش اپنے بچوں کے واسطے خاص ہے اور اگر اس بندے کی عقل بلوغت کے حد کو پہنچی ہے
بادشاہ اور امیر کو مالک سب کا مانتا ہے تو یہ بھی صفت مجھ میں جیسی چاہیے ویسی پائی جاتی ہے اسواسطے کہ سلطنت میری سب آدمیوں پر بلکہ تمام
اور اگر تجربے سے معلوم کر لیا ہے کہ ماباپ اور بادشاہ اور امیر سب دوسرے کے محتاج ہیں جسکو الہ کہتے ہیں اور دن رات اُسی کو جپا کرتے ہیں تو اس صفت سے بھی
موصوف ہوں حاصل مطلب یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر حال میں اُسی کی جناب پاک میں التجا لیجایا چاہیے اور بیچ کے سببوں اور وسیلوں پر اعتماد کرکے
ٹھہرا چاہیے ؎ کسی سے بر آوے نہ کچھ کام جاں جو وہ مہرباں ہو تو کل مہرباں ؎ ہمرے تو تم ہی ہو اور تم لگ ہمری دوڑ ✤ جیسے کاگ جہاز
سوجھے اور نہ ٹھور ✤ **مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ** خیال سے فاسد اثر کے اور یہ اعوذ سے متعلق ہے یعنی پناہ لیتا ہوں ہر فاسد خیالات کی برائی سے
اور فاسد خیال کئی طرح سے نقصان پہنچاتے ہیں پہلے مزاج کے فاسد کرنے سے دوسرے نفس کی تدبیر میں تیسرے معرفت میں چوتھے عبادت میں پانچویں
حقتعالی کی نزدیکی کے سببوں میں اور آدمی کو ابتدائے عمر سے انتہا تک یہی کام درپیش ہیں اور جب اِن کاموں میں خلل پڑا تو عمر اسکی برباد گئی **الْخَنَّاسِ**
اُسکے جو بھاگتا ہے اور یہ وسواس کی صفت ہے اُسکے صاحب کے اعتبار سے اسواسطے کہ شیطان کی پیدائشی یہ بات ہے کہ حقتعالی کے ذکر اور قرآن شریف کی تلاوت سے
اور فرشتوں کے سامنے سے بھاگتا ہے اور اس صفت کا لانا اسواسطے ہے کہ شیطان مردود سے بچنا بہت مشکل ہے اور اُسکی بدی سے محفوظ رہنا سوا اسبات کے کہ رب الناس کی
جناب میں التجا کی جائے دوسری صورت ممکن نہیں ہے اسواسطے کہ جو دشمن سامنے ہوکے مقابلہ کرتا ہے اُسکا دفع کرنا آسان ہے برخلاف اُس دشمن کے جو سامنے نہو

چھپی دشمنی میں لگا ہو سو ایسے دشمن سے ہر وقت اور ہر آن بچنا لازم ہوا اور یہ بات بہت مشکل ہے اسیواسطے بادشاہوں اور حاکموں پر انکا دفع کرنا جو سامنے ہو کر صف جنگ میں لڑتے ہیں بہت آسان ہے ٹھگوں اور چوروں کے دفع کرنے سے اسواسطے کہ یہ لوگ قابو پاکر اپنا کام کر لیتے ہیں اور بھاگ جاتے ہیں اسی سبب سے انکا تدارک اور انتظام مشکل پڑ جاتا ہے مگر اس کھلے اور چھپے جاننے والے پر یہ سب آسان ہے **الَّذِي يُوَسْوِسُ** یہ دوسری صفت ہے وسواس کی یعنی وہ فاسد خیال ڈالنے والا جو برے برے وسوسے دلمیں ڈالتا ہے **فِي صُدُورِ النَّاسِ** آدمیوں کے سینوں میں سینے کے تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ نفس ناطقہ کے آثار حیوانیت سے مخلوط ہوکے فساد کا طور جلد جلد قبول کر لیتے ہیں برخلاف دوسرے اعضا کے اسواسطے کہ جگر میں تو برے خطروں کی جگہ نہیں ہے نفس ناطقہ نفس نباتی سے اپنا کام لیتا ہے اور دماغ میں اگرچہ فساد ہو سکتا ہے اسطرح پر کہ قوت وہمیہ عقلیہ قوت کو تشویش میں ڈالتی ہے لیکن اکثر اسکا فساد نفس حیوانیہ کے آثار بلند ہونے سے ہوتا ہے چنانچہ اس حکمت کے جاننے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے **مِنَ الْجِنَّةِ** یہ وسواس کا بیان ہے یعنے فاسد خیال دلمیں ڈالنے والا خواہ جن کی قسم سے ہو جیسے شیطان کہ دخانیت کے غلبے کے سبب سے پیدائشی تاریکی انمیں گھسی ہوئی ہے اور فاسد وسوسے اور انتظام کی بگاڑنیوالی تدبیریں انکی طبیعت کو لازم ہیں اور آتشی مزاج ہونے اور اسکی لطافت کے سبب سے گھس جانا ان جسموں کا انسان کی حیوانی روحوں میں بہت جلد اور سہل ہوتا ہے اور جو کہ جسم کہ ان فاسد تدبیروں اور باطل رایوں کے اٹھانیوالے ہیں اور انسانی روحوں سے مختلط ہوتے ہیں اور انکا اثر روحوں کو پہنچتا ہے اور روحیں ان تدبیروں اور رایوں کو اٹھانیوالی ہوتی ہیں اور انکے سبب سے بدنمیں حرکت اور سکون ظاہر کرتے ہیں اور گناہ انسے ظاہر ہوتے ہیں اسیواسطے آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم یعنی تحقیق شیطان خون کی طرح آدمی کی رگ اور پوست میں دوڑتا ہے اعاذنا اللہ منہ اور شیطان کے وسوسوں کی حد و نہایت نہیں ہے اکثر شیطان بدی اور فسق اور فجور کی طرف بلاتا ہے اور اگر کبھی بھولے سے طاعت اور نیکی کی طرف رغبت دلاتا ہے تو اسکا نیکی کی طرف بلانا دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو بڑی طاعت سے جسکا ثواب بہت ہے پھیر کے چھوٹی طاعت کی طرف جسکا ثواب بہت تھوڑا ہے رغبت دلاتا ہے جیسے عیادت کی یعنی بیمار کے دیکھنے کی رغبت دلاکر نماز کو چھڑا دے یا تھوڑی سی نیکی کو بڑی بدی کا سبب کر دیتا ہے جیسے ایک ٹکڑا روٹی کا فقیر کو دینا اور اسپر احسان رکھنا اور اس سے ہنسی اور مسخری کرنا اب یہاں تھوڑے سے شیطانی وسوسے جو آدمیوں کے دلونکو اکثر خراب کرتے ہیں بیان کیے جاتے ہیں چنانچہ انہی شیطانی وسوسوں سے ایک یہ بات ہے کہ عوام لوگوں کے دلوں میں وے باتیں جو انکی بوجھ اور فہم سے باہر ہیں ڈالتا ہے جیسے ذات اور صفات الٰہی کی تحقیق کا اور نبوت کے بھیدوں کا اور آخرت کے کاموں کا خطرہ اور جبر اور اختیار کے مسئلے کی تحقیق اور قضا اور قدر کے بھید اور صحابہ کی آپس کی لڑائی اور جھگڑے میں حق بات کی تفتیش کرنا یعنی حق کسکی طرف ہے یہ سب شیطانی وسوسے ہیں تاکہ رفتہ رفتہ عین تحقیق میں ان حقیقتوں کا انکار کر بیٹھیں اسواسطے کہ ان باتوں کی حقیقت وے لوگ بوجھ نہیں سکتے اور بعضوں کے دلوں میں واہی شبہے ڈالتا ہے جیسے بزرگوں سے شفاعت کی امید رکھنا اور تھوڑی سی طاعت پر بڑے ثواب کی امید رکھنا اور اللہ تعالی کی بخشش عام پر غرہ کرنا اور اسکے عذاب سے نڈر ہونا اور بعضوں کے دلونمیں اسکا عکس ڈالتا ہے یعنی اللہ تعالی کے کرم اور بخشش اور ثواب سے بالکل ناامید ہونا اور بت پرستونکو اللہ تعالی کی نزدیکی سے فریب دیتا ہے کہ انمیں اللہ کی نزدیکی ہے اور دیو اور پری اور جنات کی عبادت چھوڑنے میں دنیا کے نقصان سے خوف دلاتا ہے اور دلمیں ڈالتا ہے کہ اگر انکی طرف نہ جھکوگے اور انسے التجا نکروگے تو تمہاری اولاد مر جائیگی یا مال میں نقصان ہو جائیگا اور نماز پڑھنے والونکو پہلے ریا اور دکھلانا انکی نیت میں ملاتا ہے پھر رکعتوں اور رکنوں کے شمار کو بھلاتا ہے اور بعضونکو نیت کے اچھا جانتے میں اور قرارت کو راگ سے پڑھنے میں اور حرفوں کو مخرج سے نکالنے میں گرفتار کرتا ہے اور زکوٰۃ کے دینے میں فقیر ہو جانے سے ڈراتا ہے اور کبھی زکوٰۃ دی بھی تو ریا اور سمعہ اور تکبر سے اور فقیر پر احسان رکھنے سے اسکے ثواب کو باطل کر دیتا ہے اور حرام چیزوں میں مال خرچ کرنے کو نیک اور اچھا دکھاتا ہے اور ایسا خیال میں ڈالتا ہے کہ شہوت اور جاہ میں جو لذت ہے وہ کسی میں نہیں ہے اور غصے کے وقت ایسا دلمیں ڈالتا ہے کہ اگر تو غصہ نکریگا تو تو عاجز اور ذلیل ہو جائیگا اور اللہ کی عبادت میں اگر کسی طرح کی محنت یا مشقت ہوئی تو اسکو دونا چوگنا کر کے دکھاتا ہے اور بتوں کی عبادت کرنے میں بڑی بڑی مشقتیں کافروں کو آسان اور سہل دکھاتا ہے اور اللہ تعالی کی راہ میں مرنے کو حرام اور برا دکھاتا ہے اور یہاں پر جان کی محافظت کا خیال انکے دلونمیں ڈالتا ہے اور کافروں کو اپنی جان بتوں کے واسطے اور بیٹے اور خاوند کی محبت میں جلنا آسان دکھاتا ہے اور اسپر اٹھا کھڑا کرتا ہے اور کسی کو اپنی عورت خوبصورت زیور لباس سے آراستہ جو حلال وجہ سے موجود

اسکی طرف سے دلکو اسکے پھیرتا ہے اور بد اصل بدخلق نجس ناپاک عورتوں سے زنا کرنے کی طرف رغبت لاتا ہے اور امیروں کو لوگوں کے مال زبردستی لینے کی طرف حرص دلاتا ہے باوجود اسکے کہ انکے پاس مال اور اسباب بہت سا موجود ہوتا ہے اور انکو آدمی کو مار ڈالنا تھوڑے سے قصور کرنے میں آسان دکھاتا ہے آپ جاننا چاہئے کہ جو کچھ شیطان کے وسوسوں سے مذکور ہوا ہے ایک نمونہ ہے انکے فریبوں سے اور اگر انکے سب فساد اور برائیوں کی شرح کی جاوے تو ایک بڑا دفتر چاہئے لیکن ان سب کی علاج تین چیزیں ہیں پہلی یہ کہ انکے مکر اور حیلونکو پہچاننا اسواسطے کہ جب یہ معلوم ہوا کہ یہ عمل شیطانی ہے تو اسکا زور گھٹ جاتا ہے اور اسکی برائی کم ہوجاتی ہے جیسے چور کہ جب گھروالونکو جاگتا پاتا ہے تو بھاگتا ہے اور جیسے مکار فریبی آدمی کہ جب اسکو جانتا ہے کہ یہ میرے مکر اور فریب سے خوب واقف ہے تو اس سے ناامید ہوتا ہے دوسری یہ کہ انکے وسوسوں کو سہل جاننا اور اسکی طرف ہرگز التفات نکرنا اس صورت میں بھی اسکا شر کم ہوجاتا ہے جیسے کتا بھونکتا ہو کہ جسقدر اسکی طرف التفات کیجئے بھونکنا اسکا زیادہ ہوگا اور اگر کچھ بھی نہ بولئے تو آپ ہی آپ چپ ہوگا تیسرے یہ کہ ذکر قلبی اور لسانی پر ہمیشگی کرنا اور بری صفتوں سے جیسے شہوت اور غضب سے اپنے دلکو پاک رکھنا اسواسطے کہ شہوت اور غضب کے غلبے کی حالت میں ذکر کا اثر دل کے کناروں کی طرف بھاگ جاتا ہے اور شیطانی وسواس بیچ دلمیں آجاتا ہے اور اپنا کام کرجاتا ہے **وَالنَّاسِ** اور خواہ وہ وسواس ڈالنے والا لوگوں کی قوت متخیلہ ہو فاسد اعتقاد اور شہوت اور غضب کے غلبے سے جھوٹے خیال تمام روحوں اور قوتوں میں پھیر کے بگاڑنے والا طبیعت یا نفس کی تدبیر کا یا عبادت اور تقرب کے سببوں میں سستی کا یا معرفت میں خطا کا سبب پڑتا ہے اب سمجھ لیا چاہئے کہ ناس کا لفظ اس سورت میں پانچ جاسے پر واقع ہوا ہے لیکن لباب والے نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ حقیقت میں یہ تکرار نہیں ہے اسواسطے کہ پہلی جاپر ناس سے لڑکے مراد ہیں اور تربیت کا ذکر جو پرورش کے معنوں میں ہے انکے حال کے مناسب ہے اور دوسرے مقام پر جوان مراد ہیں اور ملک کا لفظ جو قہر اور سیاست کی طرف اشارہ کرتا ہے انکے حال کے بہت مناسب معلوم ہوتا ہے اسواسطے کہ شہویہ اور غضبیہ قوت انکے اندر کمال کو پہنچی ہے اسواسطے قہر اور سیاست انکی شان کے مناسب ہے اور تیسرے مقام پر بوڑھے مراد ہیں اسواسطے کہ الہ کا لفظ جو طاعت اور عبادت پر مبنی ہے انکے حال کے بہت مناسب ہے اور چوتھے مقام پر صلحا مراد ہیں کیونکہ اکثر شیطان نیکوں کے بگاڑنے پر کمر باندھتا ہے اور انکے سینوں میں وسواس ڈالتا ہے اور پانچویں مقام پر مفسد اور شیاطین مراد ہیں جنکا کام بہکانا اور وسوسہ ڈالنا ہے اور بعضے مفسروں نے یوں بھی کہا ہے کہ ناس کے لفظ کو اس سورہ میں پانچ مرتبے اسواسطے لائے ہیں کہ پانچ کا عدد عددی طبیعت کی راہ سے بھی شرافت رکھتا ہے اور معدود کی راہ سے بھی سو اسکی شرافت عددی طبیعت کی جہت سے اسواسطے ہے کہ وہ عدد دائرہ ہے اور دائرہ کے یہ معنی ہیں کہ جب اسکو اسکی ذات میں ضرب کریں اور حاصل ضرب کو پھر اسمیں ضرب کریں اسیطرح جہانتک چاہیں لیکن ہر صورت میں پانچ اصلی اسکے موجود رہیں اور اس عدد کے اخیر میں اپنے تئیں ظاہر کرتے رہیں جیسے پچیس اور ایکسو پچیس اور علی ہذا القیاس اور وہ شرافت جو معدود کی راہ سے ہے سو اسواسطے کہ ظہور حضرت حق کا مراتب کلیہ میں کہ انکو حضرات خمس کہتے ہیں پانچ میں ہیں اور خلاصہ تمام پیدائش کا کہ انسان ہے اسکی بھی انتہا پانچ اعضا پر ہے دو ہاتھ اور دو پاؤں اور ایک سر اور ہر ہر ہاتھ اور ہر ہر پاؤں میں بھی پانچ پانچ انگلیاں ہیں اور سر جو اکثر اوپر کی جانب سے علاقہ رکھتا ہے تو اسکا ظاہر حواس خمسہ ظاہری سے اور اسکا باطن دوسری پانچ حسوں کی قسم منتہی ہوتا ہے اور بعضے محققوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن کی ابتدا بے کے لفظ سے ہے اور انتہا سین کے لفظ پر بس یہ اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن مجید دونو جہان میں بس ہے چنانچہ حکیم ثنائی نے کہا ہے **شعر** اول و آخر قرآں زچہ با آمد و سین * یعنی اندر رہ دیں رہبر تو قرآن بس *

سے انجیل اور زبور اور فرقان کو پڑھا اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اور وکیع نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابلیس کو اپنی تمام عمر میں چار دفعہ نوحہ کرنے کا اور سر پر خاک ڈالنے کا اتفاق ہوا ہے ایک تو اسوقت کہ جسوقت اسپر لعنت ہوئی تھی اور دوسرے جسوقت کہ آسمان سے زمین پر پھینکا گیا۔ اور تیسرے جسوقت کہ حضرت صلعم نبی ہوئے اور خلقت کی طرف بھیجے گئے اور چوتھے جسوقت سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔ اور ابو الشیخ نے کتاب الثواب میں لکھا ہے کہ جس شخص کو کچھ حاجت ہووے تو چاہئے کہ سورہ فاتحہ پڑھا کرے اور بعد اسکے اپنی حاجت مانگا کرے تو ضرور ہے کہ اسکی حاجت کو حق تعالی برلاوے اور ثعلبی نے شعبی سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے شعبی سے شکایت درد گردن کی کی۔ شعبی نے کہا کہ تو اساس القرآن پڑھا کر اور درد پر دم کر لیا کر اس نے کہا کہ اساس القرآن کونسی سورہ ہے شعبی نے کہا کہ سورہ فاتحہ ہے۔ اور بعضے بزرگوں نے تجربہ کر کے لکھا ہے کہ سورہ فاتحہ اسم اعظم ہے اور پڑھنا اسکا ہر مطلب کو مفید ہے اور اسکے دو طریق ہیں اول یہ ہے کہ صبح کی سنت اور فرض کے درمیان میم بسم اللہ کے ساتھ الحمد للہ کے اکتالیس مرتبہ پڑھے اور چالیس روز تک ناغہ نکرے پھر جو حاجت ہووے حق تعالی اسکو روا کریگا اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مہینے کے اول یکشنبہ کو اور میان سنت اور فرض فجر کے بغیر ملانے میم کے ساتھ لام کے ستر مرتبے پڑھنا شروع کرے اور ہر روز اسیوقت دس دس بار کم کرتا جاوے یہانتک کہ ہفتہ کو ختم ہو جاوے اور اگر کسی پر جادو ہووے تو یہی سورت پانی پر دم کر کے چالیس روز تک پلایا کرے اور اگر چینی کے پیالے پر اس سورت کو گلاب و زعفران سے لکھکر چالیس روز تک پلایا کرے تو ہر مرض کو اور ہر جادو کو مجرب ہے۔ اور اگر دانت میں اور سر میں یا شکم میں کسی کے درد ہووے۔ اور اس سورت کو سات بار پڑھکر دم کر دیوے تو یہ بھی بہت مجرب ہے * تمام ہوئی تفسیر سورہ فاتحہ کی حق تعالی ہمکو اور سب بھائی مسلمانوں کو اسکا فائدہ نصیب کرے اور قرآن شریف کے معنی ہم سب کو سمجھا وے اور شرک اور بدعت سے باز رکھے اور اپنے بندوں کے گروہ میں ہمکو داخل کرے اور سلف کے طریقے کی ہمکو راہ دکھاوے۔ آمین آمین آمین یارب العالمین *